

انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کے ممتاز ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

# سید الصحابة

رضی اللہ عنہم

خلفائے راشدین

دارالاشاعت  
کراچی

رضی اللہ عنہم و رضوانہ (القرآن)  
اللہ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

مستند حوالوں سے ازواجِ مطہرات، بناتِ طاہرات اور اکابر صحابیات کے سوانح زندگی اور ان کے  
علمی، مذہبی، اخلاقی کارناموں کی تفصیل

# سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم

سیر الصحابیات / اسوہ صحابیات / اہل کتاب صحابہ و تابعین

جلد ششم

حصہ دہم، یازدہم<sup>(11)</sup> و دوازدہم<sup>(12)</sup>

بمعدہ رسالہ  
مسلمان عورتوں کی بہادری  
از  
سید سلیمان ندوی

تخریر و ترتیب

مولانا سعید انصاری صاحب مرحوم  
سابق رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ

اردو بازار ایم ای جٹ روڈ  
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

کمپوزنگ کے جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی  
طباعت : ۲۰۰۳ء علمی گرافکس کراچی  
ضخامت : ۴۷۷ صفحات

### قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

### ..... ملنے کے پتے.....

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی  
بیت القرآن اردو بازار کراچی  
ادارۃ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی  
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 ویب روڈ سبیلہ کراچی  
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی  
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی  
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

ادارۃ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور  
بیت العلوم 20 نا بھر روڈ لاہور  
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور  
مکتبہ امدادیہ نی بی ہسپتال روڈ ملتان  
یونیورسٹی بک انجمنی خیبر بازار پشاور  
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی  
مکتبہ اسلامیہ گامی اوڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ المعارف محلہ جنگلی۔ پشاور

### انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre  
119-121, Halli Well Road  
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.  
At Continenta (London) Ltd.  
Cooks Road, London E15 2PW

## فہرست مضامین سیر الصحابیات

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۰	۲۔ حضرت رقیہؓ	۱۳	دیباچہ طبع اول
۹۲	۳۔ حضرت ام کلثومؓ	۲۳	دیباچہ طبع دوم
۹۳	۴۔ حضرت فاطمہؓ		
	عام صحابیات	۱۵	صحابیات کے مذہبی کارنامے
۱۰۱	۱۔ حضرت امامہؓ	۱۷	سیاسی کارنامے
۱۰۳	۲۔ حضرت صفیہؓ	۴	علمی کارنامے
۱۰۵	۳۔ حضرت ام ایمنؓ	۱۹	عملی کارنامے
۱۰۷	۴۔ حضرت فاطمہ بنت اسدؓ	۲۰	انتخاب و ترتیب
۱۰۸	۵۔ حضرت ام الفضلؓ		ازواج مطہراتؓ
۱۱۰	۶۔ حضرت ام رومانؓ	۲۵	۱۔ حضرت خدیجہؓ
۱۱۲	۷۔ حضرت سمیہؓ	۳۲	۱۔ حضرت سودہؓ
۱۱۳	۸۔ حضرت ام سلیمؓ	۳۸	۳۔ حضرت عائشہؓ
۱۱۷	۹۔ حضرت ام عمارہؓ	۵۰	۴۔ حضرت حفصہؓ
۱۱۹	۱۰۔ حضرت ام عطیہؓ	۵۵	۵۔ حضرت زینب ام المساکینؓ
۱۲۱	۱۱۔ حضرت ربیع بنت معوذ بن عمروؓ	۶	۶۔ حضرت ام سلمہؓ
۱۲۳	۱۲۔ حضرت ام ہانیؓ	۶۸	۷۔ حضرت زینب بنت جحشؓ
۱۲۵	۱۳۔ حضرت فاطمہ بنت خطابؓ	۷۵	۸۔ حضرت جویریہؓ
۱۲۶	۱۴۔ حضرت اسماء بنت عمیسؓ	۷۸	۹۔ حضرت ام حبیبہؓ
۱۳۰	۱۵۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ	۸۲	۱۰۔ حضرت میمونہؓ
۱۳۵	۱۶۔ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ	۸۴	۱۱۔ حضرت صفیہؓ
۱۳۸	۱۷۔ حضرت شفاء بنت عبد اللہؓ		بناتِ طاہرات
۱۴۰	۱۸۔ حضرت زینب بنت ابی معاویہؓ	۸۸	۱۔ حضرت زینبؓ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۵۱	۲۵۔ حضرت ہند بنت عتبہ	۱۴۱	۱۹۔ حضرت اسماء بنت یزید
۱۵۴	۲۶۔ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ	۱۴۴	۲۰۔ حضرت ام درداء
۱۵۶	۲۷۔ حضرت زینب بنت ابی سلمہ	۱۴۵	۲۱۔ حضرت ام حکیم
۱۵۷	۲۸۔ حضرت ام ابی ہریرہ	۱۴۶	۲۲۔ حضرت خنساء
۱۵۸	۲۹۔ حضرت خولہ بنت حکیم	۱۴۸	۲۳۔ حضرت ام حرام
۱۵۶	۳۰۔ حضرت حمزہ بنت جحش	۱۵۰	۲۴۔ حضرت ام ورقہ بنت عبداللہ
۱۶۰	خاتمہ		

### فہرست مضامین اسوۂ صحابیات

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۶۰	نماز اشراق	۱۶۵	قبول اسلام
"	تہجد و نماز شبانہ	۱۶۶	اعلان اسلام
"	ابواب الزکوٰۃ والصدقات	۱۶۶	تحمل شہادت
۱۶۱	اعزہ و اقارب پر صدقہ کرنا	۱۶۷	قطع علاقہ
"	محتاج کی حسب حاجت امداد	۱۶۷	عقائد
۱۶۲	ابواب الصوم	۱۶۷	توحید سے علیحدگی -
"	صائم الدہر رہنا	۱۶۸	زیادہ جاہلیت میں بچوں کے نیچے اتر رکھنا
"	نفل کے روزے رکھنا	۱۶۸	رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان
"	مردوں کی جانب سے روزہ رکھنا	۱۶۹	عبادات
"	اعتکاف	"	ابواب الصلوٰۃ
۱۶۳	ابواب الحج	"	پابندی جماعت
"	حج - بچہ کا حج	"	نماز جمعہ
"	مال باپ کی طرف سے حج کرنا	"	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸۳	ضیافتِ رسول	۱۷۴	عمرہ ادا کرنا
۱۸۴	محبتِ رسول	"	ابواب الجہاد
"	شوقِ صحبتِ رسول	"	شوقِ شہادت
"	فضائلِ اخلاق	۱۷۵	عمل بالقرآن
"	استغفار	۱۷۶	مہنیاتِ شرعیہ سے اجتناب
"	ایثار	۱۷۶	مزا میر سے اجتناب
۱۸۵	فیاضی	۱۷۶	مشتبہات سے اجتناب
۱۸۶	مخالف سے انتقام نہ لینا	۱۷۶	مذہبی زندگی کے مظاہر مختلفہ کا فردوں کا ہدیہ قبول کرنا۔ تبیح و تمہیل۔
۱۸۶	مہمان نوازی	۱۷۶	مقاماتِ مقدسہ کی زیارت
۱۸۷	عزتِ نفس	۱۷۶	فرائضِ مذہبی کے ادا کرنے میں
۱۸۷	صبر و ثبات		جسمانی تکلیفیں اٹھانا
۱۸۸	شجاعت	۱۷۸	پابندی قسم
۱۸۸	زہد و تقشف	۱۷۸	تبجیل الرسول
۱۸۸	زندہ دلی	۱۷۸	برکتِ اندوزی
۱۸۹	رازداری	۱۷۸	محافظتِ یادگار رسول
۱۸۹	عفت و عصمت	۱۷۹	ادبِ رسول
۱۹۰	حسن معاشرت	۱۸۰	حمایتِ رسول
"	مصالحت و صفائی	"	خدمتِ رسول
"	صلہ رحم	"	پیتِ رسول
"	ہدیہ دینا	"	نعتِ رسول
۱۹۱	خادموں کیساتھ سلوک	۱۸۱	پابندی احکامِ رسول
۱۹۱	باہمی اعانت	"	رضامندی رسول
۱۹۲	عیادت	۱۸۲	تفویض الی الرسول
"	یتیم داری	۱۸۳	
"	عزاداری		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۰۳	نو مسلموں کا تکفل	۱۹۳	محبت اولاد
۴	خدمت مجاہدین	۴	بھائی بہن سے محبت
۲۰۴	خدمت مساجد	۱۹۴	حمایت والدین
۲۰۵	بدعات کا استیصال	۴	پرورش یتیمی
۲۰۵	احساب	۴	اموال یتیمی کی نگہداشت
۲۰۶	اخلاقی خدمات	۱۹۵	بچوں کی پرورش
۲۰۶	زربازی کی روک ٹوک	۱۹۵	شوہر کے مال و اسباب کی حفاظت
۲۰۷	شراب خوری کی روک ٹوک	۱۹۶	شوہر کی رضا جوئی
۲۰۷	مصنوعی بال لگانے کی ممانعت	۱۹۷	شوہر کی محبت
۲۰۷	علمی خدمات	۴	شوہر کی خدمت
۲۰۷	علم تفسیر	۱۹۸	طرز معاشرت
۲۱۳	علم اسرار الدین	۴	غربت و افلاس
۲۱۹	علم حدیث	۴	لباس
۲۲۰	فن درایت	۱۹۹	مکان
۲۲۲	علم فقہ	۴	اثاث البیت
۲۲۳	خاتمہ	۴	زیورات
۲۲۳	مناقب صحابیات	۴	سامان آرائش
۲۲۹	مسلمان عورتوں کی بہادری (از علامہ سید سلیمان ندوی)	۲۰۰	اپنا کام خود کرنا، پردہ
۲۵۳	مسلمان عورتوں کی ہمت مردانہ کا ایک اور عجیب واقعہ ہے۔	۲۰۱	معاملات
		۲۰۱	ادائے قرض کا خیال
		۲۰۲	قرض کا ایک حصہ معاف کر دینا
		۴	تقسیم وراثت میں دیانت
		۴	خدمات
		۴	مذہبی خدمات
		۴	اشاعت اسلام

## فہرست مضامین

### اہل کتاب صحابہؓ و تابعین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۸۵	شرب	۲۶۵	پیش لفظ
۲۸۶	بنو قریظہ		علامہ ابو عبد الماجد صاحب دریا بادی
۴	بنو نضیر	۲۶۷	دیباچہ
۴	بنو قینقاع	۵	وجہ تصنیف
۲۸۷	بنو ہمدان	۲۶۸	ماخذ
۴	بنو زینب		جن بزرگوں کے اہل کتاب ہونے میں
۴	شرب کے دوسرے یہودی قبائل	۲۶۹	شبہ ہے
۲۸۸	خیبر	۱۷۱	ترتیب اور ناموں کی تعداد
۲۸۹	فدک	۲۷۳	مقدمہ
۴	وادی القریٰ	۲۷۵	یہود
۲۹۰	تیماء	۴	یہودیت
۴	نجران	۴	پہلا دور
۲۹۱	اذرح اور جرباء	۲۷۹	دوسرا دور
۴	مقنا	۲۳۰	یمن میں یہودیت
۴	بحرین		کیا عرب کے یہود ہجرت کر کے نہیں
۲۹۲	مکہ و طائف	۲۸۲	آئے تھے
۲۹۳	تبادلہ و جرش		کیا عرب کے یہود دنیا سے منقطع
	اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں	۲۸۳	ہو چکے تھے
۲۹۴	کے تعلقات	۲۸۵	یہود کے مرکزی مقامات اور مشہور قبائل



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۲۲	ہجرت کے بعد		اسلام سے پہلے ایک دوسرے پر تمدنی
۳۲۳	یہود کی اسلام بیزاری کے اسباب	۲۹۶	و معاشرتی اثرات
۳۳۰	یہود مدینہ سے معاہدہ	۲۹۷	یہود کے پیشے
۳۳۲	نقض معاہدہ	۲۹۸	زراعت
"	یہود کا خاتمہ	"	تجارت
۳۳۴	یہود خیبر	۲۹۹	تجارتی بازار
۳۳۵	فتح خیبر اور اس کے اثرات	"	سامان تجارت
۳۳۹	نصاری	۳۰۱	صنعت و حرفت
"	رومیوں اور عربوں کے قدیم تعلقات	"	عربی ادب میں یہود کا حصہ
۳۴۰	رومی عیسائیوں سے تعلقات	۳۰۲	عربی تحریر میں یہود کا اثر
۳۴۱	غسانی حکومت کا قیام	۳۰۳	شعر و شاعری
"	حجاز میں رومی اثرات	۳۰۵	اجتماعی ادارے
۳۴۲	اہل حبشہ اور عربوں کے تعلقات	۳۰۶	مذہبی اثرات
۳۴۳	یمن پر حبشہ کا قبضہ	۳۰۷	قبائلی نظام
۳۴۴	اصحافِ فیل، ان کے حملہ کا سبب	"	یہود کی دینی اور اخلاقی حالت
	بعث نبوی کے وقت حجازی عربوں کے	۳۰۸	دینی گمراہیاں
۳۴۶	تعلقات	۳۱۲	اخلاق و معاملات
	جزیرہ عرب میں عیسائیوں کے مرکزی	۳۱۳	نفاق
۳۴۷	مقامات	"	حرام خوری
"	عیسائی قبائل	۳۱۴	حرص و طمع
"	نجران	"	خیانت
۳۴۹	قبیلہ غسان	۳۱۵	بغض و حسد
"	بنو تغلب	"	دروغ گوئی اور بد عہدی
۳۵۰	بنو کلب	۳۱۷	یہود اور مسلمانوں کے اجتماعی و سیاسی تعلقات

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	عیسائیوں اور عربوں کے سیاسی تعلق	۳۵۰	قضاء
۳۵۲	اور مذہبی اثرات کے نتائج	"	ربیعہ
"	ثقافتی و تمدنی اثرات		قبیلہ عبدالقیس، ان قبائل کو رومیوں کی
۳۵۳	علمی اثرات	۳۵۱	مالی امداد
"	ادب و شعر	"	حیرہ میں عیسائیت

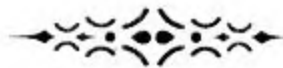


## فہرست اسماء

صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۷۳	حضرت جبارود بن عمروؓ	۱۷	۳۵۷	صحابہ	
۳۷۶	حضرت جبرؓ	۱۸	۳۵۸	(الف)	
۳۷۷	حضرت جبلؓ	۱۹	۳۵۹	حضرت ابرہہؓ	۱
	(ح)			حضرت ادریسؓ	۲
۳۷۸	حضرت حیر بنجرہؓ	۲۰	"	حضرت اسید بن سعیدؓ	۳
	(د)		۳۶۰	حضرت اسد بن عبیدؓ	۴
۳۷۹	حضرت ذرّ الراہبؓ	۲۱	۳۶۱	حضرت اسد بن کعب القرظیؓ	۵
	(ذ)		۳۶۲	حضرت اسید بن کعب القرظیؓ	۶
"	حضرت ذود جنؓ	۲۲	"	حضرت اشرف حبشیؓ	۷
۳۸۰	حضرت ذوحمرؓ	۲۳		(ب)	
۳۸۱	حضرت ذومناحبؓ	۲۴	۳۶۲	حضرت بحیر الحسبشیؓ	۸
۳۸۲	حضرت ذومہدمؓ	۲۵	۳۶۳	حضرت بشیر بن معاویہؓ	۹
	(ر)			(ت)	
"	حضرت رافع القرظیؓ	۲۶	"	حضرت تمامؓ	۱۰
۳۸۳	حضرت رفاعۃ بن السموالؓ	۲۷	۳۶۵	حضرت تمیم الحسبشیؓ	۱۱
۳۸۴	حضرت رفاعۃ القرظیؓ	۲۸	"	حضرت تمیم داریؓ	۱۲
	(ز)			(ث)	
۳۸۵	حضرت زید بن سعہؓ	۲۹	۳۶۹	حضرت ثعلبہ بن سعیۃ الہدلیؓ	۱۳
	(س)		۳۷۰	حضرت ثعلبہ بن سلامؓ	۱۴
۳۸۷	حضرت سعد بن وہبؓ	۳۰	"	حضرت ثعلبہ بن قیسؓ	۱۵
"	حضرت سعہؓ	۳۱	۳۷۱	حضرت ثعلبہ بن ابی مالکؓ	۱۶
۳۸۸	حضرت سعید بن عامرؓ	۳۲		(ج)	

صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۲۵	حضرت محربؓ	۵۳	۳۸۹	حضرت سلامؓ	۳۳
۴	حضرت محمد بن عبد اللہ بن سلام	۵۴	۴	حضرت سلمہ بن سلامؓ	۳۴
۳۲۶	حضرت مخزلیقؓ	۵۵	۴	حضرت سلمان فارسیؓ	۳۵
۳۲۷	حضرت میمون بن یامین	۵۶	۲۰۳	حضرت سمعان بن خالدؓ	۳۶
۳۲۸	حضرت مابورؓ	۵۷	۲۰۴	حضرت میمونہ بلقاویؓ	۳۷
	( ن )			( ش )	
۴	حضرت نافعؓ	۵۸	۲۰۵	حضرت شمعونؓ	۳۸
	( ی )			( ص )	
۳۲۹	حضرت یامین بن عمیر	۵۹	۲۰۷	حضرت صالح القرظیؓ	۳۹
۳۳۱	حضرت یوسف بن عبد اللہ بن سلام	۶۰		( ع )	
	( الکنی )			حضرت عامر الشامیؓ	۴۰
۳۳۲	حضرت ابوسعید بن وہب	۶۱	۲۰۸	حضرت عبد الحارث بن السنی	۴۱
۳۳۳	حضرت ابو مالکؓ	۶۲	۲۰۹	حضرت عبد اللہ بن سلام	۴۲
۴	بارگاہ رسالت کے ایک یہودی خادم	۶۳	۲۱۳	حضرت عبد الرحمن بن زبیر	۴۳
	تابعین		۲۱۴	حضرت عداسؓ	۴۴
۳۳۵	ادیم الغلسیؓ	۶۴	۲۱۵	حضرت عدی بن حاتم	۴۵
۳۳۶	اری بن النجاشیؓ	۶۵	۲۲۱	حضرت عطیہ القرظیؓ	۴۶
۴	اصغ بن عمروؓ	۶۶	۴	حضرت علی بن رفاعہ	۴۷
۳۳۷	اصحٰ بن نجاشیؓ شاہ حبشہ	۶۷	۲۲۲	حضرت عمرو بن سعدی	۴۸
۳۴۰	بکاء الراہبؓ	۶۸	۲۲۳	حضرت عمیر بن أمیہ	۴۹
۴	تمام بن یہوداؓ	۶۸		( ک )	
۳۴۱	صبی بن معبدؓ	۷۰	۴	حضرت کثیر بن السائب	۵۰
۳۴۲	ضغاطر الاسقف الشہیدؓ	۷۱	۲۲۴	حضرت کرز بن علقمہ	۵۱
۴	عمیر بن حسینؓ	۷۲	۴	حضرت کعب بن سلیم	۵۲
۳۴۳	کعب احبارؓ	۷۳		( م )	

صفحہ	مضمون	نمبر شمار	صفحہ	مضمون	نمبر شمار
	تابعات		۴۴۵	محمد بن کعب القرظی	۷۴
۴۷۳	تماضر	۸۵	۴۴۸	نعیم الحمر	۷۵
"	ام محمد القرظی	۸۶	۴۴۹	وہب بن مندبہ	۷۶
	ضمیمہ			صحابیات	
۴۷۵	فردہ بن عمرو	۸۷	۴۵۵	حضرت تمیمہ	۷۷
۴۷۶	ذوالکلاع	۸۸	۴۵۶	حضرت خالدہ	۷۸
"	ذو عمرو	۸۹	۴	حضرت ریحانہ	۷۹
	قبیلہ بنو غسان کے	۹۰	۴۵۸	حضرت سفانہ	۸۰
۴۷۶	تین نامعلوم	۹۱	۴۵۹	حضرت سیرین	۸۱
	الاسم صحابی	۹۲	۴۶۰	حضرت سفیہ	۸۲
۴۷۷	ایک نامعلوم الاسم تعلیمی صحابی	۹۳	۴۶۳	حضرت ماریہ قبطیہ	۸۳
			۴۷۰	حضرت ابو ہریرہ کی والدہ	۸۴



# دیباچہ طبع اول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقَدُوْسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيْمِ  
هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْاُمَمِیْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ  
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كٰنُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (جمعه)

اسلام کا مقصد وحید تمام دنیا کو ایک سطح پر لانا تھا۔ اس کی شہنشاہی میں پست و بلند شاہ و گدا، امیر و غریب، وضع و شریف، عالم و جاہل، عورت و مرد سب میانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے اہل نے اپنی تعلیمات، احکام و قوانین کے ذریعہ سے تمام دنیا کو مساوات کا پیغام سنایا۔ جس سے مذہب، اخلاق، تمدن اور سیاست کا قالب بدل گیا اور اس میں وہ نئی روح حرکت کرنے لگی جس کے پیدا کرنے کو اسلام اپنا فرض لوہین خیال کرتے تھے۔

اسلام سے پہلے دنیا نے جس قدر ترقی کی تھی، صرف ایک صنف (مرد) کی اخلاقی اور دماغی قوتوں کا کرشمہ تھی۔ مصر، بابل، ایران، یونان اور ہندوستان مختلف عظیم الشان تمدن کے چمن آرائی تھے۔ لیکن ان میں صنف نازک (عورت) کی آمیاری کا کچھ دخل نہ تھا۔ اسلام آیا تو اس نے دو صنفوں (مرد و عورت) کی جدوجہد کو وسائل ترقی میں شامل کر لیا اس لئے جب اس کے باغ تمدن میں بہار آئی تو ایک نیارنگ و بو پیدا ہو گیا۔

عورت کو دنیا نے جس نگاہ سے دیکھا وہ مختلف ممالک میں مختلف رہی ہے۔ مشرق میں عورت مرد کے دامن تقدس کا داغ ہے، روما اس کو گھر کا اثاثہ سمجھتا ہے، یونان اس کو شیطان کہتا ہے، تورات اس کو لعنت لبدی کا مستحق قرار دیتی ہے، کھلیا اس کو باغ انسانیت کا کانا تصور کرتا ہے۔ یورپ اس کو خدا یا خدا کے برابر مانتا ہے لیکن اسلام کا نقطہ نظر ان سب سے جداگانہ ہے، وہاں عورت نسیم اخلاق کی نکلت اور چہرہ انسانیت کی غازہ سمجھی جاتی ہے۔ امام بخاری نے صحیح میں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل بیچ سمجھتے تھے۔ مدینہ میں نسبت ان کی قدر تھی، لیکن جب اسلام آیا اور خدا نے ان کے متعلق آیتیں نازل کیں تو ہم کو ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی (۱) عرب

جاہلیت کے رسم دختر کشی پر نظر ڈال کر پیغمبر اسلام ﷺ کے اس قول پر

یا انجشة ارویدك بالقوارير (انجشہ ادا کھنا یہ آجگینے ہیں)

غور کرو تو تم کو حضرت عمرؓ کے قول کی صحیح تشریح معلوم ہوگی۔

اسلام نے صرف یہی نہیں کیا کہ عورتوں کے چند حقوق متعین کر دیئے بلکہ ان

کو مردوں کے مساوی درجہ دیکر مکمل انسانیت قرار دیا۔ صحیح بخاری میں وارد ہوا ہے :

الرجل راع علی اہلہ وهو مسئول والمرأة راعیة علی بیت زوجها وہی مسئولة

مرد اپنے اہل کارا می بنایا گیا ہے اور اس سے ان کے متعلق جواب طلب ہوگا اور عورت

شوہر کے گھر کی راعیہ ہے اور اس سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی (ج ۲ ص ۷۸۳)

سنن ابن ماجہ میں اس کی مزید تشریح ہے :

لیس تملکون منهن شیناً غیر ذالک الا ان یاتین بفاحشة مبینة

تم کو عورتوں پر بجز مخصوص حقوق کے کوئی دسترس حاصل نہیں ہے، لیکن ہاں جب کوئی گناہ کریں۔

اس بناء پر اسلام میں عورت کی جو قدر و منزلت قائم ہوئی وہ بلحاظ نتائج دیگر اقوام و

مذہب سے بالکل مختلف تھی، تمام دنیا اپنی قومی تاریخ پر ناز کرتی ہے اور بجا طور پر کرتی ہے،

لیکن اگر اس سے یہ سوال کیا جائے کہ ان افسانہ نمائے پارینہ میں صنف نازک کی سعی و کوشش

کا کس قدر حصہ تھا؟ تو دفعۃً ہر طرف خاموشی چھا جائے گی اور فخر و غرور کا سارا ہنگامہ سرد

ہو کر رہ جائے گا، یونان بلاشبہ اپنی ”ربات النوع“ کو پیش کر سکتا ہے ہندوستان متعدد عصمت و

عفاف کی دیویوں کے نام لے سکتا ہے، یورپ کا ”گولڈن ڈیڈس“ چند جنگ آزما عورتوں کو

منظر عام پر لا سکتا ہے لیکن کیا ان کی وجہ سے دنیا نے کچھ بھی ترقی کی ہے؟ اور تمدن کا قدم ایک

انچ بھی آگے بڑھ سکا ہے؟ تاریخ ان سوالات کا جواب نفی میں دیتی ہے۔

قومی تاریخ کو چھوڑ کر اگر دنیا کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کرو تو صاف نظر آئے گا کہ

اس کے اوراق بھی صنف نازک کے عظیم الشان کارناموں سے خالی ہیں مصر اس سلسلہ میں

آسیہ بنت مزاحم کو پیش کرے گا، تورات مریم اخت ہارون کو آگے بڑھائے گی ناصرہ مریم

عذر کو سامنے لائے گا، ان خاتونوں کی مذہبی بزرگی اور عظمت مسلم ہے، لیکن کیا ان مقدس اور

یاک خاتونوں کا کوئی مذہبی یا اصلاحی کارنامہ تاریخ نے بھی یاد رکھا ہے؟

بخلاف اس کے اسلام نے جن پردہ نشینوں کو اپنے کنار عاطفت میں جگہ دی انہوں نے دنیا میں بڑے بڑے عظیم الشان کام انجام دیئے ہیں جو تاریخ کے صفحات میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ کتاب خاص صحابیات کے حالات میں ہے اس لئے ہم صرف ان ہی کارناموں کو پیش کریں گے جو صحابیات سے متعلق ہیں، کیونکہ یہ صنف نازک کا پہلا قدم تھا جو ترقی کی راہ میں اٹھایا گیا۔

صحابیات کے کارنامے تمدن کے تمام عنوانات پر منقسم ہیں اور ہم ان کو اجمالاً اس مقام پر لکھنا چاہتے ہیں۔  
مذہبی کارنامے :

مذہبی خدمات کے سلسلے میں سب سے اہم خدمت جہاد ہے اور صحابیات نے جس جوش، جس خلوص، جس عزم اور جس استقلال سے اس خدمت کو ادا کیا ہے اس کی نظیر مشکل سے مل سکے گی۔ غزوہ احد میں جب کہ کافروں نے عام حملہ کر دیا تھا اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ صرف چند جاں نثار رہ گئے تھے حضرت ام عمارہؓ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہو گئیں کفار جب آپ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں لیکن قمیہ جب دراتا ہوا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ام عمارہ نے بڑھ کر روکا چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا انہوں نے تلوار ماری، لیکن وہ دہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لئے کارگرنہ ہوئی (۱) جنگِ میسلمہ میں انہوں نے اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ بارہ زخم کائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا (ابن سعد ج ۸ ص ۳۰۴)

غزوہ خندق میں حضرت صفیہؓ نے جس بہادری سے ایک یہودی کو قتل کیا اور یہودیوں کے حملہ کو روکنے کی جو تدبیر اختیار کی وہ بجائے خود نہایت حیرت انگیز ہے۔ (۲) غزوہ حنین میں حضرت ام سلیمؓ کا خنجر لیکر نکلنا ایک مشہور بات (۳) جنگِ یرموک میں جو خلافت فاروقی میں ہوئی تھی حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ حضرت ام ابانؓ ام حکیمؓ خولہؓ ہند اور ام المومنین حضرت جویریہؓ نے بڑی دلیری سے جنگ کی تھی اور اسماء بنت یزید نے جو انصار کے قبیلہ سے تھیں خیمے کے چوب سے نورو میوں کو قتل کیا تھا۔ (اصابہ ج ۸ ص ۱۳)

نہ صرف یرموک بحرِ لڑائیوں میں بھی صحابیات شرکت کرتی تھیں ۲۸ ہجری



میں جزیرہ قبرص پر حملہ ہوا تو حضرت ام حرامؓ اس میں شامل ہوئیں۔ (۱)

میدان جنگ میں اس کے علاوہ صحابیاتؓ اور خدمات بھی انجام دیتی تھیں مثلاً (۱) پانی پلانا (۲) زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا (۳) مقتولوں اور زخمیوں کو اٹھا کر میدان جنگ سے لے جانا (۴) چرخہ کا تانا (۵) تیر اٹھا کر دینا (۶) خورد و نوش کا انتظام کرنا (۷) پکانا (۸) قبر کھودنا (۸) فوج کو ہمت دلانا چنانچہ حضرت عائشہؓ ام سلیمؓ ام سلیطہؓ نے غزوہ احد میں مشک بھر بھر کر زخمیوں کو پانی پلایا تھا (۲) ام سلیمؓ اور انصار کی چند عورتیں زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں اور اس مقصد کے لئے وہ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا کرتی تھیں (۲) ربیع بنت معوذہ وغیرہ نے شہداء و مجروحین کو قتل گاہ سے اٹھا کر مدینہ پہنچایا تھا (۳) ام زیاد الجمعیہ اور دوسری پانچ عورتوں نے غزوہ خیبر میں چرخہ کات کر مسلمانوں کو مدد دی تھی وہ تیر اٹھا کر لاتی اور ستوپلاتی تھیں (۵) حضرت ام عطیہؓ نے سات غزوات میں صحابہؓ کے لئے کھانا تیار کیا تھا (۱۰) اعوات اور امارت وغیرہ کی جنگوں میں جو خلافت فاروقی میں ہوئی تھیں، بچوں اور عورتوں نے گورکنی کی خدمت انجام دی تھی (۷) اور جنگ یرموک میں جب مسلمانوں کا سینہ ہٹتے ہٹتے حرم کی خیمہ گاہ تک آگیا تو ہند اور خولہ وغیرہ نے پر جوش اشعار پڑھ کر اوگوں کو غیرت دلانی تھی۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۶۳)

اشاعت اسلام بھی مذہب کی ایک بہت بڑی خدمت ہے اور صحابیات نے اس سلسلے میں خاص کوششیں کی ہیں چنانچہ حضرت فاطمہؓ بنت خطاب کی دعوت پر حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تھا۔ (۸) ام سلیمؓ کی ترغیب سے ابو طلحہؓ نے آستانہ اسلام پر سر جھکایا تھا۔ (۹) مکرّمہ اپنی بیوی ام حکیمؓ کے سمجھانے پر مسلمان ہوئے تھے (۱۰) اور ام شریک دوسرے کی وجہ سے قریش کی عورتوں میں اسلام پھیلا تھا جو نہایت مخفی طور پر اس خدمت کو انجام دیتی تھیں۔ (موظا امام مالک کتاب النکاح)

اسلام کی حفاظت بھی ایک اہم کام ہے اور متعدد صحابیاتؓ میں سب سے زیادہ اس خدمت کو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ادا کیا ہے ۳۵ ہجری میں جب حضرت عثمانؓ

(۱) صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۹ (۲) صحیح بخاری (۳) ابوداؤد ج ۱ ص ۲۵۲

(۴) بخاری کتاب الطب هل یدای الرجل المرأة (۵) ابوداؤد ج اول ص ۲۷۰

(۶) صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۵ (۷) طبری ج ۶ ص ۲۳۱۷ (۸) اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۶۳

(۹) اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۱۹ (۱۰) اصباہ ج ۸ ص ۱۰۶

شہید ہوئے اور نظام مذہب درہم برہم ہو گیا تو انہوں نے اصلاح کی آواز بلند کی، جس پر مکہ اور بصرہ کے لوگوں نے لبیک کہا۔

نماز کی امامت بھی ایک اہم کام ہے اور متعدد صحابیات نے اس کو کبھی کبھی عورتوں کے مجمع میں انجام دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، ام ورقہؓ، بنت عبد اللہ اور سعدہ بنت قمامہ عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں۔ ام ورقہؓ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ انہوں نے اپنے مکان کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا جہاں وہ ہمیشہ امامت کرتی اور اذان دیتی تھیں (۱) (عورت کی اقتداء عورت کے پیچھے درست ہے مگر حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے)

سیاسی کارنامے :

صحابیات نے متعدد سیاسی خدمتیں بھی انجام دی ہیں چنانچہ حضرت شفاء بنت عبد اللہ اس درجہ صائب الرائے تھیں کہ حضرت عمرؓ ان کی تحسین کرتے اور ان سے مشورہ لیتے تھے۔ (۲) حضرت عمرؓ نے بسا اوقات بازار کا انتظام بھی ان کے سپرد کیا ہے۔ (۳)

ہجرت سے قبل جب قریش نے کاشانہ نبوت کا محاصرہ کرنا چاہا تو رقیقہ بنت صبیلی نے جو عبدالمطلب کی بدمتیجی تھیں، سرور عالم ﷺ کو اس ارادہ کی اطلاع دی تھی (۴) چنانچہ آپ ﷺ نوا بگاہ میں حضرت علیؓ کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ (۵)

عورت کے سیاسی اختیارات اس قدر وسیع ہیں کہ وہ دشمنوں کو پناہ دے سکتی ہے اور امام اس کے لمان کو برقرار رکھ سکتا ہے سنن اہلی دلد میں لکھا ہے کہ فتح مکہ کے زمانے میں ام ہانیؓ نے جو حضرت علیؓ کی ہمیشہ تھیں، ایک مشرک کو پناہ دی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا (۶)

قد اجرنا من اجرت و آمننا من امننا

”تم نے جس کو پناہ یا لمان دی ہم نے بھی دی“

علمی کارنامے :

اسلامی علوم یعنی قرأت، تفسیر، حدیث، فقہ، فرائض میں متعدد صحابیات کمال رکھتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ، حصہ، ام سلمہؓ اور ام ورقہؓ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا تھا۔ (۷) ہند

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۹۴ (۲) کتاب الام شافعی ج ۱ ص ۱۴۵ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۷۴  
(۳) ایضا ص ۴۸۷ (۴) اصابہ ج ۸ ص ۳۲ (۵) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۵ (۶) ابوداؤد ج ۱ ص ۲۷۴ (۷) فتح الباری ج ۹ ص ۷۴۷

بنت اسدؓ ام ہشام بنت حارثہؓ رانطہ بنت حیانؓ اور ام سعدؓ بنت سعد بن رزیع بعض حصوں کی حافظہ تھیں ام سعدؓ قرآن مجید کا درس بھی دیتی تھیں (۱)

تفسیر میں حضرت عائشہؓ کو خاص کمال تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری کے آخر میں ان کا تفسیر کا معتد بہ حصہ منقول ہے۔

حدیث میں ازواج مطہرات عموماً اور حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ خصوصاً تمام صحابیات سے ممتاز تھیں (۲) حضرت عائشہؓ کی روایات ۲۲۱۰ ہیں اور حضرت ام سلمہؓ نے ۳۷۸ حدیثیں روایت کی ہیں ان کے علاوہ ام عطیہؓ اور اسماء بنت ابوبکرؓ ام ہانیؓ اور فاطمہ بنت قیس بھی کثیر الروایہ گزری ہیں۔

فقہ میں حضرت عائشہؓ کے فتاویٰ اس قدر ہیں کہ متعدد ضخیم بلد میں تیار ہو سکتی ہیں (۳) حضرت ام سلمہؓ کے فتاویٰ سے ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے حضرت صفیہؓ حصہ، ام حبیبہؓ جویریہؓ، میمونہؓ فاطمہ زہراؓ، ام شریکؓ، ام عطیہؓ، اسماء بنت ابوبکرؓ، لیلیٰ بنت قائفؓ، خولہ بنت تویتؓ، ام الدرداءؓ، عاتکہ بنت زیدؓ، سہلہ بنت سہیلؓ، فاطمہ بنت قیسؓ، زینب بنت ابو سلمہؓ، ام ایمنؓ، ام یوسفؓ، ام سلمہؓ کے فتاویٰ ایک مختصر رسالے میں جمع کئے جاسکتے ہیں۔

فرائض میں حضرت عائشہؓ کو خاص مہارت تھی اور بڑے بڑے صحابہ کرام ان سے فرائض کے متعلق مسائل دریافت کرتے تھے۔ (۴)

اسلامی علوم کے علاوہ اور علوم میں بھی صحابیات دستگاہ رکھتی تھیں، مثلاً علم اسرار میں حضرت ام سلمہؓ کو پوری واقفیت تھی (۵) خطبات میں اسماء بنت سکن کا خاص شہرہ تھا۔ تعبیر میں اسماء بنت عمیس مشہور تھیں (۶)

طب اور جراحی میں رفیدہ اسلمیہؓ، ام مطاعؓ، ام کبشہؓ، آمنہ بنت جحشؓ، معاذہؓ، لیلیٰؓ، امیمہؓ، ام زیادؓ، زینب بنت مہودؓ، ام عطیہؓ، ام سلیمؓ کو زیادہ مہارت تھی۔ رفیدہ کا خیمہ جس میں جراح خانہ تھا۔ مسجد نبوی ﷺ کے پاس تھا۔ (۷)

شاعری میں خنساءؓ، سعدیؓ، صفیہؓ، عاتکہؓ، امامہ مریدیہؓ، ہند بنت حارثؓ، زینبؓ، بنت عوامؓ، ارویؓ، عاتکہؓ، بنت زیدؓ، ہند بنت اثاثہؓ، ام ایمنؓ، قنیلہؓ، عبد ریحہؓ، کبشہؓ، بنت رافعؓ، میمونہؓ

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۸۶ (۲) ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۲۶ (۳) علامہ الموقعین ابن قیم ج ۱ ص

۱۳ (۴) ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۲۶ (۵) مسند (۶) اصحابہ ج ۸ ص ۱۲ (۷) ایضاً ص ۹

(۸) ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۳

بلو یہ، انعم رقیہ، زیاد نامور ہیں۔ خساء کا جواب آج تک عورتوں میں نہیں پیدا ہوا۔ ان کا دیوان چھپ گیا ہے۔  
عملی کارنامے :

اس سے مراد صنعت و حرفت ہے جس میں حیاکت، فلاحت، کثرت، تجارت اور خیاطت وغیرہ داخل ہیں اسد الغابہ اور مسند امام احمد بن حنبل کی متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابیات "عموماً کپڑا بنانا کرتی تھیں جو ان کو لور ان کی لولاد کو کافی ہوتا تھا۔ (۱)  
کاشت کاری تمام صحابیات نہیں کرتی تھیں بلکہ وہ مدینہ یا دیگر سرسبز مقامات کے باشندوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ مدینہ میں عموماً انصار کی عورتیں کاشت کاری کرتی تھیں مہاجر عورتوں میں حضرت اسماء کا بھی یہی مشغلہ تھا۔ (۲)

لکھنا بہت سی صحابیات جانتی تھیں۔ حضرت شفاء بنت عبد اللہ کو اس میں خاص طور پر شہرت حاصل ہے، جنہوں نے پیام جاہلیت میں ہی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا شفاء کے علاوہ حضرت حصہ، ام کلثوم، بنت عقبہ اور کریمہ بنت المقداد بھی لکھنا جانتی تھیں۔  
حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ کو اگرچہ پڑھنا آتا تھا لیکن لکھنا نہیں آتا تھا۔ (۳)  
صحابیات میں بعض عورتیں تجارت بھی کرتی تھیں چنانچہ حضرت خدیجہ کی تجارت نہایت وسیع پیمانہ پر شام سے تھی۔ حواء، ملیکہ، ثقفیہ، لور بنت مخزوم، عطر کی تجارت کیا کرتی تھیں۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۳۲، ۴۳۸)

سینا عام تھا چنانچہ فاطمہ بنت شیبہ وغیرہ کے حالات سے اس کا پتہ چلتا ہے۔  
شادی میاہ لور خوشی کی تقریبات پر انصار کی لڑکیاں گیت گاتی تھیں بلکہ کبھی کبھی شادی میاہ لور خوشی کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے سامنے بھی اشعار گائے ہیں لور فریجہ بنت معوذ نے جو حدیث روایت کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی اجازت دے دی تھی۔ مدینہ میں ایک نبی نبی تھیں جن کا نام ارنب تھا۔ آنحضرت ﷺ کے حکم سے حضرت عائشہ نے ان کو انصار کی بعض شادیوں میں گیت گانے کو بھیجا ہے ارنب کا تذکرہ صحابہ میں آیا ہے۔ (اسد الغابہ ج ۸ ص ۴)

(۲) صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۶ (۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۹۸ و مسند ج ۵ ص ۱۶۶ (۳) فتوح

البلدان بلاذری ص: ۴۷۷، ۴۸۷ (۴) اصباح ج ۸ ص ۶۱

ازواج مطہرات میں حضرت ام سلمہؓ لحن کے ساتھ قرآن پڑھتی تھیں اور خاص آنحضرت ﷺ کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں۔ (مسند ج ۶ ص ۳۰۰-۳۰۲)

ان صنعتوں کے علاوہ بعض صحابیات اور کام بھی جانتی تھیں، مثلاً حضرت سودہؓ طائف کی کھالیں درست کرتیں اور ان کو دباغت دیتی تھیں (۱) حضرت زینبؓ بھی دست کار تھیں۔ (اسد الغابہ ایضاً ص ۴۶۵)

اس تمام تفصیل کے بعد اب ہم کو اس کتاب کے متعلق عرض کرنا ہے۔

انتخاب و ترتیب :

یہ کتاب صحابیات کے حالات میں ہے اور سیر الصحابہ کی آخری جلد ہے صحابیات کے حالات میں اگرچہ بعض مخصوص کتابیں لکھی گئی ہیں مثلاً لن اشیر التونی ۶۳۰ھ نے تاریخ النساء کے نام سے ایک کتاب لکھی جو ناپید ہے۔ (۲) اس کے علاوہ اسماء الرجال کی تمام کتابوں میں ان کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا۔ چنانچہ لن مندہ التونی ۳۹۵ھ ابو نعیم (متوفی ۴۰۳ھ) قاضی لن عبدالبر (متوفی ۴۶۳ھ) اور ابو موسیٰ اصفہانی (متوفی ۵۸۱ھ) نے اپنی کتابوں میں ان کے حالات لکھے ہیں۔

قاضی لن عبدالبر کی کتاب کا نام استیعاب ہے، اس میں ۳۹۸ صحابیات کے حالات ہیں جن میں مکررات ہیں اصابہ میں لکھا ہے کہ استیعاب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قاضی صاحب نے اپنے خیال میں تمام صحابہ کا استقصاء کر لیا تھا، حالانکہ اگر صحابہ کو چھوڑ کر صرف صحابیات کو لیا جائے تب بھی یہ خیال غلط ٹھہرتا ہے، طبقات الصحابہ میں جو محمد بن سعد زہری کاتب و اقدی کی تصنیف ہے، اور تیسری صدی کے لوائل میں لکھی گئی ہے ۶۲۷ عورتوں کے حالات درج ہیں، جن میں ۹۳ غیر صحابیات ہیں۔ لن سعد نے اپنی کتاب کی آٹھویں جلد مستقل عورتوں کے حالات میں لکھی ہے۔

قاضی صاحب کے بعد علامہ لن اشیر جزری التونی ۶۳۰ھ نے اسد الغابہ کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی، جس میں عورتوں کے حالات کا ایک حصہ مخصوص کیا اس میں ۱۰۲۲ صحابیات کے نام ہیں۔ جن میں مکررات کے علاوہ ۶۷۰ مجہول عورتیں بھی ہیں۔ نویں صدی میں حافظ لن حجر عسقلانی التونی ۸۵۲ھ نے اسماء الرجال پر دو

نسایت ضخیم کتابیں لکھیں۔ تمذیب التہذیب اور اصابہ فی تمیز الصحابہ تمذیب کی بارہویں جلد کا ایک حصہ عورتوں کے حالات میں ہے جس میں ۳۲۲ عورتوں کے تذکرے ہیں۔ ان میں مکرر نام بھی آگئے ہیں اور تابعیات کے حالات بھی البتہ اصابہ کی آٹھویں جلد خاص صحابیات کے حالات میں ہے جس میں ۱۵۴۵ عورتوں کا تذکرہ ہے اس میں مکررات بھی ہیں اور کئی تیس بھی۔ اصابہ میں صحابیات کی سب سے بڑی تعداد مذکور ہے۔ (یہ تعداد تخمینی ہے) تاہم ان تمام کتابوں میں چند خصائص مشترک ہیں (۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسماء الرجال کے مصنفین کا مقصد محض ناموں کا استقصاء ہوتا ہے ان کو اپنے مقصد کے لحاظ سے اس سے بحث نہیں ہوتی کہ جو واقعات ہاتھ آئے ہیں ان سے کوئی مفید تاریخی نتیجہ نکل سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ یہ بحث ان کے فن سے خارج ہے (۲) کثرت سے ان کو ایسے نام لکھنے پڑتے ہیں جن کے حالات دوسرے طریقوں سے بالکل معلوم نہیں ہوتے یہ وہ نام ہیں جو برسمیل مذکورہ کسی حدیث میں آگئے ہیں (۳) بعض جگہ صرف کنیت یا لقب لکھ دیتے ہیں کہ اس سے زیادہ ان کا کوئی حال ان کو معلوم نہ ہو سکا (۴) کہیں بالکل مبہم تذکرہ کرتے ہیں مثلاً امرأت (ایک عورت) اور اس کے بعد کوئی واقعہ لکھتے ہیں اس سے زیادہ کا علم ہی نہیں ہوتا (۵) عموماً جن عورتوں کے حالات پہلے لکھے جاتے ہیں ان کا کنیتوں اور القاب میں دوبارہ تذکرہ کرتے ہیں جس سے تکرار پیدا ہوتی ہے۔

ان کے علاوہ ایک اور مشکل یہ ہے کہ ان تمام کتابوں میں کوئی خاص ترتیب ملحوظ نہیں ہے تمذیب میں تو تابعیات تک کے حالات ہیں البتہ طبقات لن سعد اس نکتہ چینی میں شامل نہیں ہے وہ ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے پہلے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں، پھوپھیوں، ان کی لڑکیوں اور ازواج مطہرات کے تراجم ہیں پھر قریش اور عام مہاجرات کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد انصاریات کے حالات ہیں جن میں ہر خاندان کا ذکر جدا جدا ہے۔ آخر میں ان عورتوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے بجائے ازواج مطہرات سے روایت کی ہے اور یہ حصہ صحابیات سے بالکل الگ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ صحابیات کے استقصاء اور ان کی سیرتوں کی ترتیب کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا، لیکن موجودہ زمانہ میں فن سیرت نگاری نے جو ترقی کی ہے ان کے لحاظ سے یہ تمام کتابیں ناکافی تھیں، نیز مسلمانوں کا موجودہ تنزل ان کی کتابوں کو

نے آب و رنگ سے پیش کرنے کا داعی تھا۔ اس بناء پر ہم نے کتب اسماء الرجال کے ساتھ صحاح ستہ اور مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ کا مطالعہ کر کے مفید معلومات کا اضافہ کیا اور بالکل جدید انداز سے صحابیات کی سیرتیں مرتب کیں۔

اسماء الرجال کی کتابوں میں مناقب پر زیادہ زور دیا جاتا تھا، ہم نے ان کے بجائے مذہبی، سیاسی، علمی اور اخلاقی کارناموں پر زیادہ توجہ کی اور ان کو زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں جو ایک مردہ قوم کے قالب میں جان ڈال سکتی ہیں۔ یہ وہ خیال تھا جس نے خود بخود صحابیات کی تعداد کو گھٹا دیا جس سے ہمارا دائرہ انتخاب بھی بہت کچھ محدود ہو گیا۔ اس کتاب میں ۴۵ صحابیات کی سوانح عمریاں ہیں جو شرائط مذکورہ کے ساتھ لکھی گئی ہیں اور اس بنا پر یہ کتاب فن اسماء الرجال میں داخل ہونے کے بجائے صحابیات کی تاریخ بن گئی ہے جس میں ان کے محاسن کمال کا ایک خال و خط نظر آتا ہے۔

واقعات کے انتخاب میں خاص احتیاط مد نظر رکھی گئی ہے اور ان کو روایت و درایت کی کسوٹی پر جانچ لیا گیا ہے، اسی بناء پر بہت سے واقعات جو عام کتابوں میں متداول ہیں، اس کتاب میں نہیں ملیں گے۔

اس میں ناظرین کو صحابیات کے حالات میں بعض ایسی روایتیں ملیں گی جو مسائل فقہیہ کے معارض ہیں۔ اس لئے یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ یہ کتاب تذکرہ و تراجم کی ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس پاکیزہ جماعت کی زندگی کا نقشہ ہمارے سامنے آجائے مسائل فقہیہ کی تشریح اور روایات مختلفہ کی تطبیق و ترجیح اس کا موضوع نہیں ہے۔ اس لئے اختلافی مسائل فقہیہ میں اس کتاب کو اپنے عمل کے لئے سند بنانا صحیح نہ ہوگا۔ ناظرین کی سہولت کے لئے اس قسم کی مندرجہ روایات پر نوٹ دے دیئے گئے ہیں۔ ان تمام باتوں کے ساتھ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ مجھ سے تحریر میں کچھ فرد گزشتیں ہو گئی ہوں لیکن انسان اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا ہے۔

وقد قال الله تعالى: - لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

سعید انصاری  
دار المصنفین اعظم گڑھ

۵ محرم ۱۳۴۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم  
دیباچہ طبع ثانی  
از علامہ سید سلیمان ندوی

دارالمصنفین نے سیر الصحابہ کا جو سلسلہ لکھا اور شائع کیا تھا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں میں اس کو مقبولیت بخشی اور بہت سے سعادت مندوں کو اس سے علمی و عملی فائدے پہنچائے اس سے امید ہے کہ اس سلسلہ کے لکھنے والوں کو انشاء اللہ تعالیٰ اجر آخرت بھی ملے گا۔

اس سلسلہ کو دارالمصنفین کے حسب ذیل رفقاء نے لکھ کر پورا کیا ہے۔

(۱) مولانا عبدالسلام صاحب ندوی

(۲) مولانا حاجی معین الدین صاحب ندوی مرحوم سابق صدر مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ، پٹنہ

(۳) مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی

(۴) مولانا سعید احمد انصاری صاحب

یہ سیر الصحابیات آخر الذکر رفیق کے قلم سے نکلی ہے اور یہ پہلی دفعہ آج سے ۲۳ برس پہلے ۱۳۴۱ھ میں چھپی تھی، اور اب وہ دوبارہ شائع کی جا رہی ہے۔ اس دوسرے ایڈیشن پر ہمارے ایک اور رفیق مولانا محمد اویس صاحب نگر امی ندوی نے نظر ثانی کی ہے، حوالوں کی تصحیح، بعض غلطیوں کی اصلاح اور بعض مطالب میں مناسب ترمیم بھی انہوں نے کی ہے جس کے لئے وہ شکر یہ کے مستحق ہیں۔ امید ہے کہ یہ کتاب اس کے بعد اپنی افادیت میں پہلے سے بہتر اور انشاء اللہ مؤلف اور مصحح دونوں کے لئے خیر جاری ثابت ہوگی۔ مسلمان عورتیں زمانہ کے نئے حالات سے بدل رہی ہیں ان کے سامنے سعادت مند خواتین کا کوئی اسود وجود نہیں اس لئے ان کا راہ سے ہٹنا دور از عقل نہیں۔ لیکن اگر



ہماری بہنیں اور بیٹیاں اس کتاب کو اپنی زندگی کا نمونہ بنائیں تو انہیں معلوم ہو گا کہ دینداری، خداترسی، پاکیزگی، عفت اور اصلاح و تقویٰ کے ساتھ وہ دنیا کو کیونکر نباہ سکتی ہیں اور دنیا و آخرت دونوں کی نیکیوں کو اپنے آنچل میں کیسے سمیٹ سکتی ہیں۔

والسلام

سید سلیمان ندوی  
ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ

۴ شعبان ۱۳۶۳ھ

## (۱) حضرت خدیجہؓ

نام و نسب :

خدیجہ نام ام ہند کنیت طاہرہ لقب۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی، قصی پر پہنچ کر ان کا خاندان رسول اللہ ﷺ کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا اور لوی بن غالب کے دوسرے بیٹے عامر کی اولاد تھیں۔

حضرت خدیجہؓ کے والد اپنے قبیلہ میں نہایت معزز شخص تھے مکہ آکر اقامت کی۔ عبدالدار بن قصی کے 'جو ان کے لن عم تھے' حلیف بنے اور یہیں فاطمہ بنت زائدہ سے شادی کی۔ جن کے بطن سے عام الفیل سے ۱۵ سال قبل حضرت خدیجہؓ پیدا ہوئیں۔ (۱)  
سن شعور کو پہنچیں تو اپنے پاکیزہ اخلاق کی بناء پر طاہرہ کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ (۲)

نکاح :

باپ نے ان صفات کا لحاظ رکھ کر شادی کے لئے ورقہ بن نوفل کو جو برادر زادہ اور تورات و انجیل کے بہت بڑے عالم تھے، منتخب کیا، لیکن پھر کسی وجہ سے یہ نسبت نہ ہو سکی اور ابوہالہ بن بناش تمیمی سے نکاح ہو گیا۔ (۲)

اسی زمانہ میں حرب الغبار چھڑی، جس میں حضرت خدیجہؓ کے باپ لڑائی کے لئے نکلے اور مارے گئے۔ (۲) یہ عام الفیل سے ۲۰ سال بعد کا واقعہ ہے۔ (۵)  
تجارت :

باپ اور شوہر کے مر جانے کے بعد حضرت خدیجہؓ کو سخت دقت واقع ہوئی ذریعہ معاش تجارت تھی جس کا کوئی نگران نہ تھا۔ تاہم اپنے اعزہ کو معاوضہ دیکر مال تجارت بھینجتی تھیں۔ ایک مرتبہ مال کی روانگی کا وقت آیا تو ابو طالب نے آنحضرت ﷺ

(۱) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸، ۱۰، ۸ (۲) اصابہ ج ۸ ص ۶۰ (۳) استیعاب ج ۲ ص ۳۷۸

(۴) طبقات ج ۸ ص ۹ (۵) ایضاً ص ۸۱ ج ۱ ق ۱

سے کہا کہ تم کو خدیجہ سے جا کر ملنا چاہیے ان کا مال شام جائے گا۔ بہتر ہوگا کہ تم بھی ساتھ جاؤ۔ میرے پاس روپیہ نہیں ہے میں خود تمہارے لئے سرمایہ مہیا کر دیتا۔ رسول اللہ ﷺ کی شہرت ”امین“ کے لقب سے تمام مکہ میں تھی اور آپ ﷺ کے حسن معاملت، راست بازی، صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاقی کا عام چرچا تھا۔ حضرت خدیجہ کو اس گفتگو کی خبر ملی تو فوراً پیغام بھیجا کہ ”آپ میرا مال تجارت لیکر شام کو جائیں جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپ کو اس کا مضاعف دوں گی“ آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا اور مال تجارت لیکر میسرہ (غلام خدیجہ) کے ہمراہ بصرہ تشریف لے گئے، اس سال کا نفع سالانہ گزشتہ کے نفع سے مضاعف تھا۔ (۱)

حضرت خدیجہ آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آتی ہیں:

حضرت خدیجہ کی دولت و ثروت اور شریفانہ اخلاق نے تمام قریش کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا اور ہر شخص ان سے نکاح کا خواہاں تھا لیکن کارکنان قضا و قدر کی نظر انتخاب کسی اور پر پڑ چکی تھی۔ آنحضرت ﷺ مال تجارت لیکر شام سے واپس آئے تو حضرت خدیجہ نے شادی کا پیغام بھیجا۔ نفیسہ بنت منیہ (یعنی بن امیہ کی ہم شیر) اس خدمت پر مقرر ہوئی آپ ﷺ نے منظور فرمایا (۲) اور شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ حضرت خدیجہ کے والد اگرچہ وفات پا چکے تھے تاہم ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی سیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھیں۔ اسی بناء پر حضرت خدیجہ نے چچا کے ہوتے ہوئے خود براہ راست تمام مراقب طے کئے۔

تاریخ معین پر ابو طالب اور تمام روسائے خاندان جن میں حضرت حمزہ بھی تھے، حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے۔ حضرت خدیجہ نے بھی اپنے خاندان کے چند بزرگوں کو جمع کیا تھا۔ ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا۔ عمرو بن اسد کے مشورہ سے ۵۰۰ طلائی درہم مہر قرار پایا اور خدیجہ طاہرہ حرم نبوت ہو کر ام المؤمنین کے شرف سے ممتاز ہوئیں۔ اس وقت آنحضرت ﷺ پچیس سال کے تھے اور حضرت خدیجہ کی عمر چالیس برس کی تھی۔ یہ اہشت نبوی ﷺ سے پندرہ سال قبل کا واقعہ ہے۔ (۲)

سلام :

پندرہ برس کے بعد جب آنحضرت ﷺ پیغمبر ہوئے اور فرائض نبوت کو ادا کرنا چاہا تو سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا وہ سننے سے پہلے مؤمن تھیں کیونکہ ان سے زیادہ آپ ﷺ کے صدق و دعویٰ کا کوئی شخص فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔ صحیح بخاری باب بدء الوحی میں یہ قصہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے اور وہ یہ ہے۔

عن عائشة انها قالت اول ما بدئ به رسول الله ﷺ من الوحى الرؤيا الصالحة فى النوم فكان لا يرى رؤيا الا جاءت مثل فلق الصبح ثم حبب اليه الخلاء وكان يخلو بغار حراء فيتحنث فيه وهو التعبد الليالى ذوات العدد قبل ان ينزع الى اهله و يتزود لذلك ثم يرفع الى خديجة فيتزود لمثلها حتى جاء الحق وهو فى غار حراء فجاءه الملك فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ قال فاخذنى فغطنى حتى بلغ منى الجهد ثم ارسلنى فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ فاخذنى فغطنى الثانية حتى بلغ منى الجهد ثم ارسلنى فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ قال فاخذنى فغطنى الثالثة ثم ارسلنى فقال اقرأ باسم ربك الذى خلق خلق الانسان من علق اقرأ ربك الاكرم.

فرجع بها رسول الله ﷺ يرجف فؤاده فدخل على خديجة بنت خويلد فقال زملونى زملونى فزملوه حتى ذهب عنه الروع فقال لخديجة واخبرها الخبر لقد خشيت على نفسى فقالت خديجة كلا والله ما يخزيك الله ابد انك لتصل الرحم و تحمل الكل و تكسب المعدوم و تقرى الضيف و تعين على نوائب الحق فانطلقت به خديجة حتى اتت به ورقة بن نوفل بن اسد بن عبد العزى ابن عم خديجة و كان امرأ تنصر فى الجاهلية و كان يكتب الكتاب العبرانى فيكتب من الانجيل بالعبرانية ماشاء الله ان يكتب و كان شيخاً كبيراً قد عمى فقالت له خديجة يا ابن عم اسمع من ابن اخيك فقال له ورقة يا ابن اخى ماذا ترى فاخبر رسول الله ﷺ خبر ما راى فقال له ورقة هذا الناموس الذى نزل الله على موسى يلىتنى فيها جذعاً يلىتنى اكون حيا اذ يخرجك قومك فقال رسول الله ﷺ او مخرجى هم قال نعم لم يات رجل قط بمثل ما جئت به الا عودى و ان

بدر کنی یومك انصرک نصرًا مؤذرا ثم لم ينشب ورقه ان توفى و فتر الوحي (۱)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر وحی کی ابتداء روئے صادقہ سے ہوئی۔ آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے سپیدہ صبح کی طرح نمودار ہو جاتا تھا اس کے بعد آپ خلوت گزین ہو گئے۔ چنانچہ کھانے پینے کا سامان لیکر غار حرا تشریف لے جاتے اور وہاں تحت تخت یعنی عبادت کرتے تھے جب سامان ہو چکنا تو پھر خدیجہؓ کے پاس تشریف لاتے اور پھر واپس جا کر مراقبہ میں مصروف ہوتے یہاں تک کہ ایک دن فرشتہ غیب نظر آیا کہ آپ سے کہہ رہا ہے پڑھ آپ نے فرمایا میں پڑھا لکھا نہیں اس نے زور سے دہرایا پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا پڑھ تو میں نے پھر کہا کہ میں پڑھا لکھا نہیں پھر اس نے دوبارہ زور سے دہرایا اور چھوڑ دیا اور کہا پڑھ پھر میں نے کہا میں پڑھا لکھا نہیں اسی طرح تیسری بار دبا کر کہا پڑھ اس خدا کا نام جس نے کائنات کو پیدا کیا جس نے آدمی کو گوشت کے لو تھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا خدا کریم ہے آنحضرت ﷺ گھر تشریف لائے تو جلال الہی سے لہریز تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا مجھ کو کپڑا اوڑھاؤ مجھ کو کپڑا اوڑھاؤ لوگوں نے کپڑا اوڑھایا تو ہیبت کم ہو گئی۔ پھر حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کیا اور کہا ”مجھ کو ڈر ہے“ حضرت خدیجہؓ نے کہا آپ متردد نہ ہوں خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں بے کسوں اور فقیروں کے معاون رہتے ہیں مہمان نوازی اور مصائب میں حق کی حمایت کرتے ہیں پھر وہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو مذہب نصرانی تھے عبرانی زبان جانتے تھے اور عبرانی زبان میں انجیل لکھا کرتے تھے اب وہ بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ اپنے بھتیجے (آنحضرت ﷺ) کی باتیں سنو۔ بولے لن الاخ تم نے کیا دیکھا؟ آنحضرت ﷺ نے واقعہ کی کیفیت بیان کی تو کہا یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ پر اترا تھا کاش مجھ میں اس وقت قوت ہوتی اور زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو شہر بدر کرے گی۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے جواب دیا ہاں۔ جو کچھ آپ پر نازل ہو جب کسی پر نازل ہوتا ہے تو دنیا اس کی دشمن ہو جاتی ہے اور اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو تمہاری وزنی مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ کا بہت جلد انتقال ہو گیا اور وحی پچھ دنوں کے لئے رک گئی۔

اس وقت تک نماز ہجگانہ فرض نہ تھی، آنحضرت ﷺ نوافل پڑھا کرتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ بھی آپ کے ساتھ نوافل میں شرکت کرتی تھیں۔ ابن سعد کہتے ہیں (۱)

مكث رسول الله ﷺ و خديجة يصليان سرا ماشاء الله

آنحضرت ﷺ اور خدیجہؓ ایک عرصہ تک خفیہ طور پر نماز پڑھتے رہے۔

عقیف کنڈی سامان خریدنے کے لئے مکہ آئے اور حضرت عباسؓ کے گھر میں فروکش ہوئے صبح کے وقت ایک دن کعبہ کی طرف نظر تھی دیکھا کہ ایک نوجوان آیا اور آسمان کی طرف قبلہ رخ کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک لڑکا اس کے داہنی طرف آکر کھڑا ہوا۔ پھر ایک عورت دونوں کے پیچھے کھڑی ہوئی۔ نماز پڑھ کر یہ لوگ چلے گئے تو عقیف نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ کوئی عظیم الشان واقعہ پیش آنے والا ہے حضرت عباسؓ نے جواب دیا ہاں! پھر کہا جانتے ہو یہ نوجوان کون ہے یہ میرا بھتیجا محمد ہے یہ دوسرا بھتیجا علیؓ ہے اور یہ محمد کی بیوی (خدیجہؓ) ہے میرے بچے کا خیال ہے کہ اس کا مذہب پروردگار عالم کا مذہب ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے حکم سے کرتا ہے دنیا میں جہاں تک مجھ کو علم ہے اس خیال کے صرف یہی تین شخص ہیں۔ (۲)

عقیلی اس روایت کو ضعیف سمجھتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک اس کے ضعیف ہونے کی کوئی وجہ نہیں روایت کے لحاظ سے اس میں کوئی خرابی نہیں روایت کی حیثیت سے اس کے ثبوت کے متعدد طرق ہیں، محدث ابن سعد نے اس کو نقل کیا ہے۔ بغوی ابو یعلیٰ اور نسائی نے اس کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، حاکم، ابن خثیمہ، ابن مندو اور صاحب غیبا نیات نے اسے مقبول مانا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں درج کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے صرف نبوت کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ آغاز اسلام میں آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی معین و مددگار ثابت ہوئیں آنحضرت ﷺ کو جو چند سال تک کفار مکہ اذیت دیتے ہوئے ہچکچاتے تھے اس میں بڑی حد تک حضرت خدیجہؓ کا اثر کام کر رہا تھا اور گزر چکا کہ آغاز نبوت میں جب آپ ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ ”مجھ کو ڈرنے“ تو انہوں نے کہا ”آپ متردد نہ ہوں خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا“ دعوت اسلام

کے سلسلے میں جب مشرکین نے آپ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں تو حضرت خدیجہ نے آپ کو تسلی اور تشفی دی۔ استیعاب میں ہے۔ (۱)

فكان لا يسمع من المشركين شيئاً يكره من رد عليه و تكذيب  
الافراج الله عنه بما تثبته و تصدقه و تخفف عنه و تهون عليه ما يلقي من قومه  
آنحضرت ﷺ کو مشرکین کی تردید یا تکذیب سے جو کچھ صدمہ بھی  
حضرت خدیجہ کے پاس آکر دور ہو جاتا تھا کیونکہ وہ آپ ﷺ کی باتوں کی تصدیق کرتی تھیں  
اور مشرکین کے معاملہ کو آپ کے سامنے ہا کا کر کے پیش کرتی تھیں۔

سن ۷ نبوی میں جب قریش نے اسلام کے تباہ کرنے کا فیصلہ کیا تو یہ تدبیر سامنے  
کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے خاندان کو ایک گھاٹی میں محصور کیا جائے چنانچہ ابو طالب  
ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہوئے حضرت خدیجہ  
ساتھ آئیں سیرت ابن ہشام میں ہے (۲)

وهي عند رسول الله ﷺ و معه في الشعب

اور وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شعب ابی طالب میں تھیں۔

تین سال تک ہاشم نے اس حصار میں بسر کی یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلع کے  
پتے کھا کھا کر رہتے تھے تاہم اس زمانہ میں بھی حضرت خدیجہ کے اثر سے کبھی کبھی کھانا پہنچ  
جاتا تھا چنانچہ ایک دن حکیم بن حزام نے جو کہ حضرت خدیجہ کا بھتیجا تھا، تھوڑے سے گیہوں  
اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہ کے پاس بھیجے راہ میں ابو جہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا  
اتفاق سے ابو بختری کہیں سے آگیا۔ وہ اگرچہ کافر تھا لیکن اس کو رحم آیا ابو جہل سے کہا ایک  
شخص اپنی پہو پہی کو کچھ کھانے کے لئے بھیجتا ہے تو کیوں روکتا ہے۔ (۳)

وفات :

حضرت خدیجہ نکاح کے بعد پچیس برس تک زندہ رہیں اور ۱۱ رمضان ۱۰ نبوی  
(ہجرت سے تین سال قبل) انتقال کیا۔ اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال ۶ ماہ کی تھی۔ چونکہ  
نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی اس لئے ان کی لاش مبارک اسی طرح دفن

(۱) طلاقات ج ۲ ص ۷۴۰ (۲) سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۲

(۳) سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۲ (۴) بخاری ج ۱ ص ۵۵۱

کردی گئی۔

آنحضرت ﷺ خود ان کی قبر میں اترے اور اپنی سب سے بڑی نغمگسار کو داعی اجل کے سپرد کیا۔ حضرت خدیجہؓ کی قبر جحون میں ہے اور زیارت گاہ خلائق ہے۔ (۱)

حضرت خدیجہؓ کی وفات سے تاریخ اسلام میں ایک جدید دور شروع ہوا۔ یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے اور خود آنحضرت ﷺ اس سال کو عام الحزن (سال غم) فرمایا کرتے تھے کیونکہ ان کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کسی شخص کا پاس نہیں رہ گیا تھا اور اب وہ نہایت بے رحمی اور بے باکی سے آنحضرت ﷺ کو ستاتے تھے۔ اسی زمانہ میں آپ اہل مکہ سے ناامید ہو کر طائف تشریف لے گئے تھے۔

اولاد :

حضرت خدیجہؓ کے بہت سی اولاد ہوئی۔ ابوالہ سے جو ان کے پہلے شوہر تھے، دو لڑکے پیدا ہوئے جن کے نام ہالہ اور ہند تھے۔ دوسرے شوہر یعنی عتیق سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام بھی ہند تھا۔ آنحضرت ﷺ سے چھ (۶) اولادیں ہوئیں۔ دو صاحبزادے جو بچپن میں انتقال کر گئے اور چار صاحبزادیاں۔ نام حسب ذیل ہیں (۲)

(۱) حضرت قائمؓ آنحضرت ﷺ کے سب سے بڑے لڑکے تھے ان ہی کے نام پر آپ ابو القاسم کنیت کرتے تھے صغر سنی میں مکہ میں انتقال کیا۔ اس وقت پیروں چلنے لگے تھے (۲) حضرت زینبؓ آنحضرت کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں (۳) حضرت عبد اللہ نے بہت کم عمر پائی چونکہ زمانہ نبوت میں پیدا ہوئے تھے اس لئے طیب اور طاہر کے لقب سے مشہور ہوئے (۴) حضرت رقیہؓ (۵) حضرت ام کلثومؓ (۶) حضرت فاطمہ زہراؓ ان سب میں ایک ایک سال کا چھوٹا بچہ تھا۔ حضرت خدیجہؓ اپنی اولاد کو بہت چاہتی تھیں اور چونکہ دنیا نے بھی ساتھ دیا تھا یعنی صاحب ثروت تھیں اس لئے عقبہ کی لونڈی سلمہ کو بچوں کی پرورش پر مقرر کیا تھا وہ ان کو کھلاتی تھی اور دودھ پلاتی تھی۔

ازواج مطہرات میں حضرت خدیجہؓ کو بعض خصوصیتیں حاصل ہیں وہ آنحضرت ﷺ کی پہلی بیوی ہیں وہ جب عقد نکاح میں آئیں تو ان کی عمر چالیس برس کی تھی لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت ابراہیمؓ کے سوا



آنحضرت ﷺ کی تمام اولاد ان ہی سے پیدا ہوئی۔  
فضائل و مناقب :

ام المؤمنین حضرت خدیجہ طاہرہؓ کی عظمت و فضیلت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو فضائے عالم سے ایک آواز بھی آپ ﷺ کی تائید میں نہ اٹھی۔ کوہ حرا وادی عرفات، جبل فاران، غرض تمام جزیرۃ العرب آپ کی آواز پر ایک پیکر تصویر بنا ہوا تھا۔ لیکن اس عالمگیر خاموشی میں صرف ایک آواز تھی جو فضائے مکہ میں تموج پیدا کر رہی تھی یہ آواز حضرت خدیجہؓ طاہرہ کے قلب مبارک سے بلند ہوئی تھی جو اس ظلمت کدہ کفر و ضلالت میں انوار الہی کا دوسرا تجلی گاہ تھا۔

حضرت خدیجہؓ وہ مقدس خاتون ہیں جنہوں نے نبوت سے پہلے بت پرستی چھوڑ دی تھی۔ چنانچہ مسند امام احمد میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا ”خدا میں کبھی ات و عزلی کی پریشانی نہیں کروں گا“ انہوں نے جواب دیا کہ ات کو جانے دیجئے عزلی کو جانے دیجئے یعنی اتکا کر بھی نہ کیجئے“ (۱) آنحضرت ﷺ نے جب نبوت کی صد بلند کی تو سب سے پہلے ان ہی کے اس پر لبیک کہا آنحضرت ﷺ اور اسلام کو ان ذات سے جو اقویت تھی وہ سیرت نبوی ﷺ کے ایک ایک صفحہ سے نمایاں ہے۔  
لین ہشام میں ہے۔

و کانت لہ وریو صدق علی الاسلام

وہ اسلام کے متعلق آنحضرت ﷺ کی سچی مشیر کار تھیں۔

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو محبت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ باوجود اس تمول اور اس دولت و ثروت کے جو ان کو حاصل تھی حضور ﷺ کی خدمت خود کرتی تھیں چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیلؑ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ خدیجہؓ برتن میں کچھ لار ہی ہیں، آپ ان کو خدا کا اور میرا سلام پہنچا دیجئے۔ (۲)

آنحضرت ﷺ کو حضرت زید بن حارثہؓ سے سخت محبت تھی لیکن وہ مکہ میں غلام کی حیثیت سے رہتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان کو آزاد کیا اور اب وہ کسی دنیاوی رئیس کے غلام ہونے کے بجائے شہنشاہ رسالت ﷺ کے غلام تھے۔

آنحضرت ﷺ کو بھی حضرت خدیجہؓ سے بے انتہا محبت تھی آپ ﷺ نے ان کی زندگی تک دوسری شادی نہیں کی ان کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا کہ جب گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تھا تو آپ ذہونڈ ذہونڈ کر ان کی سیلیوں کے پاس گوشت بھجاتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ گو میں نے خدیجہؓ کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی لور پر نہیں آتا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے ایک دفعہ میں نے اس پر آپ ﷺ کو اس پر رنجیدہ کیا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”خدا نے مجھ کو ان کی محبت دی ہے“ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۳)

ایک دفعہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ آنحضرت ﷺ سے ملنے آئیں اور استیذان کے قاعدے سے اندر آنے کی اجازت مانگی ان کی آواز حضرت خدیجہؓ سے ملتی تھی آپ کے کانوں میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہؓ یاد آگئیں اور آپ جھک اٹھے اور فرمایا ”کہ ہالہ ہوں گی“ حضرت عائشہؓ بھی موجود تھیں ”ان کو رشک ہوا بولیں کہ“ کیا آپ ایک بڑھیا کی یاد کرتے ہیں جو مر چکیں اور خدا نے ان سے اچھی آپ کو بیویاں دیں“ صحیح بخاری میں یہ روایت یہیں تک ہے، لیکن استیعاب میں ہے کہ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انہوں نے میری مدد کی اور میری اولاد ان ہی سے ہوئی“ حضرت خدیجہؓ کے مناقب میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے:

خیر نسانہا مریم بنت عمران خیر نسانہا خدیجہ بنت خویلد

”عالم میں افضل ترین عورت مریم اور خدیجہؓ ہیں“

ایک مرتبہ حضرت جبرائیلؑ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے خدیجہؓ آئیں

تو فرمایا:

بشرها بیت فی الجنة من قصب لا صخب فیہ ولا نصب (۲)

ان کو جنت میں ایسے گھر کی بشارت سنا دیجئے جو موتی کا ہو گا اور جس میں شور و غل

اور محنت مشقت نہ ہوگی۔

## (۲) حضرت سودہؓ

نام و نسب :

سودہ نام تھا۔ قبیلہ عامر بن لوی سے تھیں جو قریش کا ایک نامور قبیلہ تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے : سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حل بن عامر بن لوی۔ ماں کا نام شمس تھا۔ یہ مدینہ کے خاندان بنو نجار سے تھیں ان کا پورا نام ہونسب یہ ہے : شمس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن فراش بن عامر بن غنم بن النجار۔

نکاح :

سکران بن عمرو سے جو ان کے والد کے لہجہ سے تھے شادی ہوئی۔

قبول اسلام :

ابتداءً نبوت میں مشرف بہ اسلام ہوئیں ان کے ساتھ ان کے شوہر بھی اسلام لانے اس بنا پر ان کو قدیم اسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حبشہ کی پہلی ہجرت کے وقت تک حضرت سودہؓ اور ان کے شوہر مکہ ہی میں مقیم رہے لیکن جب مشرکین کے ظلم و ستم کی کوئی انتہا نہ رہی اور مہاجرین کی ایک بڑی جماعت ہجرت کے لئے آمادہ ہوئی تو اس میں حضرت سودہؓ اور ان کے شوہر بھی شامل ہو گئے۔

کئی برس حبشہ میں رہ کر مکہ کو واپس آئیں اور سکرانؓ نے کچھ دن کے بعد وفات پائی۔

حضرت سودہؓ حرم نبوت بنتی ہیں :

ازواج مطہرات میں یہ فضیلت صرف حضرت سودہؓ کو حاصل ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں حضرت خدیجہؓ کے انتقال سے آنحضرت ﷺ نہایت پریشان و غمگین تھے یہ حالت دیکھ کر نول بنت حکیم (عثمان بن مظعون کی بیوی) نے عرض کی کہ آپ کو ایک مونس و رفیق کی ضرورت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں گھر بار بال بچوں کا انتظام سب خدیجہؓ کے متعلق تھا آپ ﷺ کے ایما سے وہ حضرت سودہؓ کے والد کے پاس گئیں اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا انعم صباحا پھر نکاح کا پیغام سنایا انہوں نے کہا ہاں محمد (ﷺ) شریف کفو ہیں لیکن

سودہ سے بھی تو دریافت کرو، غرض سب مراتب طے ہو گئے تو آنحضرت ﷺ خود تشریف لے گئے اور سودہ کے والد نے نکاح پڑھایا چار سو درہم مہر قرار پایا۔ نکاح کے بعد عبد اللہ بن زعد (حضرت سودہ کے بھائی) جو اس وقت کافر تھے ائے اور ان کو یہ حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی کہ یہ کیا غضب ہو گیا چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت و نادانی پر ہمیشہ ان کو افسوس آتا تھا۔ (زر قانی ج ۳ ص ۲۶۱)

حضرت سودہ کا نکاح رمضان ۱۰ھ ہجری میں ہوا اور چونکہ ان کے اور حضرت عائشہ کے نکاح کا زمانہ قریب قریب ہے اس لئے مؤرخین میں اختلاف ہے کہ کس کو تقدم حاصل ہے لن اسحاق کی روایت ہے کہ سودہ کو تقدم ہے اور عبد اللہ بن محمد بن عقیل حضرت عائشہ کو مقدم سمجھتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۶ تا ۳۹ و زر قانی ج ۳ ص ۲۶۰)

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سودہ نے اپنے پہلے شوہر کی زندگی میں ایک خواب دیکھا تھا ان سے بیان کیا تو بولے کہ شاید میری موت کا زمانہ قریب ہے اور تمہارا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہو گا چنانچہ یہ خواب حرف بہ حرف پورا ہوا۔ (۱)

عام حالات :

نبوت کے تیرھویں سال جب آپ نے مدینہ منورہ میں ہجرت کی تو حضرت زیدؓ لن حارثہ کو مکہ بھیجا کہ حضرت سودہ وغیرہ کو لے کر آئیں۔ چنانچہ وہ اور حضرت فاطمہؓ زہراؓ حضرت زیدؓ کے ہمراہ مدینہ آئیں۔

۱۰ھ ہجری میں جب آنحضرت ﷺ نے حج کیا تو حضرت سودہؓ بھی ساتھ تھیں چونکہ وہ بلند و بالا اور فریب اندام تھیں اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہیں سکتی تھیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے اجازت دی کہ لور لوگوں کے مزدلفہ روانہ ہونے کے قبل ان کو چلا جانا چاہیے کیونکہ ان کو بھیڑ بھاڑ میں چلنے سے تکلیف ہوگی۔ (۲)

وفات :

ایک دفعہ ازواج مطہرات آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھیں انہوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سب سے پہلے کون مرے گا؟ فرمایا کہ جس کا ہاتھ

(۱) درقانی ج ۳ ص ۲۶۰ و طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۸ و ۳۹

(۲) صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۸

سب سے بڑا ہے لوگوں نے ظاہری معنی سمجھے ہاتھ ناپے گئے تو سب سے بڑا حضرت سودہؓ کا تھا (۱) لیکن جب سب سے پہلے حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی بڑائی سے آپ ﷺ کا مقصود سخاوت اور فیاضی تھی۔ بہر حال واقدی نے حضرت سودہؓ کا سال وفات ۵۴ھ ہجری بتایا ہے۔ (۲) لیکن ثقات کی روایت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے اخیر زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔ (۳)

حضرت عمرؓ نے ۲۳ ہجری میں وفات پائی ہے اس لئے حضرت سودہؓ کا سال وفات ۲۲ ہجری ہو گا خمیس میں یہی روایت ہے اور یہی سب سے زیادہ صحیح ہے (۴) اور اس کو امام بخاری ذہبی جزری کن عبدالبر اور خزرجی نے اختیار کیا ہے۔  
اولاد :

آنحضرت ﷺ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، پہلے شوہر (حضرت سکرانؓ) نے ایک لڑکا یادگار چھوڑا تھا جس کا نام عبدالرحمن تھا انہوں نے جنگ جلولاء (فارس) میں شہادت حاصل کی۔ (۵)  
حلیہ :

ازواج مطہرات میں حضرت سودہؓ سے زیادہ کوئی بلند و بالانہ تھا حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ جس نے ان کو دیکھ لیا اس سے وہ چھپ نہیں سکتی تھیں (۶) زرقانی میں ہے کہ ان کا ذیل انباتھا۔ (۷)  
فضل و کمال :

حضرت سودہؓ سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے صحابہؓ میں حضرت عباسؓ کن زبیرؓ اور یحییٰ کن عبدالرحمن (بن اسعد بن زرارہ) نے ان سے روایت کی ہے۔  
اخلاق :

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں (۸)

(۱) طبقات ج ۸ ص ۳۷ (۲) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۷-۳۹ (۳) اسد الغابہ و استیعاب و خلاصہ تہذیب حالات سودہؓ (۴) زرقانی ج ۲ ص ۲۶۲ (۵) زرقانی ج ۱ ص ۲۶۰ (۶) صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۷ (۷) زرقانی ج ۳ ص ۴۵۹ (۸) طبقات ج ۸ ص ۳۷

مامن الناس امرأة أحب الی ان اکون فی مسلاخها من سودة  
 ”سودہ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ اس کے قالب  
 میں میری روح ہوتی“

اطاعت اور فرماں برداری میں وہ تمام ازواج مطہرات سے ممتاز تھیں۔ آپ ﷺ  
 نے حجتہ الوداع کے موقع پر ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ ”میرے بعد گھر  
 میں بیٹھنا“ (۱) چنانچہ حضرت سودہ نے اس حکم پر اس شدت سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کے  
 لئے نہ نکلیں فرماتی تھیں کہ میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں اور اب خدا کے حکم کے  
 مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔ (۲)

سخت اور فیاضی بھی ان کا ایک نمایاں وصف تھا اور حضرت عائشہ کے سوا وہ اس  
 وصف میں بھی سب سے ممتاز تھیں، ایک دفعہ حضرت عمر نے ان کی خدمت میں ایک  
 تھیلی بھینچی لانے والے سے پوچھا اس میں کیا ہے؟ وہ بولا درہم، بولیں، کھجور کی طرح  
 تھیلی میں درہم بھنکے جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر اسی وقت سب کو تقسیم کر دیا۔ (۳) طائف کی  
 کھالیں بناتی تھیں اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کو نہایت آزادی کے ساتھ نیک کاموں  
 میں صرف کرتی تھیں۔ (۴)

ایثار میں بھی وہ ممتاز حیثیت رکھتی تھیں وہ اور حضرت عائشہ آگے پیچھے نکاح میں  
 آئی تھیں لیکن چونکہ ان کا سن بہت زیادہ تھا اس لئے جب بوڑھی ہو گئیں تو ان کو سوء ظن  
 ہوا کہ شاید آنحضرت ﷺ طلاق دے دیں اور یہ شرف صحبت سے محروم ہو جائیں۔ اس  
 بناء پر انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ کو دیدی اور انہوں نے خوشی سے قبول کر لی۔ (۵)  
 مزاج تیز تھا، حضرت عائشہ ان کی بے حد معترف تھیں۔ لیکن کہتی ہیں کہ وہ بہت  
 جلد غصہ سے بھراک اٹھتی تھیں ایک مرتبہ قضائے حاجت کے لئے صحر اکو جا رہی تھیں،  
 راستہ میں حضرت عمر مل گئے چونکہ حضرت سودہ کا قد نمایاں تھا انہوں نے پہچان لیا۔  
 حضرت عمر کو ازواج مطہرات کا باہر نکلنا ناگوار تھا اور وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پردہ  
 کی تحریک کر چکے تھے اس لئے بولے سودہ تم کو ہم نے پہچان لیا۔ حضرت سودہ کو سخت ناگوار  
 گزرا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور حضرت عمر کی شکایت کی اسی واقعہ کے بعد آیت

(۱) زرقانی ج ۳ ص ۲۹۱ (۲) طبقات ج ۸ ص ۳۸ (۳) اصحاب ج ۸ ص ۱۸ (۴) ایضاً ص ۶۵  
 حالات خلیفہ (۵) صحیح بخاری و مسلم، کتاب النکاح جوازہ نوبتھا المضر تھا

حجاب نازل ہوئی۔ (۱)

بایں ہمہ ظرافت اس قدر تھی کہ کبھی کبھی اس انداز سے چلتی تھیں کہ آپ ﷺ ہنس پڑتے تھے ایک مرتبہ کہنے لگیں کہ کل رات کو میں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تھی آپ نے (اس قدر دیر تک) رکوع کیا کہ مجھ کو نکسیر پھوٹنے کا شبہ ہو گیا اس لئے میں دیر تک ناک پکڑے رہی۔ آپ ﷺ اس جملہ کو سن کر مسکرائے۔ (۲)

دجال سے بہت ڈرتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حصہؓ کے پاس آرہی تھیں دونوں نے مذاق کے لہجہ میں کہا تم نے کچھ سنا؟ بولیں کیا؟ کہا دجال نے خروج کیا حضرت سودہؓ یہ سن کر گھبرا گئیں۔ ایک خیمہ جس میں کچھ آدمی آگ سلگا رہے تھے قریب تھا فوراً اس کے اندر داخل ہو گئیں حضرت عائشہؓ اور حصہؓ ہنستی ہوئی آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور آپ کو اس مذاق کی خبر کی آپ ﷺ تشریف لائے اور خیمہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ابھی دجال نہیں نکلا ہے یہ سن کر حضرت سودہؓ باہر آئیں تو مکزی کا جال بدن پر لگا ہوا تھا اس کو باہر آکر صاف کیا۔ (۲) (میرے نزدیک یہ روایت مشکوک اور سند اضعیف ہے)

### (۳) حضرت عائشہؓ

نام و نسب :

عائشہ نام صدیقہ اور حمیر القب ام عبد اللہ کنیت حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں۔ ماں کا نام زینب تھا ام رومان کنیت تھی اور قبیلہ غنم بن مالک سے تھیں۔ حضرت عائشہؓ بعثت کے چار سال بعد شوال کے مہینہ میں پیدا ہوئیں صدیق اکبرؓ کا کاشانہ وہ برج سعادت تھا جہاں خورشید اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے پر تو فگن ہوئیں اس بنا پر حضرت عائشہؓ اسلام کی ان برگزیدہ شخصیتوں میں ہیں جن کے کانوں نے کبھی کفر و شرک کی آواز نہیں سنی خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا ان کو مسلمان پایا۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۵۲)

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶ (۲) ابن سعد ج ۸ ص ۳۷ (۳) اصابہ ج ۸ ص ۶۵

حضرت عائشہؓ کو وائل کی بیوی نے دودھ پلایا۔ وائل کی کنیت ابو القیس تھی وائل کے بھائی افلح حضرت عائشہؓ کے رضاعی چچا کبھی کبھی ان سے ملنے آیا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے وہ ان کے سامنے آتی تھیں (۱) رضائی بھائی بھی کبھی ملنے آیا کرتا تھا۔ (۲)

نکاح :

تمام ازواج مطہراتؓ میں یہ شرف صرف حضرت عائشہؓ کو حاصل ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی کنواری بیوی تھیں آنحضرت ﷺ سے پہلے وہ جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب ہوئی تھیں لیکن جب حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم نے آنحضرت ﷺ سے اجازت لیکر ام رومان سے کہا اور انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ذکر کیا تو چونکہ یہ ایک قسم کی وعدہ خلافی تھی بولے کہ جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں، لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر حضرت عائشہؓ ان کے گھر میں گئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آجائے گا۔ بہر حال حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خولہ کے ذریعہ سے آنحضرت ﷺ سے عقد کر دیا۔ پانچ سو درہم مہر قرار پایا۔ یہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ برس تھی۔

یہ نکاح اسلام کی سادگی حقیقی تصویر تھا عطیہ اس کا واقعہ اس طرح بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں ان کی لڑائی اور ان کو لے گئی۔ حضرت ابو بکرؓ نے آکر نکاح پڑھا دیا۔ حضرت عائشہؓ خود کہتی ہیں کہ جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک نہ ہوئی جب میری والدہ نے باہر نکلنے میں روک ٹوک شروع کی تب میں سمجھی کہ میرا نکاح ہو گیا اس کے بعد میری والدہ نے مجھے سمجھا بھی دیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۴۰)

نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ کا قیام مکہ میں تین سال تک رہا۔ ۱۳ نبوی میں آپ ﷺ نے ہجرت کی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ ساتھ تھے اور اہل و عیال کو دشمنوں کے زرعہ میں چھوڑ آئے تھے جب مدینہ میں اطمینان ہوا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عبداللہ بن اریقظہ کو بھیجا کہ ام رومانؓ اسماءؓ اور عائشہؓ کو لے آئیں مدینہ میں آکر حضرت عائشہؓ سخت بخار میں مبتلا ہوئیں۔ ابتدا مرض سے سر کے بال جھڑ گئے۔ (۳) صحت ہوئی تو ام رومان کو رسم



عروسی ادا کرنے کا خیال آیا۔ اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۹ سال کی تھی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ ام رومان نے آکر آواز دی 'ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہیں تھی' ماں کے پاس آئیں انہوں نے منہ دھویا بال درست کئے، گھر میں لے گئیں۔ انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارک باد دی۔ تھوڑی دیر بعد خود آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔ (۱) شوال میں نکاح ہوا تھا اور شوال ہی میں یہ رسم ادا کی گئی۔

حضرت عائشہؓ کے نکاح سے عرب کے بعض یہودہ خیالات میں اصلاح ہوئی (۱) عرب منہ بولے بھائی کی لڑکی سے شادی نہیں کرتے تھے 'اسی بناء پر جب خولہؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے آنحضرت ﷺ کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے حیرت سے کہا کہ "کیا یہ جائز ہے؟" عائشہؓ تو رسول اللہ ﷺ کی بھتیجی ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا انت اخ فی الاسلام تم تو صرف مذہبی بھائی ہو (۲) اہل عرب شوال میں شادی نہیں کرتے تھے زمانہ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا۔ حضرت عائشہؓ کی شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں۔

عام حالات :

غزوات میں سے صرف غزوہ احد میں حضرت عائشہؓ کی شرکت کا پتہ چلتا ہے صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ میں نے عائشہؓ کو رام سلیمؓ کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر اتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ (۲)

غزوہ مصطلق میں کہ ۵ ہجری کا واقعہ ہے 'حضرت عائشہؓ آپ کے ساتھ واپسی میں ان کا ہار کہیں گر گیا پورے قافلہ کو اترنا پڑا 'نماز کا وقت آیا تو پانی نہ ملا تمام صحابہؓ پریشان تھے آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی اور تیمم کی آیت نازل ہوئی اس اجازت سے تمام لوگ خوش ہوئے اسید بن حفیرؓ نے کہا "اے آل ابو بکر! تم لوگوں کے لئے سرمایہ برکت ہو۔

اسی لڑائی میں واقعہ افک پیش آیا یعنی منافقین نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی 'احادیث اور سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے لیکن جس

(۱) صحیح بخاری ترویج عائشہؓ وسیرۃ النبی ج ۲۔

(۲) بخاری ج ۲ ص ۵۸۱

واقعہ کی نسبت قرآن مجید میں صاف مذکور ہے کہ سننے کے بعد لوگوں نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ”بالکل افتراء ہے“ اسکو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

۹۔ ہجری میں تحریم لور ایلاء و تخیر کا واقعہ پیش آیا اور واقعہ تحریم کی تفصیل حضرت حصہ کے حالات میں آئے گی البتہ واقعہ ایلاء کی تفصیل اس مقام پر کی جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ زاہدانہ زندگی بسر فرماتے تھے دو دو مہینے گھر میں آگ نہیں جلی تھی آئے دن فاقے آتے رہتے تھے۔ ازواج مطہرات گو شرف صحبت کی برکت سے تمام بنائے جنس سے ممتاز ہو گئی تھیں تاہم بصریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی تھی خصوصاً وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحات اسلام کا دائرہ بڑھتا جا رہا ہے اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا ہے کہ اس کا ادنیٰ حصہ بھی ان کی راحت و آرام کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ ان واقعات کا اقتضاء تھا کہ ان کے صبر و قناعت کا جام لبریز ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ بیچ میں آپ ہیں ادھر ادھر بیویاں بیٹھی ہیں اور توسیع نفقہ کا تقاضا ہے۔ دونوں اپنی صاحبزادیوں کی تنبیہ پر آمادہ ہو گئے لیکن انہوں نے عرض کی کہ ہم آئندہ آنحضرت ﷺ کو زائد مصارف کی تکلیف نہ دیں گے۔

دیگر ازواج اپنے مطالبہ پر قائم رہیں۔ آنحضرت ﷺ کے سکون خاطر میں یہ چیز اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں آپ گھوڑے سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم آیا آپ ﷺ نے بالاخانہ پر تنہا نشینی اختیار کی واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ ﷺ نے تمام ازواج کو طلاق دے دی لیکن جب حضرت عمرؓ نے آنحضرت سے دریافت کیا کہ آپ نے ازواج کو طلاق دے دی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں“ یہ سن کر حضرت عمرؓ اللہ اکبر پکار اٹھے۔

جب ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گزر چکا تو آپ بالاخانہ سے اتر آئے سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے وہ ایک ایک دن گنتی تھیں ”یو لیس یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے ایک مہینہ کے لئے عہد فرمایا تھا ابھی تو انتیس دن ہوئے ہیں ارشاد ہوا کہ ”مہینہ کبھی انتیس کا بھی ہوتا ہے“

اس کے بعد آیت تجئیر نازل ہوئی اس آیت کی رو سے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ازواج مطہرات کو مطلع فرمادیں کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں 'دنیا اور آخرت' اگر تم دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دیکر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم خدا اور رسول ﷺ اور ابدی راحت کی طلبگار ہو تو خدا نے نیکو کاروں کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے چونکہ حضرت عائشہؓ ان تمام معاملات میں پیش پیش تھیں آپ نے ان کو ارشاد الہی سے مطلع فرمایا انہوں نے کہا کہ میں سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول ﷺ کو لیتی ہوں " تمام اور ازواج نے بھی یہی جواب دیا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۲ و صحیح مسلم اب الایاء)

ربیع الاول ۱۱ھ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے وفات پائی۔ ۳۱ دن علیل رہے جن میں ۸ دن حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں اقامت فرمائی۔ خلق عمیم کی بناء پر ازواج مطہرات سے صاف طور پر اجازت نہیں طلب کی بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر میں رہوں گا؟ دوسرا دن (دوشنبہ) حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام فرمانے کا تھا ازواج مطہرات نے مرضی اقدس سمجھ کر عرض کی کہ آپ جہاں چاہیں قیام فرمائیں۔

ضعف اس قدر زیادہ ہو گیا تھا کہ چلا نہیں جاتا تھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں بازو تھام کر بہ مشکل حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں لائے۔

وفات سے پانچ روز پہلے (جمعرات) کو آپ کو یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں دریافت فرمایا کہ عائشہ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ کیا محمد خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا جو ان کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو۔ (مسند امام احمد بن حنبل ج ۶ ص ۴۹)

جس دن وفات ہوئی (یعنی دوشنبہ کے روز) بظاہر طبیعت کو سکون تھا لیکن دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا آپ پر غشی طاری ہوتی تھی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں آپ ﷺ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کریں یا حیات دنیا کو ترجیح دیں۔ اس حالت میں آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اکثر یہ الفاظ ہوتے رہے مع الذین انعم اللہ علیہم اور کبھی فرماتے اللهم فی الرفیق الاعلیٰ وہ سمجھ گئیں کہ اب صرف رفاقت الہی مطلوب ہے۔

وفات سے ذرا پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے صاحبزادے عبدالرحمنؓ خدمت اقدس میں آئے آپ حضرت عائشہؓ کے سینہ پر سر ٹیک کر لیٹے تھے عبدالرحمنؓ کے ہاتھ

میں مسواک تھی مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھا، حضرت عائشہؓ سمجھیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ عبدالرحمنؓ سے مسواک لیکر دانتوں سے نرم کی لور خدمت اقدس میں پیش کی آپ ﷺ نے بالکل تندستوں کی طرح مسواک کی حضرت عائشہؓ فخریہ کہا کرتی تھیں کہ ”تمام دیویوں میں مجھی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آخر وقت میں بھی میرا جھوٹا آپ ﷺ نے منہ میں لگایا“

اب وفات کا وقت قریب آرہا تھا۔ حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کو سنبھالے بیٹھی تھیں کہ دفعۃً بدن کا بوجھ معلوم ہوا دیکھا تو آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئی تھیں اور روح پاک ﷺ عالم اقدس میں پرواز کر گئی تھی حضرت عائشہؓ نے آہستہ سے سر اقدس تکیہ پر رکھ دیا اور رونے لگیں۔

حضرت عائشہؓ کے ابواب مناقب کے سب سے زریں باب یہ ہے کہ ان کے حجرہ کو آنحضرت ﷺ کا مدفن بنا نصیب ہوا اور نعرش مبارک اسی حجرہ کے ایک گوشہ میں سپرد خاک کی گئی چونکہ ازواج مطہرات کے لئے خدا نے دوسری شادی ممنوع کر دی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت عائشہؓ نے ۲۸ سال بیوگی کی حالت میں بسر کئے۔ اس زمانہ میں ان کی زندگی کا مقصد وحید قرآن و حدیث کی تعلیم تھا جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے دو برس بعد ۱۳ ہجری میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انتقال فرمایا اور حضرت عائشہؓ کے لئے یہ سایہ شفقت بھی باقی نہ رہا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے انہوں نے حضرت عائشہؓ کی جس قدر دلجوئی کی وہ خود اس کو اس طرح میان فرماتی ہیں ”لن خطابؓ نے آنحضرت ﷺ کے بعد مجھ پر بڑے بڑے احسانات کئے (۱) حضرت عمرؓ نے تمام ازواج مطہرات کیلئے دس دس ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا تھا لیکن حضرت عائشہؓ کا وظیفہ بارہ ہزار تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ (۲)

حضرت عثمانؓ کے واقعہ شہادت میں حضرت عائشہؓ مکہ میں مقیم تھیں۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیرؓ نے مدینہ سے جا کر ان کو واقعات سے آگاہ کیا تو دعوت اصلاح کے لئے بصرہ گئیں اور وہاں حضرت علیؓ سے جنگ پیش آئی جو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے جمل

اونٹ کو کہتے ہیں، چونکہ حضرت عائشہؓ ایک اونٹ پر سوار تھیں اور اس نے اس معرکہ میں بڑی اہمیت حاصل کی تھی اس لئے یہ جنگ بھی اسی کی نسبت سے مشہور ہو گئی یہ جنگ اگرچہ بالکل اتفاقی طور پر پیش آگئی تھی۔ تاہم حضرت عائشہؓ کو اس کا ہمیشہ افسوس رہا۔

بخاری میں ہے کہ وفات کے وقت انہوں نے وصیت کی کہ ”مجھے روضہ نبوی ﷺ میں آپ ﷺ کے ساتھ دفن نہ کرنا بلکہ بقیع میں اور ازدواج کے ساتھ دفن کرنا کیونکہ میں نے آپ ﷺ کے بعد ایک جرم کیا ہے۔ (۱) لکن سعد میں ہے کہ وہ جب یہ آیت پڑھتی تھیں وقرن فی بیوتکن اے پیغمبر ﷺ کی بیویو! اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھو تو اس قدر روتی تھیں کہ آنچل تر ہو جاتا تھا۔ (۲)

حضرت علیؓ کے بعد حضرت عائشہؓ اٹھارہ برس اور زندہ رہیں اور یہ تمام زمانہ سکون اور خاموشی میں گزرا۔

وفات :

امیر معاویہؓ کا اخیر زمانہ خلافت تھا کہ رمضان ۵۸ھ ہجری میں حضرت عائشہؓ نے رحلت فرمائی اس وقت سڑ سٹھ (۶۷) برس کا سن تھا اور وصیت کے مطابق جنت البقیع میں رات کے وقت مدفون ہوئیں قاسم بن محمدؓ، عبداللہ بن عبدالرحمنؓ، عبداللہ بن ابی عتیقؓ، عروہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے قبر میں اتارا اس وقت حضرت ابو ہریرہؓ مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے اس لئے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

اولاد :

حضرت عائشہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی لکن الاعرابی نے لکھا ہے کہ ایک نا تمام بچہ سا قذ ہو گیا تھا اس کا نام عبداللہ تھا اور اسی کے نام پر انہوں نے کنیت رکھی تھی لیکن یہ قطعاً غلط ہے۔ حضرت عائشہؓ کی کنیت ام عبداللہ ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ کے تعلق سے تھی جن کو انہوں نے متبنی بنایا تھا۔

حلیہ :

حضرت عائشہؓ خوش رو اور صاحب جمال تھیں، رنگ سرخ و سفید تھا۔

(۱) کتاب الجنائز و مستدرک حاکم ج ۴ ص ۸

(۲) طبقات ابن سعد جز ثانی

فضل و کمال :

علمی حیثیت سے حضرت عائشہؓ کو نہ صرف عورتوں پر نہ صرف دوسری امہات المؤمنین پر نہ صرف خاص خاص صحابیوں پر بلکہ باسٹھائے چند تمام صحابہؓ پر فوقیت حاصل تھی جامع ترمذی میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے۔

ما اشکل علینا اصحاب محمد ﷺ حدیث قط

فسالنا عائشة الا وجدنا عندها منه علماً

”ہم کو کبھی کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی جس کو ہم نے عائشہؓ سے

پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات نہ ملے ہوں“

امام زہریؒ جو سرخیل تابعین تھے فرماتے ہیں :

كانت عائشة اعلم الناس يسئلهما الا كابر من اصحاب رسول الله ﷺ (۱)

”عائشہؓ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں۔ بڑے بڑے اکابر صحابہؓ ان سے

پوچھا کرتے تھے“

عروہ بن زبیرؓ کا قول ہے :

مارات احد اعلم بالقرآن ولا بفريضة ولا بحلال ولا بفقہ

ولا بشعر ولا بطب ولا بحدیث العرب ولا نسب من عائشة

”قرآن، فرائض، حلال و حرام، فقہ، شاعری، طب، عرب کی تاریخ اور

نسب کا عالم حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا“

امام زہریؒ کی ایک شہادت ہے :

لو جمع علم الناس کلهم ثم علم ازواج النبی ﷺ فكانت عائشة وسعهم علماً

”اگر تمام مردوں کا اور امہات المؤمنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو

حضرت عائشہؓ کا علم وسیع تر ہوگا“

حضرت عائشہؓ کا شمار مجتہدین صحابہؓ میں ہے اور اس حیثیت سے وہ اس قدر بلند

ہیں کہ بے تکلف ان کا نام حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ

کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔ وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کے زمانہ

میں فتویٰ دیتی تھیں اور اکابر صحابہؓ پر انہوں نے جو دقیق اعتراضات کئے ہیں ان کو علامہ سیوطیؒ نے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے اس رسالہ کا نام عید الاصابہ فی ما استدرکتہ عائشہؓ علی الصحابہؓ ہے۔

حضرت عائشہؓ معترین صحابہؓ میں داخل ہیں۔ ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں جن میں ۱۷۳ حدیثوں پر شیخیں نے اتفاق کیا ہے امام بخاری نے مفرداً ان سے ۵۸ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۶۸ حدیثوں میں امام مسلم مفرد ہیں۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ احکام شریعہ میں سے ایک چوتھائی ان سے منقول ہے۔

علم کلام کے متعدد مسائل ان کی زبان سے ادا ہوئے ہیں چنانچہ روایت باری، علم غیب، عصمت انبیاء، معراج، ترتیب خلافت اور سماع موتی وغیرہ کے متعلق انہوں نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں انصاف یہ ہے کہ ان میں ان کی دقت نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے۔

علم اسرار الدین کے متعلق بھی ان سے بہت سے مسائل مروی ہیں چنانچہ قرآن مجید کی ترتیب نزول، مدینہ میں کامیابی اسلام کے اسباب، غسل جمعہ، نماز قصر کی علت، صوم عاشورہ کا سبب، حج کی حقیقت اور ہجرت کے معنی کی انہوں نے خاص تشریحیں کی ہیں۔

طب کے متعلق وہی عام معلومات تھیں جو گھر کی عورتوں کو عام طور پر ہوتی ہیں البتہ تاریخ عرب میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔ عرب جاہلیت کے حالات، ان کے رسم و رواج، ان کے انساب اور ان کی طرز معاشرت کے متعلق انہوں نے بعض ایسی باتیں

سیان کی ہیں جو دوسری جگہ نہیں مل سکتیں۔ اسلامی تاریخ کے متعلق بعض اہم واقعات ان سے منقول ہیں مثلاً آغاز وحی کی کیفیت، ہجرت کے واقعات، واقعہ اُفک، نزول قرآن اور اس کی ترتیب، نماز کی صورتیں، آنحضرت ﷺ کے مرض الموت کے حالات، غزوہ بدر،

غزوہ احد، خندق، قریظہ کے واقعات، غزوہ ذات الرقاع میں نماز خوف کی کیفیت، فتح مکہ میں عورتوں کی نیابت، حجتہ الوداع کے ضروری حالات، آنحضرت ﷺ کے اخلاق و عادات، خافت صدیقی، حضرت فاطمہؓ اور ازواج مطہرات، کاد عویٰ میراث، حضرت علیؓ کا ملال

خاطر اور پھر بیعت کے تمام مفصل حالات ان ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوئے ہیں۔

ادبی حیثیت سے وہ نہایت شیریں کلام اور فصیح اللسان تھیں۔ ترمذی میں موسیٰ

ابن طلحہ کا یہ قول نقل ہے۔

مارایت افصح من عائشة (مسندك حاكم ج ۴ ص ۱۱)

”میں نے عائشہ سے زیادہ کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا“

اگرچہ احادیث میں روایت بالمعنی کا عام طور پر رواج ہے اور روایت باللفظ کم اور نہایت کم ہوتی ہیں تاہم جہاں حضرت عائشہؓ کے اصلی الفاظ محفوظ رہ گئے ہیں پوری حدیث میں جان پڑ گئی ہے مثلاً آغاز وحی کے سلسلہ میں فرماتی ہیں

فما رای رویا الا جاءت مثل فلق الصبح

”آپ ﷺ جو خواب دیکھتے تھے سپیدہ سحر کی طرح نمودار ہو جاتا تھا“

آپ ﷺ پر جب وحی کی کیفیت طاری ہوتی تو جبین مبارک پر عرق آجاتا تھا اس کو اس طرح ادا کرتی ہیں۔

مثل الجمان

”پیشانی پر موتی ڈھلکتے تھے“

واقعہ افک میں انہیں راتوں کو نیند نہیں آتی تھیں اس کو اس طرح بیان کرتی ہیں :

ما اکتحل بنوم

”میں نے سرمہ خواب نہیں لگایا“

صحیح بخاری میں ان کے ذریعہ سے ام زرع کا جو قصہ مذکور ہے وہ جان لاد ہے

اور اہل ادب نے اس کی مفصل شرح اور حاشیے لکھے ہیں۔

خطات کے لحاظ سے بھی حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے سوا تمام صحابہ کرامؓ میں ممتاز تھیں جنگ جمل میں انہوں نے جو تقریریں کی ہیں وہ جوش اور زور کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتیں ایک تقریر میں فرماتی ہیں :

”لوگو! خاموش خاموش تم پر میرا مداری حق ہے مجھے نصیحت کی عزت حاصل ہے سو اس شخص کے جو خدا کا فرمان بردار نہیں ہے مجھ کو کوئی الزام نہیں دے سکتا

۔ آنحضرت ﷺ نے مہرے سینے پر سر رکھے ہوئے وفات پائی ہے۔ میں آپ ﷺ کی

محبوب ترین بیوی ہوں خدا نے مجھ کو دوسروں سے ہر طرح محفوظ رکھا اور میری ذات سے

مؤمن و منافق میں تمیز ہوئی اور میرے ہی سبب سے تم پر خدا نے تیمم کا حکم نازل فرمایا۔

پھر میرا باپ دنیا میں تیسرا مسلمان ہے اور غار حرا میں دو کا دوسرا تھا۔ اور پہلا



شخص تھا جو صدیق کے لقب سے مخاطب ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے خوش ہو کر لور اس کو طوق خلافت پہنا کر وفات پائی اس کے بعد اسلام کی رسی جب ہلنے ڈلنے لگی تو میرا ہی باپ تھا جس نے دونوں سرے تھام لئے جس نے نفاق کی باگ روک دی جس نے ارتداد کا چشمہ خشک کر دیا جس نے یہود کی آتش افروزی سرد کی۔ تم لوگ اس وقت آنکھیں بند کئے غدروقتہ کے منتظر تھے لور شور و غوغا پر گوش بر آواز تھے اس نے شگاف کو برابر کیا بیکار کو درست کیا اگر توں کو سنبھالا دلوں کی مدفون بیماریوں کو دور کیا۔ جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے ان کو تھان تک پہنچا دیا جو پیاسے تھے ان کو گھاٹ پر لے آیا اور جو ایک بار پانی پی چکے تھے انہیں دوبارہ پلایا جب وہ نفاق کا سر کچل چکا اور اہل شرک کے لئے آتش جنگ مشتعل کر چکا اور تمہارے سامان کی کٹھڑی کو ڈوری سے باندھ چکا تو خدا نے اسے اٹھالیا۔

ہاں میں سوال کا نشانہ بن گئی ہوں کہ کیوں فوج لے کر نکلی؟ میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش اور فتنہ کی جستجو نہیں ہے جس کو میں پامال کرنا چاہتی ہوں جو کچھ کہہ رہی ہوں سچائی اور انصاف کے ساتھ تنبیہ لور اتمام حجت کے لئے“ (عقد الفرید باب الخطیب ص: ۱۳)

حضرت عائشہؓ گو شعر نہیں کہتی تھیں، تاہم شاعرانہ مذاق اس قدر عمدہ پایا تھا کہ حضرت حسان بن ثابتؓ جو عرب کے مسلم الثبوت شاعر تھے ان کی خدمت میں اشعار سنانے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ امام بخاریؒ نے اب المفرد میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو کعب بن مالکؓ کا پورا قصیدہ یاد تھا اس قصیدہ میں کم و بیش چالیس شعر تھے۔ کعبؓ کے علاوہ ان کا دیگر جاہلی اور اسلامی شعراء کے اشعار بھی بکثرت یاد تھے جن کو وہ مناسب موقعوں پر پڑھا کرتی تھیں چنانچہ وہ حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں۔

حضرت عائشہؓ نہ صرف ان تمام علوم کی ماہر تھیں بلکہ دوسروں کو بھی ماہر بنا دیتی تھیں چنانچہ ان کے دامن تربیت میں جو لوگ پرورش پا کر نکلے اگرچہ ان کی تعداد دو سو کے قریب ہے لیکن ان میں جن کو زیادہ قرب و اختصاص حاصل تھا وہ حسب ذیل ہیں:

عروہ بن زبیرؓ، قاسم بن محمدؓ، سلمہ بن عبد الرحمنؓ، مسروقؓ، عمرہؓ، صفیہ بنت شیبہؓ،

عائشہ بنت طلحہؓ، معاویہ عدویہؓ

اخلاق و عادات:

اخلاقی حیثیت سے بھی حضرت عائشہؓ بلند مرتبہ رکھتی تھیں، وہ نہایت قانع

تھیں، غیبت سے احتراز کرتی تھیں، احسان کم قبول کرتیں، اگرچہ خود ستائی ناپسند تھی تاہم نہایت خوددار تھیں، شجاعت اور دلیری بھی ان کا خاص جوہر تھا۔

ان کا سب سے نمایاں وصف جو دو سخا تھا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ سخی کسی کو نہیں دیکھا ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ان کی خدمت میں لاکھ درہم بھجے تو شام ہوتے ہوتے سب خیرات کر دیئے اور اپنے لئے کچھ نہ رکھا۔ اتفاق سے اس دن روزہ رکھا تھا اونڈی نے عرض کی کہ افطار کے لئے کچھ نہیں ہے، فرمایا پہلے سے کیوں نہ یاد دلا یا۔ (تندرک حاکم ن: ۴ ص: ۱۳)

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جو ان کے متبنی تھے ان کی فیاضی دیکھ کر گمبہ اگئے اور کہا کہ اب ان کا ہاتھ روکنا چاہیے حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئیں اور قسم کھائی کہ ان سے بات نہ کریں گی۔ چنانچہ لن زبیرؓ مدت تک معتبوب رہے اور بڑی دقت سے ان کا غم فرو ہوا۔ (صحیح بخاری باب مناقب)

نہایت خاشع، متضرع اور عبادت گزار تھیں، چاشت کی نماز برابر پڑھتیں، فرماتی تھیں کہ اگر میرا باپ بھی قبر سے اٹھ آئے اور مجھ کو منع کرے تب بھی باز نہ آؤں گی۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر تہجد کی نماز ادا کرتی تھیں اور اس کی اس قدر پابند تھیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد جب کبھی یہ نماز قضا ہو جاتی تو نماز فجر سے پہلے اٹھ کر پڑھ لیتی تھیں۔ رمضان میں ترلوٹح کا اہتمام کرتی تھیں۔ ذکو ان کا غلام امامت کرتا اور وہ مقتدی ہوتیں۔

اکثر روزے رکھا کرتی تھیں حج کی بھی شدت سے پابند تھیں اور ہر سال اس فرض کو ادا کرتیں۔ غلاموں پر شفقت کرتیں اور ان کو خرید کر آزاد کرتی تھیں ان کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد سڑ سنھ (۶۷) ہے۔ (شرح بلوغ المرام کتاب العتق)

## (۴) حضرت حفصہؓ

نام و نسب

حفصہؓ نام حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے حفصہ بنت عمرؓ ابن خطاب بن اذین بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قرظ بن رزاح بن عدی بن لوی بن فہر بن مالک۔ والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا جو مشہور صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ کی ہم شیر تھیں اور خود بھی صحابیہ تھیں حضرت حفصہؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حقیقی بھائی بہن ہیں۔ حضرت حفصہؓ بعثت نبوی ﷺ سے ۵ سال قبل پیدا ہوئیں اس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔

نکاح:

پہلا نکاح خینس بن حذافہ سے ہو جو خاندان بنو سہم سے تھے۔

اسلام:

مال باپ اور شوہر کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔

ہجرت اور نکاح ثانی:

شوہر کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی غزوہ بدر میں خینسؓ نے زخم کھائے اور واپس آکر ان ہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی۔ عدت کے بعد حضرت عمرؓ کو حفصہؓ کے نکاح کی فکر ہوئی اسی زمانہ میں حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ سب سے پہلے حضرت عثمانؓ سے ملے اور ان سے حضرت حفصہؓ کے نکاح کی خواہش کی۔ انہوں نے کہا میں اس پر غور کروں گا چند یوم کے بعد ملاقات ہوئی تو صاف انکار کیا۔ حضرت عمرؓ نے مایوس ہو کر حضرت ابو بکرؓ سے ذکر کیا۔ انہوں نے خاموشی اختیار کی۔ حضرت عمرؓ کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہو اس کے بعد خود رسالت پناہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی، نکاح ہو گیا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمرؓ سے ملے اور کہا کہ جب تم نے مجھ سے حفصہؓ کے نکاح کی خواہش کی اور میں خاموش رہا تو تم کو ناگوار گزرا لیکن میں نے اسی بنا پر جواب نہیں دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا ذکر کیا تھا اور میں آپ ﷺ کا راز فاش نہیں کرنا چاہتا تھا اگر رسول اللہ ﷺ کا ان سے نکاح کا قصد نہ

ہوتا تو میں اس کے لئے آمادہ تھا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۱ و اصابہ ج ۸ ص ۵۱)

وفات :

حضرت حصفہؓ نے شعبان ۳۵ ہجری میں انتقال کیا۔ یہ امیر معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ تھا مروان نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا نماز جنازہ پڑھائی۔ اور کچھ دور تک جنازہ کو کاندھا دیا اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ جنازہ کو قبر تک لے گئے ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ان کے لڑکوں عاصم، سالم عبداللہ، حمزہ نے قبر میں اتارا۔

حضرت حصفہؓ کے سن وفات میں اختلاف ہے ایک روایت میں ہے کہ جمادی الاول ۴۱ ہجری میں وفات پائی اس وقت ان کا سن ۵۹ سال کا تھا لیکن اگر سن وفات ۳۵ ہجری قرار دیا جائے تو ان کی عمر ۶۳ سال کی ہوگی۔ ایک روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۰ ہجری میں انتقال کیا یہ روایت اس بناء پر پیدا ہو گئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی ہے کہ جس سال افریقہ فتح ہوا حضرت حصفہؓ نے اسی سال وفات پائی اور افریقہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۰ ہجری میں فتح ہوا لیکن یہ سخت غلطی ہے، افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا اس دوسری فتح کا فخر معاویہؓ بن خدیج کو حاصل ہے، جنہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں حملہ کیا تھا۔

حضرت حصفہؓ نے وفات کے وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بلا کر وصیت کی اور غابہ میں جو جائیداد تھی جسے حضرت عمرؓ ان کی نگرانی میں دیکر گئے تھے ان کو صدقہ کر کے وقف کر دیا۔ (زر قانی ج ۳ ص ۲۷۱)

اولاد :

کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

فضل و کمال :

البتہ معنوی یادگاریں بہت سی ہیں اور وہ یہ ہیں، عبداللہ بن عمرؓ حمزہؓ (ابن عبداللہ) صفیہ بنت ابو عبیدہؓ (زوجہ عبداللہ) حارثہ بن وہب، مطلب بن ابی وادعہؓ، ام مبشر انصاریہ، عبداللہ بن صفوان بن امیہ، عبدالرحمن بن حارث بن ہشام (زر قانی ج ۳ ص ۲۷۱)

حضرت حصفہؓ سے ۶۰ حدیثیں منقول ہیں (۱) جو انہوں نے آنحضرت ﷺ اور

حضرت عمرؓ سے سنی تھیں۔

تفہ فی الدین کے لئے واقعہ ذیل کافی ہے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اصحاب بدر و حدیبیہ جہنم میں داخل نہ ہوں گے۔ حضرت حصہؓ نے اعتراض کیا خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے وان منکم الا واردھا ”تم میں سے ہر شخص وارد جہنم ہوگا“ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، لیکن یہ بھی تو ہے ثم ننجی الذین اتقوا و نذر الظالمین فیہا جثیاً (پھر ہم پر ہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں زانوؤں پر گرا ہوا چھوڑ دیں گے) (مسند امام احمد بن حنبل ج ۶ ص ۲۸۵)

اسی شوق کا اثر تھا کہ آنحضرت ﷺ کو ان کی تعلیم کی فکر رہتی تھی حضرت شفاؓ کو چبوتی کے کانٹے کا منتر آتا تھا ایک دن وہ گھر میں آئیں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم حصہؓ کو منتر سکھا دو۔ (مسند امام احمد ص ۲۸۱)

اخلاق :

ابن سعد میں ان کے اخلاق کے متعلق ہے :

انہا صوامیۃ قوامیۃ

” وہ (یعنی حصہؓ) صائم النہار اور قائم اللیل ہیں“

دوسری روایت میں ہے :

ماتت حفصۃ حتی ما تفطر (اصابہ ج ۸ ص ۵۲)

”انقال کے وقت تک صائم رہیں“

اختلاف سے سخت نفرت کرتی تھیں جنگ صفین کے بعد جب تحکیم کا واقعہ پیش آیا تو ان کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ اس کو فتنہ سمجھ کر خانہ نشین رہنا چاہتے تھے، لیکن حضرت حصہؓ نے فرمایا کہ گو کہ اس شرکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں تاہم تمہیں شریک رہنا چاہیے کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا اور ممکن ہے کہ تمہاری عزت گزینی ان میں اختلاف پیدا کر دے۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۸۹)

دجال سے بہت ڈرتی تھیں، مدینہ میں لن صیاد نامی ایک شخص تھا دجال کے متعلق آنحضرت ﷺ نے جو علامتیں بتائی تھیں، اس میں بہت سی موجود تھیں اس سے اور عبداللہ بن عمرؓ سے ایک دن راہ میں ملاقات ہو گئی، انہوں نے اس کو بہت سخت

ست کہا اس پر وہ اس قدر پھولا کہ راستہ بند ہو گیا لکن عمرؓ نے اس کو مارنا شروع کیا حضرت حصہؓ کو خبر ہوئی تو بولیں تم کو اس سے کیا غرض؟ تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ دجال کے خروج کا محرک اس کا غصہ ہوگا۔ (۲)

حضرت حصہؓ کے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔ آنحضرت ﷺ سے کبھی کبھی دو بدو گفتگو کرتیں اور برابر کا جواب دیتی تھیں چنانچہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ ”ہم لوگ جاہلیت میں عورتوں کو ذرا برابر بھی وقعت نہ دیتے تھے اسلام نے ان کو درجہ دیا اور قرآن میں ان کے متعلق آیتیں اتریں تو ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی ایک دن میری بیوی نے کسی معاملہ میں مجھ کو رائے دی ”میں نے کہا تم کو رائے و مشورہ سے کیا واسطہ“ بولیں ”لکن خطاب! تم کو ذرا سی بات کی بھی برداشت نہیں، حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ ﷺ کو برابر جواب دیتی ہے، یہاں تک کہ آپ دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں“ میں اٹھا اور حصہؓ کے پاس آیا میں نے کہا بیٹی! میں نے سنا ہے تم رسول اللہ ﷺ کو برابر کا جواب دیتی ہو ”بولیں“ ہاں! ہم ایسا کرتے ہیں میں نے کہا خبردار میں تمہیں عذاب الہی سے ڈراتا ہوں، تم اس عورت (حضرت عائشہؓ) کی ریس نہ کرو جس کو رسول اللہ ﷺ کی محبت کی وجہ سے اپنے حسن پر ناز ہے۔ (بخاری ج ۲ کتاب التفسیر وفتح البدی ج ۸ ص ۵۰۴)

ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہؓ رورہی تھیں، آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا کہ مجھ کو حصہؓ نے کہا ہے کہ ”تم یہودی کی بیٹی ہو“ آپ نے فرمایا حصہؓ خدا سے ڈرو پھر حضرت صفیہؓ سے ارشاد ہوا تم نبی کی بیٹی ہو، تمہارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح میں ہو، حصہؓ تم پر کس بات میں فخر کر سکتی ہے (۱)

ایک بار حضرت عائشہؓ اور حضرت حصہؓ نے حضرت صفیہؓ سے کہا کہ ”ہم رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں، ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور چچا زاد بہن بھی“ حضرت صفیہؓ کو ناگوار گزرا انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کی شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیونکر معزز ہو سکتی ہو، میرے شوہر محمد ﷺ، میرے باپ ہارون اور میرے چچا موسیٰ ہیں“

حضرت عائشہؓ اور حضرت حصہؓ حضرت ابو بکر و حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں جو

تقرب نبوی ﷺ میں دوش بدوش تھے اس بناء پر حضرت حصہؓ اور حضرت عائشہؓ بھی دیگر ازواج کے مقابلہ میں باہم ایک تھیں، چنانچہ واقعہ تحریم جو ۹ ہجری میں پیش آیا، اسی قسم کے اتفاق کا نتیجہ تھا۔ ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت ﷺ حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینبؓ کے پاس کہیں سے شہد آگیا تھا انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا آپ کو شہد بہت مرغوب تھا آپ نے نوش فرمایا، اس میں وقت مقررہ سے دیر ہو گئی حضرت عائشہؓ کو رشک ہوا، حضرت حصہؓ سے کہا رسول اللہ ﷺ جب ہمارے اور تمہارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہیے کہ آپ کے منہ سے مغفیر کی بو آتی ہے (۱) (مغفیر کے پھولوں سے شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں) آنحضرت ﷺ نے قسم کھالی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۲۹)۔

یا ایہا النبی لم تحرم ما احل الله لك تبغی مرضات ازواجك  
 ”اے پیغمبر! اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام  
 کیوں کرتے ہو“

کبھی کبھی (حضرت حصہؓ اور حضرت عائشہؓ میں) باہم رشک و رقابت کا اظہار بھی ہو جایا کرتا تھا ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حصہؓ دونوں آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھیں رسول اللہ ﷺ راتوں کو حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے ایک دن حضرت حصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں حضرت عائشہؓ راضی ہو گئیں، آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حصہؓ سوار تھیں بنب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہؓ نے آپ کو نہیں پایا اپنے پاؤں کو ازخر (ایک گھاس ہے) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں ”خداوند! کسی ہتھیو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے“ (۲)

(۱) مغفیر کی بو کا اظہار کرنا کوئی جھوٹ بات نہ تھی مغفیر کے پھولوں میں اگر کسی قسم کی کرختگی ہو تو تعجب کی بات نہیں

(۲) صحیح بخاری و سیرۃ النبی جلد دوم

## (۵) حضرت زینبؓ ام المساکین

نام اور نسب :

زینب نام تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، 'زینب بنت خزیمہ بن عبد اللہ بن عمر بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ' چونکہ فقراء و مساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھیں، اسی لئے ام المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہو گئیں، آنحضرت ﷺ سے پہلے عبد اللہ بن محشؓ کے نکاح میں تھیں عبد اللہ بن محشؓ نے جنگ احد میں شہادت پائی اور آنحضرت ﷺ نے اسی سال ان سے نکاح کر لیا نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھیں کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں حضرت خدیجہؓ کے بعد صرف یہی ایک نبی نبی تھیں، جنہوں نے وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنتہ البقیع میں دفن ہوئیں، وفات کے وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔

(اصابہ ج ۸ ص ۹۴، ۹۵ (سیرۃ النبی ج ۲)

## (۶) حضرت ام سلمہؓ

نام و نسب :

ہند نام، ام سلمہ کنیت، قریش کے خاندان مخزوم سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے ہند بنت ابی امیہ سہیل بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم، والدہ بنو فراس سے تھیں، اور ان کا سلسلہ نسب یہ ہے، عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک بن جذیمہ بن علقمہ بن جذل الطعان بن فراس بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

ابو امیہ (حضرت ام سلمہؓ کے والد) مکہ کے مشہور مخیر اور فیاض تھے، سفر میں جاتے تو تمام قافلہ والوں کی کفالت خود کرتے تھے، اسی لئے زاد الراکب کے لقب سے مشہور تھے۔ حضرت ام سلمہؓ نے ان ہی کے آغوش تربیت میں نہایت ناز و نعمت سے پرورش پائی۔ (اصابہ ج ۸ ص ۲۳۰)

نکاح :

عبد اللہ بن عبد الاسد سے جو زیادہ تر ابو سلمہؓ کے نام سے مشہور ہیں اور جو ام سلمہؓ



کے چچا زاد اور آنحضرت ﷺ کے رضاعی بھائی تھے، نکاح ہوا۔  
اسلام :

آغاز نبوت میں اپنے شوہر کے ساتھ ایمان لائیں۔  
ہجرت حبشہ :

اور ان ہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی، حبشہ میں کچھ زمانہ تک قیام کر کے مکہ واپس آئیں اور یہاں سے مدینہ ہجرت کی، ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں۔  
ہجرت مدینہ :

ہجرت کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے، حضرت ام سلمہؓ اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرت کرنا چاہتی تھیں (ان کا بچہ سلمہ بھی ساتھ تھا) لیکن (حضرت ام سلمہؓ کے) قبیلہ نے مزاحمت کی تھی۔ اس لئے حضرت ابو سلمہؓ ان کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے اور یہ اپنے گھر واپس آگئی تھیں (ادھر سلمہ کو ابو سلمہؓ کے خاندان والے حضرت ام سلمہؓ کے پاس سے چھین لے گئے) اس لئے ام سلمہؓ کو اور بھی تکلیف تھی۔ چنانچہ روزانہ گھبرا کر گھر سے نکل جاتیں اور ابطح میں بیٹھ کر رویا کرتی تھیں۔ ۷۔ ۸ دن تک یہ حالت رہی اور خاندان کے لوگوں کو احساس تک نہ ہوا ایک دن ابطح سے انکے خاندان کا ایک شخص نکلا اور ام سلمہؓ کو روتے ہوئے دیکھا تو اس کا دل بھر آیا۔ گھر آ کر لوگوں سے کہا کہ ”اس غریب پر کیوں ظلم کرتے ہو اس کو جانے دو اور اس کا بچہ اسکے حوالہ کر دو، روانگی کی اجازت ملی تو بچے کو گود میں لیکر اونٹ پر سوار ہو گئیں اور مدینہ کا راستہ لیا، چونکہ وہ بالکل تنہا تھیں، یعنی کوئی مرد ساتھ نہ تھا، تنعیم میں عثمان بن طلحہ (کلید برادر کعبہ) کی نظر پڑی، بولا ”کدھر کا قصد ہے؟“ کہا ”مدینے کا“ پوچھا ”کوئی ساتھ بھی ہے“ جواب میں بولیں ”خدا اور یہ بچہ“ عثمان نے کہا ”یہ نہیں ہو سکتا، تم تنہا کبھی نہیں جا سکتیں“ یہ کہہ کر اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ کی طرف روانہ ہوا، راستہ میں جب کہیں ٹھہرتا تو اونٹ کو بٹھا کر کسی درخت کے نیچے چلا جاتا اور حضرت ام سلمہؓ اتر پڑتیں، روانگی کا وقت آتا تو اونٹ پر کجاوہ رکھ کر ہٹ جاتا اور ام سلمہؓ سے ہتاکہ ”سوار ہو جاؤ“ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا شریف آدمی کبھی نہیں دیکھا، غرض مختلف منزلوں پر قیام کرتا ہوا مدینہ لایا، قبایک آبادی پر نظر پڑی تو بولا ”اب تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ وہ یہیں مقیم ہیں“

یہ ادھر روانہ ہوئیں اور عثمان نے مکہ کا راستہ لیا۔ (ذرقانی ج ۳ ص ۲۷۲، ۲۷۳)

قبا پہنچیں تو لوگ ان کا حال پوچھتے تھے اور جب یہ اپنے باپ کا نام بتاتیں تو ان کو یقین نہیں آتا تھا (یہ حیرت ان کے تنہا سفر کرنے پر تھی شرفاء کی عورتیں اس طرح باہر نکلنے کی جرأت نہیں کرتی تھیں) اور حضرت ام سلمہؓ مجبوراً خاموش ہوتی تھیں، لیکن جب کچھ لوگ حج کے ارادہ سے مکہ روانہ ہوئے اور انہوں نے اپنے گھر رقعہ بھجویا تو اس وقت لوگوں کو یقین ہوا کہ وہ واقعی ابوامیہ کی بیٹی ہیں، ابوامیہ چونکہ قریش کے نہایت مشہور اور معزز شخص تھے اس لئے حضرت ام سلمہؓ بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی گئیں۔ (۱)

وفات ابو سلمہؓ نکاح ثانی اور خانگی حالات :

کچھ زمانہ تک شوہر کا ساتھ رہا، حضرت ابو سلمہؓ بڑے شہہ سوار تھے بدر اور احد میں شریک ہوئے غزوہ احد میں چند زخم کھائے جن کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے، جمادی الثانی ۴ ہجری میں ان کا زخم پھٹا اور اسی صدمہ سے وفات پائی۔ (۲) حضرت ام سلمہؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچیں اور وفات کی خبر سنائی اور آنحضرت ﷺ خود ان کے مکان پر تشریف لائے، گھر میں کھرام مچا تھا حضرت ام سلمہؓ کہتی تھیں ”ہائے غربت میں یہ کیسی موت ہوئی“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”صبر کرو“ ان کی مغفرت کی دعا مانگو اور یہ کہو کہ خداوند! ان سے بہتر ان کا جانشین عطا کر“ اس کے بعد ابو سلمہؓ کی لاش پر تشریف لائے اور جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی۔ آنحضرت ﷺ نے (نو) تکبیریں کہیں لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو سو تو نہیں ہوا؟ فرمایا! یہ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے وفات کے وقت ابو سلمہؓ کی آنکھیں کھلی رہ گئیں تھیں آنحضرت ﷺ نے خود دست مبارک سے آنکھیں بند کیں اور ان کی مغفرت کی دعا مانگی۔

ابو سلمہؓ کی وفات کے وقت ام سلمہؓ حاملہ تھیں۔ وضع حمل کے بعد عدت گزر گئی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے نکاح کا پیغام دیا لیکن حضرت ام سلمہؓ نے انکار کیا ان کے بعد حضرت عمرؓ آنحضرت ﷺ کا پیغام لیکر پہنچے حضرت ام سلمہؓ نے کہا مجھے چند عذر ہیں (۱) میں سخت غیور عورت ہوں (۲) صاحب عیال ہوں (۳) میرا سن زیادہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سب زحمات کو گوارا فرمایا، حضرت ام سلمہؓ کو اب عذر کیا ہو سکتا

تھا؟ اپنے لڑکے سے (جنکا نام عمر تھا) کہا اٹھو اور رسول اللہ ﷺ سے میرا نکاح کرو۔ (۱)  
شوال ۴ ہجری کی اخیر تاریخوں میں یہ تقریب انجام پائی حضرت ام سلمہؓ کو  
ابو سلمہؓ کی موت سے جو شدید صدمہ ہوا تھا، خداوند تعالیٰ نے اس کو بدمی مسرت سے  
تبدیل کر دیا۔ سنن ابن ماجہ میں ہے :

فلما توفي ابو سلمة ذكرت الذي كان حدثني فقلت فلما اردت ان

اقول اللهم عظمي خيرا مني قلت في نفسي اعاض خيرا من ابى سلمة

ثم قلتها فعاضني الله محمد ﷺ

”جب ابو سلمہؓ نے وفات پائی تو میں نے وہ حدیث یاد کی جس کو وہ مجھ سے زیادہ  
میان کرتے تھے اور میں نے دعا شروع کی تو جب میں یہ کہنا چاہتی کہ خداوند! مجھے ابو سلمہؓ  
سے بہتر جانشین دے تو دل کہتا کہ ابو سلمہؓ سے بہتر کون مل سکتا ہے؟ لیکن میں نے دعا کو  
پڑھنا شروع کیا تو ابو سلمہؓ کے جانشین آنحضرت ﷺ ہوئے۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو دو چھیاں گھڑ اور چمڑے کا تکیہ جس میں خرے کی چھال

بھری تھی عنایت فرمایا یہی سامان اور نلی بیوں کو بھی عطا ہوا تھا۔ (مسند ج ۶ ص ۲۹۵)

بہت حیا دار تھیں، ابتداً جب آنحضرت ﷺ مکان پر تشریف لاتے تو حضرت

ام سلمہؓ فرط غیرت سے لڑکی (زینبؓ) کو گود میں بٹھالیتیں آپ یہ دیکھ کر واپس جاتے

حضرت عمار بن یاسرؓ کو جو حضرت ام سلمہؓ کے رضاعی بھائی تھے، معلوم ہوا تو بہت ناراض

ہوئے اور لڑکی کو چھین لے گئے۔ (ایضاً)

لیکن بعد میں یہ بات کم ہوتی گئی اور جس طرح دوسری بیبیاں رہتی تھیں وہ بھی

رہنے لگیں نکاح سے قبل آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے ان کا ذکر کیا تو حضرت

عائشہؓ کو بڑا رشک ہوا۔ ابن سعد میں ان سے جو روایت منقول ہے اس میں یہ فقرہ بھی ہے۔

حزنت حزنا شديداً - (ایضاً ج ۴ ص ۲۴۱)

”یعنی مجھ کو سخت غم ہوا“

آنحضرت ﷺ کو ان سے بے حد محبت تھی، یہی وجہ ہے کہ ایک موقع پر جب

تمام ازواج مطہراتؓ کو (سوائے حضرت عائشہؓ کے) حضور ﷺ کی خدمت میں کچھ عرض

کرنا تھا تو انہوں نے حضرت ام سلمہؓ کو ہی اپنا سفیر بنا کر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے۔ ایک میں حضرت عائشہؓ، حضرت حصہؓ، سودہؓ شامل تھیں دوسرے میں حضرت ام سلمہؓ اور باقی ازواج تھیں، چونکہ آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کو زیادہ محبوب رکھتے تھے اس لئے لوگ ان ہی کی باری میں ہدیے بھیجتے تھے۔ حضرت ام سلمہؓ کی جماعت نے ان سے کہا۔ حضرت عائشہؓ کی طرح ہم بھی سب کی بھلائی کے خواہاں ہیں اس بناء پر رسول اللہ ﷺ جس کے مکان میں بھی ہوں لوگوں کو ہدیہ بھیجنا چاہیے۔ حضرت ام سلمہؓ نے آپ ﷺ سے یہ شکایت کی تو آپ ﷺ نے دو مرتبہ اعراض فرمایا۔ تیسری مرتبہ کہا ”ام سلمہؓ! عائشہؓ کے معاملہ میں مجھے اذیت نہ پہنچاؤ، کیونکہ ان کے سوا تم میں کوئی بیوی ایسی نہیں ہے جس کے لحاف میں میرے پاس وحی آئی ہو (۱)“ حضرت ام سلمہؓ نے کہا ”اتوب الی اللہ عزوجل من اذاک یا رسول اللہ“ میں آپ کے اذیت پہنچانے سے پناہ مانگتی ہوں۔

حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں آنحضرت ﷺ شب باش ہوتے تو ان کا ہنکھونا (حضور ﷺ کی جا نماز کے سامنے ہنکتا تھا) آنحضرت ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے (اور یہ سامنے ہوتی تھیں) (۲)

آنحضرت ﷺ کے آرہم کا بہت خیال رکھتی تھیں حضرت سفینہؓ جو آنحضرت ﷺ کے مشہور غلام ہیں دراصل حضرت ام سلمہؓ کے غلام تھے ان کو آزاد کیا تو یہ شرط کی کہ جب تک آنحضرت ﷺ زندہ رہیں تم پر ان کی خدمت لازمی ہوگی۔ (۳)

عام حالات :

حضرت ام سلمہؓ کے مشہور واقعات زندگی یہ ہیں غزوہ خندق میں اگرچہ وہ شریک نہ تھیں تاہم اس قدر قریب تھیں کہ آنحضرت ﷺ کی گفتگو اچھی طرح سنتی تھیں، فرماتی ہیں کہ مجھے وہ وقت خوب یاد ہے جب سینہ مبارک غبار سے اٹا ہوا تھا اور آپ ﷺ لوگوں کو اینٹیں اٹھا اٹھا کر دیتے اور اشعار پڑھ رہے تھے کہ دفعۃً عمار بن یاسر پر نظر پڑی فرمایا ”(افسوس) ابن سمیہ! تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا“ (مسند ج ۲ ص ۲۸۹)

محاصرہ بنو قریظہ (۵۷ھ) میں یہود سے گفتگو کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ

نے حضرت ابو لبابہؓ کو بھیجا تھا اثنائے مشورہ میں ابو لبابہؓ نے ہاتھ کے اشارہ سے بتلایا کہ تم لوگ قتل کئے جاؤ گے، لیکن بعد میں اس کو افشائے راز سمجھ کر اس قدر نادام ہوئے کہ مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا، چند دنوں تک یہی حالت رہی، پھر توبہ قبول ہوئی آنحضرت ﷺ حضرت ام سلمہؓ کے مکان میں تشریف فرما تھے کہ صبح کو مسکراتے ہوئے اٹھے تو بولیں ”خدا آپ کو ہمیشہ ہنسائے، اس وقت ہنسنے کا کیا سبب ہے؟“ فرمایا ”ابو لبابہؓ کی توبہ قبول ہو گئی“ عرض کی ”تو کیا میں ان کو یہ مژدہ سنا دوں“ فرمایا ”ہاں اگر چاہو“ حضرت ام سلمہؓ اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑی ہوئیں اور پکار کر کہا ”ابو لبابہؓ! مبارک ہو، تمہاری توبہ قبول ہو گئی اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام مدینہ امنڈ آیا۔ (زر قانی ج ۲ ص ۵۳، اولن سعد ج ۲ ص ۵۳)

اسی سنہ میں آیت حجاب نازل ہوئی اس سے پیشتر ازواج مطہرات بعض دور کے اعزہ و اقارب کے سامنے آیا کرتی تھیں۔ اب خاص خاص اعزہ کے سوا سب سے پردہ کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت لن ام مکتوم قبیلہ قریش کے ایک معزز صحابی اور بارگاہ نبوی کے مؤذن تھے اور چونکہ نابینا تھے اس لئے ازواج مطہرات کے حجرہوں میں آیا کرتے تھے ایک دن آئے تو آنحضرت ﷺ نے ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ سے فرمایا ان سے پردہ کرو، بولیں ”وہ تو نابینا ہیں“ فرمایا ”تم تو نابینا نہیں ہو تم تو انہیں دیکھتی ہو“ (مسند ج ۶ ص ۲۹۶)

صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں صلح کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ لوگ حدیبیہ میں قربانی کریں لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھایا تک کہ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے، تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص آمادہ نہ ہوا (چونکہ معاہدہ کی تمام شرطیں بظاہر مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں، اس لئے تمام لوگ رنجیدہ اور غصہ سے بیتاب تھے) آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور حضرت ام سلمہؓ سے شکایت کی، انہوں نے کہا ”آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لئے بال مندو امیں“ آپ نے باہر آکر قربانی کی اور بال مندو امیں اب جب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تو سب نے قربانیاں کیں اور احرام اتارا، ہجوم کا یہ حال تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹا پڑتا تھا اور عجلت اس قدر تھی کہ ہر شخص حجامت بنانے کی خدمت انجام دے رہا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۸۰)

حضرت ام سلمہؓ کا یہ خیال علم النفس کے ایک بڑے مسئلہ کو حل کرتا ہے اور اس

سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کی فطرت شناسی میں ان کو کس درجہ کمال حاصل تھا۔ امام الحرمین فرمایا کرتے تھے کہ صنف نازک کی پوری تاریخ اصابت رائے کی ایسی عظیم الشان مثال نہیں پیش کر سکتی۔ (ذرقانی ج ۳ ص ۲۷۲)

غزوہ خیبر میں شریک تھیں، مرحب کے دانتوں پر جب تلوار پڑی تو کر کر اہٹ کی آوازاں کے کانوں تک آئی تھی۔ (استیعاب ج ۲ ص ۸۰۳)

۹۔ ہجری میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت حصہؓ کو تنبیہ کی تو حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھی آئے، وہ ان کی عزیز ہوتی تھیں، ان سے بھی گفتگو کی، حضرت ام سلمہؓ نے جواب دیا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۳۰)

عجبالک یا ابن الخطاب دخلت فی کل شیء حتی تبتغی

ان تدخل بین رسول اللہ ﷺ وازواجه .

”عمرؓ تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے یہاں تک کہ اب رسول اللہ ﷺ

اور ان کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دیتے ہو۔

چونکہ جواب نہایت خشک تھا اس لئے حضرت عمرؓ چپ ہو گئے اور اٹھ کر چلے آئے رات کو یہ خبر مشہور ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے ازواج کو طلاق دے دی صبح کو حضرت عمرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور تمام واقعہ بیان کیا جب حضرت ام سلمہؓ کا قول نقل کیا تو آپ مسکرائے۔

حجۃ الوداع میں جو ۱۰۔ ہجری میں ہوا اگرچہ ام سلمہؓ علیٰ تھیں تاہم ساتھ آئیں بہان (غلام) لونٹ کی مہارت تھامے تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب غلام رکاتب کے پاس اس قدر مال موجود ہو کہ وہ اس کو ادا کر کے آزاد کر سکتا ہو تو اس سے پردہ ضروری ہو جاتا ہے۔ (مسند ج ۶ ص ۲۸۹، ۳۰۸)

طواف کے متعلق فرمایا کہ جب نماز فجر قائم ہو، تم لونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنا، چنانچہ ام سلمہؓ نے ایسا ہی کیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۹، ۲۲۰)

۱۱۔ ہجری میں آنحضرت ﷺ علیٰ ہوئے، مرض نے طول کھینچا تو آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کے مکان میں منتقل ہو گئے حضرت ام سلمہؓ اکثر آپ کو دیکھنے کے لئے جایا کرتی تھیں ایک دن طبیعت زیادہ علیٰ ہوئی تو ام سلمہؓ چیخ اٹھیں۔ آنحضرت

ﷺ نے منع کیا کہ یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔ (۱) ایک دن مرض میں اشتداد ہوا تو ازواج نے دو پلانی چاہی چونکہ گوارانہ تھی آپ ﷺ نے انکار فرمایا لیکن جب غشی طاری ہو گئی تو ام سلمہؓ اور (اسماء بنت عمیس نے دو پلادی (۲) بعض روایتوں میں ہے کہ ان دونوں نے اس کا مشورہ دیا تھا) اسی زمانہ میں اسی روز حضرت ام سلمہؓ اور ام حبیبہؓ نے جو حبشہ ہو آئی تھیں وہاں کے عیسائی معبدوں کا (جو غالباً رومن کیتھولک گرجوں کے ہوں گے) اور ان کے مجسموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا آپ ﷺ نے فرمایا ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتا ہے تو اس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں اور اس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کرتے ہیں قیامت کے روز خدائے عزوجل کی نگاہ میں یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے۔ (۲)

وفات سے پہلے آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے کان میں باتیں کیں تھیں حضرت عائشہؓ اسی وقت بے تابانہ پوچھنے لگیں لیکن حضرت ام سلمہؓ نے توقف کیا اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد پوچھا۔ (طہات ج ۲ ف ۲ ص ۴۰)

۶۱۔ ہجری میں حضرت حسینؓ نے شہادت پائی۔ حضرت ام سلمہؓ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے ہیں نہایت پریشان ہیں سر اور ریش مبارک غبار آلود ہے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا حال ہے ارشاد ہوا، حسینؓ کے مقتل سے واپس آ رہا ہوں، حضرت ام سلمہؓ بیدار ہوئیں تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے (۳) اسی حالت میں زبان سے نکلا اہل عراق نے حسینؓ کو قتل کیا اللہ ان کو قتل کرے اور حسینؓ کو ذلیل کیا، خدا ان لوگوں پر لعنت کرے۔ (مسند ج ۶ ص ۲۹۸)

۶۳۔ ہجری میں واقعہ حرہ کے بعد شامی لشکر مکہ آ گیا جہاں لن زبیرؓ جا پناہ گزین تھے چونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں ایسے لشکر کا تذکرہ فرمایا تھا بعض کوشبہ ہو اور حضرت ام سلمہؓ سے دریافت کیا بولیں آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ ایک شخص مکہ میں پناہ لے گا اس کے مقابلہ میں جو لشکر آئے گا بیان میں وہیں دھنس جائے گا، ام سلمہؓ نے پوچھا جو لوگ جبراً شریک کئے گئے ہوں گے وہ بھی؟ فرمایا ہاں لیکن قیامت کے دن اپنے نیتوں کے مطابق انھیں گے (حضرت ابو جعفرؓ) فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مدینہ کے میدان میں

(۱) طہات ج ۲ ف ۲ ص ۱۳ (۲) صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۱ و طہات ج ۲ ف ۲ ص ۲۲

(۳) صحیح بخاری و صحیح مسلم (۴) صحیح ترمذی ص ۲۲۴

پیش آئے گا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۹۳، ۴۹۴)

وفات :

جس سال حرہ کا واقعہ ہوا (یعنی ۶۳ ہجری) اسی سال حضرت ام سلمہؓ نے انتقال فرمایا اس وقت ۸۴ برس کا سن تھا حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھی اور بقیع میں دفن کیا۔ (۱) اس زمانہ میں ولید بن عتبہ (ابوسفیان کا پوتا) مدینہ کا گورنر تھا چونکہ حضرت ام سلمہؓ نے وصیت کی تھی کہ وہ میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھائے اس لئے وہ جنگل کی طرف نکل گیا اور اپنے بجائے حضرت ابو ہریرہؓ کو بھیج دیا۔ (طبری کبیر ج ۳ ص ۲۴۴۳)

اولاد :

حضرت ام سلمہؓ کے پہلے شوہر سے جو اولاد ہوئی اس کے نام یہ ہیں۔  
سلمہؓ جسٹہ میں پیدا ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح حضرت حمزہؓ کی لڑکی امامہ سے کیا تھا۔

عمرؓ، آنحضرت سے حضرت ام سلمہؓ کا نکاح ان ہی نے کیا تھا حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں فارس اور بحرین کے حاکم تھے۔

درہ ان کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے، حضرت ام حبیبہؓ نے کہا کہ ازواج مطہرات میں داخل تھیں آنحضرت ﷺ سے کہا، ہم نے سنا ہے کہ آپ درہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے، اگر میں نے اس کو پرورش نہ بھی کیا ہوتا تو بھی وہ میرے لئے کسی طرح حلال نہ تھی کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے۔ (۲)

زینبؓ پہلے برہ نام تھا، لیکن آنحضرت ﷺ نے زینبؓ رکھا۔ (۳)

حلیہ :

اصابہ میں ہے :

كانت ام سلمة موصوفة بالجمال البارع

یعنی حضرت ام سلمہؓ نہایت حسین تھیں۔

ابن سعدؓ (۴) نے روایت کی ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کو ان کے حسن کا حال

(۱) زرقانی ج ۳ ص ۲۷۶

(۲) صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۴ (۳) زرقانی ج ۳ ص ۲۷۲ (۴) ابن سعد ج ۸ ص ۶۶



معلوم ہوا تو سخت پریشان ہوئیں، مگر یہ واقعہ کی روایت ہے جو چنداں قابل اعتبار نہیں۔  
حضرت ام سلمہؓ کے بال نہایت گھنے تھے۔ (مسند ج ۶ ص ۲۸۹)  
فضل و کمال :

علمی حیثیت سے اگرچہ تمام ازواج بلند رتبہ رکھتی تھیں، تاہم حضرت عائشہؓ اور  
حضرت ام سلمہؓ کا ان میں کوئی جواب نہ تھا، چنانچہ محمود بن لبید کہتے ہیں۔ (۱)

کان ازواج النبی ﷺ يحفظن من حدیث النبی ﷺ

كثيراً ولا مثلاً لعائشة و ام سلمة

”آنحضرت کی ازواج احادیث کا مخزن تھیں، تاہم عائشہؓ اور ام سلمہؓ کا ان

میں کوئی حریف مقابل نہ تھا“

مروان بن حکم ان سے مسائل دریافت کرتا اور اعلانیہ کہتا تھا۔

كيف نسال احداً و فينا ازواج النبی ﷺ (۲)

”آنحضرت ﷺ کی ازواج کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے کیوں پوچھیں“

حضرت ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ سے دریائے علم ہونے کے باوجود ان کے

دریائے فیض سے مستغنی تھے (۲) تاہم کرام کا ایک بڑا گروہ ان کے آستانہ فضل پر سربر تھا۔

قرآن اچھا پڑھتیں اور آنحضرت ﷺ کے ظر ز پر پڑھ سکتی تھیں ایک مرتبہ کسی

نے پوچھا آنحضرت ﷺ کیوں قرأت کرتے تھے؟ بولیں ایک ایک آیت الگ الگ

کر کے پڑھتے تھے اس کے بعد خود پڑھ کر بتلایا۔ (۳)

حدیث میں حضرت عائشہؓ کے سوا ان کا کوئی حریف نہ تھا ان سے ۸۷۳ روایتیں

مروی ہیں اس بناء پر وہ محدثین صحابہ کے تیسرے طبقہ میں شامل ہیں۔

حدیث سننے کا بڑا شوق تھا ایک دن بال گوندھوا رہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ خطبہ

دینے کے لئے کھڑے ہوئے، زبان مبارک سے ایہا الناس (اے لوگو!) کا لفظ نکلا تو فوراً

بال باندھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور کھڑے ہو کر پورا خطبہ سنا۔ (۵)

مجہد تھیں صاحب اصابہ نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے۔

(۱) طقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۲۶ (۲) مسند ج ۶ ص ۳۱۷

(۳) انصاف ص ۳۱۲ (۴) ایضاً ص ۳۰۰ (۵) ایضاً ص ۳۰۱

صاحب العقل البالغ والرائی الصائب (اصابہ ج ۸ ص ۲۴۱)  
 ”یعنی وہ کامل العقل اور صائب الرائے تھیں“

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ان کے فتاویٰ اگر جمع کئے جائیں تو ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے (۱) ان کے فتاویٰ کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ عموماً متفق علیہ ہیں اور یہ ان کی دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کا ایک کرشمہ ہے۔ ان کی نکتہ سنجی پر ذیل کے واقعات شاہد ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے مروان نے پوچھا آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ بولے آنحضرت ﷺ بھی پڑھتے تھے چونکہ انہوں نے یہ حدیث حضرت عائشہؓ کے سلسلہ سے سنی تھی مروان نے ان کے پاس تصدیق کے لئے آدمی بھیجا۔

انہوں نے کہا مجھ کو ام سلمہؓ سے یہ حدیث پہنچی ہے،  
 حضرت ام سلمہؓ کے پاس آدمی گیا اور یہ قول نقل کیا بولیں۔

یغفر الله لعائشة لقد وضعت امری علی غیر موضعه (۲)  
 ”یعنی خدا عائشہؓ کی مغفرت کرے انہوں نے بات نہیں سمجھی“

الم اخبرها ان رسول الله ﷺ قد نهى عنهما (۳)

”کیا میں نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے“

حضرت ابو ہریرہؓ کا خیال تھا کہ رمضان میں جنابت کا غسل فوراً صبح اٹھ کر کرنا چاہیے ورنہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ایک شخص نے جا کر حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ سے پوچھا دونوں نے کہا کہ خود آنحضرت ﷺ جنابت کی حالت میں صائم ہوتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ نے سنا تو رنگ فق ہو گیا اس خیال سے رجوع کیا اور کہا کہ میں کیا کروں۔ فضل بن عباسؓ نے مجھ سے اسی طرح میان کیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ کو زیادہ علم ہے، اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنا فتویٰ واپس لے لیا۔ (۵)

(۱) اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۳ (۲) مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۹ یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی ہے ج ۲ ص ۲۳۹ (۳) مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۳ (۴) ایضاً ج ۶ ص ۳۰۷ (۵) ایضاً ص ۳۰۶

ایک مرتبہ چند صحابہؓ نے دریافت کیا کہ (آنحضرت ﷺ کی اندرونی زندگی) کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیے، فرمایا آپ ﷺ کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔ آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ سے واقعہ بیان کیا، فرمایا تم نے بہت اچھا کیا۔ (ایضاً ص ۲۰۹)

حضرت ام سلمہؓ جو اب صاف دیتی تھیں اور کوشش کرتی تھیں کہ سائل کو تشفی ہو جائے ایک دفعہ کسی شخص کو مسئلہ بتایا وہ ان کے پاس سے اٹھ کر دوسری ازواج کے پاس گیا سب نے ایک ہی جواب دیا، واپس آکر حضرت ام سلمہؓ کو یہ خبر سنائی تو بولیں نعم واشفیک اذرا ٹھہرو! میں تمہاری تشفی کرنا چاہتی ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق حدیث سنی ہے۔ (ایضاً ص ۲۹۷)

حضرت ام سلمہؓ کو حدیث و فقہ کے علاوہ اسرار کا بھی علم تھا اور یہ وہ فن تھا جس کے حضرت حذیفہؓ عالم خصوصی تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ان کے پاس آئے تو بولیں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ بعض صحابی ایسے ہیں جن کو نہ میں اپنے انتقال کے بعد دیکھوں گا اور نہ وہ مجھ کو دیکھیں گے، حضرت عبدالرحمنؓ گھبرا کر حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے اور ان سے یہ حدیث بیان کی حضرت عمرؓ حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لائے اور کہا:

”خدا کی قسم! سچ کہنا میں انہی میں ہوں؟“ حضرت ام سلمہؓ نے کہا نہیں، لیکن تمہارے علاوہ کسی کو مستثنیٰ نہیں کروں گی۔ (مسند احمد ص ۳۰۷ ج ۶)

حضرت ام سلمہؓ سے جن لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا ان کی ایک بڑی جماعت ہے، ہم صرف چند ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔

عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، اسامہ بن زیدؓ، ہند بنت الحارث القرظیہؓ، صفیہ بنت شیبہؓ، عمرؓ، زینبؓ (ولاد حضرت ام سلمہؓ) مصعب بن عبد اللہ (برادر زادہ) نہمانؓ (غلام مکاتب) عبد اللہ بن رافعؓ، نافعؓ، شعبہؓ، پسر شعبہؓ، ابو بکرؓ، خیرہ والدہ حسنؓ بصریؓ، سلیمان بن یسارؓ، ابو عثمان النہدیؓ، حمیدؓ، ابو سلمہؓ، سعیدؓ، بن مسیبؓ، ابو وائلؓ، صفیہ بنت محسنؓ، شعبیؓ، عبدالرحمن بن حارث بن ہشامؓ، عکرمہؓ، ابو بکر بن عبدالرحمنؓ، عثمان بن عبد اللہ بن مواہبؓ، عروہ بن زبیرؓ، کریبؓ، مولیٰ بن عباسؓ، قبیصہ بن زویبؓ، نافع موالد بن عمرؓ، یعلیٰ بن مملک رضی اللہ تعالیٰ عنہم

## اخلاق و عادات :

حضرت ام سلمہؓ نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں، ایک مرتبہ ایک ہار پہنا جس میں سونے کا کچھ حصہ شامل تھا آنحضرت ﷺ نے اعراض کیا تو اس کو توڑ ڈالا (۱) ہر مہینہ میں تین دن (دوشنبہ، جمعرات اور جمعہ) روزہ رکھتی تھیں۔ (۲) ثواب کی متلاشی رہتیں۔ ان کے پہلے شوہر کی اولاد ان کے ساتھ تھی اور وہ نہایت عمدگی سے ان کی پرورش کرتی تھیں اس بناء پر آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ مجھ کو اس کا ثواب بھی ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں! (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۸)

اچھے کاموں میں شریک ہوتی تھیں آیت تطہیر ان ہی کے گھر میں نازل ہوئی تھی، آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ اور حسینؓ کو بلا کر کبیل لوڑھایا اور کہا خدایا! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے نپاکی کو دور کر لو، ان کو پاک کر، حضرت ام سلمہؓ نے یہ دعا سنی تو بولیں یا رسول اللہ! میں بھی ان کے ساتھ شریک ہوں، ارشاد ہوا تم اپنی جگہ پر ہو اور اچھی ہو۔ (صحیح ترمذی ص: ۵۳۰)

امر بالمعروف اور ہی عن المنکر کی پابند تھیں نماز کے اوقات میں بعض امراء نے تغیر و تبدل کیا یعنی مستحب اوقات چھوڑ دیئے، تو حضرت ام سلمہؓ نے ان کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ آنحضرت ﷺ ظہر جلد پڑھا کرتے تھے اور تم عصر جلد پڑھتے ہو۔ (۳)

ایک دن ان کے بچے نے دو رکعت نماز پڑھی، چونکہ سجدہ گاہ غبار آلود تھی، وہ سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑتے تھے، حضرت ام سلمہؓ نے روکا کہ یہ فعل آنحضرت ﷺ کی روش کے خلاف ہے، آنحضرت ﷺ کے ایک غلام نے ایک دفعہ ایسا کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا توب و جھک اللہ! یعنی تیرا چہرہ خدا کی راہ میں غبار آلود ہو۔ (۴)

فیاض تھیں اور دوسروں کو بھی فیاضی کی طرف مائل کرتی تھیں ایک دفعہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے آکر کہا مال! میرے پاس اس قدر مال جمع ہو گیا ہے کہ اب بربادی کا خوف ہے فرمایا بیٹا اسکو خرچ کرو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بہت سے صحابہؓ ایسے ہیں جو مجھ کو میری موت کے بعد پھر کبھی نہ دیکھیں گے۔ (۵)

(۱) ایضاً ج ۶ ص ۳۱۵، ۳۲۲ (۲) ایضاً ص ۲۸۹

(۳) ایضاً ج ۶ ص ۲۸۹ (۴) ایضاً ج ۲ ص ۳۰۱ (۵) ایضاً ص ۲۹۰

ایک مرتبہ چند فقراء جن میں عورتیں بھی تھیں ان کے گھر آئے اور نہایت الحاج سے سوال کیا ام الحسن بیٹھی تھیں انہوں نے ڈانٹا لیکن حضرت ام سلمہؓ نے کہا ہم کو اس کا حکم نہیں ہے اس کے بعد لونڈی سے کہا کہ ان کو کچھ دے کر رخصت کرو کچھ نہ ہو تو ایک ایک چھوہار ان کے ہاتھ پر رکھ دو۔ (استیعاب ج ۲ ص ۸۰۳)

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو محبت تھی اس کا یہ اثر تھا کہ آپ کے موئے مبارک تبر کار کھ چھوڑے تھے جن کی وہ لوگوں کو زیارت کراتی تھیں (۱) آنحضرت ﷺ کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ ایک مرتبہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اس کا کیا سبب ہے کہ ہمارا قرآن میں ذکر نہیں تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور یہ آیت پڑھی۔

ان المسلمین والمسلمات والمؤمنین والمؤمنات (۲)

مناقب :

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہؓ کے پاس بیٹھی تھیں حضرت جبرائیلؑ آئے اور باتیں کرتے رہے ان کے جانے کے بعد آپ نے پوچھا ”ان کو جانتی ہو“ بولیں دجیہ تھے لیکن جب آپ نے اس واقعہ کو لوگوں سے بیان کیا تو اس وقت معلوم ہوا کہ وہ جبرائیلؑ تھے (غالباً یہ نزول حجاب سے قبل کا واقعہ ہے) (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۱ مطبوعہ مصر)

## (۷) حضرت زینب بنت جحش

نام و نسب :

زینب نام ام الحکم کنیت قبیلہ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے : زینب بنت جحش بن رباب بن عمر بن صبرۃ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ۔ والدہ کا نام امیمہ تھا۔ جو عبدالمطلب جد رسول اللہ ﷺ کی دختر تھیں اس بناء پر حضرت زینبؓ آنحضرت ﷺ کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

اسلام :

نبوت کے ابتدائی دور میں اسلام لائیں۔ اسد الغابہ میں ہے۔ (۳)

(۱) مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۶ (۲) ایضاً ص: ۳۰۱ (۳) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۳

## كانت قديمة الاسلام "قديم اسلام تھیں"

نکاح :

آنحضرت ﷺ نے زید بن حارثہ کے ساتھ جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور مقبلی تھے ان کا نکاح کر دیا اسلام نے دنیا میں مساوات کی جو تعلیم رائج کی ہے اور پست و بلند کو جس طرح ایک سطح پر لاکھڑا کر دیا ہے، اگرچہ تاریخ میں اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں، لیکن یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان سب پر فوقیت رکھتا ہے، کیونکہ اسی سے عملی تعلیم کی بنیاد قائم ہوتی ہے، قریش اور خصوصاً خاندان ہاشم کو تولیت کعبہ کی وجہ سے عرب میں جو درجہ حاصل تھا اس کے لحاظ سے شاہان یمن بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے لیکن اسلام نے محض "تقویٰ" کو بزرگی کا معیار قرار دیا اور فخر و ادعاء کو جاہلیت کا شعار ٹھہرایا ہے اس بناء پر اگرچہ حضرت زیدؓ بظاہر غلام تھے، تاہم چونکہ (وہ مسلمان اور مرد صالح تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ کو ان کے ساتھ حضرت زینبؓ کا عقد کر دینے میں کوئی تکلف نہیں ہوا) تعلیم مساوات کے علاوہ اس نکاح کا ایک مقصد اور بھی تھا جو اسد الغابہ میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے۔

تزوجها ليعلمها كتاب الله و سنة رسوله (ابن ماجہ ص ۵ ص ۶۳)

"یعنی آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح زیدؓ سے اس لئے کیا تھا کہ ان کو قرآن و

حدیث کی تعلیم دیں"

تقریباً ایک سال تک دونوں کا ساتھ رہا، لیکن پھر تعلقات قائم نہ رہ سکے اور شکر رنجی بڑھتی گئی حضرت زیدؓ نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی اور طلاق دے دینا چاہا۔ (صحیح ترمذی ص ۵۳۱)

جاء زيد بن حارثة فقال يا رسول الله ان زينب اشتد على لسانها وانا

اريد ان اطلقها (فتح الباری ج: ۸ ص: ۴۰۳ تفسیر سورہ احزاب)

زيد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ زینب مجھ سے زبان

درازی کرتی ہیں اور میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔

لیکن آنحضرت ﷺ بار بار ان کو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دیں قرآن مجید میں ہے۔

وَإِذَا تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ

وَاتَّقِ اللَّهَ (احزاب ۵)

اور جب کہ تم اس شخص سے جس پر خدا نے احسان کیا تھا یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح میں لئے رہو اور خدا سے خوف کرو۔

لیکن یہ کسی طرح صحبت بر آء نہ ہو سکے۔ اور آخر حضرت زیدؓ نے ان کو طلاق دیدی حضرت زینبؓ آنحضرت ﷺ کی بہن تھیں اور آپ ہی کی تربیت سے پلی تھیں آپ کے فرمانے سے انہوں نے یہ رشتہ منظور کر لیا تھا جو ان کے نزدیک ان کے خلاف شان تھا) چونکہ زید غلام رہ چکے تھے اس لئے حضرت زینبؓ کو یہ نسبت گوارا نہ تھی (بہر حال وہ مطلقہ ہو گئیں تو آپ ﷺ نے ان کی دلجوئی کے لئے خود ان سے نکاح کر لینا چاہا، لیکن عرب میں اس وقت تک متدبنی اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا اس لئے عام لوگوں کے خیال سے آپ تامل فرماتے تھے لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی اور اس کا مٹانا مقصود تھا اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

وَتُخْفَى فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ

(احزاب ۵)

”اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو خدا ظاہر کر دینے والا ہے اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیے“

آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ تم زینبؓ کے پاس میرا پیغام لیکر جاؤ، زیدؓ ان کے گھر آئے تو وہ آنا گوندھنے میں مصروف تھیں چاہا کہ ان کی طرف دیکھیں لیکن پھر کچھ سوچ کر منہ پھیر لیا۔ اور کہا زینبؓ! رسول اللہ ﷺ کا پیغام آیا ہوں، ”جو اب ما“ میں بغیر استخارہ کئے کوئی رائے قائم نہیں کرتی“ یہ کہا اور مصلیٰ پر کھڑی ہو گئیں ادھر رسول اللہ ﷺ پر وحی آئی فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرَّازٌ وَجْنَا كَهَا اور نکاح ہو گیا آنحضرت ﷺ حضرت زینبؓ کے مکان پر تشریف لائے اور بلا استیذان اندر چلے گئے۔

دن چڑھے دعوت ولیمہ ہوئی جو اسلام کی سادگی کی اصلی تصویر تھی اس میں روٹی اور سالن کا انتظام تھا۔ انصار میں حضرت ام سلیمؓ نے جو آنحضرت ﷺ کی خالہ اور حضرت انسؓ کی والدہ تھیں، مالیدہ بھیجا تھا، غرض سب چیزیں جمع ہو گئیں تو آنحضرت ﷺ نے حضرت انسؓ کو لوگوں کے بلانے کے لئے بھیجا، ۳۰۰ آدمی شریک دعوت ہوئے کھانے کے

وقت آنحضرت ﷺ نے دس دس آدمیوں کی ٹولیاں کر دی تھیں باری باری آتے اور کھانا کھا کر واپس چلے جاتے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۳ تفسیر سورہ احزاب)

اسی دعوت میں آیت حجاب اتری جس کی وجہ یہ تھی کہ چند آدمی مدعو تھے کھا کر باتیں کرنے لگے اور اس قدر دیر لگائی کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہوئی رسول اللہ ﷺ فرط مروت سے خاموش تھے بار بار اندر جاتے اور باہر آتے تھے اسی مکان میں حضرت زینبؓ بھی بیٹھی ہوئی تھیں اور ان کا منہ دیوار کی طرف تھا۔

آنحضرت ﷺ کی آمدورفت کو دیکھ کر بعضوں کو خیال ہوا اور اٹھ کر چلے گئے حضرت انسؓ نے آنحضرت ﷺ کی جو دوسری ازواج کے مکان میں تھے اطلاع دی آپ باہر تشریف لائے تو وحی کی زبان اس طرح گویا ہوئی۔

ياايها الذين امنوا لا تدخلوا بيوت النبي الا ان يؤذن لكم الى طعام غير نظرين انه ولكن اذا دعيتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسين لحديث . ان ذلكم كان يؤذي النبي فيستحي منكم والله لا يستحي من الحق واذا سألتموهن متاعا فسنلوهن من وراء حجاب . (احزاب ۷)

”اے ایمان والو! نبی کے گھروں پر مت جایا کرو، مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ تم اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو، پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو، اس بات سے نبی کو ناگواری پیدا ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا ہے اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر مانگو۔ آپ نے دروازہ پر پردہ لٹکا دیا اور لوگوں کو گھر کے اندر جانے کی ممانعت ہو گئی یہ واقعہ ذوالقعدہ ۵ ہجری کا ہے۔“

حضرت زینبؓ کے نکاح کی چند خصوصیتیں ہیں جو کہیں اور نہیں پائی جاتیں ان کے نکاح سے جاہلیت کی ایک رسم کہ متبہنی اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے مٹ گئی مساوات اسلامی کا وہ عظیم الشان منظر نظر آیا کہ آزاد و غلام کی تمیز اٹھ گئی پردہ کا حکم ہوا نکاح کے لئے وحی الہی آئی ولیمہ میں تکلف ہوا اسی بناء پر حضرت زینبؓ اور ازواج کے مقابلہ میں فخر کیا کرتی تھیں۔ (ترمذی ص ۵۳۱ اسد الغابہ ج ۵ ص ۶۶۴)



ازواج مطہرات میں جو بیبیاں حضرت عائشہ کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں ان میں حضرت زینب خصوصیت کے ساتھ ممتاز تھیں خود حضرت عائشہ کہتی ہیں۔

ہی التي كانت تساميني منهم في المنزلة عند رسول الله ﷺ (۱)  
 ”ازواج میں سے وہی رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں عزت و مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی تھیں“

آنحضرت ﷺ کو بھی ان کی خاطر داری منظور رہتی تھی، یہی وجہ تھی کہ جب چند ازواج نے حضرت فاطمہ زہرا کو اپنا سفیر بنا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور وہ ناکام واپس ہوئیں تو سب نے اس خدمت (سفارت) کے لئے حضرت زینب کا انتخاب کیا کیونکہ وہ اس خدمت کے لئے زیادہ موزون تھیں۔ انہوں نے بڑی دلیری سے پیغام ادا کیا اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہ اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں، حضرت عائشہ چپ سن رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں حضرت زینب جب تقریر کر چکیں تو مرضی پا کر کھڑی ہوئیں اور اس زور و شور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینب لاجواب ہو کر رہ گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”کیوں نہ ہو! ابو بکر کی بیٹی ہے“ (۲)

وفات:

آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات سے فرمایا تھا۔

اسرعن لحاقابی اطولکن یداً

”تم میں مجھ سے جلدی وہ ملے گا جس کا ہاتھ لمبا ہوگا“

یہ استعارہ فیاضی کی طرف اشارہ تھا، لیکن ازواج مطہرات اس کو حقیقت نہ سمجھیں، چنانچہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں، حضرت زینب اپنی فیاضی کی بناء پر اس پویشن گوئی کا مصداق ثابت ہوئیں ازواج مطہرات میں سب سے پہلے انتقال کیا، کفن کا خود انتظام کر لیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمر بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک کو صدقہ کر دینا، چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی، حضرت عمر نے نماز جنازہ پڑھائی اس کے بعد ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ کون قبر میں داخل ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ وہ شخص جو ان کے گھر میں داخل

(۱) صحیح مسلم باب فضل عائشہ (۲) ایضاً۔

ہوا کرتا تھا چنانچہ اسامہ بن زیدؓ، محمد بن عبد اللہ بن حشؓ، عبد اللہ بن ابی احمد بن حشؓ نے ان کو قبر میں اتار اور بقیع میں سپرد خاک کیا۔ (۱)

حضرت زینبؓ نے ۲۰ ہجری میں انتقال کیا اور ۵۳ برس کی عمر پائی، وقادی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جس وقت نکاح ہوا اس وقت ۳۵ سال کی تھی لیکن یہ عام روایت کے خلاف ہے عام روایت کے مطابق ان کا سن ۳۸ سال کا تھا۔

حضرت زینبؓ نے مال متروکہ میں صرف ایک مکان یادگار چھوڑا تھا جس کو ولید بن عبد الملک نے اپنے زمانہ حکومت میں پچاس ہزار درہم پر خرید کیا اور وہ مسجد نبوی ﷺ میں شامل کر دیا گیا۔ (طبری ص ۲۴۴۹ ج ۱۳)

حلیہ :

حضرت زینبؓ کوتاہ قامت لیکن خوبصورت اور موزون اندام تھیں۔ (۲)

فضل و کمال :

روایتیں کم کرتی تھیں، کتب حدیث میں ان سے صرف گیارہ روایتیں منقول ہیں، راویوں میں حضرت ام حبیبہؓ، زینب بنت ابی سلمہؓ، محمد بن عبد اللہ بن حشؓ (برادر زادہ) کلثوم بنت طلحہ اور مذکور (غلام) داخل ہیں۔ رضی اللہ عنہم

اخلاق :

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں۔

كانت زينبٌ صالحة صوامعة قوامعة (۳)

”یعنی حضرت زینب نیک خور و روزہ دار اور نماز گزار تھیں“

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :

لم ار امرأة قط خيرا في الدين من زينبٌ واتقى الله واصدق حديثا و  
اوصل للرحم واعظم صدقة واشد ابتداء لنفسها في العمل الذي تصدق به و  
تقرب به الى الله ما عدا سورة من حدة كانت فيها تسرع منها الفينة (۴)

”یعنی میں نے کوئی عورت زینبؓ سے زیادہ دیندار، زیادہ پرہیزگار، زیادہ ہر است

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۱ . مسلم ص ۳۴۱ ج ۲ اسد الغابہ ص ۴۶۵ ج ۵

(۲) زرقانی ج ۳ ص ۲۸۳ (۳) زرقانی بحوالہ ابن سعد (۴) مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ (فضل عائشہ)

گفتار زیادہ فیاض، مخیر اور خدا کی رضا جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی، جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔“

حضرت زینبؓ کا زہد و تورع میں یہ حال تھا کہ جب حضرت عائشہؓ پر اہتمام لگایا گیا اور اس اہتمام میں خود حضرت زینبؓ کی بہن آمنہ شریک تھیں آنحضرت ﷺ نے ان سے حضرت عائشہؓ کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔

ما علمت الا خیراً

”مجھ کو حضرت عائشہؓ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں“

حضرت عائشہؓ کو انکے اس صدق و اقرار حق کا اعتراف کرنا پڑا۔

عبادت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ مصروف رہتی تھیں ایک مرتبہ آپ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے حضرت زینبؓ اس معاملہ میں کچھ بول انھیں حضرت عمرؓ نے ڈانٹا آپ نے فرمایا ان سے درگزر کرو یہ لواہ (۱) ہیں (یعنی خاشع و متضرع ہیں) نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں، خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھیں اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو مدینہ کے فقراء اور مساکین میں سخت کھلبلی پیدا ہو گئی اور وہ گھبرا گئے (۲) ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا، انہوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور بزرہ بنت رافع کو حکم دیا کہ میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کر دو بزرہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے؟ انہوں نے کہا کپڑے کے نیچے جو کچھ ہے وہ تمہارا ہے دیکھا تو پچاسی درہم نکلے جب تمام مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ خدایا! اس سال کے بعد میں عمرؓ کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں گی اور دعا قبول ہوئی اور اسی سال انتقال ہو گیا۔ (۳)

(۱) اصابہ ج ۸ ص ۹۳

(۲) اصابہ ص: ۱۱۳ ج: ۸ بحوالہ ابن سعد

(۳) ابن سعد ج ۸ ص ۷۸

## (۸) حضرت جویریہؓ

نام و نسب :

جویریہ نام قبیلہ خزاعہ کے خاندان مصطلق سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے : جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائد بن مالک بن جذیمہ (مصطلق) بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارث بن عمرو مزیقیاء۔ حارث بن ابی ضرار حضرت جویریہ کے والد خاندان بنو مصطلق کے سردار تھے۔ (طقات ج: ۲، ق: ۱، ص: ۴۵)

نکاح :

حضرت جویریہ کا پہلا نکاح اپنے ہی قبیلہ میں مسافع بن صفوان (ذی شرف) سے ہوا تھا۔

غزوہ مر یسع اور نکاح ثانی :

حضرت جویریہ کا باپ اور شوہر مسافع دونوں دشمن اسلام تھے چنانچہ حارث نے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کی تھیں، آنحضرت کو خبر ملی تو مزید تحقیقات کے لئے بریدہ بن حبیب اسلمی کو روانہ کیا انہوں نے واپس آکر خبر کی تصدیق کی آپ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا ۲ شعبان ۵ھ ہجری کو فوجیں مدینہ سے روانہ ہوئیں اور مر یسع میں جو مدینہ منورہ سے ۹ منزل ہے، پہنچ کر قیام کیا، لیکن حارث کو یہ خبریں پہلے پہنچ چکیں تھیں اس لئے اس کی جمعیت منتشر ہو گئی اور وہ خود بھی کسی طرف نکل گیا لیکن مر یسع میں جو لوگ آباد تھے انہوں نے صف آرائی کی اور دیر تک جم کر تیر برساتے رہے مسلمانوں نے دفعۃً ایک ساتھ حملہ کیا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے ۱۱ آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار ہوئے جن کی تعداد تقریباً ۶ سو تھی غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بحریاں ہاتھ آئیں۔

لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں، ان اسحاق کی

روایت ہے جو بعض حدیث کی کتابوں میں بھی ہے کہ تمام اسیران جنگ لونڈی غلام بنا کر تقسیم کر دیئے گئے حضرت جویریہؓ ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں انہوں نے ثابت سے درخواست کی کہ ”مکاتب کر لو، یعنی مجھ سے کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دو“ ثابت نے ۹ اوقیہ سونے

پر منظور کیا حضرت جویریہؓ کے پاس روپیہ نہ تھا چاہا کہ لوگوں سے روپیہ مانگ کر یہ رقم ادا کریں، آنحضرت ﷺ کے پاس بھی آئیں، حضرت عائشہؓ بھی وہاں موجود تھیں۔

ابن اسحاق نے حضرت عائشہؓ کی زبانی روایت کی ہے جو یقیناً ان کی ذاتی رائے ہے کہ چونکہ جویریہؓ نہایت شیریں ادا تھیں، میں نے ان کو آنحضرت ﷺ کے پاس جاتے دیکھا تو سمجھا کہ آنحضرت ﷺ پر بھی ان کے حسن و جمال کا وہی اثر ہو گا جو مجھ پر ہوا، غرض وہ آنحضرت کے پاس گئیں آپ ﷺ نے فرمایا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟ انہوں نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”کہ تمہاری طرف سے میں روپیہ ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں“ حضرت جویریہؓ راضی ہو گئیں آپ نے تمہارے رقم ادا کر دی اور ان سے شادی کر لی۔

لیکن دوسری روایت میں اس سے زیادہ واضح بیان مذکور ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت جویریہؓ کا باپ (حارث) رئیس عرب تھا حضرت جویریہؓ جب گرفتار ہوئیں تو حارث آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ ”میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی، میری شان اس سے بالاتر ہے، میں اپنے قبیلے کا سردار اور رئیس عرب ہوں آپ اس کو آزاد کر دیں، آپ نے فرمایا کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ خود جویریہؓ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے حارث نے جا کر جویریہؓ سے کہا کہ محمد ﷺ نے تیری مرضی پر رکھا ہے، دیکھنا مجھ کو روانہ کرنا انہوں نے کہا ”میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔

ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت جویریہؓ کے والد نے ان کا زر فدیہ ادا کیا اور جب وہ آزاد ہو گئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کیا۔ (۱)

حضرت جویریہؓ سے جب آپ ﷺ نے نکاح کیا تو تمام اسیران جنگ جو اہل فوج کے حصہ میں آگئے تھے، دفعۃً رہا کر دیئے گئے فوج نے کہا کہ جس خاندان میں رسول اللہ ﷺ نے شادی کر لی وہ غلام نہیں ہو سکتا۔ (۲)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے کسی عورت کو جویریہؓ سے بڑھ کر اپنی قوم کے

(۱) ابن سعد ج ۸ ص ۸۴

(۲) ابو داؤد کتاب العناق ج ۲ ص ۱۰۵، طبقات ج ۲ ق ۱ ص ۴۶، صحیح مسلم ص ۶۱

حق میں مبارک نہیں دیکھان کے سبب سے بنو مصطلق کے سینکڑوں گھرانے آزاد کر دیئے گئے۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۲۰)

حضرت جویریہؓ کا نام برہ تھا آنحضرت ﷺ نے بدل کر جویریہؓ رکھا کیونکہ اس میں بد فالی تھی۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۱)

وفات :

حضرت جویریہؓ نے ربیع الاول ۵ھ ہجری میں وفات پائی اس وقت ان کا سن ۶۵ برس تھا مروان نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

حلیہ :

حضرت جویریہؓ خوبصورت اور موزون اندام تھیں حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ (۱)

كانت امرأة حلوة ملاحاة لا يراها احد الا اخذت بنفسه

فضل و کمال :

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کیں ان سے حسب ذیل بزرگوں نے حدیث سنی ہے 'لن عباس' جابر 'لن عمر' عبید بن السباق، طفیل، ابو ایوب، مراغی، کلثوم، دن مصطلق، عبد اللہ بن شداد بن الہاد کریب (رضی اللہ عنہم)

اخلاق :

حضرت جویریہؓ زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں ایک دن صبح کو مسجد میں دعا کر رہی تھیں آنحضرت ﷺ گزرے اور دیکھتے ہوئے چلے گئے دوپہر کے قریب آئے تب بھی ان کو اسی حالت میں پایا۔ (ترمذی ص ۵۹۰)

جمعہ کے دن آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لائے تو روزہ سے تھیں حضرت جویریہؓ سے دریافت کیا کل روزہ سے تھیں؟ بولیں "نہیں" فرمایا "تو کل رکھو گی؟" جواب ملا "نہیں" ارشاد ہوا "تو پھر تم کو افطار کر لینا چاہیے" (بخاری ج ۱ ص ۲۶۷)

(دوسری روایتوں میں ہے کہ حضور ﷺ ہر مہینہ میں تین دن روزے رکھتے تھے ان تین دنوں میں ایک دن جمعہ کا ضرور ہوتا تھا اس لئے تنہا جمعہ کے دن ایک روزہ رکھنے میں علماء کا اختلاف ہے ائمہ حنفیہ کے نزدیک جائز ہے امام مالکؒ سے بھی جواز کی روایت ہے بعض

شافعیہ نے اس سے روکا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۳ ص ۲۰۴ امام ابو یوسف کے نزدیک احتیاط اس میں ہے کہ جمعہ کے روزہ کے ساتھ ایک روزہ اور ملا لیا جایا کرے (بذل الجہود جلد ۳ ص ۱۶۹) یہ بحث صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے کے متعلق ہے اور دنوں سے اس کا تعلق نہیں ہے)

آنحضرت ﷺ کو ان سے محبت تھی اور ان کے گھر آتے جاتے تھے ایک مرتبہ آکر پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملا میری کینر نے صدقہ کا گوشت دیا تھا وہی رکھا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں فرمایا "اسے اٹھا لاؤ، کیونکہ صدقہ جس کو دیا گیا اس کو پہنچ چکا" (۱)

## (۹) حضرت ام حبیبہؓ

نام و نسب :

رملہ نام، ام حبیبہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے : رملہ بنت ابی سفیان صحری بن حرب بن امیر بن عبد شمس، والدہ کا نام صفیہ بنت ابو العاص تھا جو حضرت عثمانؓ کی حقیقی پھوپھی تھیں حضرت ام حبیبہؓ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے بے اسال پہلے پیدا ہوئیں۔ (۲)

نکاح :

عبید اللہ بن جحش سے کہ حرب بن امیہ کے حلیف تھے، نکاح ہوا۔ (۳)

اسلام :

اور ان ہی کے ساتھ مسلمان ہوئیں اور حبش کو ہجرت کی حبش میں جا کر عبید اللہ نے عیسائی مذہب اختیار کیا ام حبیبہؓ سے بھی کہا لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں، اب وہ وقت آ گیا کہ ان کو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ ام المؤمنین بننے کا شرف بھی حاصل ہو عبید اللہ نے عیسائی ہو کر بالکل آزادانہ زندگی بسر کرنا شروع کی مے نوشی کی عادت ہو گئی آخر ان کا انتقال ہو گیا۔ (۴)

(۱) مسلم ج ۱ ص ۴۰۰ (۲) اصابہ ج ۸ ص ۸۴

(۳) ایضاً (۴) زرقانی ج ۳ ص ۲۷۶ بحوالہ ابن سعد

## نکاح ثانی :

عدت کے دن ختم ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمیری کو نجاشی کی خدمت میں بغرض نکاح بھیجا جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو اس نے ام حبیبہؓ کو اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ سے پیغام دیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو تمہارے نکاح کے لئے لکھا ہے انہوں نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا اور اس مشرکہ کے صلہ میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور اٹنوٹھیاں دیں جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفر بن ابی طالب اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے چار سو دینار میرا دیا گیا نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہوئیں اور مدینہ کی بندرگاہ پر اتریں آنحضرت اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے یہ ۷ھ ہجری یا ۶ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ (۱) اس وقت حضرت ام حبیبہؓ کی عمر ۳۶ء ۳۷ء برس کی تھی۔

حضرت ام حبیبہؓ کے نکاح کے متعلق مختلف روایتیں ہیں ہم نے جو روایت لی ہے وہ مسند کی ہے اور مشہور روایتوں کے مطابق ہے البتہ مہر کی تعداد میں کچھ غلطی معلوم ہوتی ہے عام روایت یہ ہے اور مسند میں بھی ہے کہ ازواج مطہرات اور صاحب زادیوں کا مہر چار سو درہم تھا۔ اس بناء پر چار سو دینار راوی کا سو ہے اس موقع پر ہم کو صحیح مسلم کی ایک روایت کی تنقید کرنا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ لوگ ابو سفیان کو نظر اٹھا کے دیکھنا اور اس کے پاس بیٹھنا ناپسند کرتے تھے اس بناء پر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ۳ چیزوں کی درخواست کی جن میں ایک یہ بھی تھی کہ ام حبیبہؓ سے شادی کر لیجئے آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمائی (۲) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو سفیان کے مسلمان ہونے کے وقت حضرت ام حبیبہؓ ازواج مطہرات میں داخل نہیں ہوئی تھیں، لیکن یہ راوی کا وہم ہے چنانچہ لن سعد، لن حزم، لن جوزی، لن اشیر، بہستی اور عبد العظیم منذری نے اس کے خلاف روایتیں کی ہیں اور لن سعد کے سوا سب نے اس روایت کی تردید کی ہے۔

وفات :

حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے بھائی امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں ۳۳ھ ہجری



میں انتقال کیا اور مدینہ میں دفن ہوئیں اس وقت ۷۳ برس کا سن تھا۔ قبر کے متعلق اس قدر معلوم ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علیؓ کے مکان میں تھی (حضرت علیؓ بن حسینؓ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے مکان کا ایک گوشہ گھدو لیا تو ایک کتبہ برآمد ہوا کہ ”رملہ بنت صخر کی قبر ہے“ چنانچہ اس کو میں نے اسی جگہ رکھ دیا۔ (۱)

وفات کے قریب حضرت ام حبیبہؓ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کو اپنے پاس بلایا اور کہا (کہ سو کنوں میں باہم جو کچھ ہوتا ہے وہ ہم لوگوں میں کبھی ہو جایا کرتا تھا) اس لئے مجھ کو معاف کر دو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے معاف کر دیا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی (تو بولیں تم نے مجھ کو خوش کیا خدا تم کو خوش کرے۔ (۲)

اولاد :

پہلے شوہر سے دو لڑکے پیدا ہوئے عبداللہ اور حبیبہ، حبیبہؓ نے نبوت کی آغوش میں تربیت پائی اور داؤد بن عروہ بن مسعود کو منسوب ہوئیں جو قبیلہ ثقیف کے رئیس اعظم تھے۔

حلیہ :

خوبصورت تھیں، صحیح مسلم میں خود ابو سفیان کی زبانی منقول ہے۔ (۲)

عندی احسن العرب واجملہ ام حبیبہ

”میرے ہاں عرب کی حسین تر اور جمیل تر عورت موجود ہے“

فضل و کمال :

حضرت ام حبیبہؓ سے حدیث کی کتابوں میں (۶۵) روایتیں منقول ہیں راویوں کی تعداد بھی کم نہیں بعض کے نام یہ ہیں حبیبہؓ (دختر) معاویہ اور عتبہؓ پسران ابو سفیانؓ عبداللہ بن عتبہؓ ابو سفیان بن سعید ثقفی (خواہر زادہ) سالم بن سوار (مولیٰ) ابو الجراح، صفیہ بنت شیبہ، زینب بنت ابو سلمہ، عروہ بن زبیر، ابو صالح السمان، شہر لکن حوشب

اخلاق :

حضرت ام حبیبہؓ کے جوش ایمان کا یہ منظر قابل دید ہے کہ فتح مکہ سے قبل جب

(۱) استیعاب ج ۲ ص ۷۵۰ (۲) اصابہ جلد ۸ ص ۸۵ بحوالہ ابن سعد (ابن سعد جز نسأص ۷۱)

(۳) صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۶۱

ان کے باپ (ابو سفیان) کفر کی حالت میں آنحضرت ﷺ کے پاس مدینہ آئے اور ان کے گھر گئے تو آنحضرت ﷺ کے پھونے پر بیٹھنا چاہتے تھے حضرت ام حبیبہؓ نے یہ دیکھ کر پھوننا الٹ دیا ابو سفیان سخت برہم ہوئے کہ پھوننا (اسقدر عزیز ہے! بولیں یہ آنحضرت ﷺ کا فرش ہے اور آپ مشرک ہیں اور اس بناء پر ناپاک ہیں! ابو سفیان نے کہا کہ تو میرے پیچھے بہت بگڑ گئی) (اصابہ ج: ۸ ص ۸۵ بحوالہ ابن سعد)

حدیث پر بہت شدت سے عمل کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی تاکید کرتی تھیں، ان کے بھانجے ابو سفیان بن سعید بن المغیرہ آئے اور انہوں نے ستو لیکر کھلی کی تو بولیں تم کو وضو کرنا چاہیے، کیونکہ جس چیز کو آگ پکاوے اس کے استعمال سے وضو لازم آتا ہے۔ (۱) یہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے۔

(یہ حکم منسوخ ہے، یعنی پہلے تھا، پھر حضور ﷺ نے اس کو باقی نہیں رکھا حضور ﷺ اور صحابہ کرام آگ پر پکی ہوئی چیزیں کھاتے تھے (اور اگر پہلے سے وضو ہوتا) تو دوبارہ وضو نہیں کرتے تھے بلکہ پہلے ہی وضو سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے، اسی قسم کی ایک حدیث حضرت فاطمہؓ کے حالات میں آئندہ ملے گی)

ابو سفیان کا انتقال ہوا تو خوشبو لگا کر رخساروں پر ملی اور کہا کہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے کہ کسی پر تین دن سے زیادہ غم نہ کیا جائے (البتہ شوہر کے لئے چار مہینہ دس دن سوگ کرنا چاہیے) (بخاری ج ۲ ص ۸۰۳)

آنحضرت ﷺ سے ایک مرتبہ سنا تھا کہ جو شخص بارہ رکعت روزانہ سَل پڑھے گا اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔ فرماتی ہیں فَمَا بَرَحْتَ اَصْلِيهِنَّ بَعْدَ! میں ان کو ہمیشہ پڑھتی ہوں، اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے شاگرد اور بھائی عتبہ اور عتبہ کے شاگرد عمرو بن لوہی اور عمر کے شاگرد نعمان بن سالم سب اپنے اپنے زمانے میں برابر یہ نمازیں پڑھتے تھے۔ (مسند ج ۶ ص ۳۲۷)

فطرۃ نیک مزاج تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے کہا میری بہن سے آپ نکاح کر لیجئے ”فرمایا کیا یہ تمہیں پسند ہے؟“ بولیں (ہاں میں ہی آپ کی تنہا بیوی نہیں ہوں اس لئے میں یہ پسند کرتی ہوں کہ آپ کے نکاح کے سعادت میں میرے ساتھ

میری بہن بھی شریک ہو) (۱)

## (۱۰) حضرت میمونہؓ

نام و نسب :

میمونہ نام قبیلہ قریش سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے : میمونہ بنت حارث بن حزن ابن خیر بن ہرم بن روبہ بن عبد اللہ بن ہلال بن عامر بن صحصہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصیفہ بن قیس بن عیلان بن مضر والدہ قبیلہ حمیر سے تھیں ان کا نام و نسب حسب ذیل ہے :

ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حمالہ بن جرش۔

نکاح :

پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے نکاح ہوا (۲) لیکن کسی وجہ سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی پھر ابو درہم بن عبد العزیٰ کے نکاح میں آئیں۔ ابو درہم نے مکہ ہجری میں وفات پائی تو لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے انتساب کی کوشش کی۔

آنحضرت ﷺ ذوالقعدہ ۷ ہجری میں عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے اسی احرام کی حالت میں حضرت میمونہؓ سے نکاح ہوا (۳) حضرت عباسؓ نکاح کے متولی ہوئے تھے۔ (۴) آنحضرت ﷺ عمرہ سے فارغ ہو کر جب مدینہ واپس ہوئے تو سرف میں جو مدینہ کے راستے پر مکہ سے دس میل ہے (۵) قیام فرمایا، ابو رافع (آنحضرت ﷺ کے غلام) حضرت میمونہؓ کو لیکر سرف پہنچے اور یہیں رسم عروسی ادا ہوئی (۶) یہ آنحضرت ﷺ کا آخری نکاح تھا (۷) اور حضرت میمونہؓ سب سے آخری بیوی تھیں۔

وفات :

یہ عجیب اتفاق ہے کہ مقام سرف میں ان کا نکاح ہوا تھا اور سرف ہی میں انہوں نے انتقال بھی کیا (۸) حضرت لن عباسؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں اتارا صحاح میں ہے

(۱) بخاری ج ۲ ص ۷۶۴ (باب و امہاتکم النی ارضعنکم و یحرم من الرضاۃ ما یحرم من النسب)  
 (۲) زرقانی ص ۲۸۸ ج ۳ (۳) بخاری ص ۶۱۱ ج ۲ (۴) نسائی ص ۵۱۳ (۵) تہذیب ۴۵۳ ج ۱۲ (۶) ابن سعد ص ۸۹ ج ۲ ق ۱ (۷) ذیل المنذیل طبری ج ۱۳ ص ۲۴۵ (۸) بخاری ج ۲ ص ۶۱۱ و مستدجد ص ۶۳-۳۳۳

کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت لن عباسؓ نے کہا ”یہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہیں“ جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو باادب آہستہ لے چلو (۱) ”سال وفات کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ انہوں نے ۵۱ ہجری میں وفات پائی۔  
فصل وکمال :

حضرت میمونہؓ سے (۴۶) حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بعض سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت لن عباسؓ پر آگندہ ہوئے تو کہنا بیٹا! اس کا کیا سبب ہے؟ جو اب یام عمار میری کنگھا کرتی تھیں اور (آج کل ان کے ایام کا زمانہ ہے) بولیں کیا خوب! آنحضرت ﷺ ہماری گود میں سر رکھ کر لیٹتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے اور ہم اسی حالت میں ہوتے تھے اسی طرح ہم چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ آتے تھے بیٹا! کہیں یہ ہاتھ میں بھی ہوتا ہے۔ (۲)

حضرت میمونہؓ سے جن بزرگوں نے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں :  
حضرت لن عباسؓ، عبد اللہ بن شداد بن الہاد، عبد الرحمن بن المسائب یزید بن اصم (یہ سب ان کے بھانجے تھے) عبید اللہ الخولانی (ریب تھے) مذنبہ (کنیز تھیں) عطاب بن یسار، سلیمان بن یسار (غلام تھے) ابراہیم بن عبد اللہ بن معبد بن عباس، کریب (لن عباس کے غلام) عبیدہ بن سباق، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عقبہ عالیہ بنت سبیح۔  
اخلاق :

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :

انہا كانت اتقانا الله واوصلنا للرحم (اصابہ ج ۸ ص ۱۹۲ بحوالہ ابن سعد)

”میمونہ خدا سے بہت ڈرتی اور صلہ رحمی کرتی تھیں“

احکام نبوی ﷺ کی تعمیل ہر وقت پیش نظر رہتی تھی، ایک دفعہ ان کی کنیز بدیہ لن عباسؓ کے گھر گئی تو دیکھا کہ میاں بیوی کے پچھونے دور دور پچھے ہیں، خیال ہوا کہ شاید کچھ رنجش ہو گئی ہے، لیکن دریافت سے معلوم ہوا کہ لن عباسؓ (بیوی کے ایام کا زمانہ ہے) اپنا بستر ان سے الگ کر لیتے ہیں، اگر حضرت میمونہؓ سے بیان کیا تو بولیں ان سے جا کر کہو کہ رسول

اللہ ﷺ کے طریقے سے اس قدر کیوں اعراض ہے؟ آپ برابر ہم لوگوں کے پتھو نوں پر آرام فرماتے تھے۔ (مسند ج ۲ ص ۳۳۲)

ایک عورت دھما پڑی تو اس نے منت مانی کہ شفا ہونے پر بیت المقدس جا کر نماز پڑھے گی، خدا کی شان وہ اچھی ہو گئی اور سفر کی تیاریاں شروع کیں جب رخصت ہونے کے لئے حضرت میمونہؓ کے پاس آئی تو بولیں، تم یہیں رہو اور مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھ لو کیونکہ یہاں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مسجدوں کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ (ایضاً ص ۳۳۳)

حضرت میمونہؓ کو غلام آزاد کرنے کا بہت شوق تھا، ایک لونڈی کو آزاد کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (اللہ تم کو اس کا اجر دے) (ایضاً ص ۳۳۲)

حضرت میمونہؓ کبھی کبھی قرض لیتی تھیں ایک بار زیادہ رقم قرض لے لی تو کسی نے کہا کہ آپ اس کو کس طرح لو ا کریں گی؟ فرمایا ”آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا خود اس کا قرض ادا کر دیتا ہے“ (ایضاً)

## (۱۱) حضرت صفیہؓ

نام و نسب :

اصلی نام زینبؓ تھا، لیکن چونکہ وہ جنگ خیبر میں خاص آنحضرت ﷺ کے حصہ میں آئی تھیں اور عرب میں غنیمت کے ایسے حصہ کو جو امام پیاد شاہ کے لئے مخصوص ہوتا تھا، صفیہ کہتے تھے اس لئے وہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں یہ زر قانی کی روایت ہے۔ حضرت صفیہؓ کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے پیادت حاصل ہے باپ کا نام حمی بن اخطب تھا جو قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا اور حضرت ہارون کی نسل میں شمار ہوتا تھا ماں جس کا نام ضرہ تھا، سموال رئیس قریطہ کی بیٹی تھی اور یہ دونوں خاندان (قریطہ اور نضیر) بنو اسرائیل کے ان تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے جنہوں نے زمانہ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

نکاح :

حضرت صفیہؓ کی شادی پہلے اسلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی اسلام نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الہقیق کے نکاح میں آئیں جو ابو رافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر کا بھتیجا تھا

کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا، حضرت صفیہؓ کے بھائی اور باپ بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئے۔ جب خیبر کے تمام قیدی جمع کئے گئے تو دجیہ کلبی نے آنحضرت ﷺ سے ایک لونڈی کی درخواست کی، آنحضرت ﷺ نے انتخاب کرنے کی اجازت دی انہوں نے حضرت صفیہؓ کو منتخب کیا لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ آپ نے ریسہ بنو نضیر و قریظہ کو دجیہ کو دے دیا وہ تو صرف آپ کے لئے سزاوار ہے، مقصود یہ تھا کہ ریسہ عرب کے ساتھ عام عورتوں کا سبب بناؤ مناسب نہیں، چنانچہ حضرت دجیہؓ کو آپ نے دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہؓ کو آزاد کر کے نکاح کر لیا (۱)

خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی (۲) اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا اس کو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے لونٹ پر سوار کر لیا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواج مطہرات میں داخل ہو گئیں۔ (طبقات ج ۸ جزء نساء ص ۸۶)

عام حالات :

حضرت صفیہؓ کے مشہور واقعات میں حج کا سفر ہے، جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔

حضرت عثمانؓ کے ایام محاصرہ میں جو ۳۵ ہجری میں ہوا تھا، حضرت صفیہؓ نے ان کی بچہ مدد کی تھی، جب حضرت عثمانؓ پر ضروریات زندگی مسدود کر دی گئیں اور ان کے مکان پر پہرہ بٹھا دیا گیا تو وہ خود خچر پر سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف چلیں، غلام ساتھ تھا، اشتر کی نظر پڑی تو انہوں نے آکر خچر کو مارنا شروع کیا، حضرت صفیہؓ نے کہا، مجھ کو ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں، میں واپس جاتی ہوں، تم خچر کو چھوڑ دو، گھر واپس آئیں تو حضرت حسنؓ کو اس خدمت پر مامور کیا اور وہ ان کے مکان سے حضرت عثمانؓ کے پاس کھانا اور پانی لے جاتے تھے۔ (اصابہ ج ۱ ص ۱۲۷ بحوالہ ابن سعد)

وفات :

حضرت صفیہؓ نے رمضان ۵۰ ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال کی تھی ایک لاکھ ترکہ چھوڑا اور ایک ٹلٹ کے لئے اپنے بیوہ کی بھانجی کے لئے وصیت کر گئیں۔ (زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶)

حلیہ :

کو تاہ قامت اور حسین تھیں۔ (مسلم ج ۱ ص ۵۴۸)

فضل و کمال :

حضرت صفیہؓ سے چند حدیثیں مروی ہیں جن کو حضرت زین العابدینؓ اسحاق بن عبد اللہ بن حارث، مسلم بن صفوان، کنانہ اور یزید بن معتب وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

دیگر ازواج کی طرح حضرت صفیہؓ بھی اپنے زمانہ میں علم کا مرکز تھیں، چنانچہ حضرت صہیرہ بنت جیفرج حج کر کے حضرت صفیہؓ کے پاس مدینہ آئیں تو کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت کرنے کی غرض سے بیٹھی ہوئی تھیں صہیرہؓ کا بھی یہی مقصد تھا اس لئے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے سوال کئے ایک فتویٰ نبیذ کا تھا حضرت صفیہؓ نے سنا تو بولیں اہل عراق اس مسئلہ کو اکثر پوچھتے ہیں۔ (۱)

اخلاق :

حضرت صفیہؓ میں بہت سے محاسن اخلاق جمع تھے اسد الغابہ (۲) میں ہے :

كانت عاقلة من عقلاء النساء

”وہ نہایت عاقلہ تھیں۔“

زر قانی میں ہے: (۲)

كانت صفیة عاقلة حلیمة فاضلة

”یعنی صفیہ عاقل، فاضل اور حلیم تھیں“

حلم و تحمل ان کے باب فضائل کا نہایت جلی عنوان ہے، غزوہ خیبر میں جب وہ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہو کر آ رہی تھیں تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ کر چیخ اٹھتی تھیں حضرت صفیہؓ اپنے محبوب شوہر کی لاش سے قریب ہو کر گزریں لیکن اب بھی اسی طرح پیکر متانت تھیں اور ان کی جبیں تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی۔

ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ نے ان کو یہودیہ کہا ان کو معلوم ہوا تو رونے لگیں حضرت صفیہؓ کے پاس ایک کینز تھی جو حضرت عمرؓ سے جا کر ان کی شکایات کیا کرتی تھی، چنانچہ ایک دن کہا کہ ان میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے وہ یوم السبت کو اچھا سمجھتی ہیں اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں حضرت عمرؓ نے تصدیق کے لئے ایک شخص

کو بھیجا حضرت صفیہؓ نے جواب دیا کہ یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں اس کے بدلے خدانے ہم کو جمعہ کا دن عنایت فرمایا ہے البتہ میں یہود کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں وہ میرے خویش واقارب ہیں اس کے بعد لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے میری شکایت کی تھی؟ بولی ”ہاں مجھے شیطان نے بھکا دیا تھا“ حضرت صفیہؓ خاموش ہو گئیں اور اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔ (۱)

حضرت صفیہؓ کو آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت تھی چنانچہ جب آپ علیل ہوئے تو نہایت حسرت سے بولیں ”کاش! آپ کی بیماری مجھ کو مل جاتی“ ازواج نے ان کی طرف دیکھنا شروع کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ سچ کہہ رہی ہیں (۲) (یعنی اس میں تصنع کا شائبہ نہیں ہے)

آنحضرت ﷺ کو بھی ان کے ساتھ نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے ایک بار آپ سفر میں تھے ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں حضرت صفیہؓ کا اونٹ سوء اتفاق سے ہمارا ہو گیا حضرت زینبؓ کے پاس ضرورت سے زیادہ تھے آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہؓ کو دے دو انہوں نے کہا کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں؟ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے (۳) ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے ان کی قد و قامت کی نسبت چند جملے کہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر سمندر میں چھوڑ دی جائے تو اس میں مل جائے (۴) (یعنی سمندر کو بھی گدلا کر سکتی ہے)

ایک بار آپ ﷺ حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے دیکھا کہ رو رہی ہیں آپ ﷺ نے رونے کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا ”عائشہؓ اور حلفہؓ کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں ہم آپ ﷺ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچا زاد بہن بھی ہیں“ آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ”ہارونؓ میرے باپ، موکئیؓ میرے چچا اور محمد ﷺ میرے شوہر ہیں“ اس لئے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو۔ (۵)

سفر حج میں حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیٹھ گیا تھا اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں آنحضرت ﷺ ادھر سے گزرے تو دیکھا کہ زار و قطار رو رہی ہیں آپ نے رداء اور

(۱) اصابہ ج ۸ ص ۱۲۷ زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ (۲) زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ بحوالہ ابن سعد

(۳) اصابہ ج ۸ ص ۱۲۶ بحوالہ ابن سعد و زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ (۴) ابوداؤد ج ۲ ص ۱۹۳

(۵) ترمذی ص ۶۳۸ باب فضل ازواج النبی



دست مبارک سے ان کے آنسو پوچھتے جاتے تھے اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں۔ (۱)  
 حضرت صفیہؓ سیر چشم لور فیاض واقع ہوئی تھیں چنانچہ جب وہ ام المؤمنین بن کر  
 مدینہ میں آئیں تو حضرت فاطمہؓ اور ازواج مطہرات کو اپنے سونے کی جلیاں تقسیم کیں۔ (۲)  
 کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں لور آنحضرت ﷺ کے پاس تھنہ بھیجا کرتی تھیں،  
 حضرت عائشہؓ کے گھر میں آنحضرت ﷺ کے پاس انہوں نے پیالہ میں جو کھانا بھیجا تھا اس کا  
 ذکر بخاری اور نسائی وغیرہ میں آیا ہے۔

## (۱۲) حضرت زینبؓ

نام و نسب :

آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں، بعثت سے دس برس پہلے  
 جب آنحضرت ﷺ کی عمر ۳۰ سال کی تھی پیدا ہوئیں۔

نکاح :

ابوالعاص بن ربیع لقیط سے جو حضرت زینبؓ کے خالہ زاد بھائی تھے نکاح ہوا۔

عام حالات :

نبوت کے تیرہویں سال جب آنحضرت ﷺ نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی  
 تو اہل و عیال مکہ میں رہ گئے تھے حضرت زینبؓ بھی اپنی سسرال میں تھیں غزوہ بدر میں ابو  
 العاص کفار کی طرف سے شریک ہوئے تھے عبداللہ بن جبیر انصاری نے ان کو گرفتار کیا لور  
 اس شرط پر رہا کئے گئے کہ مکہ جا کر حضرت زینبؓ کو بھیج دیں گے۔ (طبقات ج ۸ ص ۲۰)  
 ابو العاص نے مکہ جا کر حضرت زینبؓ کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ساتھ مدینہ  
 کی طرف روانہ کیا چونکہ کفار کے تعرض کا خوف تھا کنانہ نے ہتھیار ساتھ لے لئے تھے  
 مقام ذی طویٰ میں پہنچے تو قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا، ہمار بن اسود نے حضرت  
 زینبؓ کو نیزہ سے زمین پر گرا دیا وہ حاملہ تھیں، حمل ساقط ہو گیا۔ کنانہ نے ترکش سے تیر  
 نکالے لور کہا کہ ”اب اگر کوئی قریب آیا تو ان تیروں کا نشانہ ہوگا“ لوگ ہٹ گئے تو ابو سفیان  
 سرداران قریش کے ساتھ آیا لور کہا ”تیر روک لو ہم کو کچھ گفتگو کرنی ہے“ انہوں نے تیر

ترکش میں ڈال دیئے یوسفیان نے کہا محمد ﷺ کے ہاتھ سے جو مصیبتیں پہنچی ہیں تم کو معلوم ہیں اب اگر تم اعلانیہ ان کی لڑکی کو ہمارے قبضہ سے نکال لے گئے تو لوگ کہیں گے کہ ہماری کمزوری ہے، ہم کو زینبؓ کے روکنے کی ضرورت نہیں جب شور و ہنگامہ کم ہو جائے اس وقت چھپے چوری لے جانا، کنانہ نے یہ رائے تسلیم کی اور حضرت زینبؓ کو لے کر مکہ واپس آئے۔ چند روز کے بعد ان کورات کے وقت لے کر روانہ ہوئے زید بن حارثہؓ کو آنحضرت ﷺ نے پہلے سے بھیج دیا تھا وہ بطن یا حج میں تھے کنانہ نے زینبؓ کو ان کے حوالہ کیا وہ ان کو لے کر روانہ ہو گئے۔ (۱)

حضرت زینبؓ مدینہ میں آئیں اور اپنے شوہر ابو العاص کو حالت شرک میں چھوڑا جمادی الاول ۶ ہجری میں ابو العاص قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو ۷۰ اسواروں کے ساتھ بھیجا۔ مقام عیض میں قافلہ ملا۔ کچھ لوگ گرفتار کئے گئے اور مال و اسباب لوٹ میں آیا ان ہی میں ابو العاص بھی تھے ابو العاص آئے تو حضرت زینبؓ نے ان کو پناہ دی اور ان کی سفارش سے آنحضرت ﷺ نے ان کا مال بھی واپس کر دیا ابو العاص نے مکہ جا کر لوگوں کی امانتیں حوالہ کیں اور اسلام لائے۔ اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ میں آئے حضرت زینبؓ نے ان کو حالت شرک میں چھوڑا تھا اس لئے دونوں میں باہم تفریق ہو گئی تھی۔ وہ مدینہ آئے تو حضرت زینبؓ دوبارہ ان کے نکاح میں آئیں ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کوئی جدید نکاح نہیں ہوا، لیکن دوسری روایت میں تجدید نکاح کی تصریح ہے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت کو اگرچہ اسناد کے لحاظ سے دوسری روایت پر ترجیح ہے لیکن فقہاء نے دوسری صورت پر عمل کیا ہے اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت کی یہ تاویل کی ہے کہ نکاح جدید کے مہر اور شرائط وغیرہ میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا ہوگا، اسی لئے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے اس کو نکاح اول سے تعبیر کیا اور نہ بعد تفریق نکاح ثانی ضروری ہے۔

ابو العاصؓ نے حضرت زینبؓ کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا اور آنحضرت ﷺ نے ان کے شریفانہ تعلقات کی تعریف کی۔ (۲)

وفات :

نکاح حدید کے بعد حضرت زینبؓ بہت کم زندہ رہیں اور ۸ ہجری میں انہوں نے انتقال کیا حضرت ام ایمنؓ، حضرت سودہؓ، حضرت ام سلمہؓ، اور ام عطیہؓ نے غسل دیا جس کا طریقہ خود آنحضرت ﷺ نے بتلادیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی، خود قبر میں اترے اور اپنے نور دیدہ کو خاک کے سپرد کیا اس وقت چہرہ مبارک پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔ (۱)

اولاد :

حضرت زینبؓ نے دو اولاد چھوڑی، علیؓ اور امامہؓ، علیؓ کی نسبت ایک روایت ہے کہ نچلن میں وفات پائی لیکن عام روایت یہ ہے کہ سن رشد کو پہنچے، لن عسا کرنے لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں شہادت پائی فتح مکہ میں یہی آنحضرت ﷺ کے ردیف تھے امامہ عرصہ تک زندہ رہیں اور ان کا حال آگے آئے گا۔

اخلاق و عادات :

آنحضرت ﷺ اور اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی تھیں حضرت انسؓ نے ان کو ریشمی چادر اوڑھے دیکھا تھا، جس پر زرد دھاریاں پڑی ہوئی تھیں۔ (۲)

## (۱۳) حضرت رقیہؓ

نام و نسب :

مشہور روایت کے مطابق یہ رسول اللہ ﷺ کی دوسری صاحبزادی ہیں جو قبل نبوت پیدا ہوئیں۔

نکاح :

پہلے ابو لہب کے بیٹے (عتبہ) سے شادی ہوئی یہ قبل نبوت کا واقعہ ہے آنحضرت ﷺ کی تیسری صاحبزادی ام کلثومؓ کی شادی ابو لہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوئی تھی اسلام :

جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ نے دعوت اسلام کا اظہار فرمایا تو

(۱) طبقات ج ۸ ص ۲۴ بخاری ج ۱ ص ۱۶۷ و مسلم ج ۱ ص ۳۴۶ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۸ (۲) طبقات ج ۸ ص ۲۲

ابو لہب نے بیٹوں کو جمع کر کے کہا ”اگر تم محمد (ﷺ) کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا حرام ہے دونوں بیٹیوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی آنحضرت ﷺ نے حضرت رقیہ کی شادی حضرت عثمان سے کر دی۔

عام حالات :

نبوت کے پانچویں سال حضرت عثمان نے حبش کی طرف ہجرت کی حضرت رقیہ بھی ساتھ گئیں جب واپس آئیں تو مکہ کی سر زمین پہلے سے زیادہ خونخوار تھی چنانچہ دوبارہ ہجرت کی مدت تک آنحضرت ﷺ کو ان کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا ایک عورت نے آکر خبر دی کہ ”میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے“ آنحضرت ﷺ نے دعادی اور فرمایا کہ ابراہیم اور لوط کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے نبی ملی کو لیکر ہجرت کی ہے۔ (۱)

اس مرتبہ حبش میں زیادہ عرصہ تک مقیم رہیں جب یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں تو چند بزرگ جن میں حضرت عثمان بن عفان اور حضرت رقیہ بھی تھیں مکہ آئے اور آنحضرت ﷺ کی اجازت سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی جہاں انہوں نے حضرت حسان کے بھائی لوس بن ثلث کے گھر میں قیام کیا۔

وفات :

۲۔ ہجری میں جو غزوہ بدر کا سال تھا۔ حضرت رقیہ کے دانے نکلے اور نہایت سخت تکلیف ہوئی آنحضرت ﷺ اس زمانہ میں بدر کی تیاریاں کر رہے تھے۔ غزوہ کو روانہ ہوئے تو حضرت عثمان کو تیمارداری کے لئے چھوڑ دیا (۲) عین اسی دن جس دن زید بن حارثہ نے مدینہ میں آکر فتح کا مشرودہ سنایا حضرت رقیہ نے وفات پائی، آنحضرت ﷺ غزوہ کی وجہ سے ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے، لیکن جب واپس آئے اور اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو نہایت رنجیدہ ہو کر قبر پر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا ”عثمان بن مظعون پہلے جا چکے اب تم بھی ان کے پاس چلی جاؤ“ اس فقوہ نے عورتوں میں کھرام ہرپا کر دیا حضرت عمر کو ڈالے کر مارنے کے لئے اٹھے آپ نے ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا ”رونے میں کچھ حرج نہیں لیکن نوحہ وینن شیطانی حرکت ہے اس سے قطعاً بچنا چاہیے“ سیدہ عالم حضرت فاطمہ زہرا بھی بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئیں وہ قبر کے پاس بیٹھ کر روتی جاتی تھیں اور آنحضرت ﷺ کپڑے سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔

ولاد :

جس کے زمانہ قیام میں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جس کا نام عبد اللہ تھا حضرت عثمانؓ کی کنیت ابو عبد اللہ اسی کے نام پر تھی چھ سال تک زندہ رہا ایک مرتبہ ایک مرغ نے اس کے چہرہ پر چونچ ماری اور جاں بحق تسلیم ہو گیا یہ جمادی الاول ۴ ہجری کا واقعہ ہے عبد اللہ کے بعد حضرت رقیہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حلیہ :

حضرت رقیہؓ خوب رولور موزون اندام تھیں۔ زرقانی میں ہے۔ (۱)

كانت بارعة الجمال

”وہ نہایت جمیل تھیں“

(۱۴) حضرت ام کلثومؓ

نام و نسب :

یہ تیسری صاحب زادی ہیں اور کنیت ہی کے ساتھ مشہور ہیں۔

نکاح :

۳ ہجری میں جب حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوا تو ربیع الاول میں حضرت عثمانؓ نے حضرت ام کلثومؓ کے ساتھ نکاح کر لیا بخاری میں ہے کہ جب حضرت حصہؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت عثمانؓ نے تامل کیا لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے کہا ”میں تم کو عثمانؓ سے بہتر شخص کا پتہ دیتا ہوں اور عثمانؓ کے لئے تم سے بہتر شخص ڈھونڈتا ہوں تم اپنی لڑکی کی مجھ سے شادی کر دو اور میں اپنی لڑکی کی شادی عثمانؓ سے کر دیتا ہوں“ بہر حال نکاح ہوا اور نکاح کے بعد ام کلثومؓ ۶ برس تک حضرت عثمانؓ کے ساتھ رہیں۔

وفات :

شعبان ۹ ہجری میں وفات پائی آنحضرت ﷺ کو سخت صدمہ ہوا قبر پر بیٹھے تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے آپ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت ابو طلحہؓ، حضرت علیؓ، فضل

بن عباس اور اسامہ بن زید نے قبر میں اتارا۔ (۱) طبقات ج ۸ ص ۲۵۰۲۶ بخاری ج ۱ ص ۱۷۱

ولاد :

کوئی اولاد نہیں ہے۔

## (۱۵) (۴) حضرت فاطمہ زہراؑ

نام و نسب :

فاطمہؑ نام زہر القب تھا۔ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں میں سب سے کم سن تھیں سن ولادت میں اختلاف ہے ایک روایت ہے کہ ۱۔ بعثت میں پیدا ہوئیں۔ لن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابراہیم کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی تمام اولاد قبل نبوت پیدا ہوئی۔ آپ ﷺ کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی تھی اس بناء پر بعضوں نے دونوں روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ ۱۔ بعثت کے آغاز میں حضرت فاطمہؑ پیدا ہوئی ہوں گی اور چونکہ دونوں کی مدت میں بہت کم فاصلہ ہے اس لئے یہ اختلاف روایت ہو گیا ہوگا۔ لن جوزی نے لکھا ہے کہ بعثت سے پانچ برس پہلے خانہ کعبہ کی تعمیر جب ہو رہی تھی پیدا ہوئیں بعض روایتوں میں ہے کہ نبوت سے تقریباً ایک سال پیشتر پیدا ہوئیں۔

نکاح :

حضرت فاطمہؑ جب مشہور روایت کے مطابق ۱۸ سال اور اگر ۱۔ بعثت کو ان کا سال ولادت تسلیم کیا جائے تو پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینے کی ہوئیں تو ذی الحج ۲ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ لن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو خدا کا حکم ہوگا پھر حضرت عمرؓ نے جرأت کی۔ ان کو بھی آپ ﷺ نے کچھ جواب نہیں دیا بلکہ وہی الفاظ فرمائے لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی حافظ لن حجر نے اصابہ میں ابن سعد کی اکثر روایتیں حضرت فاطمہؑ کے حال میں روایت کی ہیں اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔

بہر حال حضرت علیؑ نے جب درخواست کی تو آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؑ کی مرضی دریافت کی وہ چپ رہیں یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر دینے کے لئے کیا ہے؟ بولے کچھ نہیں آپ ﷺ نے فرمایا "اور

وہ حطمیہ زرہ کیا ہوئی؟“ (جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی) عرض کی وہ تو موجود ہے آپ ﷺ نے فرمایا بس وہ کافی ہے حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ اس کو ۳۸۰ درہم پر فروخت کیا اور قیمت لا کر آنحضرت ﷺ کے سامنے ڈال دی آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائیں۔

زرہ کے سوالور جو کچھ حضرت علیؓ کا سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یعنی چادر تھی، حضرت علیؓ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہؓ زہرا کے نذر کیا حضرت علیؓ اب تک آنحضرت ﷺ کے پاس رہتے تھے شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ الگ گھر کر لیں حارثہ بن نعمان انصاریؓ کے متعدد مکانات تھے جن میں سے وہ کئی آنحضرت ﷺ کو نذر کر چکے تھے حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ ان ہی سے کوئی مکان دلوا دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ کہاں تک اب ان سے کہتے شرم آتی ہے حارثہؓ نے سنا تو دوڑے آئے کہ حضور ﷺ میں اور میرے پاس جو کچھ ہے سب آپ کا ہے خدا کی قسم میرا جو مکان آپ لے لیتے ہیں مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے غرض انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا حضرت فاطمہؓ اس میں اٹھ گئیں شہنشاہ مدینہ (ﷺ) نے سیدہ عالم کو جو جینر دنیا وہ بان کی چارپائی، چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے، ایک چھاگل، دو مٹی کے گھڑے، ایک مشک اور دو چکیاں اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہی دو چیزیں عمر بھر ان کی رفیق رہیں۔

حضرت فاطمہؓ جب نئے گھر میں جا لیں تو آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگا، پھر اندر آئے ایک برتن میں پانی منگولیا دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علیؓ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا، پھر حضرت فاطمہؓ کو بلایا وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں۔ ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں بہتر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔ (۱)

داغ بے پداری :

حضرت فاطمہؓ کی عمر مشہور روایت کے مطابق ۲۹ سال کی تھی جب رسالت مآب ﷺ نے رحلت فرمائی حضرت فاطمہؓ آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں اور اب صرف وہی باقی رہ گئی تھیں اس لئے ان کو صدمہ بھی لوروں سے زیادہ ہوا وفات سے پہلے ایک دن آنحضرت ﷺ نے ان کو بلا بھیجا، تشریف لائیں، تو ان سے کچھ کان میں

(۱) یہ تمام تفصیل بخاری ج ۲ ص ۷۱، طبقات ابن سعد ج ۸، زر قالی ج ۲ اور اصحاب ج ۸ سے ماخوذ ہے۔

باتیں کیں وہ رونے لگیں پھر بلا کر کچھ کان میں کہا تو ہنس پڑیں حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا تو کہا ”پہلی دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کروں گا جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تمہیں مجھ سے آکر ملو گی تو ہنسنے لگی۔“ (۱)

وفات سے پہلے جب بار بار آپ ﷺ پر غشی طاری ہوئی تو حضرت فاطمہؓ یہ دیکھ کر یولیں واکرب اباہ۔ ہائے میرے باپ کی بے چینی! آپ ﷺ نے فرمایا ”تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا (۲) آپ ﷺ کا انتقال ہوا تو حضرت فاطمہؓ پر ایک مصیبت ٹوٹ پڑی اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ جب تک زندہ رہیں کبھی تبسم نہیں فرمایا (۳) بخاری میں لکھا ہے کہ جب صحابہؓ نعتش مبارک کو دفن کر کے واپس آئے تو حضرت فاطمہؓ نے حضرت انسؓ سے پوچھا: ”کیا تم کو رسول اللہ ﷺ پر خاک ڈالتے اچھا معلوم ہوا؟“ (۴)

آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد میراث کا مسئلہ پیش ہوا۔ حضرت عباسؓ حضرت علیؓ ازواج مطہراتؓ۔ یہ تمام بزرگ میراث کے مدعی تھے حضرت فاطمہؓ کا بھی ایک قائم مقام موجود تھا چونکہ آنحضرت ﷺ کی جائیداد خالصہ جائیداد تھی۔ اور اس میں قانون وراثت جاری نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے اعزہ کو اپنے اعزہ سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں لیکن دقت یہ ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء جو متروک چھوڑتے ہیں وہ کل کا کل صدقہ ہوتا ہے۔ اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی اس بنا پر میں اس جائیداد کو کیوں کر تقسیم کر سکتا ہوں البتہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اہل بیت جس حد تک اس سے فائدہ اٹھاتے تھے اب بھی اٹھا سکتے ہیں۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ اس گفتگو کا حضرت فاطمہؓ کو سخت قلق ہوا اور وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے اس قدر ناراض ہوئیں کہ آخر وقت تک ان سے گفتگو نہیں کی (۵) (طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ بعد کو حضرت ابو بکر صدیقؓ سے راضی ہو گئیں تھیں)

وفات :

آنحضرت ﷺ کے انتقال کو ۶ ماہ گزرے تھے کہ رمضان ۱۱ھ ہجری میں حضرت فاطمہؓ نے وفات پائی اور آنحضرت ﷺ کی یہ پیش گوئی کہ ”میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آکر ملو گی“ پوری ہوئی یہ منگل کا دن تھا اور رمضان کی تیسری تاریخ

(۱) بخاری ج ۲ ص ۶۳۸ (۲) بخاری ج ۲ ص ۶۴۱ (۳) اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۲۴

(۴) بخاری ج ۲ ص ۶۴۱ (۵) بخاری ج ۲ ص ۵۲۶ ج ۲ ص ۶۰۹



تھی اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا تھا لیکن اگر دوسری روایتوں کا لحاظ کیا جائے تو اس سے مختلف ثابت ہوگا چنانچہ ایک روایت میں ۲۴ سال، ایک میں ۲۵ سال اور ایک میں ۳۰ سال مذکور ہے۔ زر قانی نے لکھا ہے کہ پہلی روایت (۲۹ سال) زیادہ صحیح ہے اگر ۳۱ (محمدی) کو سال ولادت قرار دیا جائے تو اس وقت ان کا یہ سن نہیں ہو سکتا تھا البتہ اگر ۲۴ سال کی عمر تسلیم کی جائے تو اس سن کو سال ولادت قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ پانچ برس قبل نبوت میں پیدا ہوئیں تو اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا ہو سکتا ہے۔

حضرت فاطمہؓ کی تجہیز و تکفین میں خاص جدت کی گئی، عورتوں کے جنازہ پر جو آج کل پردہ لگانے کا دستور ہے۔ اس کی ابتداء ان ہی سے ہوئی۔ اس سے پیشتر عورت اور مرد سب کا جنازہ کھلا ہوا جاتا تھا۔ چونکہ حضرت فاطمہؓ کے مزاج میں انتہاء کی شرم و حیاء تھی اس لئے انہوں نے حضرت اسماء بنت عمیس سے کہا کہ کھلے جنازہ میں عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے جس کو میں ناپسند کرتی ہوں اسماءؓ نے کہا جگر گوشہ رسول ﷺ! میں نے حبش میں ایک طریقہ دیکھا ہے آپ کہیں تو اس کو پیش کروں یہ کہہ کر خرے کی چند شاخیں منگوائیں اور ان پر کپڑا تانا جس سے پردہ کی صورت پیدا ہو گئی، حضرت فاطمہؓ بے حد مسرور ہوئیں کہ یہ بہترین طریقہ ہے، حضرت فاطمہؓ کے بعد حضرت زینبؓ کا جنازہ بھی اسی طریقہ سے اٹھایا گیا۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۲۴)

حضرت فاطمہؓ کی قبر کے متعلق بھی سخت اختلاف ہے بعضوں کا خیال ہے کہ وہ بقیع میں حضرت امام حسنؓ کے مزار کے پاس مدفون ہوئیں، لکن زبالہ نے یہی لکھا ہے اور مؤرخ مسعودی نے بھی اسی قسم کی تصریح کی ہے مؤرخ موصوف نے ۳۳۲ ہجری میں بقیع کی ایک قبر پر ایک کتبہ دیکھا تھا جس میں لکھا تھا کہ ”یہ فاطمہ زہراؓ کی قبر ہے“ (۱) لیکن طبقات کی متعدد روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دار غقیل کے ایک گوشہ میں مدفون ہوئیں۔ (۲) ایک روایت یہ ہے کہ وہ خاص اپنے مکان میں دفن کی گئیں اس پر لکن شیبہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ پھر پردہ دار جنازہ کی کیا ضرورت ہے لیکن طبقات کی ایک روایت سے اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ، سلمیٰ کے گھر میں بیمار ہوئی تھیں وہیں انتقال کیا اور وہیں ان کو غسل دیا گیا پھر حضرت علیؓ جنازہ اٹھا کر باہر لائے اور دفن کیا۔ (۳) آج حضرت

فاطمہؓ کی قبر متفقہ طور پر دار عقیل ہی سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ محمد لیبب بک تبوننی نے جو ۱۳۲ ہجری میں خدیو مصر کے سفر حجاز میں ہمزکاب تھے اپنے سفر نامہ میں اس کی تصریح کی ہے۔ (۱)

اولاد :

حضرت فاطمہؓ کے پانچ اولادیں ہوئیں حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ، ام کلثومؓ، زینب (رضی اللہ عنہم) محسنؓ نے بچپن ہی میں انتقال کیا حضرت زینبؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور ام کلثومؓ، اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ میں مشہور ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو ان سب سے نہایت محبت تھی اور حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ بھی ان کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی صاحب زادیوں میں صرف حضرت فاطمہؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان سے آپ ﷺ کی نسل باقی رہی۔

حلیہ :

حضرت فاطمہؓ زہرا کا حلیہ مبارک جناب رسالت مآب ﷺ سے ملتا جلتا تھا حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ فاطمہؓ کی گفتگو، لب و لہجہ اور نشست و برخاست کا طریقہ بالکل آنحضرت ﷺ کا طریقہ تھا (۲) اور رفتار بھی بالکل آنحضرت ﷺ کی رفتار تھی۔ (۳)

فضل و کمال :

حضرت فاطمہؓ سے کتب حدیث میں ۱۸ روایتیں منقول ہیں جن کو بڑے جلیل القدر صحابہؓ نے ان سے روایت کیا ہے حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت سلمیٰؓ، ام رافعہؓ اور حضرت انسؓ بن مالک ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

تفقہ پر واقعات ذیل شاہد ہیں :

حضرت علیؓ کسی سفر میں گئے تھے واپس آئے تو حضرت فاطمہؓ نے قربانی کا گوشت پیش کیا۔ انکو عذر ہوا، حضرت فاطمہؓ نے کہا، اس کے کھانے میں کچھ حرج نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی اجازت دیدی ہے۔ (مسند ج ۶ ص ۲۸۲)

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ان کے ہاں گوشت تناول فرما رہے تھے کہ نماز کا

وقت آگیا آنحضرت ﷺ اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے، چونکہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے حضرت فاطمہؓ نے دامن پکڑا کہ وضو کر لیجئے، ارشاد ہوا بیٹی! وضو کی ضرورت نہیں ہے، تمام اچھے کھانے آگ ہی پر تو پکتے ہیں۔ (۱)

فضل و کمال:

حضرت فاطمہؓ آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں۔ (۲) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

فاطمۃ بضعة منی فمن اغضبها فقد اغضبنی (۳)

”فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے جو اس کو ناراض کرے گا مجھ کو ناراض کرے گا“  
ابو جہل کی لڑکی کو حضرت علیؓ نے نکاح کا پیغام بھیجا تھا بارگاہ نبوت ﷺ میں اطلاع ہوئی تو حضور اکرم ﷺ منبر پر چڑھے اور حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

ان بنی ہشام بن المغیرۃ استاذ نونی فی ان ینکحوا ابتھم علی بن ابی طالب فلا آذن ثم لا آذن لا اذن الا ان یرید ابن ابی طالب ان یطلق ابنتی و ینکح ابتھم فانھا ہی بضعة منی یرینی ما را بہا ویوذینی ما اذاھا

”آل ہشام، علی بن ابی طالب سے اپنی بیٹی کا عقد کرنا چاہتی ہے اور مجھ سے اجازت مانگتی ہے لیکن میں اجازت نہیں دوں گا اور کبھی نہ دوں گا۔ البتہ لن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دیکر ان کی لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں، فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے جس نے اس کو اذیت دی اس نے مجھ کو اذیت دی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۷)

ان فاطمۃ منی و انا اتخوف ان تفتن فی دینھا ثم ذکر صھراما من بنی عبد شمس فائنی علیہ فی مصاہرتہ ایاہ قال حدثنی فصدقنی وعدنی فوفی لی وانی لست احرم حلالاً ولا احل حراماً ولكن واللہ الا تجتمع بنت رسول اللہ ﷺ و بنت عدو اللہ ابدأ (بخاری ج ۱ ص ۴۳۸)

(اس کے بعد ابو العاص بن ربیع کا جو آپ کے داماد تھے ذکر فرمایا کہ) اس نے مجھ سے جو بات کہی اس کو سچ کر کے دکھلادیا اور جو وعدہ کیا وفا کیا اور میں حلال کو حرام اور حرام کو

حلال کرنے نہیں کھڑا ہوا لیکن خدا کی قسم! ایک پیغمبر اور ایک دشمن خدا کی بیٹیاں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ جناب سیدہ کی حیات تک حضرت علیؓ نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت فاطمہؓ کا شمار آنحضرت ﷺ نے ان چند مقدس خواتین میں فرمایا ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ قرار پائی ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

كفاك من نساء العالمين مريم بنت عمران و خديجة بنت خويلد و فاطمة بنت محمد و آسية امرأة فرعون (ترمذی كتاب المناقب)

”تمہاری تقلید کے لئے تمام دنیا کی عورتوں میں مریمؑ، خدیجہؓ، فاطمہؓ اور آسیہؓ کافی ہیں“ (ترمذی کتاب المناقب)

زہد و ورع کی یہ کیفیت تھی کہ گو وہ آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں اور اسلام میں رہبانیت کا قلع قمع بھی کر دیا گیا تھا اور فتوحات کی کثرت مدینہ میں مال و زر کے خزانے لٹا رہی تھی۔ لیکن جانتے ہو کہ اس میں جگر گوشہ رسول ﷺ کا کتنا حصہ تھا؟ اس کا جواب سننے سے پہلے آنکھوں کو اشک بار ہو جانا چاہیے۔

سیدہ عالمؓ کی خانگی زندگی یہ تھی کہ چکی پیتے پیتے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پر گھٹے پڑ گئے تھے گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے۔ چولہے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے تھے لیکن بایں ہمہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لئے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو ارشاد ہوا کہ جان پدر! بدر کے یتیم تم سے پہلے اس کے مستحق ہیں۔ (ابوداؤد)

ایک دفعہ آپ حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے دیکھا کہ انہوں نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ لوڑھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہیں تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپاتی ہیں تو سر برہنہ رہ جاتا ہے۔ شعر

یوں کی ہے اہل بیتؑ مطہرؑ نے زندگی

یہ ماجرائے دختر خیر الانام تھا

(شبلی)

صرف یہی نہیں کہ آنحضرت ﷺ خود ان کو آرائش یا زیب و زینت کی کوئی چیز نہیں دیتے تھے بلکہ اس قسم کی جو چیزیں ان کو دوسرے ذرائع سے ملتی تھیں ان کو بھی ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ حضرت علیؑ نے ان کو سونے کا ہار دیا۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا "کیوں فاطمہ! کیا لوگوں سے کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے!" حضرت فاطمہؑ نے اس کو فوراً بیچ کر اس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔

ایک دفعہ آپ کسی غزوہ سے تشریف لائے، حضرت فاطمہؑ نے بطور خیر مقدم کے گھر کے دروازے پر پردے لگائے اور حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کو چاندی کے کنگن پہنائے آپ حسب معمول حضرت فاطمہؑ کے یہاں آئے تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس گئے، حضرت فاطمہؑ کو آپ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر ڈالا اور ہنوں کے ہاتھ سے کنگن نکال ڈالے، بچے آپ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے آپ نے فرمایا "یہ میرے اہل بیت ہیں میں نہیں چاہتا کہ وہ ان زخارف سے آلودہ ہوں" اسکے بدلے فاطمہؑ کے لئے ایک عصب کا ہار اور ہاتھی دانت کے کنگن خرید لاؤ (۱)

صدق و راستی میں بھی ان کا کوئی حریف نہ تھا حضرت عائشہؑ فرماتی ہیں۔ (۲)

ما رایت احد اکان اصدق بهجة من فاطمة الا ان يكون المذی ولدھا ﷺ  
 "میں نے فاطمہؑ سے زیادہ کسی کو صاف گو نہیں دیکھا البتہ ان کے والد (ﷺ) اس سے مستثنیٰ ہیں"

حد درجہ حیادار تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کو طلب فرمایا تو وہ شرم سے لڑکھڑاتی ہوئی آئیں اپنے جنازہ پر پردہ کرنے کی جو وصیت کی تھی وہ بھی اسی بناء پر تھی۔ آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت کرتی تھیں، جب وہ خود رساں تھیں اور آپ مکہ معظمہ میں مقیم تھے تو عقبہ بن ابی معیط نے نماز پڑھنے کی حالت میں ایک مرتبہ آپ کی گردن پر نوٹ کی اوجھ لاکر ڈال دی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑے تھے، کسی نے جا کر حضرت فاطمہؑ کو خبر کی وہ اگرچہ اس وقت صرف ۵-۶ برس کی تھیں لیکن جوش محبت سے دوڑی ہوئی آئیں اور اوجھ ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بد دعائیں دیں۔ (۳)

آنحضرت ﷺ بھی ان سے نہایت محبت کرتے تھے، معمول تھا کہ جب کبھی

(۱) یہ تمام واقعات ابو داؤد اور نسائی میں مذکور ہیں (۲) استیعاب ج ۲ ص ۷۷۲ (۳) بخاری ج ۱ ص ۷۴۳۸

سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لاتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہؓ ہی ہوتیں، حضرت فاطمہؓ جب آپ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے۔

آپ ہمیشہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے تعلقات میں خوش گواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے، چنانچہ جب حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ میں کبھی کبھی خانگی معاملات کے متعلق رنجش ہو جاتی تھی تو آنحضرت ﷺ دونوں میں صلح کر دیتے تھے ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا آپ گھر میں تشریف لے گئے اور صفائی کرادی، گھر سے مسرور نکلے، لوگوں نے پوچھا آپ گھر میں گئے تھے تو اور حالت تھی اب آپ اس قدر خوش کیوں ہیں؟ فرمایا میں نے ان دو شخصوں میں مصالحت کرادی ہے جو مجھ کو محبوب تر ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ان پر کچھ سختی کی وہ آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر چلیں پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی آئے حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی آپ ﷺ نے فرمایا ”بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہیے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے حضرت علیؓ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا ”اب میں تمہارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کروں گا“

## (۱۶) حضرت امامہؓ

نام و نسب :

ابو العاصؓ بن ربیع کی صاحب زادی ہیں، جو زینب بنت رسول اللہ ﷺ کے بطن سے پیدا ہوئیں، آبائی شجرہ نسب یہ ہے، امامہ بنت ابو العاص بن ربیع بن عبد العزیٰ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

عام حالات :

آنحضرت ﷺ کو امامہؓ سے نہایت محبت تھی، آپ ان کو اوقات نماز میں بھی جدا نہیں کرتے تھے صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ مسجد میں امامہؓ کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی، جب رکوع میں جاتے تو ان کو اتار دیتے

پھر جب کھڑے ہوتے تو چڑھالیتے اسی طرح پوری نماز ادا فرمائی۔ (۱) اللہ اکبر۔  
 آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ کسی نے کچھ چیزیں ہدیے میں بھیجیں،  
 جن میں ایک زریں ہار بھی تھا امامہ ایک گوشہ میں کھیل رہی تھیں آپ نے فرمایا میں اپنے  
 محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ ازواج نے سمجھا کہ یہ شرف حضرت عائشہؓ کو حاصل ہوگا لیکن  
 آپ ﷺ نے امامہؓ کو بلا کر وہ ہار خود ان کے گلے میں ڈال دیا۔ بعض روایتوں میں ہار کے بجائے  
 انگوٹھی کا ذکر ہے (۲) اور اس میں ہدیہ بھیجنے والے کا نام بھی آگیا ہے یعنی نجاشی۔ (۳)  
 نکاح:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت سن شعور کو پہنچ چکی تھیں اس لئے جب  
 حضرت فاطمہؓ نے انتقال فرمایا تو حضرت علیؓ نے امامہؓ سے نکاح کر لیا ابو العاص نے حضرت  
 زبیر بن عوامؓ کو جو عشرہ مبشرہ میں داخل اور آنحضرت ﷺ کے پھوپھیرے بھائی تھے امامہؓ  
 کے نکاح کی وصیت کی تھی چنانچہ یہ تقریب ان ہی کی مرضی سے انجام پائی اور نکاح بھی  
 خود ان ہی نے پڑھایا یہ اللہ ہجری کا واقعہ ہے۔

۳۰ ہجری میں جب حضرت علیؓ نے شہادت پائی تو مغیرہ بن نوفل (عبدالمطلب  
 کے پڑپوتے) کو وصیت کر گئے کہ امامہ سے نکاح کر لیں چنانچہ مغیرہ نے تعمیل کی اس کے  
 قبل امیر معاویہؓ کا پیغام پہنچا تھا اور انہوں نے مروان کو لکھا تھا کہ ایک ہزار دینار (۵ ہزار  
 روپے) اس تقریب میں خرچ کئے جائیں لیکن امامہؓ نے مغیرہ کو اطلاع دی تو انہوں نے فوراً  
 حضرت حسنؓ کی اجازت سے نکاح پڑھالیا۔ (۴)

وفات:

حضرت امامہؓ نے مغیرہ کے ہاں وفات پائی۔ (۵)

اولاد:

مغیرہ سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا، لیکن بعض روایتوں میں ہے کہ امامہؓ  
 کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

(۱) بخاری ج ۱ ص ۷۴ و زرقانی ج ۳ ص ۲۵۵ (۲) زرقانی ج ۳ ص ۲۲۵ بروایت مسند احمد

بن حبل (۳) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۷

(۴) طبقات ج ۸ ص ۲۷ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۰۰ و استیعاب ج ۲ ص ۷۲۸

(۵) اصابہ ج ۸ ص ۱۴

## (۱۷) حضرت صفیہؓ

نام و نسب :

صفیہ نام 'عبدالمطلب' جد رسول اللہ ﷺ کی دختر تھیں، ماں کا نام ہالہ بنت وہب تھا جو حضرت آمنہ (آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ) کی ہم شیر ہیں اس بناء پر حضرت صفیہؓ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی ہونے کے ساتھ آپ کی خالہ زاد بہن بھی تھیں حضرت حمزہؓ عم رسول اللہ ﷺ بھی ہالہ سے پیدا ہوئے تھے اس لئے وہ لور حضرت صفیہؓ حقیقی بھائی بہن تھے۔

نکاح :

ابوسفیان بن حرب کے بھائی حارث سے شادی ہوئی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا اس کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہؓ کے بھائی عوام بن خویلد سے نکاح ہوا جس سے حضرت زبیرؓ پیدا ہوئے۔

اسلام :

۳۰ برس کی عمر ہوئی تو آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے آنحضرت ﷺ کی تمام پھوپھیوں میں یہ شرف صرف حضرت صفیہؓ کو حاصل ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اسد الغابہ میں ہے والصحیح انہ لم یسلم غیرھا (۱) یعنی صحیح یہ ہے کہ ان کے سوا آنحضرت ﷺ کی کوئی پھوپھی ایمان نہیں لائیں۔

عام حالات :

حضرت زبیرؓ کے ساتھ ہجرت کی 'غزوہ احد میں جب مسلمانوں نے شکست کھائی تو وہ مدینہ سے نکلیں، صحابہؓ سے عتاب آمیز لہجہ میں کہتی تھیں کہ "رسول اللہ کو چھوڑ کر چل دیئے؟" (۲) آنحضرت ﷺ نے ان کو آتے دیکھا تو حضرت زبیرؓ کو بلا کر ارشاد کیا کہ حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔ حضرت زبیرؓ نے آنحضرت ﷺ کا پیغام سن لیا بولیں کہ میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں آنحضرت ﷺ نے اجازت دی لاش پر گئیں خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہوئے تھے لیکن

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۲ (۲) طبقات ج ۸ ص ۲۸



اناللہ وانا الیہ راجعون کہہ کر چپ ہو گئیں (۱) اور مغفرت کی دعا مانگی، واقعہ چونکہ نہایت درد انگیز تھا اس لئے ایک مرثیہ کہا جس کے ایک شعر میں آنحضرت ﷺ کو اس طرح مخاطب (۲) کرتی ہیں۔

ان یوما اتی علیک لیوم کورت شمسہ وکان مضباء

(آج آپ پر وہ دن آیا ہے جس میں آفتاب سیاہ ہو گیا ہے حالانکہ پہلے وہ روشن تھا)

غزوہ احد کی طرح غزوہ خندق میں بھی انہوں نے نہایت ہمت اور استقلال کا ثبوت دیا انصار کے قلعوں میں فارغ سب سے مستحکم قلعہ تھا اور حضرت حسان کا تھا۔ یہ قلعہ یہود بنو قریظہ کی آبادی سے متصل تھا مستورات اسی میں تھیں اور ان کی حفاظت کے لئے حضرت حسان (شاعر) متعین کر دیئے گئے تھے، یہود نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیت آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہے۔ قلعہ پر حملہ کر دیا ایک یہودی قلعہ کے پھانگ تک پہنچ گیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا حضرت صفیہؓ نے دیکھ لیا۔ حسان سے کہا کہ اتر کر قتل کر دو ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ دے گا حضرت حسان کو ایک عارضہ ہو گیا تھا جس سے ان میں اس قدر جبن پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتے تھے اس بناء پر اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا کہ میں اس کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا؟ حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ لی اور اتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا حضرت صفیہؓ چلی آئیں اور حسان سے کہا کہ ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ۔ حسان نے کہا جانے دیجئے مجھ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں، حضرت صفیہؓ نے کہا۔ اچھا جاؤ اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو تا کہ یہودی مر عوب ہو جائیں لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہؓ ہی کو انجام دینی پڑی یہودیوں کو یقین ہوا کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج متعین ہے اس خیال سے پھر انہوں نے حملہ کی جرأت نہ کی۔ (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۸۲۷ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۳)

۱۱۔ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا، حضرت صفیہؓ کو جو صدمہ ہوا ہوگا ظاہر ہے نہایت پر درد مرثیہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے۔

لفقد رسول اللہ اذہان یومہ فیا عین جو دی بالدموع السواجم

(آنحضرت ﷺ کی وفات پر اے آنکھ خوب آنسو بہا)

یہ مرثیہ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے۔ (۱)

وفات :

حضرت صفیہؓ نے ۲۰ ہجری میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں اس وقت

تہتر برس کا سن تھا۔

فضل و کمال :

حضرت صفیہؓ نے بقول صاحب اصابہ کچھ حدیثیں بھی روایت کی ہیں لیکن ہماری

نظر سے نہیں گزریں اور نہ مسند میں ان کی حدیثوں کا پتہ چلتا ہے۔ (۲)

## (۱۸) حضرت ام ایمنؓ

نام و نسب :

برکت نام ام ایمن کنیت ام الطباء عرف سلسلہ نسب یہ ہے: برکت بنت ثعلبہ

بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن نعمان۔ حبشہ کی رہنے والی تھیں اور حضرت

عبداللہ (پدر آنحضرت ﷺ) کی کینز تھیں بچپن سے عبداللہ کے ساتھ رہیں اور جب

انہوں نے انتقال کیا تو حضرت آمنہ کے پاس رہنے لگیں اس کے بعد خود سرور کائنات کے

حلقہ غلامی میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ آنحضرت ﷺ کی ان ہی نے پرورش اور

پرواخت کی تھی۔ (۳)

نکاح :

حارث بن خزرج کے خاندان (۴) میں عبید بن زید ایک شخص تھے ام ایمن کا ان ہی

کے ساتھ عقد ہوا لیکن جب انہوں نے وفات پائی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن

حارث سے کہ محبوب خاص تھے نکاح پڑھایا یہ بعثت کے بعد کا واقعہ ہے۔

اسلام :

حضرت زید چونکہ مسلمان ہو چکے تھے ام ایمن نے بھی اسلام قبول کیا۔

(۱) اصابہ ج ۸ ص ۱۲۹ (۲) اصابہ ج ۸ ص ۱۲۸

(۳) اصابہ ج ۸ ص ۲۱۲، ۲۱۳

(۴) بخاری ج ۱ ص ۵۲۹ میں ایمن کے متعلق مذکور ہے وہو رجل من الانصار

عام حالات :

جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو وہ بھی گئیں اور وہاں سے ہجرت کے بعد مدینہ واپس آئیں غزوہ احد میں شرکت کی اس موقع پر وہ لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں غزوہ خیبر میں بھی شریک ہوئیں۔

اللہ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا ام ایمنؓ سخت مغموم تھیں اور رو رہی تھیں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے سمجھایا کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے خدا کے پاس بہتر چیز موجود ہے جو اب ملا ”یہ خوب معلوم ہے“ اور یہ رونے کا سبب بھی نہیں رونے کا اصلی سبب یہ ہے کہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ پر اس جواب کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ بھی ان کے ساتھ مل کر زار و قطار رونے لگے (۱)

۲۳ ہجری میں حضرت عمرؓ نے شہادت پائی ام ایمنؓ کو معلوم ہوا تو بہت روئیں لوگوں نے کہا اب کیوں روتی ہو؟ بولیں ”اب اس کے لئے کہ اسلام کمزور پڑ گیا“ (۲)

وفات :

ام ایمنؓ نے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

اولاد :

دو اولادیں ہوئیں۔ ایمنؓ اور اسامہؓ ایمنؓ پہلے شوہر سے تھے صحابی ہیں۔ خیبر میں شہادت پائی اسامہؓ آنحضرت ﷺ کے محبوب خاص تھے اور ان کے والد کو بھی یہی درجہ حاصل تھا۔ نہایت جلیل القدر صحابی تھے، آنحضرت ﷺ کو ان سے بے انتہا محبت تھی۔

فضل و کمال :

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں راویوں میں حضرت انسؓ بن مالکؓ، حش بن عبد اللہ صنعانی اور ابو یزید مدنی داخل ہیں۔

اخلاق :

آنحضرت ﷺ ان کی نہایت عزت کرتے اور فرماتے تھے ام ایمنؓ میری ماں ہیں اکثر ان کے مکان پر تشریف لے جاتے ایک مرتبہ تشریف لائے تو انہوں نے شربت پیش کیا آنحضرت ﷺ (کسی وجہ سے) متردد ہوئے اس پر ام ایمنؓ ناراض ہوئیں (۲) حضرت

ام ایمنؓ کو حضور ﷺ کی پرورش کرنے کی وجہ سے حضور ﷺ پر ایک قسم کا ناز تھا۔ یہ خفگی اسی محبت کی خفگی تھی۔ (نووی شرح مسلم)

انصار نے آنحضرت ﷺ کو بہت سے نخلستان دیئے تھے جب بنو قریظہ اور بنو نضیر پر فتح حاصل ہوئی تو آپ نے انصار کو ان کے نخلستان واپس کرنا شروع کئے حضرت انسؓ کے کچھ باغ بھی آنحضرت ﷺ کے پاس تھے اور آپ نے ام ایمنؓ کو عطا فرمائے تھے حضرت انسؓ آئے تو حضرت ام ایمنؓ نے ان کے واپس کرنے سے انکار کر دیا اس پر مصررہیں آنحضرت نے یہ دیکھ کر ان کو باغ سے دس گناہ زیادہ عطا فرمایا۔ (بخاری و ذرقانی ج ۳ ص ۳۲۷)

## (۱۹) حضرت فاطمہ بنت اسد

نام و نسب :

فاطمہ نام اسد بن ہاشم کی بیٹی تھیں اور عبدالمطلب جد رسول اللہ ﷺ کی بھینچی

تھیں۔

نکاح :

ابوطالب بن عبدالمطلب سے نکاح ہوا جن سے حضرت علیؓ پیدا ہوئے۔

اسلام :

آغاز اسلام میں خاندان ہاشم نے آنحضرت ﷺ کا سب سے زیادہ ساتھ دیا تھا اور ان میں اکثر مسلمان بھی ہو گئے تھے حضرت فاطمہؓ بھی ان ہی لوگوں میں تھیں اور گوان کے شوہر ایمان نہیں لائے تاہم وہ ان کی بعض اولاد مشرف باسلام ہوئی جب ابوطالب کا انتقال ہوا تو ان کے بجائے حضرت فاطمہؓ آنحضرت ﷺ کی دست و بازو رہیں۔

ہجرت اور عام حالات :

جب مسلمان ہو کر ہجرت کی اجازت ملی تو حضرت فاطمہؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی یہاں حضرت علیؓ کا حضرت فاطمہؓ زہراؓ سے عقد ہوا تو حضرت علیؓ نے اپنی والدہ (حضرت فاطمہؓ بنت اسد) سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادی آتی ہیں میں پانی بھروں گا اور باہر کا کام کروں گا اور وہ چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے میں آپ کی مدد کریں گی۔ (۱)

وفات

آنحضرت ﷺ کی زندگی میں وفات پائی۔ بعض کا خیال ہے کہ ہجرت سے قبل فوت ہوئیں لیکن یہ صحیح نہیں آنحضرت ﷺ نے اپنی قمیص اتار کر کفن دیا اور قبر میں اتر کر لیٹ گئے لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابو طالب کے بعد ان سے زیادہ میرے ساتھ کسی نے سلوک نہیں کیا تھا اس بناء پر میں نے ان کو قمیص پہنایا کہ جنت میں ان کو حلہ ملے اور قبر میں لیٹ گیا کہ شدائد قبر میں کمی واقع ہو۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۱۷)

اولاد :

حسب ذیل اولاد چھوڑی حضرت علیؑ حضرت جعفر طیارؑ طالبؑ عقیل

اخلاق :

اصابہ میں ہے۔

كانت امرأة صالحه و كان النبي ﷺ يزورها و يقبل في بيتها  
 ”وہ نہایت صالح بی بی تھیں آنحضرت ﷺ ان کی زیارت کو تشریف لاتے اور ان کے گھر میں آرام کرتے تھے۔“ (اصابہ ج ۸ ص ۱۶۰)

## (۲۰) حضرت ام الفضلؓ

نام و نسب :

لبابہ نام ام الفضل کنیت کبریٰ لقب سلسلہ نسب یہ ہے : لبابہ الکبریٰ بنت الحارث بن حزن بن جبیر بن الہرام بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ والدہ کا نام ہند بنت عوف تھا اور قبیلہ کنانہ سے تھیں لبابہ کی حقیقی اور اخیانی کنی بہنیں تھیں جو خاندان ہاشم اور قریش کے دوسرے معزز گھرانوں میں منسوب تھیں۔ چنانچہ حضرت میمونہؓ آنحضرت ﷺ کو لبابہ حضرت عباسؓ (عم رسول اللہ ﷺ) کو سلمیٰ حضرت حمزہ (عم رسول اللہ ﷺ) کو اور اسماء حضرت جعفر طیارؓ (برادر حضرت علیؓ) کو منسوب تھیں اسی بناء پر ان کی والدہ (ہند بنت عوف) کی نسبت مشہور ہے کہ سرالی قرابت میں ان کا کوئی نظیر نہیں۔

نکاح :

حضرت عباسؓ سے جو آنحضرت ﷺ کے عم محترم تھے نکاح ہوا۔

اسلام :

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں لیکن سعد کا خیال ہے کہ انہوں نے حضرت خدیجہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا باقی اور عورتیں ان کے بعد ایمان لائیں اس لحاظ سے ان کے ایمان لانے کا زمانہ بہت قدیم ہو جاتا ہے۔

حالات :

ام الفضلؓ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ حج بھی کیا ہے چنانچہ حجۃ الوداع میں جب لوگوں کو عرفہ کے دن آنحضرت ﷺ کے صائم ہونے کی نسبت شبہ ہوا اور انکے پاس آکر ذکر کیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک پیالہ دودھ بھیجا آپ ﷺ چونکہ روزہ سے نہ تھے دودھ پی لیا اور لوگوں کو تشفی ہو گئی۔ (۱)

وفات

ام الفضلؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی اس وقت حضرت عباسؓ زندہ تھے حضرت عثمانؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

اولاد :

حضرت عباسؓ کی اکثر اولاد ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئی اور چونکہ سب بیٹے نہایت قابل تھے اس لئے بڑی خوش قسمت سمجھی جاتی تھیں فضلؓ، عبید اللہؓ، معبدؓ، عبید اللہؓ، قثمؓ، عبد الرحمنؓ اور ام حبیبہ ان ہی کی یادگار ہیں ان میں حضرت عبد اللہؓ اور عبید اللہؓ آسمان علم کے مرواہ تھے۔

فضل و کمال :

آنحضرت ﷺ سے ۳۰ حدیثیں روایت کی ہیں راوی حسب ذیل اصحاب ہیں۔

عبد اللہؓ، تمام (پسران عباسؓ) انس بن مالکؓ، عبد اللہ بن حارث بن نوفلؓ، عمیرؓ، کریمؓ، قابوسؓ

اخلاق :

عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ ہر دو شنبہ اور پانچ شنبہ کو روزہ رکھتی تھیں (۲) آنحضرت ﷺ سے محبت کرتی تھیں آپ اکثر ان کے ہاں جاتے اور دوپہر کے وقت آرام فرماتے تھے۔

## (۲۱) حضرت ام رومانؓ

نام و نسب :

نام معلوم نہیں۔ ام رومان کنیت ہے، قبیلہ کنانہ کے خاندان فراس (۱) سے تھیں۔  
سلسلہ نسب یہ ہے۔ ام رومان بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ بن سبيع بن  
وہبان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

نکاح :

عبداللہ بن سخرہ سے نکاح ہوا اور ان ہی کے ہمراہ مکہ آکر اقامت کی عبداللہ  
حضرت ابو بکرؓ کے حلیف بن گئے تھے اس بناء پر جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت ابو بکرؓ نے  
خود نکاح کر لیا۔

اسلام :

کچھ زمانے کے بعد مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ  
انہوں نے بھی اس صدا کو لبیک کہا۔

ہجرت :

ہجرت کے وقت حضرت ابو بکرؓ تنہا آنحضرت ﷺ کی معیت میں مدینہ کو روانہ  
ہو گئے تھے لیکن ان کا خاندان مکہ میں مقیم تھا مدینہ پہنچے تو وہاں سے زید بن حارثہ اور ابو رافع  
مستورات کو لانے کے لئے بھیجے گئے ام رومان بھی ان ہی کے ہمراہ مدینہ میں آئیں۔

عام حالات :

شعبان ۶ ہجری میں افک کا واقعہ پیش آیا ام رومان کے لئے یہ نہایت مصیبت کا  
وقت تھا حضرت عائشہؓ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آنحضرت ﷺ سے اجازت لیکر میکہ آئیں  
حضرت ابو بکرؓ بالا خانہ پر تھے اور ام رومانؓ نیچے بیٹھی تھیں، پوچھا کیسے آئیں؟ حضرت عائشہؓ  
نے سارے واقعہ بیان کیا بولیں ”بیشی اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں، جو عورت اپنے خاوند  
کو زیادہ محبوب ہوتی ہے اس کی سوتنیں حسد کی وجہ سے ایسا کرتی ہیں“ لیکن حضرت عائشہؓ کو  
اس سے کچھ تسکین نہ ہوئی اور چیخ مار کر روئیں حضرت ابو بکرؓ نے آواز سنی تو بالا خانہ سے اتر آئے

اور خود بھی رونے لگے پھر ان سے کہا کہ تم اپنے گھر واپس جاؤ اس کے ساتھ ہی ام رومان کو لیکر خود بھی رونے ہوئے حضرت عائشہؓ کو چونکہ اس صدمہ سے بخار آ گیا تھا دونوں نے ان کو گود میں لٹایا عصر پڑھ کر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا "عائشہ! اگر واقعی تم سے ایسی غلطی ہوئی تو خدا سے توبہ کرو" حضرت عائشہؓ نے والدین سے کہا کہ آپ لوگ جواب دیں، لیکن جواب ملا کہ ہم کیا کہہ سکتے ہیں غرض حضرت عائشہؓ نے خود جواب دیا جب آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوئی جس میں ان کی صاف طور پر برأت کی گئی تھی تو حضرت ام رومان بولیں کہ "تم اٹھ کر حضرت ﷺ کے پاس جاؤ" حضرت عائشہؓ نے کہا "میں نہ ان کی مشکور ہوں اور نہ آپ کی میں صرف اپنے خدا کا شکر یہ ادا کرتی ہوں" (بخاری ج ۲ ص ۵۹۵، ۵۹۶، ۶۹۹، ۷۰۰)

اسی سن کے اخیر میں مہمانوں کا واقعہ پیش آیا حضرت ابو بکرؓ اصحاب صفہ میں سے ۳ صاحبوں کو اپنے گھر لائے تھے آنحضرت ﷺ کے پاس گئے تو واپسی میں دیر ہو گئی گھر آئے تو ام رومان نے کہا مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں بیٹھ رہے؟ بولے تم نے کھانا نہیں کھلایا؟ جواب ملا کھانا بھیجا تھا لیکن ان لوگوں نے انکار کر دیا غرض کھانا کھلایا گیا اور اس قدر برکت ہوئی کہ نہایت افراط کے ساتھ بیچ گیا تھا حضرت ابو بکرؓ نے حضرت ام رومانؓ سے پوچھا اب کتنا ہے؟ بولیں ۳ گنے سے زیادہ چنانچہ سب اٹھوا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ (۱)

وفات :

حضرت ام رومانؓ نے ۹ ہجری یا اس کے بعد انتقال کیا آنحضرت ﷺ خود قبر میں اترے اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ۶ ہجری میں وفات پائی تھی لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ واقعات سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

اولاد :

اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت ام رومانؓ نے دو نکاح کئے تھے پہلے شوہر سے ایک لڑکا پیدا ہو جس کا نام طفیل تھا حضرت ابو بکرؓ سے دو اولادیں ہوئیں حضرت عبدالرحمنؓ اور حضرت عائشہؓ



## (۲۲) حضرت سمیہؓ

خباط کی بیٹی اور حضرت عمار بن یاسرؓ کی والدہ ہیں ابو حذیفہ بن مغیرہ مخزومی کی کنیز تھیں۔  
نکاح:

یاسر عجمی سے کہ ابو حذیفہ کے حلیف تھے نکاح ہوا حضرت عمارؓ پیدا ہوئے تو ابو حذیفہ نے ان کو آزاد کر دیا۔ (اصابہ ج ۸ ص ۱۱۴ و استیعاب ج ۲ ص ۷۵۹)  
اسلام:

ایام پیری میں مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی تو حضرت سمیہؓ، یاسرؓ اور عمارؓ تینوں نے اس دعوت کو لبیک کہا تاریخ میں ہے کہ حضرت سمیہؓ کا اسلام قبول کرنے والوں میں ساتواں نمبر تھا کچھ دن اطمینان سے گزرے تھے کہ قریش کا ظلم و ستم شروع ہو گیا اور بتدریج بڑھتا گیا چنانچہ جو شخص جس مسلمان پر قابو پاتا طرح طرح کی دردناک تکلیفیں دیتا تھا۔ حضرت سمیہؓ کو بھی خاندان مغیرہ نے شرک پر مجبور کر دیا لیکن وہ اپنے عقیدہ پر نہایت شدت سے قائم رہیں جس کا صلہ یہ ملا کہ مشرکین ان کو مکہ کی جلتی تپتی ریت پر لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کرتے تھے لیکن ان کے عزم و استقلال کے چھینٹوں کے سامنے یہ آتش کدہ سرد پڑ جاتا تھا آنحضرت ﷺ ادھر سے گزرے تو یہ حالت دیکھ کر فرماتے آل یاسر! صبر کرو۔ اس کے عوض تمہارے لئے جنت ہے۔

شہادت:

دن بھر اس مصیبت میں رہ کر شام کو نجات ملتی تھی ایک مرتبہ شب کو گھر آئیں تو ابو جہل نے ان کو گالیاں دینی شروع کیں اور پھر اس کا غصہ اس قدر تیز ہوا کہ اٹھ کر ایسی برچھی ماری کہ حضرت سمیہؓ جاں بحق تسلیم ہو گئیں انا لله وانا الیہ راجعون۔

بنا کر دند خوش رسے خون و خاک غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت عمارؓ کو اپنی والدہ کی اس بے کسی پر سخت افسوس تھا آنحضرت ﷺ سے

آ کر کہا کہ اب حد ہو گئی، آنحضرت ﷺ نے صبر کی تاکید فرمائی اور کہا ”خداوند! ال یاسر کو جہنم

سے بچا یہ واقعہ ہجرت نبوی سے قبل کا ہے اس بنا پر حضرت سمیہؓ اسلام میں سب سے پہلے شہید ہوئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما (استیعاب ج ۲ ص ۷۶۰)

غزوہ بدر میں جب ابو جہل مارا گیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عمارؓ سے فرمایا ”دیکھو تمہاری ماں کے قاتل کا خدا نے فیصلہ کر دیا“ (اصابہ ج ۸ ص ۱۱۴ بحوالہ ابن سعد)

## (۲۳) حضرت ام سلیمؓ

نام و نسب :

سہلہ یار ملہ نام، ام سلیم کنیت، غمیصاء اور رمیصاء لقب۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ ام سلیم بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار، ماں کا نام ملیحہ بنت (۱) مالک بن عدی بن زید مناة تھا آبائی سلسلہ سے حضرت ام سلیمؓ سلمیٰ بنت زید کی پوتی تھیں سلمیٰ، عبدالمطلب جد رسول اللہ ﷺ کی والدہ تھیں۔ اسی بناء پر ام سلیمؓ آنحضرت ﷺ کی خالہ مشہور ہیں۔

نکاح :

مالک بن نضر سے نکاح ہوا۔

اسلام :

مدینہ میں لوائل اسلام میں مسلمان ہوئیں۔ مالک چونکہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے اور ام سلیمؓ تبدیل مذہب پر اصرار کرتی تھیں اس لئے دونوں میں کشیدگی پیدا ہوئی اور مالک ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ ابو طلحہ نے جو اسی قبیلہ سے تھے نکاح کا پیغام دیا لیکن ام سلیمؓ کو اب بھی وہی عذر تھا یعنی ابو طلحہ مشرک تھے اس لئے وہ ان سے نکاح نہیں کر سکتی تھیں۔

غرض ابو طلحہؓ نے کچھ دن غور کر کے اسلام کا اعلان کیا اور ام سلیمؓ کے سامنے آ کر کلمہ پڑھا حضرت ام سلیمؓ نے حضرت انسؓ سے کہا کہ اب تم ان کے ساتھ میرا نکاح کر دو (۲) ساتھ ہی مہر معاف کر دیا اور کہا ”میرا مہر اسلام ہے“ حضرت انسؓ کہا کرتے تھے کہ یہ نہایت عجیب و غریب مہر تھا۔

## عام حالات :

نکاح کے بعد حضرت ابو طلحہؓ نے بیعت عقبہ میں شرکت کی چند ماہ کے بعد جناب رسالت مآب ﷺ مدینہ میں تشریف لائے حضرت ام سلیمؓ اپنے صاحبزادے (حضرت انسؓ) کو لیکر حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں اور کہا "انیس کو آپ کی خدمت کے لئے پیش کرتی ہوں یہ میرا بیٹا ہے آپ اس کے لئے دعا فرمائیں، آنحضرت نے دعا فرمائی۔ (۱)

اسی زمانہ میں آپ نے مہاجرین و انصار میں مواخاۃ کی اور یہ مجمع ان ہی کے مکان میں

ہوا۔ (۲)

غزوات میں حضرت ام سلیمؓ نے نہایت جوش سے حصہ لیا۔ صحیح مسلم میں ہے۔ (۳)

كان رسول الله ﷺ يغزو بام سليم و نسوة من الانصار معه اذا غزى

فيسقين الماء ويداوين الجرحى (صحیح مسلم)

"آنحضرت ﷺ حضرت ام سلیمؓ اور انصار کی چند عورتوں کو غزوات میں ساتھ

رکھتے تھے جو لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کو مرہم پٹی کرتی تھیں۔"

غزوہ احد میں جب مسلمانوں کے جمے ہوئے قدم اکھڑ گئے تھے وہ نہایت مستعدی

سے کام کر رہی تھیں صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ "میں نے حضرت عائشہؓ

اور حضرت ام سلیمؓ کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں مشک خالی

ہو جاتی تھی تو پھر جا کر بھر لاتی تھیں۔ (۴)

۵۔ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب سے نکاح کیا۔ اس موقع پر

حضرت ام سلیمؓ نے ایک لگن میں مالیدہ بنا کر حضرت انسؓ کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ

آنحضرت ﷺ سے کہنا کہ اس حقیر ہدیہ کو قبول فرمائیں۔ (۵)

۶۔ ہجری میں خیبر کا واقعہ ہوا۔ حضرت ام سلیمؓ اس میں شریک تھیں

آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہؓ سے نکاح کیا تو حضرت ام سلیمؓ (ہی نے حضرت صفیہؓ کو

آنحضرت ﷺ کے لئے سنوارا تھا)۔ (۶)

غزوہ حنین میں وہ ایک خنجر ہاتھ میں لئے تھیں۔ ابو طلحہؓ نے دیکھا تو آنحضرت ﷺ

(۱) مسلم ج ۲ ص ۳۵۲ بخاری ج ۲ ص ۹۴۴ (۲) بخاری (۳) مسلم ج ۲ ص ۱۰۳ (۴)

بخاری کتاب المغازی ج ۲ ص ۵۸۱ (۵) مسلم ج ۱ ص ۱۶۵۵ (۶) مسلم ج ۱ ص ۵۴۶

سے کہا کہ ام سلیمؓ خنجر لئے ہیں آپ ﷺ نے پوچھا کیا کرو گی؟ بولیں ”اگر کوئی مشرک قریب آئے گا تو اس سے اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر مسکرائے ”حضرت ام سلیمؓ نے نہایت سول اللہ! مکہ کے جو لوگ فرار ہو گئے ہیں ان کے قتل کا حکم دیجئے ”ارشاد ہوا ”خدا نے خود ان کا انتظام کر دیا ہے۔ (مسلم ج ۲ ص ۱۰۳)

وفات :

حضرت ام سلیمؓ کی وفات کا سال اور مہینہ معلوم نہیں، لیکن قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے خلافت راشدہ کے ابتدائی زمانہ میں وفات پائی ہے۔

اولاد :

جیسا کہ اوپر معلوم ہوا حضرت ام سلیمؓ نے دو نکاح کئے تھے پہلے شوہر سے حضرت انسؓ پیدا ہوئے حضرت ابو طلحہؓ سے دو لڑکے پیدا ہوئے ابو عمیر اور عبداللہ، ابو عمیر صغریٰ میں فوت ہو گئے اور عبداللہ سے نسل چلی۔

فضل و کمال :

حضرت ام سلیمؓ سے چند حدیثیں مروی ہیں جن کو حضرت انسؓ، ابن عباسؓ، زید بن ثابتؓ، ابو سلمہ اور عمرو بن عاصمؓ نے ان سے روایت کیا ہے لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عباس اور زید بن ثابتؓ میں ایک مسئلہ میں اختلاف ہوا تو ان بزرگوں نے ان ہی کو حکم مانا۔ (مسند ج ۶ ص ۴۳۰، ۴۳۱)

ان کو مسائل کے پوچھنے میں کچھ عار نہ تھا ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں اور کہیا رسول اللہ ﷺ! خدا حق بات سے نہیں شرماتا کیا عورت پر خواب میں غسل واجب ہے؟ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ یہ سوال سن رہی تھیں پیساختہ ہنس پڑیں کہ تم نے عورتوں کی بڑی فضیحت کی؟ بھلا کہیں عورتوں کو بھی ایسا ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں؟ ورنہ بچے ماں کے ہم شکل کیوں ہوتے ہیں۔ (ایضاً ص ۶۹۲، ۳۰۶، ۳۷۶ ج ۶)

اخلاق :

حضرت ام سلیمؓ میں بڑے بڑے فضائل اخلاق جمع تھے جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ اپنے پہلے شوہر سے صرف اس بناء پر علیحدگی اختیار کی کہ وہ اسلام قبول کرنے پر رضامند نہ تھے حضرت ابو طلحہؓ نے نکاح کا پیغام دیا تو محض اس وجہ سے رد کر دیا کہ وہ مشرک ہیں اس موقع پر

انہوں نے ابو طلحہؓ کو جس خوبی سے اسلام کی دعوت دی وہ سننے کے قابل ہے مسند احمد میں ہے۔

قالت يا ابا طلحة! الست تعلم ان الهك الذي تعبد نبت من الارض قال بلى

‘قالت افلا تستحي تعبد شجرة (اصابه ج ۸ ص ۲۴۳ بحوالہ مسند)

”ام سلیم نے کہا ابو طلحہ! تم جانتے ہو کہ تمہارا معبود زمین سے اگا ہے؟ انہوں نے

جواب دیا ہاں! حضرت ام سلیمؓ بولیں تو پھر تم کو درخت کی پوجا کرتے شرم نہیں آتی؟“

حضرت ابو طلحہؓ پر اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ سے حد درجہ محبت کرتی تھیں آپ اکثر ان کے مکان پر تشریف

لے جاتے اور دوپہر کو آرام فرماتے تھے جب بستر سے اٹھتے تو وہ آپ کے پسینے اور ٹوٹے ہوئے

بالوں کو ایک شیشی میں جمع کرتی تھیں۔<sup>(۱)</sup>

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کی مشک سے منہ لگا کر پانی پیا تو وہ اٹھیں اور

مشک کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کا دہن مبارک مس ہوا ہے۔<sup>(۲)</sup>

آنحضرت ﷺ کو بھی ان سے خاص محبت تھی۔ صحیح مسلم میں ہے۔

كان النبي ﷺ لا يدخل على احد من النساء الا على ازواجه الا ام سليم

فانه يدخل عليها فقيل له في ذلك فقال اني ارحمها قتل اخوها معي (صحیح مسلم)

”آنحضرت ﷺ ازواج مطہرات کے علاوہ اور کسی عورت کے یہاں نہیں جاتے تھے

لیکن ام سلیمؓ مستثنیٰ تھیں لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا مجھے ان پر رحم آتا ہے ان کے بھائی

(حرامؓ) نے میرے ساتھ رہ کر شہادت پائی ہے“ (مسلم ج ۲ ص ۳۴۱)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اکثر اوقات حضرت ام سلیمؓ کے مکان پر تشریف

لے جاتے تھے۔

حضرت ام سلیمؓ نہایت صابر اور مستقل مزاج تھیں ابو عمیر ان کا بہت پیار اور لاڈلا

بیٹا تھا لیکن جب اس نے انتقال کیا تو نہایت صبر سے کام لیا اور گھر والوں کو منع کیا کہ ابو طلحہؓ کو

اس واقعہ کی خبر نہ دیں رات کو ابو طلحہؓ آئے تو ان کو کھانا کھلایا اور نہایت اطمینان سے بستر پر لیٹے

کچھ رات گزرنے پر ام سلیمؓ نے اس واقعہ کا تذکرہ کیا لیکن عجیب انداز سے کیا بولیں اگر تم کو کوئی

شخص عاریتہً ایک چیز دے اور پھر اس کو واپس لینا چاہے تو کیا تم اس کے دینے سے انکار کرو

گے؟ ابو طلحہؓ نے کہا۔ کبھی نہیں۔ کہا تو اب تم کو اپنے بیٹے کی طرف سے صبر کرنا چاہیے ابو طلحہؓ یہ سن کر غصہ ہوئے کہ پہلے سے کیوں نہ بتلایا صبح اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے پاس گئے اور سارا واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا خدا نے اس رات تم دونوں کو بڑی برکت دی۔ (۱)

اسی طرح ایک مرتبہ ابو طلحہؓ آئے اور کہا کہ یا رسول اللہؐ بھوکے ہیں کچھ بھجیج دو۔ حضرت ام سلیمؓ نے چند روٹیاں ایک کپڑے میں لپیٹ کر حضرت انسؓ کو دیں کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں آپ مسجد میں تھے اور صحابہؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے حضرت انسؓ کو دیکھ کر فرمایا ابو طلحہؓ نے تم کو بھیجا ہے؟ بولے جی ہاں! فرمایا کھانے کے لئے؟ کہا ہاں آپ ﷺ تمام صحابہؓ کو لیکر ابو طلحہؓ کے مکان پر تشریف لائے ابو طلحہؓ گھبرا گئے اور حضرت ام سلیمؓ سے کہا اب کیا کیا جائے؟ کھانا نہایت قلیل ہے اور آنحضرت ﷺ ایک مجمع کے ساتھ تشریف لائے ہیں حضرت ام سلیمؓ نے نہایت استقلال سے جواب دیا کہ ان باتوں کو خدا اور رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں آنحضرت ﷺ اندر آئے تو حضرت ام سلیمؓ نے وہی روٹیاں اور سالن سامنے رکھ دیا خدا کی شان اس میں بڑی برکت ہوئی اور سب لوگ کھا کر سیر ہو گئے۔ (۲)

حضرت ام سلیمؓ کے مناقب و فضائل بہت ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں جنت میں گیا تو مجھ کو آہٹ معلوم ہوئی، میں نے کہا کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ انسؓ کی والدہ غمیصاء بنت ملحان ہیں۔ (۳)

## (۲۴) حضرت ام عمارہؓ

نام و نسب:

لسیہ نام، ام عمارہ کنیت، قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں نسب نامہ یہ ہے ام عمارہ بنت کعب بن عمرو بن عوف بن منذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجار۔

نکاح:

پہلا نکاح زید بن عاصم سے ہوا۔ پھر عربہ بن عمرو کے عقد نکاح میں آئیں۔

اسلام:

اور ان ہی کے ساتھ بیعت عقبہ میں شرکت کی سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ

بیعت عقبہ میں ۷۳ مرد اور دو عورتیں شامل تھیں حضرت ام عمارہؓ کا بھی ان ہی میں شمار ہوتا ہے۔

غزوات :

غزوہ احد میں شریک ہوئیں اور نہایت پامردی سے لڑیں جب تک مسلمان فتیاب تھے وہ مشک میں پانی بھر کر لوگوں کو پلا رہی تھیں لیکن جب شکست ہوئی تو آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہو گئیں کفار جب آپ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں آنحضرت ﷺ کا خود میان ہے کہ میں احد میں ان کو اپنے داہنے اور بائیں برابر لڑتے ہوئے دیکھتا تھا۔ ام قثمیہ جب دراتا ہوا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ام عمارہؓ نے بڑھ کر روکا چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا انہوں نے بھی تلوار ماری لیکن وہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لئے کارگر نہ ہوئی (۱) بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے ایک کافر کو قتل کیا تھا احد کے بعد بیت الرضوان، خیبر اور فتح مکہ میں بھی شرکت کی۔

حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں یمامہ کی جنگ پیش آئی مسلمانوں نے کذاب سے جو مدعی نبوت تھا مقابلہ کیا حضرت ام عمارہؓ اپنے ایک لڑکے (حبیب) کو لیکر حضرت خالدؓ کے ساتھ روانہ ہوئیں اور جب مسلمانوں نے ان کے لڑکے کو قتل کر دیا تو انہوں نے منت مانی کہ ”یا مسلمان قتل ہو گا یا وہ خود جان دے دیں گی“ یہ کہہ کر تلوار کھینچ لی اور میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئیں اور اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ ۱۲ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا۔ اس جنگ میں مسلمان بھی مارا گیا۔

وفات :

اس کے بعد معلوم نہیں کب تک زندہ رہیں۔

اولاد :

انتقال کے وقت چار اولادیں یادگار چھوڑیں، حبیب، عبداللہ (پہلے شوہر سے) تمیم

خولہ (دوسرے شوہر سے)

فضل و کمال :

چند حدیثیں روایت کی ہیں جو عباد بن تمیم (پوتے) لیلے (کنیز) عکرمہ، حارث ابن

کعب اور ام سعد بنت سعد بن ربیع سے مروی ہیں۔

اخلاق :

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو محبت تھی اس کا اصلی منظر تو غزوہ احد میں نظر آتا ہے لیکن اور بھی چھوٹے چھوٹے واقعات ہیں ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ان کے مکان میں تشریف لائے تو انہوں نے کھانا پیش کیا ارشاد ہوا تم بھی کھاؤ۔ یوں میں روزہ سے ہوں آنحضرت ﷺ نے کھانا نوش فرمایا اور فرمایا کہ روزہ دار کے پاس اگر کچھ کھایا جائے تو اس پر فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ (۱)

جوش اسلام کا نظارہ بھی اوپر کے واقعات سے ہو سکتا ہے۔

## (۲۵) حضرت ام عطیہؓ

نام و نسب :

لسیہ بنت حارث نام انصار کے قبیلہ اہل مالک بن النجار سے تھیں۔ (۲)

اسلام :

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو انصار کی عورتوں کو ایک مکان میں بیعت کے لئے جمع کیا اور حضرت عمرؓ کو دروازہ پر بھیجا کہ ان شرائط پر بیعت لیں کہ شرک نہ کریں گی، چوری اور زنا سے بچیں گی، اولاد کو قتل نہ کریں گی کسی پر بہتان نہ باندھیں گی، اچھی باتوں سے انکار نہ کریں گی، عورتوں نے یہ سب تسلیم کیا تو حضرت عمرؓ نے اندر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور عورتوں نے اپنے ہاتھ باہر نکالے جو بیعت کی علامت تھی اس کے بعد حضرت ام عطیہؓ نے پوچھا کہ اچھی باتوں سے انکار کرنے کے کیا معنی ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا نوحہ اور بینہ کرنا۔ (۳)

غزوات اور عام حالات :

حضرت ام عطیہؓ عہد رسالت کے سات معرکوں میں شریک ہوئیں جن میں وہ مردوں کے لئے کھانا پکاتی انکے سامان کی حفاظت کرتی۔ مریضوں کی تیمارداری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ (مسلم ج ۲ ص ۱۰۵)

(۱) مسند ج ۶ ص ۳۶۵ (۲) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۲۲، ۳۲۱ (۳) مسند ج ۶ ص ۴۰۹



۸۔ ہجری میں آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب کا انتقال ہوا تو حضرت ام عطیہؓ اور چند عورتوں نے ان کو غسل دیا آنحضرت ﷺ نے ان کو نہلانے کی ترکیب بتلائی۔ (۱)

خلافت راشدہ کے زمانہ میں ان کا ایک لڑکا کسی غزوہ میں شریک تھا ہمارا ہو کر بصرہ آیا حضرت ام عطیہؓ مدینہ میں تھیں خبر ملی تو نہایت عجلت سے بصرہ روانہ ہوئیں لیکن پہنچنے کے ایک دو دن قبل وہ وفات پا چکا تھا۔ یہاں آ کر انہوں نے بنو خلف کے قصر میں قیام کیا تیسرے روز انہوں نے خوشبو منگا کر ملی اور کہا کہ شوہر کے علاوہ اور کسی کے لئے ۳ دن سے زیادہ سوگ نہیں کرنا چاہیے۔ (۲)

اس کے بعد بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ (۳)

وفات :

وفات کی تاریخ اور سنہ معلوم نہیں اور نہ اولاد کی تفصیل کا علم ہے۔

فضل و کمال :

چند حدیثیں روایت کی ہیں، راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں :

حضرت انسؓ، ابن سیرین، حصہ بنت سیرین، اسمعیل بن عبدالرحمن بن عطیہ، عبدالملک بن عمیر، علی بن الاقمر، ام شراحیلؓ

صحابہ اور تابعین ان سے میت کے نہلانے کا طریقہ سیکھتے تھے۔ (۴)

اخلاق :

آنحضرت ﷺ سے بہت محبت کرتی تھیں اور آپ ﷺ بھی ان سے محبت کرتے تھے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس صدقہ کی ایک بھری بھیجی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہؓ کے پاس روانہ کیا آپ گھر میں تشریف لائے تو کھانے کے لئے مانگا بولیں اور تو کچھ نہیں ہے البتہ جو بھری آپ نے نسبہ کے پاس بھیجی تھی اس کا گوشت رکھا ہے آپ نے فرمایا لاؤ کیونکہ وہ مستحق کے پاس پہنچ چکی۔ (۵)

(۱) بخاری جلد ۱ ص ۱۶۸ و مسلم ج ۱ ص ۳۴۶، ۳۴۷

(۲) بخاری ج ۱ ص ۱۷۰ باب احداد المرأة علی غیر زوجہا (۳) اسد الغابہ ج ۵ ص ۶۰۳

(۴) تہذیب جلد ۱۲ ص ۴۵۵ اصابہ ج ۸ ص ۲۵۹ (۵) مسلم ج ۱ ص ۴۰۱

آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ کے اعزہ واقارب سے بھی خاص تعلقات تھے چنانچہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عطیہؓ کے مکان میں قیلولہ فرماتے تھے۔ (۱)

احکام نبوی ﷺ کی پوری پابندی کرتی تھیں، آنحضرت ﷺ نے بیعت میں نوحہ کی ممانعت کی تھی اس پر انہوں نے ہمیشہ عمل کیا چنانچہ بیعت ہی کے وقت آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ فلاں خاندان کے لوگ میرے ہاں رہ چکے ہیں، اس لئے مجھ کو بھی انکے ہاں جا کر رونا ضروری ہے، آپ ﷺ اس خاندان کو مستثنیٰ کر دیجئے چنانچہ آپ نے مستثنیٰ کر دیا۔ (۲)

بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ام عطیہؓ کو کوئی جواب نہیں دیا اور جن روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو مستثنیٰ کر دیا ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ استثناء حضرت ام عطیہؓ کے لئے خاص تھا ورنہ اصلی مسئلہ کہ نوحہ جائز نہیں ہے اپنی جگہ پر ثابت ہے لڑکے کی وفات اور اس پر سوگ کرنے کا حال ابھی گزر چکا ہے۔ (۳)

## (۲۶) حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء

نام و نسب :

ربیع نام قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے ربیع بنت معوذ بن حارث بن رفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار والدہ کا نام ام تزیذ تھا جو قیس بن زعور کی بیٹی تھیں حضرت ربیع اور ان کے تمام بھائی عفراء کی اولاد مشہور ہیں عفراء ان لوگوں کی دلدی تھیں۔ (۴)

اسلام :

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں۔

نکاح :

ایاس بن بکر لیبی سے شادی ہوئی صبح کو آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لائے اور بستر پر بیٹھ گئے لڑکیاں دف بجا بجا کر شہدائے بدر کے مناقب میں اشعار پڑھ رہی تھیں اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کی شان میں بھی کچھ اشعار پڑھے، جن میں ایک مصرع یہ تھا۔

(۱) اصابہ ج ۸ ص ۲۵۹ (۲) مسند ج ۶ ص ۴۰۷

(۳) مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۱۱۴ (۴) تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۱۸

و فینا نبی یعلم ما فی غد

اور ہم میں وہ نبی ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ نہ کہو (اور اس کے سوا جو کہتی تھیں وہ کہو) (۱)

عام حالات :

غزوات میں شرکت کرتی تھیں، زخمیوں کا علاج کرتیں، لوگوں کو پانی پلاتیں اور

مقتولوں کو مدینہ پہنچاتی اور فوج کی خدمت کرتی تھیں۔ (۲)

غزوہ حدیبیہ میں بھی موجود تھیں۔ جب بیعت رضوان کا واقعہ آیا تو انہوں نے بھی

آ کر بیعت کی۔

۳۵ ہجری میں اپنے شوہر سے علیحدہ ہوئیں، شرط یہ تھی کہ جو کچھ میرے پاس ہے

اس کو لے کر مجھ سے دست بردار ہو جاؤ چنانچہ اپنا تمام سامان ان کو دے دیا صرف ایک کرتی

رہنے دی، لیکن شوہر کو یہ بھی گوارا نہ ہوا، جا کر حضرت عثمانؓ کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا چونکہ

ربیع نے کل چیزوں کی شرط کی تھی حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تمہیں اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیے اور

شوہر سے فرمایا کہ تم ان کے جوڑا باندھنے کی دہائی تک لے سکتے ہو۔ (۳)

وفات :

حضرت ربیع کی وفات کا سال نامعلوم ہے۔

اولاد :

اولاد میں محمد مشہور ہیں

فضل و کمال :

حضرت ربیعؓ سے ۲۱ حدیثیں مروی ہیں علمی حیثیت سے ان کا یہ پایہ تھا کہ

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زین العابدینؓ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے (۴) راولیوں

میں بہت سے بزرگ ہیں مثلاً عائشہ بنت انس بن مالک، سلیمان بن یسار، ابو سلمہ بن عبد الرحمن،

نافع، عبادہ بن الولید، خالد بن ذکوان، عبد اللہ بن محمد بن عقیل، ابو عبیدہ بن محمد (حضرت عمارؓ ان

یاسر کے پوتے) محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان۔

(۱) بخاری ج ۲ ص ۵۷۰

(۲) مسند ج ۶ ص ۳۵۸ (۳) اصابہ ج ۸ ص ۸۰ بحوالہ ابن سعد (۴) مسند ج ۶ ص ۳۵۸

اخلاق :

جوش ایمان اس سے ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ اسماء بنت مخزومہ جو ابوریعہ مخزومی کی بیوی تھی اور عطر بیچتی تھی چند عورتوں کے ساتھ ربیع کے گھر آئی اور ان کا نام و نسب دریافت کیا چونکہ ربیع کے بھائی نے ابو جہل کو بدر میں قتل کیا تھا اور اسماء قریش کے قبیلے سے تھی نبویؐ ”تو تم ہمارے سردار کے قاتل کی بیٹی ہو؟“ حضرت ربیع کو ابو جہل کی نسبت سردار کا لفظ نہایت ناگوار ہوا ابو لیس ”سردار کی نہیں بلکہ غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں؟“ اسماء کو ابو جہل کی شان میں یہ گستاخی پسند نہ آئی جھنجھلا کر کہا کہ مجھ کو تمہارے ہاتھ سود لپکنا حرام ہے حضرت ربیع نے برجستہ کہا مجھ کو تم سے کچھ خریدنا حرام ہے، کیونکہ تمہارا عطر، عطر نہیں بلکہ گندگی ہے۔ (۱)

آنحضرت ﷺ سے بے انتہا محبت تھی، آپ ان کے گھر اکثر تشریف لے جاتے تھے (۲) ایک مرتبہ آپ تشریف لائے اور ان سے وضو کے لئے پانی مانگا (۳) ایک مرتبہ دو طباقوں میں چھوہارے اور انگور لے کر گئیں تو آپ نے زیور یا سونا مرحمت فرمایا۔ (۴) آنحضرت ﷺ کا ایک مرتبہ کسی نے حلیہ پوچھا تو بولیں ”بس یہ سمجھ لو کہ آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔ (۵)

## (۲۷) حضرت ام ہانیؓ

نام و نسب :

فاختہ نام ام ہانی کنیت، ابو طالب عم رسول اللہ ﷺ کی دختر تھیں، ماں کا نام فاطمہ بنت اسد تھا اس بناء پر حضرت علیؓ، حضرت جعفر طیارؓ اور ام ہانیؓ حقیقی بھائی بہن ہیں۔

نکاح :

ہبیرہ بن عمرو (بن عائد) مخزومی سے نکاح ہوا۔

اسلام :

۸۔ ہجری میں جب مکہ فتح ہوا، مسلمان ہوئیں آپ ﷺ نے اس روز ان کے مکان

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۵۲ (۲) مسند ج ۶ ص ۳۵۸ (۳) ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳ (۴) مسند ج ۶

ص ۳۵۹ (۵) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۵۲

میں غسل کیا تھا اور چاشت کی نماز پڑھی انہوں نے اپنے دو عزیزوں کو جو مشرک تھے پناہ دے دی تھی آنحضرت ﷺ نے بھی ان کو پناہ دی (۱) ان کا شوہر ہیرہ فتح مکہ میں نجران بھاگ گیا تھا۔

وفات :

ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد مدت تک زندہ رہیں تہذیب میں ہے امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔

اولاد :

حسب ذیل اولاد چھوڑی : عمرو ہانی، یوسف، جعدہ

فصل و کمال :

حضرت ام ہانیؓ سے ۴۶ حدیثیں مروی ہیں، جن کے راوی حسب ذیل حضرات ہیں۔ جعدہ، یحییٰ، ہارون، ابو مرہ، ابو صالح، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن حارث بن نوفل، ابن ابی لیلیٰ، مجاہد، عروہ، عبداللہ بن عیاش، شعبی، عطاء، کریب، محمد بن عقبہ (رضی اللہ عنہم) آنحضرت ﷺ سے کبھی کبھی مسائل دریافت کرتی تھیں، جس سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے، ایک مرتبہ اس آیت کی تفسیر پوچھی تھی و تاتون فی نادیکم المنکر (۲)

اخلاق :

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو عقیدت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ فتح مکہ کے زمانہ میں انکے مکان پر تشریف لائے اور شربت نوش فرمایا۔ اس کے بعد ان کو دیا انہوں نے کہا میں روزہ سے ہوں لیکن آپ کا جھوٹا واپس نہیں کرنا چاہتی ہوں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے پی لیا اور پھر خود ہی عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں روزہ سے ہوں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر روزہ رمضان کی قضا کا ہے تو کسی دوسرے دن یہ روزہ رکھ لینا اور اگر محض نفل ہے تو اس کی قضا کرنے یا نہ کرنے کا تم کو اختیار ہے۔ (۳)

آنحضرت ﷺ کو بھی ان سے بہت محبت تھی ایک مرتبہ فرمایا ام ہانی! بحری لے لو، یہ بڑی خیر و برکت کی چیز ہے۔ (۴)

ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ اب میں بوڑھی ہو گئی اور چلنے پھرنے میں ضعف معلوم ہوتا ہے اس لئے ایسا عمل بتلایا جائے جس کو بیٹھے بیٹھے انجام دے

سکوں آپ نے ایک وظیفہ بتلایا فرمایا کہ سبحان اللہ ایک سومرتبہ الحمد للہ ایک سومرتبہ اللہ اکبر ایک سومرتبہ اور لا الہ الا اللہ ایک سومرتبہ کہہ لیا کرو۔ (ایضاً ص ۳۴۴)

## (۲۸) حضرت فاطمہ بنت خطاب

نام و نسب :

فاطمہ نام ام جمیل کنیت حضرت عمرؓ کی ہم شیر ہیں۔

نکاح :

حضرت سعید بن زیدؓ سے نکاح ہوا۔

اسلام :

دورانہمی کے ساتھ مسلمان ہوئیں یہ اوائل اسلام کا واقعہ ہے ان کے کچھ دنوں کے بعد ان کے بھائی یعنی حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے اور انہی کے سبب سے ہوئے اس کا قصہ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے خود بیان کیا ہے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس جا رہے تھے راستہ میں ایک مخزومی صحابیؓ سے ملاقات ہوئی پوچھا کہ تم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر محمد کا مذہب اختیار کیا ہے؟ بولے ہاں، لیکن پہلے اپنے گھر کی خبر لو، تمہارے بہن اور بہنوئی نے بھی محمد (ﷺ) کا مذہب قبول کر لیا ہے حضرت عمرؓ سیدھے بہن کے گھر پہنچے دروازہ بند تھا اور وہ قرآن پڑھ رہی تھی ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا دیئے، لیکن آواز ان کے کان میں پڑچکی تھی پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی؟ انہوں نے کہا کچھ نہیں بولے میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے حضرت فاطمہؓ بچانے کے لئے آئیں تو ان کی بھی خبر لی۔ بال پکڑ کر گھسیٹے اور اس قدر مارا کہ ان کا بدن لہو لہان ہو گیا اسی حالت میں ان کی زبان سے نکلا عمرؓ! جو ہو سکے کرو، لیکن اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر ایک خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا ان کے بدن سے خون جاری تھا یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ فاطمہؓ نے قرآن کے اجزاء لا کر سامنے رکھ دیئے حضرت عمرؓ ان کو پڑھتے جاتے تھے اور ان پر رعب چھاتا جاتا تھا یہاں تک کہ ایک آیت پر پہنچ کر

پکارا تھے اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد ارسل الله (۱)  
ہجرت :

اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کی۔

وفات :

وفات کاسنہ اور مہینہ معلوم نہیں۔

اولاد :

ایک لڑکا چھوڑا، عبدالرحمن نام تھا۔

## (۲۹) حضرت اسماء بنت عمیس

نام و نسب :

اسماء نام قبیلہ خثعم سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے اسماء بنت عمیس بن معد بن حارث بن تیم بن کعب بن مالک بن قافہ بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن معاویہ بن زید بن مالک ابن بشر بن وہب، اللہ بن شہرون بن عفرس بن خلف بن اقبل (خثعم) ماں کا نام ہند (خولہ) بنت عوف تھا، قبیلہ کنانہ سے تھیں اس بناء پر حضرت میمونہ (ام المؤمنین) اور اسماء اخیانی بہنیں تھیں۔

نکاح :

حضرت جعفرؓ سے کہ حضرت علیؓ کے بھائی تھے (اور دس برس بڑے تھے) نکاح ہوا۔

اسلام :

آنحضرت ﷺ کے خانہ ارقم میں مقیم ہونے سے قبل مسلمان ہوئیں۔ حضرت جعفرؓ نے بھی اسی زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا۔ (۲)

عام حالات :

حبشہ کی طرف ہجرت کی اور کئی سال تک مقیم رہیں۔ ہجرت میں جب خیبر فتح ہوا تو مدینہ آئیں حضرت حصہؓ کے گھر گئیں تو حضرت عمرؓ بھی آگئے، پوچھا یہ کون ہیں، جواب ملا

(۱) اصابہ ج ۸ ص ۱۶۱ و اسد الغابہ ج ۴ ص ۵۴

(۲) سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۳۶، اصابہ ج ۸ ص ۹ بحوالہ ابن

اسماءؓ بولے ہاں وہ جس والی وہ سمندر والی "حضرت اسماءؓ نے کہا "ہاں وہی" حضرت عمرؓ نے کہا ہم کو تم پر فضیلت ہے، اس لئے کہ ہم مہاجر ہیں، حضرت اسماءؓ کو یہ فقرہ سن کر غصہ آیا، یوں لیں "کبھی نہیں! تم آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے آپ ﷺ بھوکوں کو کھلاتے اور جاہلوں کو پڑھاتے تھے، لیکن ہماری حالت بالکل جداگانہ تھی، ہم نہایت دور دراز مقام میں صرف خدا اور رسول ﷺ کی خوشنودی کے لئے پڑے رہے اور بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں" آنحضرت ﷺ مکان پر تشریف لائے تو انہوں نے سارا قصہ بیان کیا۔ ارشاد ہوا انہوں نے ایک ہجرت کی اور تم نے دو ہجرتیں کیں اس لئے تم کو زیادہ فضیلت ہے "حضرت اسماءؓ اور دوسرے مہاجرین کو اس سے اس درجہ مسرت ہوئی کہ دنیا کی تمام فضیلتیں بیچ معلوم ہوتی تھیں مہاجرین جشہ جو ق درجہ حضرت اسماءؓ کے پاس آتے اور یہ واقعہ دریافت کرتے تھے۔ (۱)

۸۔ ہجری غزوہ موہہ میں حضرت جعفرؓ نے شہادت پائی۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی (حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی دیکھا کہ حضور ﷺ آبدیدہ تھے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ غمگین کیوں ہیں یا جعفرؓ کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں وہ لوگ شہید ہو گئے ہیں بچوں کو نسلادھلا کر ہمراہ لے گئی تھی، حضور ﷺ نے بچوں کو اپنے پاس بلایا اور میں چیخ اٹھی) آنحضرت ﷺ اپنے (اہل بیت کے پاس تشریف لے گئے) اور فرمایا جعفرؓ کے بچوں کے لئے کھانا پکاؤ کیونکہ وہ رنج و غم میں مصروف ہیں۔ (۲)

اس کے بعد مسجد میں جا کر غمزہ بیٹھے اور اس خبر کا اعلان کیا اسی حالت میں ایک شخص نے آکر کہا کہ جعفرؓ کی مستورات ماتم کر رہی ہیں اور رو رہی ہیں، آپ نے ان کو منع کرانے بھیجا وہ گئے اور واپس آکر کہا کہ میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتیں آپ نے دوبارہ بھیجا وہ پھر گئے اور واپس آکر عرض کی کہ ہم لوگوں کی نہیں چلتی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "تو ان کے منہ میں خاک بھر دو" یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے صحیح بخاری میں منقول ہے صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس شخص سے کہا کہ "خدا کی قسم! تم یہ نہ کرو گے (منہ میں خاک ڈالنا) تو آنحضرت ﷺ کو تکلیف سے نجات نہ ملے گی" (۳)



تیسرے دن (۱) آنحضرت ﷺ حضرت اسماءؓ کے گھر تشریف لائے اور سوگ کی ممانعت کی (۲) تقریباً ۶ مہینے کے بعد شوال ۸ ہجری میں جو غزوہ حنین کا زمانہ تھا آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے ان کا نکاح پڑھادیا (۳) جس کے دورس بعد ذوقعدہ ۱۰ میں محمد بن ابو بکرؓ پیدا ہوئے اس وقت حضرت اسماءؓ حج کی غرض سے مکہ آئی تھیں چونکہ محمد ذوالحلیفہ میں پیدا ہوئے تھے اسماءؓ نے دریافت کر لیا کہ میں کیا کروں؟ ارشاد ہوا نہا کر احرام باندھیں۔ (۴)

آنحضرت ﷺ کے مرض الموت میں حضرت ام سلمہؓ اور اسماءؓ نے ذات الجنب تشخیص کر کے دوا پلانا چاہی چونکہ گوارا نہ تھی۔ آپ نے انکار فرمادیا۔ اسی ممانعت میں غشی طاری ہو گئی انہوں نے منہ کھول کر پلادی 'افاقہ کے بعد آپ کو احساس ہوا تو فرمایا "یہ مشورہ اسماء نے دیا ہو گا وہ حبشہ سے اپنے ساتھ یہی حکمت لائی ہیں 'عباسؓ کے علاوہ سب کو دوا پلانی جائے" چنانچہ تمام ازواج مطہرات کو دوا پلانی گئی۔ (۵)

۱۳ ہجری میں حضرت ابو بکرؓ نے وفات پائی تو وصیت فرمائی کہ اسماءؓ غسل دیں۔ (۶) حضرت ابو بکرؓ کے بعد اسماءؓ حضرت علیؓ کے عقد میں آئیں، محمد بن ابو بکرؓ بھی ساتھ آئے اور حضرت علیؓ کے آغوش تربیت میں پرورش پائی۔ ایک دن عجیب لطیفہ ہوا، محمد بن جعفر اور محمد بن ابو بکرؓ نے باہم فخر کہا کہ ہم تم سے بہتر ہیں اس لئے کہ ہمارے باپ تمہارے باپ سے بہتر تھے۔ حضرت علیؓ نے حضرت اسماءؓ سے کہا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ کرو بولیں کہ تمام نوجوانوں پر جعفرؓ کو اور تمام بوڑھوں پر ابو بکرؓ کو فضیلت حاصل ہے حضرت علیؓ بولے "پھر ہمارے لئے کیا رہا" (۷)

۳۸ ہجری میں محمد بن ابو بکرؓ مصر میں قتل ہوئے اور گدھے کی کھال میں ان کی لاش جلائی گئی حضرت اسماءؓ کے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ واقعہ کیا ہو سکتا تھا؟ ان کو سخت غصہ

(۱) مسند ج ۶ ص ۳۶۹ (۲) جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے اس کو ۴ ماہ ۱۰ دن سوگ کرنا چاہیے مسئلہ یہی ہے حضرت اسماءؓ کی اس روایت سے شبہ میں نہ پڑنا چاہیے اس لئے کہ یہ روایت تمام صحیح احادیث کے خلاف ہے اور شاذ ہے اور اجماع اس کے خلاف ہے امام طحاوی کے نزدیک یہ روایت منسوخ ہے اور امام بیہقی کے نزدیک منقطع ہے۔ ماہ حظہ: فتح الباری ج ۹ ص ۳۲۹ ان کے سوالور بہت سے جوابات ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

(۳) اصابہ ج ۸ ص ۹ (۴) مسلم ج ۱ ص ۳۸۵ (۵) بخاری ج ۲ و طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۳۲۳ و مسند ج ۲ ص ۴۳۸ (۶) اصابہ ج ۸ ص ۹ بحوالہ ابن سعد (۷) اصابہ ج ۸ ص ۹

آیا لیکن نہایت صبر سے کام لیا اور مصلے پر کھڑی ہو گئیں۔ (۱)

وفات :

۴۰ ہجری میں حضرت علیؓ نے شہادت پائی اور ان کے بعد حضرت اسماءؓ کا بھی

انتقال ہو گیا۔ (۲)

لولاد :

جیسا کہ لوپر گزر چکا ہے کہ حضرت اسماءؓ نے تین نکاح کئے چنانچہ حضرت جعفرؓ

سے محمدؓ، عبداللہؓ، عونؓ، حضرت ابو بکرؓ سے محمدؓ اور حضرت علیؓ سے یحییٰ پیدا ہوئے۔ (۳)

ریاض النضرۃ میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کے دو لڑکے ہوئے تھے، یحییٰ اور عونؓ (۴)

لیکن علامہ لن اشیر نے اس کو غلط کہا ہے اور لکھا ہے کہ یہ لن کلبی کا خیال ہے جو مشہور دروغ گو

تھا۔

فضل و کمال :

حضرت اسماءؓ سے ۶۰ حدیثیں مروی ہیں، جن کے رولویوں کے نام یہ ہیں، حضرت

عمرؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن جعفرؓ، لن عباسؓ، قاسم بن محمدؓ، عبداللہ بن شداد بن الہاد، عروہ

لن مسیب، ام عون بنت محمد بن جعفرؓ، فاطمہ بنت علیؓ، ابو یزید مدنی۔

آنحضرت ﷺ سے براہ راست تعلیم حاصل کرتی تھیں، آنحضرت ﷺ نے

مصیبت اور تکلیف میں پڑھنے کے لئے انکو ایک دعا بتائی تھی۔ (۵)

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جعفرؓ کے بچوں کو دبلادیکھا تو پوچھا کہ یہ اس

قدر دہلے کیوں ہیں اسماءؓ نے کہا ان کو نظر بہت لگتی ہے، فرمایا تو تم جھاڑ پھونک کرو، حضرت

اسماءؓ کو ایک منتر یاد تھا، آنحضرت ﷺ کو سنایا، فرمایا ”ہاں یہی سہی“ (۶)

حضرت اسماءؓ کو خواب کی تعبیر میں بھی دخل تھا چنانچہ حضرت عمرؓ اکثر ان سے

خوابوں کی تعبیر پوچھتے تھے۔ (۷)

(۱) ایضاً (۲) خلاصہ تہذیب ص ۴۸۸ (۳) استیعاب ج ۲ ص ۷۲۵ (۴) ریاض النضرہ ج ۲ ص

۶۴۹ (۵) مسند ج ۶ ص ۳۶۹

(۶) مسلم ج ۲ ص ۲۲۳

(۷) اصابہ ج ۸ ص ۹

## (۳۰) حضرت اسماءؓ (بنت ابی بکرؓ)

نام و نسب :

اسماء نام ذات النطاقین لقب حضرت ابو بکرؓ کی صاحب زادی ہیں۔  
ماں کا نام قلدہ بنت عبد العزیٰ تھا ہجرت سے ۷۲ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔  
نکاح :

حضرت زبیر بن عوام سے نکاح ہوا۔

اسلام :

اپنے شوہر کی طرح انہوں نے بھی قبول اسلام میں سبقت کی لیکن اسحاق کے قول کے مطابق ان کا ایمان لانے والوں میں اٹھارہواں نمبر تھا۔

عام حالات :

جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت ابو بکرؓ رفیق صحبت تھے آپ ﷺ دو پہر کو ان کے گھر تشریف لائے اور ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا حضرت اسماءؓ نے سفر کا سامان کیا دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا نطاق جس کو عورتیں کمر میں لپیٹتی ہیں پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا یہ وہ شرف تھا جس کی بناء پر آج تک انکو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (۱)

حضرت ابو بکر صدیقؓ ہجرت کے وقت کل روپیہ ساتھ لے گئے تھے ابو قحافہ کہ ان کے والد تھے معلوم ہوا ابو بکرؓ نے انہوں نے جانی اور مالی دونوں قسم کی تکلیف دی حضرت اسماءؓ نے کماؤ کثیر دولت چھوڑ گئے ہیں یہ کہہ کر انھیں لور جس جگہ حضرت ابو بکرؓ کا مال رہتا تھا بہت سے پتھر رکھ دیئے اور ان پر کپڑا ڈال دیا پھر ابو قحافہ کو لے گئیں اور کہا ٹول لیجئے دیکھئے یہ رکھا ہے ابو قحافہ نابینا ہو گئے تھے اس لئے مان گئے اور کہا کھانے کے لئے بہت ہے حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ میں نے صرف ابو قحافہ کی تسکین کے لئے ایسا کیا تھا ورنہ وہاں ایک حبہ بھی نہ تھا۔ (۲)

آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچ کر مستورات کو بلوایا تو حضرت اسماءؓ بھی آئیں (۳) قبا

(۱) بخاری ج ۱ ص ۵۵۳'۵۵۴ (۲) مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۳۵۰

(۳) اصباہ ج ۴ ص ۲۲۹ طبقات ج ۱ ص ۱۶۱ و تہذیب ج ۵ ص ۲۱۴

میں قیام کیا یہاں عبد اللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے ان کو لیکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے عبد اللہ کو گود میں لیا گھٹی دی اور ان کے لئے دعا فرمائی (۱) عبد اللہ بن زبیرؓ جب جوان ہوئے تو حضرت اسماءؓ ان کے پاس رہنے لگیں کیونکہ حضرت زبیرؓ نے ان کو طلاق دیدی تھی۔ (۲)

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے گھٹی میں آنحضرت ﷺ کا لعاب مبارک پیا تھا اس بناء پر جب بن شعور کو پیچھے تو فضائل اخلاق کے پیکر مجسم تھے اوہر سلطنت بنو امیہ کا فرماں روا (یزید) سر تاپا فسق و فجور تھا حضرت عبد اللہؓ نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا مکہ میں پناہ گزیں ہوئے اور وہیں سے اپنی خلافت کی صدا بلند کی چونکہ حضرت عبد اللہؓ کی عظمت و جلالت کا ہر شخص معترف تھا اس لئے تمام دنیائے اسلام نے اس صدارت پر لبیک کہی اور ملک کا بڑا حصہ ان کے علم کے نیچے آ گیا لیکن جب عبد الملک بن مروان تخت نشین ہوا تو اس نے اپنی حکمت عملی سے بعض صوبوں پر قبضہ کر لیا اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ کی تیاریاں کیں شامی لشکر نے خانہ کعبہ کا محاصرہ کیا تو ابن زبیرؓ حضرت اسماءؓ کے پاس آئے وہ ہمارے پوچھا ”کیا حال ہے؟“ بولیں ”یہ ہمارے ہوں“ کہا ”آدمی کو موت کے بعد آرام ملتا ہے“ حضرت اسماءؓ نے کہا ”شاید تم کو میرے مرنے کی تمنا ہے لیکن میں بھی مرنا پسند نہیں کرتی میری آرزو یہ ہے کہ تم لڑکر قتل ہو لو اور میں صبر کروں یا تم کامیاب ہو لو اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں“ لکن زبیرؓ ہنس کر چلے گئے شہادت کا وقت آیا تو دوبارہ ماں کی خدمت میں آئے وہ مسجد میں بیٹھی تھیں صلح کے متعلق مشورہ کیا ”بولیں بیٹا! قتل کے خوف سے ذلت آمیز صلح بہتر نہیں کیونکہ عزت کے ساتھ تلوار مارنا ذلت کے ساتھ کوڑا مارنے سے بہتر ہے۔ حضرت لکن زبیرؓ نے اس پر عمل کیا اور لڑکر مردانہ وار شہادت حاصل کی حجاج نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا تین دن گزرنے پر حضرت اسماءؓ کنیز کو ساتھ لیکر اپنے بیٹے کی لاش پر آئیں۔ لاش الٹی لٹکی تھی دل تھام کر اس منظر کو دیکھا اور نہایت استقلال سے کہا ”کیا اس سوار کے گھوڑے سے اترنے کا ابھی وقت نہیں آیا“ (۳) حجاج کو چھیڑ منظور تھی آدمی بھیجا کہ جا کر لائے حضرت اسماءؓ نے انکار کیا اس نے پھر آدمی بھیجا کہ ابھی خیریت ہے ورنہ آئندہ جو شخص بھیجا جائے گا وہ بال پکڑ کر گھیٹ لائے گا“ حضرت اسماءؓ صرف خدا کی شان جباری کی معترف تھیں جواب دیا میں نہیں جا سکتی حجاج نے مجبوراً خود

(۱) بخاری ج ۱ ص ۵۵۵ (۲) فتح الباری ج ۶ ص ۱۶۳ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۲

(۳) اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶۳ و استیعاب ج ۱ ص ۳۶۶

جو تاپہنا اور حضرت اسماءؓ کی خدمت میں آیا اور حسب ذیل گفتگو ہوئی، حجاج نے کہا ”کہنے میں نے دشمن خدا (لن زبیرؓ) کے ساتھ کیا سلوک کیا“ حضرت اسماءؓ بولیں۔ ”تو نے ان کی دنیا بگاڑی اور انہوں نے تیری عاقبت خراب کی! میں نے سنا ہے کہ تو ان کو طنز اذات النطاقین کا پیٹا کتا ہے، خدا کی قسم ذات النطاقین میں ہوں! میں نے نطاق سے آنحضرت ﷺ اور ابو بکرؓ کا کھانا باندھا تھا اور دوسرے کو کمر میں لپیٹتی تھی، لیکن یہ یاد رہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ ثقیف میں ایک کذاب اور ظالم پیدا ہوگا، چنانچہ کذاب کو دیکھ چکی ہوں اور ظالم تو ہے“ حجاج نے یہ حدیث سنی تو چپکا اٹھ کھڑا ہوا۔ (۱)

چند دنوں کے بعد عبد الملک کا حکم پہنچا تو حجاج نے لاش اتروا کر یہود کے قبرستان میں پھینکوادی حضرت اسماءؓ نے لاش اٹھوا کر گھر منگوا لیا اور غسل دلوا کر جنازہ کی نماز پڑھی حضرت لن زبیرؓ کا جوڑا لگ تھا، نہلانے کے لئے کوئی عضو اٹھایا جاتا تو ہاتھ کے ساتھ چلا آتا تھا، لیکن حضرت اسماءؓ نے یہ کیفیت دیکھ کر صبر کیا کہ خدا کی رحمت ان ہی پارہ پارہ ٹکڑوں پر نازل ہوتی ہے۔

وفات :

حضرت اسماءؓ دعا کرتی تھیں کہ جب تک میں عبد اللہ کی لاش نہ دیکھ لوں مجھے موت نہ آئے (۲) چنانچہ ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت اسماءؓ نے داعی اجل کو لبیک کہا یہ جمادی الاولیٰ ۳۷ ہجری کا واقعہ ہے اس وقت ان کی عمر سو سال کی تھی۔

ولاد :

حسب ذیل ولاد ہوئی، عبد اللہ، منذر، عروہ، مهاجر، خدیجۃ الکبریٰ، ام الحسن،

عائشہ (۳)

حلیہ :

حضرت اسماءؓ بائیں ہبہ کہ سو برس کی تھیں لیکن ایک دانت بھی نہیں گرا تھا اور ہوش و حواس بالکل درست تھے (۴) دراز قد اور کچیم شحیم تھیں اخیر عمر میں پینائی جاتی رہی تھی (۵) فضل و کمال :

آنحضرت ﷺ سے حضرت اسماءؓ نے (۵۶) حدیثیں روایت کی ہیں جو صحیحین اور

(۱) مسلم ج ۲ ص ۳۷۵ (۲) استیعاب ج ۱ ص ۳۶۶ (۳) طبری ج ۳ ص ۲۴۶۱ اور الریاض

النضرة ص ۲۷۹، ۲۸۰ (۴) اصابہ ج ۸ ص ۸ (۵) مسند ج ۶ ص ۳۴۸ و اسد العابدہ ج ۵ ص ۳۹۳

سنن میں موجود ہیں راولوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں۔

عبد اللہ عروہ (پسران) عباد بن عبد اللہ عروہ (نبیرگان) فاطمہ بنت المنذر  
 لن زبیر عبادہ بن حمزہ بن عبد اللہ بن زبیر عبد اللہ بن کیسان (غلام) لن عباس صفیہ بنت شیبہ  
 لن ابی ملیحہ وہب بن کیسان ابو بکر و عامر (پسران) لن زبیر مطلب بن حطب محمد بن منکدر  
 مسلم معری ابو نوفل لن ابو عقرب  
 اخلاق :

حضرت اسماءؓ بالطبع نیکی کی طرف مائل تھیں ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کسوف کی  
 نماز پڑھا رہے تھے نماز کو بہت طول دیا تو حضرت اسماءؓ نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا ان کے  
 پاس دو عورتیں کھڑی تھیں جن میں ایک فربہ اور دوسری لاغر تھی یہ دیکھ کر انہوں نے اپنے  
 دل کو تسلی دی کہ مجھے ان سے زیادہ دیر تک کھڑا رہنا چاہیے (۱) لیکن چونکہ نماز کئی گھنٹے تک ہوئی  
 تھی حضرت اسماءؓ کو غش آگیا اور سر پر پانی چھڑکنے کی نوبت آئی۔ (۲) لن ابی ملیحہ کامیان ہے  
 کہ ان کے سر میں درد ہوتا تو سر پکڑ کر کہتیں یہ میرا گناہ ہے (اور جو گناہ خدا معاف کرتا رہتا ہے  
 وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں)

حق گوئی ان کا خاص شعار تھا اس کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں۔ حجاج بن یوسف  
 جیسے ظالم اور جبار کے سامنے وہ جس صاف گوئی سے کام لیتی تھیں وہ بجائے خود اپنی آپ ہی نظیر  
 ہے ایک دن وہ منبر پر بیٹھا ہوا تھا حضرت اسماءؓ اپنی کنیز کے ساتھ آئیں اور دریافت کیا کہ ”امیر  
 کہاں ہے؟“ معلوم ہوا تو حجاج کے قریب گئیں اس نے دیکھتے ہی کہا ”تمہارے بیٹے نے خدا کے  
 گھر میں الحاد پھیلایا تھا“ اس لئے خدا نے اس کو بڑا دردناک عذاب دیا“ حضرت اسماءؓ نے برجتہ  
 جواب دیا تو جھوٹا ہے وہ طعد نہ تھا بلکہ صائم پار سال اور شب بیدار تھا۔ (۳)

نہایت صابر تھیں حضرت لن زبیرؓ کی شہادت ایک قیامت تھی جو ان کے لئے  
 قیامت کبریٰ بن گئی، لیکن اس میں انہوں نے جس عزم، جس استقلال، جس صبر اور جس تحمل  
 سے کام لیا اس کی حیرت انگیز مثالیں بہت کم نظیریں مل سکتی ہیں۔

حد درجہ خوددار تھیں حجاج بن یوسف جیسے امیر کی نخوت بھی ان کی خودداری کی  
 چٹان سے ٹکرا کر چور چور ہو جاتی تھی۔

بائیں ہمہ نہایت متواضع اور خاکسار تھیں، محنت مشقت میں ان کو بالکل عار نہ تھا،

چنانچہ جب ان کا نکاح ہوا تو حضرت زبیرؓ کے پاس کچھ نہ تھا، صرف ایک اونٹ اور ایک گھوڑا تھا وہ گھوڑے کو دانہ دیتی، پانی بھرتی اور ڈول سیتی تھیں، روٹی پکانی نہیں آتی تھی اس لئے آٹا گوندھ کر رکھتی اور انصار کی بعض عورتیں پکادتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو جو زمین عنایت فرمائی تھی وہاں جا کر وہ چھوہاروں کی گٹھلیاں چنتی اور تین فرلانگ سے سر پر لاد کر لاتی تھیں ایک دن اسی حالت میں آرہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا کہ سوار ہو جائیں، لیکن ان کو شرم معلوم ہوئی اور اونٹ پر نہ بیٹھیں، گھر آ کر حضرت زبیرؓ سے سارا قصہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا سبحان اللہ! سر پر بوجھ لادنے سے شرم نہیں آئی؟ کچھ زمانہ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ان کو ایک غلام دیا جو گھوڑے کی تربیت اور پرداخت کرتا تھا اس وقت حضرت اسماءؓ کی مصیبت کم ہوئی کہتی تھیں فکانما اعقنی یعنی گویا ابو بکرؓ نے مجھ کو آزاد کر دیا۔ (۱)

غربت کی وجہ سے جو کچھ خرچ کرتیں ناپ تول کر خرچ کرتی تھیں، آنحضرت ﷺ نے منع کیا کہ پھر خدا بھی ناپ کر دے گا اس وقت سے یہ عادت چھوڑ دی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمدنی وافر ہو گئی اور پھر کبھی تنگ دست نہیں ہوئیں۔ (۲)

حد درجہ فیاض تھیں، عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو فیاض نہیں دیکھا، حضرت عائشہؓ نے اپنی وفات کے وقت ترکہ میں ایک جنگل چھوڑا تھا جو ان کے حصہ میں آیا تھا، لیکن انہوں نے اس کو لاکھ درہم پر فروخت کر کے کل رقم عزیزوں پر تقسیم کر دی (۳) پڑتیں تو اپنے تمام غلام آزاد کر دیتی تھیں (۴) حضرت زبیرؓ کا مزاج تیز تھا، اس لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ میں بلا اجازت ان کے مال سے فقراء کو خیرات دے سکتی ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے اجازت دی۔ (۵)

ایک مرتبہ ان کی ماں مدینہ میں آئیں اور ان سے روپیہ مانگا، حضرت اسماءؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ مشرک ہیں، کیا ایسی حالت میں ان کی مدد کر سکتی ہوں؟ ارشاد ہوا "ہاں (اپنی ماں کے ساتھ صلح رحمی کرو)۔ (۶)

حضرت اسماءؓ نے کئی حج کئے۔ پہلا حج آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا تھا (۷) اس میں

(۱) بخاری ج ۲ ص ۷۵۶ (۲) مسند ج ۶ ص ۳۵۲ (۳) بخاری باب ہبة الواحد للجماعة

(۴) خلاصہ تہذیب ص ۴۸۸ (۵) مسند ج ۶ ص ۳۵۳ (۶) بخاری ج ۲ ص ۸۸۴ (۷) مسلم ج ۱ ص ۴۷۹

جو کچھ دیکھا تھا (۱) ان کو بالکل یاد نہ تھا چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے بعد جب حج کے لئے آئیں اور مزدلفہ میں ٹھہریں تو رات کو نماز پڑھی پھر اپنے غلام سے پوچھا ”چاند چھپ گیا“ اس نے کہا نہیں، جب چاند ڈوب گیا بولیں کہ اب رومی کے لئے چلو، رومی کے بعد پھر واپس آئیں اور صبح کی نماز پڑھی اس نے کہا آپ نے بڑی عجلت کی فرمایا آنحضرت ﷺ نے پردہ نشینوں کو اس کی اجازت دی ہے (۲) جب کبھی حجوں سے گزرتیں کہتیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یہاں ٹھہرے تھے اس وقت ہمارے پاس بہت کم سامان تھا ہم نے اور عائشہؓ اور زبیرؓ نے عمرہ کیا تھا اور طواف کر کے حلال ہوئے تھے۔ (۳)

نہایت بہادر تھیں، اخلاقی جرأت کے چند واقعات اوپر تحریر ہو چکے ہیں سعید بن عاص کے زمانہ حکومت میں جب اسلام میں فتنہ پیدا ہوا اور بد امنی شروع ہو گئی تو انہوں نے ایک خنجر رکھا تھا لوگوں نے پوچھا اس کا کیا فائدہ ہے؟ بولیں اگر کوئی چور آئے گا تو اس سے اس کا پیٹ چاک کروں گی؟ (۴)

حضرت اسماءؓ کے تقدس کا عام چرچا تھا لوگ ان سے دعا کرتے تھے جب کوئی عورت بخار میں مبتلا ہوتی اور دعا کے لئے آتی تو اس کے سینہ پر پانی چھڑکتیں اور کہتیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو (۵) (حضرت لبن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ بخار آتش جہنم کی گرمی سے ہے اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو) (۶) گھر کا کوئی آدمی بیمار ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ کا جبہ (جس کو حضرت عائشہؓ نے وفات کے وقت ان کے سپرد کیا تھا) دھوتی اور اس کا پانی پلاتی تھیں اس سے بیمار کو شفا ہو جاتی تھی۔ (۷)

## (۳۱) حضرت فاطمہ بنت قیسؓ

نام و نسب :

فاطمہ نام، سلسلہ نسب یہ ہے : فاطمہ بنت قیس بن خالد اکبر بن وہب ثعلبہ بن واکنہ بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر والدہ کا نام امیمہ بنت ربیعہ تھا اور بنی کنانہ سے تھیں۔

(۱) بخاری ج ۱ ص ۲۳۷ (۲) ایضاً (۳) ایضاً (۴) ذیل طبری ج ۱۳ ص ۲۴۶۱

(۵) بخاری ج ۲ ص ۸۵۲ (۶) ایضاً باب الحمی میں فیح جہنم (۷) مسند ج ۶ ص ۳۴۸



نکاح:

ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ سے نکاح ہوا۔

اسلام:

اسلام کے ابتدائی دور میں ایمان لائیں۔

ہجرت:

اور ہجرت کی۔

عام حالات:

۱۰۔ ہجری میں حضرت علیؓ ایک لشکر لے کر یمن گئے تھے، ابو عمرو بھی ان کے ساتھ تھے، چلتے وقت عیاش بن ابی ریبیعہ کی معرفت اپنی بیوی کو آخری طلاق (دو طلاق پہلے دے چکے تھے) اور ۵۵ صاع جو اور خرے بچھے حضرت فاطمہؓ نے کھانے اور مکان کا مطالبہ کیا تو عیاش نے کہا کہ جو کچھ دیا گیا محض احسان ہے ورنہ ہمارے ذمہ یہ بھی ضروری نہیں اس جواب پر فاطمہ کو غصہ آیا اور اپنے کپڑے لیکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گئیں خالد بن ولیدؓ وغیرہ بھی پہنچے، آپ نے دریافت کیا کہ انہوں نے تم کو کتنے مرتبہ طلاق دی ہو لیس ۳ مرتبہ فرمایا۔ اب تم کو نفقہ نہیں مل سکتا۔ (۱) تم ام شریک کے ہاں عدت کے دن پورے کرو لیکن چونکہ ام شریک کے اعزہ و اقارب ان کے مکان میں آتے جاتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”لن مکتوم نابینا اور تمہارے لن عم ہیں اس لئے بہتر ہے کہ تم ان کے ہاں رہو“ عدت کا زمانہ پورا ہوا تو ہر طرف سے پیغام آئے امیر معاویہؓ ابو جہم اور اسامہ بن زیدؓ نے بھی پیغام دیا لیکن آنحضرت ﷺ نے پہلے دو شخصوں کا پیغام اس لئے مسترد کر دیا کہ اول الذکر مفلس اور دوسرے تند مزاج تھے پھر فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم اسامہؓ سے نکاح کر لو چونکہ فاطمہؓ کو خیال تھا کہ خود آنحضرت ﷺ ان کو اپنی زوجیت کا شرف عطا فرمائیں گے اس لئے انکار کیا ارشاد ہوا ”خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اس میں تمہارے لئے بھلائی ہے“ یہ سن کر فاطمہؓ مجبور ہوئیں اور حضرت اسامہؓ سے نکاح کر لیا، کہتی ہیں کہ پھر میں قابل رشک بن گئی۔ (۲)

۲۳۔ ہجری میں جب حضرت عمرؓ نے انتقال کیا تو مجلس شوریٰ کا اجلاس فاطمہؓ ہی

کے مکان میں ہوتا تھا۔ (۳)

(۱) عدت کے اندر عورت کا کھانا کپڑا اسی مرد کے ذمہ ہے جس نے طلاق دی ہے حضرت فاطمہؓ بنت قیس کی اس روایت کے متعلق بیوی بحث ہے جس کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے۔ (۲) مسلم ج ۱ ص ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵

مسند ج ۶ ص ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، (۳) اسد الغابہ ج ۸ ص ۸۲۶

۵۳ ہجری میں حضرت اسامہؓ نے انتقال فرمایا فاطمہؓ کو سخت صدمہ ہوا دوسری شادی نہیں کی اور اپنے بھائی ضحاکؓ کے ساتھ رہیں جب یزید نے اپنے عہد حکومت میں ان کو عراق کا گورنر مقرر کیا تو فاطمہؓ بھی ان کے ساتھ کوفہ چلی آئیں اور یہیں سکونت اختیار کی۔

وفات :

وفات کا سال معلوم نہیں، حضرت ابن زبیرؓ کے زمانہ خلافت تک زندہ تھیں۔ (۱)

حلیہ :

خوبصورت تھیں۔ (۲)

فضل و کمال :

اسد الغابہ میں ہے :

لها عقل و کمال (ص ۵۲۶ ج ۵)  
”یعنی وہ عنایت عقیل اور صاحب کمال تھیں۔“

حضرت سعید بن زید کی صاحبزادی، عبداللہ بن عمرو (بن عثمان) کو منسوب تھیں، انہوں نے ان کو تین طلاقیں دیں، فاطمہؓ ان کی خالہ ہوتی تھیں کہلا بھیجا کہ میرے گھر چلی آؤ مروان نے قیصہ کو بھیجا کہ فاطمہؓ سے سبب دریافت کرو، قیصہ نے آ کر کہا کہ آپ ایک عورت کو لیا م عدت گزرنے سے قبل کیوں گھر سے نکالتی ہیں، بولیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو یہی حکم دیا تھا اس کے بعد اپنا واقعہ بیان کیا اور اس کی قرآن مجید سے تائید کی، قرآن مجید میں ہے :

إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ (طلاق ۱)

”جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو عدت کے وقت تک طلاق دو اور عدت کو شمار کرو اور خدا سے ڈرو اور ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ نکلیں مگر یہ کہ کھلی ہوئی بے حیائی کی مرتکب ہوں“

یہ مراجعہ کی صورت تھی اس کے بعد ہے۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ (طلاق ۲)

”پس جب میعاد کو پہنچ جائیں تو ان کو اچھی طرح روکے رکھو یا اچھی طرح جدا کر دو“

اس بناء پر تین مرتبہ کے بعد پھر کسی صورت کا احتمال نہیں ہے، اس کے بعد فرمایا کہ چونکہ تمہارے نزدیک عورت جب تک حاملہ نہ ہو اس کا نفقہ نہ دینا چاہیے اس لئے اس کو روک رکھنا بالکل بیکار ہے (جب مروان کو حضرت فاطمہؓ کی اس گفتگو کی اطلاع ہوئی تو کہا کہ یہ ایک عورت کی بات ہے اور ان مطلقہ خاتون کو حکم دیا کہ اپنے گھر واپس آئیں، چنانچہ وہ واپس آئیں اور وہیں عدت گزارى) (۱)

فاطمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، جو متعدد اشخاص کے ذریعہ سے مروی ہیں ان میں سے چند نام یہ ہیں۔

قاسم بن محمد، ابو بکر بن ابوالجهم، ابو سلمہ، سعید بن مسیب، عروہ، عبد اللہ بن عبد اللہ، اسود، سلیمان بن یسار، عبد اللہ البہی، محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان، شعبی، عبد الرحمن ابن عاصم، تمیم  
اخلاق :

عادات و اخلاق نہایت شریفانہ تھے، شعبی جو ان کے شاگرد تھے، ملنے کو آئے تو انہوں نے چھوہارے کھلائے اور ستوپلایا۔ (۲)

## (۳۲) حضرت شفاء بنت عبد اللہؓ

نام و نسب :

شفاء نام قبیلہ قریش کے خاندان عدی سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے : شفاء بنت عبد اللہ بن عبد شمس بن خلف بن سدا بن عبد اللہ بن قرظ بن زراح بن عدی بن کنعہ بن لوی، والدہ کا نام فاطمہ بنت وہب بن عمرو بن عائد بن عمر بن مخزوم تھا۔  
نکاح :

ابو حشمہ بن حذیفہ عدوی سے نکاح ہوا۔

اسلام :

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں۔ (۳)

(۱) مسلم ج ۱ ص ۵۸۴ و مسند ج ۶ ص ۴۱۵، ۴۱۶ (۲) مسلم ج ۱ ص ۵۸۵

(۳) اصابہ ج ۸ ص ۲۰

عام حالات :

آنحضرت ﷺ سے ان کو بہت محبت تھی آپ ﷺ کبھی ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے انہوں نے آپ کے لئے علیحدہ پنچھونا اور ایک تہہ رکھ چھوڑی تھی چونکہ ان میں آنحضرت ﷺ کا پسینہ جذب ہوتا تھا یہ بڑی متبرک چیزیں تھیں حضرت شفاءؓ کے بعد ان کی اولاد نے ان تبرکات کو نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا لیکن مروان نے ان سے یہ سب چیزیں لے لیں۔ (۱)

آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک مکان بھی عنایت فرمایا تھا اور وہ اپنے بیٹے کے ساتھ اسی میں سکونت پذیر تھیں۔ (۲)

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کے ساتھ خاص رعایتیں کیں۔ چنانچہ ابن سعد میں ہے :-

كان عمر يقدر مهافى الرأى ويرعاها وفضلها وربما ولا هلثينا من امر السوق (۳)  
”حضرت عمرؓ ان کو رائے میں مقدم رکھتے ان کی فضیلت کی رعایت کرتے اور ان کو بازار کا اہتمام سپرد کرتے تھے۔“

وفات :

وفات کا سنہ معلوم نہیں۔

اولاد :

اولاد میں دو کا پتہ چلتا ہے، سلیمان اور ایک لڑکی جو شرجیل بن حسنہ کو منسوب تھی۔

فضل و کمال :

جاہلیت میں دو چیزوں میں مشہور تھیں، جھاڑ پھونک اور لکھنا، جھاڑ پھونک کے متعلق آنحضرت ﷺ سے انہوں نے استفسار کیا تھا، آنحضرت ﷺ نے اجازت دی تھی اور فرمایا تھا کہ حصہ کو بھی سکھا دو، لکھنے کے متعلق بھی یہی ارشاد ہوا تھا (۴) چیونٹی کے کاٹے میں یہ منتر پڑھتی تھیں۔ بسم اللہ صلو صلب جبر تعوذ امن اقواہا فلا مضر اهدا اللہم اکشف الباس

رب الناس. (۵)

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۸۶ (اصابہ ج ۸ ص ۱۲۱) (۲) اصابہ ۱۲۱ بحوالہ ابن سعد

(۳) اصابہ ص ۱۲۱ (۴) مسند ج ۶ ص ۳۷۳ (۵) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۸۷

حضرت شفاء نے آنحضرت ﷺ اور حضرت عمرؓ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں جن کی تعداد صاحب خلاصہ کے نزدیک بارہ ہے، راویوں میں ان کے بیٹے اور دو پوتے ابو بکر و عثمان اور ابو سلمہ، حضرت حصہؓ ابواحق شامل ہیں۔  
اخلاق :

اسد الغابہ میں ہے: (۱)

كانت من عقلاء النساء و فضلائهن

”یعنی وہ بڑی عاقلہ اور فاضلہ تھیں“

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ان کو بلا کر ایک چادر عنایت کی اور عاتکہ بنت اسید کو ان سے بہتر چادر دی، تو یولیس ہمارے ہاتھ غبار آلود ہوں، ان کو مجھ سے بہتر چادر دی حالانکہ میں ان سے پہلے مسلمان ہوئی تمہاری بنت عم بھی ہوں اس کے علاوہ تم نے مجھ کو طلب کیا تھا اور یہ خود چلی آئیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں تمہیں عمدہ چادر دیتا لیکن جب یہ آگئیں تو مجھے ان کی رعایت کرنی پڑی کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ سے نسبتاً قریب تر ہیں۔ (۲)

## (۳۳) حضرت زینب بنت ابی معاویہ

نام و نسب :

زینب نام رانطہ عرف قبیلہ ثقیف سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے: زینب بنت عبد اللہ، ابی معاویہ بن معاویہ بن عتاب بن اسعد بن غاضرہ بن حطیط بن جشم ابن ثقیف۔

نکاح :

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے نکاح ہوا، چونکہ ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اور زینبؓ دستکار تھیں۔ اس لئے اپنے شوہر اور لولاد کی خود کفیل ہوئیں، ایک دن کہنے لگیں کہ تم نے اور تمہاری لولاد نے مجھ کو صدقہ و خیرات سے روک رکھا ہے، جو کچھ کماتی ہوں تم کو کھلا دیتی ہوں، بھلا اس میں میرا کیا فائدہ؟ حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا تم اپنے فائدہ کی صورت نکال لو، مجھ کو تمہارا نقصان منظور نہیں، حضرت زینبؓ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور عرض کی

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۸۶ (۲) ایضاً ج ۵ ص ۴۹۷ حالات عاتکہؓ

کہ میں دست کار ہوں اور جو کچھ اس سے پیدا کرتی ہوں شوہر اور بال بچوں پر صرف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ میرے شوہر کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے اس بناء پر میں محتاجوں کو صدقہ نہیں دے سکتی۔ اس حالت میں کیا مجھ کو کچھ ثواب ملتا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں تم کو ان کی خبر گیری کرنا چاہیے۔ (۱)

عام حالات :

حضرت زینبؓ کے حالات بہت کم معلوم ہیں سال وفات کا بھی یہی حال ہے۔

اولاد :

ابو عبیدہؓ جو اپنے زمانہ کے مشہور محدث گزرے ہیں حضرت زینبؓ کے نور نظر

تھے۔

فضل و کمال :

آنحضرت ﷺ کی حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ سے چند حدیثیں روایت کیں، راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں۔ ابو عبیدہ، عمرو بن حارث بن ابی ضرار، بسر بن سعید، عبید بن سباق، کلثوم، محمد بن عمرو بن حارث۔

اخلاق :

بارگاہ نبوت میں ان کو مخصوص درجہ حاصل تھا۔ اکثر آپ کے مکان میں آتی جاتی تھیں ایک دن وہ آپ کے سر کی جویں دیکھ رہی تھیں، مہاجرین کی اور عورتیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں، ایک مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے اپنے کام چھوڑ کر بولنا شروع کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم آنکھ سے نہیں بولتی ہو کام بھی کرو اور گفتگو بھی۔ (۲)

## (۳۴) حضرت اسماء بنت یزید

نام و نسب :

اسماء نام، ام سلمہ کنیت۔ سلسلہ نسب یہ ہے: اسماء بنت یزید بن اسکن بن رافع بن امرء القیس بن زید بن عبدالاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

اسلام:

ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں اور چند عورتوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بیعت کے لئے آئیں۔ آپ صحابہؓ کے مجمع میں تشریف فرما تھے انہوں نے عرض کی کہ ”مسلمان عورتوں کی طرف سے ایک پیغام لے کر آئی ہوں خدا نے آپ کو مرد اور عورت سب کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے، ہم نے آپ کی پیروی کی ہے اور آپ پر ایمان لائے ہیں لیکن ہماری حالت مردوں سے بالکل جداگانہ ہے، ہم پردہ نشین ہیں اس لئے جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہو سکتے اور مرد جمعہ و جماعت میں شریک ہوتے ہیں، مریضوں کی عیادت کرتے ہیں، نماز جنازہ پڑھتے ہیں، حج کو جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جہاد کرتے ہیں لیکن ان تمام صورتوں میں ہم گھر میں بیٹھ کر ان کی اولاد کو پالتے ہیں، گھروں کی حفاظت کرتے ہیں، کپڑوں کے لئے چرخہ کاتتے ہیں، تو کیا اس صورت میں ہم کو بھی کچھ ثواب ملے گا“ آنحضرت ﷺ نے سنا تو صحابہؓ سے فرمایا کہ تم نے کسی عورت سے ایسی گفتگو بھی سنی ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں، آپ ﷺ نے اسماء کو جواب دیا نہیں، آپ نے اسماء کو جواب دیا کہ عورت کے لئے شوہر کی رضا جوئی نہایت ضروری چیز ہے، اگر وہ فرائض زوجیت ادا کرتی ہے اور شوہر کی مرضی پر چلتی ہے تو مرد کو جس قدر ثواب ملتا ہے، عورت کو بھی اسی قدر ملتا ہے۔ (۱)

جامع ترمذی، لن سعد لور مسند لن حنبل میں اس بیعت کا کسی قدر تذکرہ آیا ہے۔ مندرجہ میں ہے کہ اس بیعت میں اسماءؓ کی خالہ بھی شریک تھیں جو سونے کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنے تھیں، آپ نے فرمایا ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ بولیں نہیں تو فرمایا تو کیا تم کو یہ پسند ہے کہ خدا آگ کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنائے، حضرت اسماءؓ نے کہا خالہ ان کو اتار دو، چنانچہ فوراً تمام چیزیں اتار کر پھینک دیں اسماءؓ نے کہا یا رسول اللہ! ہم زیور نہ پہنیں گے تو شوہر بے وقعت سمجھے گا ارشاد ہوا ”تو پھر چاندی کے زیور، بنو لور ان پر زعفران مل لو کہ سونے کی چمک پیدا ہو جائے“

غرض ان باتوں کے بعد جب بیعت کا وقت آیا آنحضرت ﷺ نے زبانی چند اقرار کرائے حضرت اسماءؓ نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں اپنا ہاتھ بڑھائے فرمایا، میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ کنگن کا واقعہ خود حضرت اسماءؓ کا تھا۔ (۱)

عام حالات :

۱۵ ہجری میں حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوئی اور وہ اپنے میکہ سے کاشانہ نبوت میں آئیں، تو جن عورتوں نے ان کو سنوارا تھا ان میں حضرت اسماءؓ بھی داخل تھیں حضرت عائشہؓ کو جلوے میں بٹھا کر آنحضرت ﷺ کو اطلاع کی، آپ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئے، کسی نے دودھ پیش کیا تو تھوڑا سا پی کر حضرت عائشہؓ کو دے دیا ان کو شرم معلوم ہوئی اور سر جھکا لیا، حضرت اسماءؓ نے ڈانٹا کہ رسول اللہ ﷺ جو دیتے ہیں، لے لو، حضرت عائشہؓ نے دودھ لے کر کسی قدر پی لیا اور پھر آنحضرت ﷺ کو واپس کر دیا آنحضرت ﷺ نے حضرت اسماءؓ کو دیا انہوں نے پیالہ کو گھٹنے پر رکھ کر گردش دینا شروع کیا کہ جس طرف سے آنحضرت ﷺ نے نوش فرمایا تھا وہاں بھی منہ لگ جائے اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اور عورتوں کو بھی دو، لیکن سب نے جواب دیا کہ ہم کو اس وقت خواہش نہیں ہے ارشاد ہوا ”بھوک کے ساتھ جھوٹ بھی“؟ (۲)

۱۵ ہجری یرموک کا واقعہ پیش آیا اس میں حضرت اسماءؓ نے اپنے خیمہ کی چوب سے

۹ رومیوں کو قتل کیا۔ (۳)

وفات :

یرموک کے بعد مدت تک زندہ رہیں اور پھر وفات پائی، وفات کا سال معلوم نہیں

فضل و کمال :

حضرت اسماءؓ نے آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، جن کے رلوی اصحاب ذیل ہیں۔ محمود بن عمرو انصاری، ماجربن ابی مسلم، شہر بن حوشب، مجاہد، اسحاق بن راشد، لیکن ان میں سب سے زیادہ شہر بن حوشب نے روایتیں کی ہیں۔

اخلاق :

استیعاب میں ہے :

كانت من ذوات العقل والدين

(۱) ان واقعات کے لئے دیکھو مسند ج ۶ ص ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۶۰، ۴۶۱، (۲) مسند ج ۶ ص ۴۵۸

(۳) اصباہ ج ۸ ص ۱۳



”یعنی وہ عقل اور دین دونوں سے متصف تھیں“

آنحضرت ﷺ کی خدمت کرتی تھیں (۱) ایک مرتبہ ناقہ غضباء کی مہارت تھامے تھیں کہ آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوئی ان کا بیان ہے کہ وحی کا اتنا بار تھا کہ مجھے خوف ہوا کہ کہیں لونٹنی کے ہاتھ پاؤں نہ ٹوٹ جائے (۲) حضرت اسماءؓ اکثر اوقات کا شانہ نبوت میں حاضر ہوتیں ایک مرتبہ بیٹھی تھیں کہ آنحضرت ﷺ نے دجال کا ذکر فرمایا، گھر میں کھرام مچ گیا آنحضرت ﷺ دوبارہ واپس آئے تو وہی حالت قائم تھے، فرمایا کیوں روتی ہو؟ حضرت اسماءؓ نے کہا ہماری حالت یہ ہے کہ لونڈی آتا گوندھنے بیٹھی ہے، ہم کو سخت بھوک ہوتی ہے وہ پکا کر فارغ نہیں ہوتی کہ ہم بھوک سے پیتاب ہو جاتے ہیں، پھر دجال کے زمانہ میں جو قحط پڑے گا اس پر کیوں کر صبر کر سکیں گے (یعنی فوراً اس کے دام میں پھنس جائیں گے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اس دن تسبیح و تکبیر بھوک سے پچائے گی پھر کہا رونے کی ضرورت نہیں اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو میں خود سینہ سپر ہوں گا، ورنہ میرے بعد خدا ہر مسلمان کی حفاظت کرے گا۔ (۳)

مہمان نواز تھیں (ایک بار حضرت) شہر بن حوشبؓ آئے تو (انہوں نے) ان کے سامنے کھانا رکھا (حضرت شہر بن حوشب نے) انکار کیا تو آنحضرت ﷺ کا ایک واقعہ بیان کیا (جس سے یہ اشارہ مقصود تھا کہ انکار کرنا مناسب نہیں، انہوں نے کہا اب دوبارہ ایسی غلطی نہ کروں گا) (۴)

### (۳۵) حضرت ام الدرداءؓ

نام و نسب :

ام الدرداءؓ دو تھیں۔ اور دونوں حضرت ابو الدرداءؓ کے عقد نکاح میں آئیں۔ لیکن جو بڑی تھیں وہ صحابیہ ہیں امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کے قول کے مطابق ان کا نام خیرہ تھا اور ابو حدرداسلمی کی صاحب زلای تھیں۔

وفات :

حضرت ابو الدرداءؓ سے دو سال قبل شام میں وفات پائی۔ یہ خلافت عثمانی کا زمانہ تھا۔

فضل و کمال :

حافظ لکن عبدالبر لکھتے ہیں :

(۱) مسند ج ۶ ص ۴۵۹ (۲) ایضاً ص: ۴۵۵، ۴۵۸ (۳) مسند ج ۶ ص ۴۵۳، ۴۵۴

(۴) ایضاً ۴۵۸

كانت من فضلى النساء و عقلائهن وذوات الراى فيهن (۱)

”وہ بڑی عاقلہ اور فاضلہ اور صاحب الرائے تھیں“

آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو الدرداءؓ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں ان کے شاگرد میمون بن مہران ہیں جن کی سماعت پر جمہور کا اتفاق ہے حافظ ابن عبد البر نے بعض اور روایوں کے نام بھی لکھے ہیں لیکن یہ سخت غلطی ہے کیوں کہ ان میں سے کسی نے ام الدرداءؓ کا زمانہ نہیں پایا۔

اخلاق :

نہایت عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ (۲)

## (۳۶) حضرت ام حکیمؓ

نام و نسب :

قریش کے خاندان مخزوم سے تھیں باپ کا نام حارث بن ہشام بن المغیرہ اور ماں کا نام فاطمہ بنت الولید تھا۔ فاطمہ حضرت خالد بن الولید کی ہم شیر تھیں۔

نکاح :

عکرمہ بن ابو جہل سے (جو ان کے لن عم تھے) شادی ہوئی۔

عام حالات :

غزوہ احد میں کفار کے ساتھ شریک تھیں۔ لیکن جب ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا تو پھر اسلام سے چارہ نہ تھا ان کا خسر (ابو جہل) مکہ میں اسلام کا سب سے بڑا دشمن اور کفر کا سرغنہ رہ چکا تھا شوہر عکرمہ کی رگوں میں اسی کا خون دوڑتا تھا (ماموں) خالد بھی مدت سے اسلام سے برسر پیکار رہ چکے تھے لیکن بایں ہمہ ام حکیمؓ نے اپنی فطری سلامت روی کی بناء پر فتح مکہ میں اسلام قبول کرنے میں بہت عجلت کی۔ ان کے شوہر جان بچا کر یمن بھاگ گئے تھے ام حکیمؓ نے ان کے لئے امن کی درخواست کی تو رحمت عالم کا دامن عفو نہایت کشادہ تھا غرض یمن جا کر ان کو واپس لائیں اور عکرمہ نے صدق دل سے اسلام قبول کیا حضرت عکرمہؓ نے

(۱) اصابہ ج ۸ ص ۷۳

(۲) اصابہ ج ۸ ص ۷۳

مسلمان ہو کر اپنے تمام گناہوں کا کفارہ لیا اور اپنی نہایت جوش سے غزوات میں شرکت کی اور بڑی پامردی اور جاں بازی سے لڑے حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ خلافت میں رومیوں سے جنگ چھڑی۔ حضرت عکرمہؓ ام حکیمؓ کو لے کر شام گئے اور اجنادین کے معرکہ میں دلا شجاعت دیکر شہادت حاصل کی۔ حضرت ام حکیمؓ نے عدت کے بعد خالد بن سعید بن العاص سے نکاح کیا ۴۰۰ سو دینار مہر بندھا اور رسم عروسی ادا کرنے کی تیاریاں ہوئیں، چونکہ نکاح مرج الصفر میں ہوا تھا جو دمشق کے قریب ہے اور ہر وقت رومیوں کے حملہ کا اندیشہ تھا۔ حضرت ام حکیمؓ نے خالد سے کہا کہ ابھی توقف کرو، لیکن خالد نے کہا کہ مجھے اسی معرکہ میں اپنی شہادت کا یقین ہے، غرض ایک پل کے پاس جو اب قطرہ ام حکیمؓ کہلاتا ہے، رسم عروسی ادا ہوئی دعوت ولیمہ سے لوگ فارغ نہیں ہوئے تھے کہ رومی آہنچے اور لڑائی شروع ہو گئی خالد میدان جنگ میں گئے اور شہادت حاصل کی، حضرت ام حکیمؓ اگرچہ عروس تھیں تاہم انھیں کپڑوں کو باندھا اور خیمہ کی چوب اکھاڑ کر کفار پر حملہ کیا، لوگوں کا بیان ہے کہ انہوں نے اس چوب سے سات کافروں کو قتل کیا تھا۔ (۱)

وفات:

حضرت ام حکیمؓ کی وفات کا زمانہ معلوم نہیں، اولاد کا بھی یہی حال ہے۔

## (۳۷) حضرت خنساءؓ

نام و نسب:

تماضر نام، خنساء لقب، قبیلہ قیس کے خاندان سلیم سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے:  
خنساء بنت عمرو بن الشرید بن رباح بن یقط بن عصبیہ بن خفاف بن امرء القیس بن بہشہ بن سلیم بن منصور بن عکرمہ بن حصہ بن قیس بن عیلان بن مضر مجد کی رہنے والی تھیں۔

نکاح:

پہلا نکاح قبیلہ سلیم کے ایک شخص رواحہ بن عبدالعزیٰ سے ہوا، اس کے انتقال کے بعد مروان بن ابوعامر کے عقد نکاح میں آئیں۔ (۲)

اسلام :

پیری کا زمانہ تھا کہ مکہ کے افق سے ماہتاب رسالت طلوع ہوا، حضرت خنساءؓ کو خبر ہوئی تو اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ مدینہ میں آئیں اور مشرف باسلام ہوئیں، آنحضرت ﷺ دیر تک ان کے اشعار سنتے اور تعجب کرتے رہے، یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے۔  
عام حالات :

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جب قادسیہ (عراق) میں جنگ ہوئی تو حضرت خنساء اپنے چار بیٹوں کو لیکر میدان میں آئیں اور ان کو مخاطب کر کے یہ نصیحت کی، پیارے بیٹو! تم نے اسلام اور ہجرت اپنی مرضی سے اختیار کی ہے، ورنہ تم اپنے ملک کو بھاری نہ تھے، ورنہ تمہارے یہاں قحط پڑا تھا، بلو جو اس کے تم اپنی بوڑھی ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا، خدا کی قسم! تم ایک ماں اور باپ کی لولاد ہو میں نے نہ تمہارے باپ سے خیانت کی، ورنہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا تم جانتے ہو کہ دنیا فانی ہے اور کفار سے جو جہاد کرنے میں بڑا ثواب ہے، خدا تعالیٰ فرماتا ہے یا ایہا الذین امنوا الصبروا وصابروا ورابطوا اس بنا پر صبح اٹھ کر لڑنے کی تیاری کرو اور آخر وقت تک لڑو“ (۲) چنانچہ بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اٹھائیں اور نہایت جوش میں رجز پڑھتے ہوئے بڑھے اور شہید ہوئے، حضرت خنساءؓ کو خبر ہوئی تو خدا کا شکر لیا۔

حضرت عمرؓ ان لڑکوں کو ۲۰۰ درہم سالانہ وظیفہ عطا کرتے تھے ان کی شہادت کے بعد یہ رقم حضرت خنساءؓ کو ملتی رہی۔ (۲)

وفات :

اس واقعہ کے دس برس کے بعد حضرت خنساءؓ نے وفات پائی۔ سال وفات ۲۳ ہجری ہے۔

لولاد :

چار لڑکے تھے جو قادسیہ میں شہید ہوئے ان کے نام یہ ہیں ”عبداللہ“ ابو شجرہ (پہلے شوہر سے) زید، معاویہ (دوسرے شوہر سے)“  
فضل و کمال :

اقسام سخن میں سے مرثیہ میں حضرت خنساءؓ اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں صاحب

اسد الغابہ لکھتے ہیں۔ (۱)

اجمع اهل العلم بالشعراء لم تكن امرأة قبلها ولا بعدها اشعر منها

”یعنی ناقدان سخن کا فیصلہ ہے کہ خنساء کے برابر کوئی عورت شاعر نہیں پیدا ہوئی“

لیلائے اخیلیہ کو شعراء نے تمام شاعر عورتوں کا سرتاج تسلیم کیا ہے تاہم اس میں بھی حضرت خنساءؓ مستثنیٰ رکھی گئی ہیں (۲) بازار عکاظ میں جو شعراء عرب کا سب سے بڑا مرکز تھا، حضرت خنساءؓ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ ان کے خیمے کے دروازے پر ایک علم نصب ہوتا تھا جس پر یہ الفاظ لکھے تھے ارثی العرب یعنی عرب میں سب سے بڑی مرثیہ گو، نابغہ جو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا شاعر تھا اس کو حضرت خنساءؓ نے اپنا کلام سنایا تو بولا کہ اگر میں ابو بصیر (اعشی) کا کلام نہ سن لیتا تو تجھ کو تمام عالم میں سب سے بڑا شاعر تسلیم کرتا“ (۳)

حضرت خنساءؓ ابتداءً ایک دو شعر کہتی تھیں بلکہ صحر کے مرنے سے ان کو جو صدمہ پہنچا اس نے ان کی طبیعت میں ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا چنانچہ کثرت سے مرثیے لکھے ہیں یہ شعر خاص طور پر مشہور ہیں :-

وان صخر التاتم الهداة به      كانه علم في راسه نار

صحر کی بڑے بڑے لوگ اقتدا کرتے ہیں گویا وہ ایک پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ روشن ہے  
حضرت خنساءؓ کا دیوان بہت ضخیم ہے ۱۸۸۸ء میں بیروت میں مع شرح کے چھاپا گیا ہے اس میں حضرت خنساءؓ کے ساتھ ۶۰ عورتوں کے اور بھی مرثیے شامل ہیں ۱۸۸۹ء میں اس کا فرنچ زبان میں ترجمہ ہوا اور دوبارہ طبع کیا گیا۔

## (۳۸) حضرت ام حرامؓ

نام و نسب :

نام معلوم نہیں، ام حرام کنیت تھی، قبیلہ خزرج کے خاندان بنو نجار سے تھیں سلسلہ نسب یہ ہے: ام حرام بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جند بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔ والدہ کا نام ملیکہ تھا جو مالک بن عدی بن زید بن مناة بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار کی دختر تھیں۔ اس بناء پر ام حرامؓ حضرت ام سلیمؓ کی بہن اور حضرت انسؓ کی خالہ ہوتی ہیں

(۱) ایضاً ص ۴۴۱ (۲) طبقات الشعراء ص ۲۷۱ (۳) ایضاً ص ۱۹۸

آنحضرت ﷺ سے بھی ان کا یہی رشتہ تھا۔

نکاح:

عمرو بن قیس انصاریؓ سے ہوا۔<sup>(۱)</sup> لیکن جب انہوں نے احد میں شہادت پائی تو حضرت عبادہ بن صامت کے عقد نکاح میں آئیں جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔

عام حالات اور وفات:

آنحضرت ﷺ جب کبھی قباء کی طرف تشریف لے جاتے تو حضرت ام حرامؓ کے گھر آتے اور کھانا نوش فرماتے تھے حجۃ الوداع<sup>(۲)</sup> کے بعد ایک روز آپ ﷺ تشریف لائے اور کھانا کھا کر آرام فرمایا تو حضرت ام حرام نے جویں دیکھنا شروع کیں آپ کو نیند آگئی لیکن تھوڑی دیر کے بعد مسکراتے ہوئے اٹھے اور فرمایا میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ یہ کہ ”میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں غزوہ کے ارادہ سے سوار ہیں“ حضرت ام حرامؓ نے کہا ”یا رسول اللہ! دعا کیجئے کہ میں بھی ان میں شامل ہوں“ آپ نے دعا کی اور پھر آرام فرمایا۔ کچھ دیر کے بعد پھر مسکراتے ہوئے اٹھے اور اسی خواب کا اعادہ کیا حضرت ام حرامؓ نے پھر اپنی شرکت کے لئے دعا کی درخواست کی فرمایا تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو اس خواب کی تعبیر ۲۸ ہجری میں پوری ہوئی۔

حضرت امیر معاویہؓ حضرت عمرؓ کی طرف سے شام کے حاکم تھے انہوں نے متعدد بار جزائر پر حملہ کرنے کی خواہش ظاہر کی، لیکن حضرت عمرؓ نے اجازت نہیں دی حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں انہوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو اجازت ملی، انہوں نے جزیرہ قبرس (سائپرس) پر حملہ کرنے کے لئے ایک بیڑا تیار کیا اس حملہ میں بہت سے صحابہ شریک تھے حضرت ابوذرؓ، حضرت ابو الدرداءؓ، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ام حرامؓ بھی ان ہی میں داخل تھیں<sup>(۳)</sup> بیڑا حمص<sup>(۴)</sup> کے ساحل سے روانہ ہوا اور قبرس فتح ہو گیا واپسی میں حضرت ام حرامؓ سواری پر چڑھ رہی تھیں کہ نیچے گریں اور جاں بحق تسلیم ہوئیں لوگوں نے ان کو وہیں دفن کر دیا۔<sup>(۵)</sup>

(۱) تہذیب ج ۱۲ ص ۴۶۲ (۲) زرقانی ج ۲ ص ۶۶ و اصاہ ج ۸ ص ۲۲۲-۲۲۳

(۳) اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۷۵ (۴) زرقانی ص ۶۱ (۵) بخاری ج ۲ ص ۹۲۹

اولاد :

حضرت ام حرامؓ سے ۳ لڑکے پیدا ہوئے پہلے شوہر سے قیس اور عبد اللہ اور حضرت عبادہؓ سے محمد۔  
فضل و کمال :

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کیں، رلو یوں میں حضرت عبادہؓ، حضرت انسؓ، عمرو بن اسود، عطاء بن یسار اور یعلیٰ بن شداد بن اوس ہیں۔

### (۳۹) حضرت ام ورقہ بنت عبد اللہ

نام و نسب :

نام معلوم نہیں، ام ورقہ کنیت اور انصار کے کسی قبیلہ سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے ام ورقہ بنت عبد اللہ بن حارث بن عویمر بن نوفل۔

اسلام :

ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں۔

غزوات :

غزوہ بدر پیش آیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے شرکت کی اجازت مانگی کہ مریضوں کی تیمارداری کروں گی، ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں شہادت نصیب ہو، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”تم گھر میں رہو خدا تم کو وہیں شہادت عطا فرمائے گا“

شہادت :

چونکہ قرآن پڑھی ہوئی تھیں اور آنحضرت ﷺ نے ان کو عورتوں کا امام بنایا تھا۔ اس لئے درخواست کی کہ ایک مؤذن بھی مقرر فرمائیے چنانچہ مؤذن اذان دیتا اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں<sup>(۱)</sup> راتوں کو قرآن پڑھا کرتیں انہوں نے ایک لونڈی اور ایک غلام کو مدبر بنایا یعنی اس شرط پر آزادی کا وعدہ کیا تھا کہ میرے بعد تم آزاد ہو ان بد بختوں نے اس وعدے سے (ناجائز) فائدہ اٹھانا چاہا، اور رات کو ایک چادر ڈال کر ان کا کام تمام کر دیا یہ خلافت فاروقی کا واقعہ ہے۔ صبح کو حضرت عمرؓ نے لوگوں سے پوچھا، آج خالہ کے پڑھنے کی آواز نہیں آئی، معلوم نہیں

(۱) عورتوں کی امامت کے متعلق دیباچہ کے ص ۱۰ پر ایک نوٹ ہے وہ ملاحظہ ہو۔

کیسی ہیں؟ مکان میں گئے تو دیکھا کہ ایک چادر میں لپٹی پڑی ہوئی ہیں، نہایت افسوس ہو اور فرمایا خدا اور رسول ﷺ نے سچ کہا تھا آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے ”شہیدہ کے گھر چلو“ اس کے بعد منبر پر چڑھے اور کہا غلام لور لو نڈی دونوں گرفتار کئے جائیں، چنانچہ وہ گرفتار ہو کر آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو سولی پر لٹکادیا (یہ دونوں وہ پہلے مجرم ہیں) جن کو مدینہ منورہ میں سولی دی گئی۔<sup>(۱)</sup>

## (۴۰) حضرت ہند

نام و نسب:

ہند نام، قبیلہ قریش سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے۔ ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف، ہند کلاب قریش کا سب سے معزز رئیس تھا۔ نکاح:

فاکہ بن مغیرہ مخزومی سے نکاح ہوا، لیکن پھر کسی وجہ سے جھگڑا ہو گیا، تو ابو سفیان بن حرب کے عقد میں آئیں جو قبیلہ امیہ کے مشہور سردار تھے۔ عام حالات:

عتبہ، ابو سفیان اور ہند تینوں کو اسلام سے سخت عدولت تھی، اور وہ اسلام کی غیر معمولی ترقی کو نہایت رشک سے دیکھتے تھے۔ اور حتی الامکان اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتے تھے، ابو جہل ان سب کا سردار تھا لیکن جب بدر کے معرکہ میں جو اسلام اور کفر کا پہلا معرکہ تھا، قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ابو جہل اور عتبہ وغیرہ بھی قتل ہو گئے تو ابو سفیان اور حرب نے جو عتبہ کے داماد تھے، اس کی جگہ لی اور ابو جہل کی طرح مکہ میں ان کی سیادت مسلم ہو گئی چنانچہ بدر کے بعد سے جس قدر معرکے پیش آئے ابو سفیان سب میں پیش پیش تھے۔ غزوہ احد ان ہی کے جوش انتقام کا نتیجہ تھا اس موقع پر ان کے ساتھ ان کی بیوی ہند بھی آئی تھیں، جنہوں نے اپنے باپ کے انتقام میں سنگ دلی اور خون خواری کا ایسا خطرناک منظر پیش کیا جس کے تخیل سے بھی جسم لرز اٹھتا ہے حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ کے چچا تھے، انہوں نے عتبہ کو قتل کیا تھا ہند ان کی فکر میں تھیں۔



چنانچہ انہوں نے وحشی کو جو جبر بن مطعم کے غلام اور حربہ اندازی میں کمال رکھتے تھے حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا تھا (یہ حضرت وحشیؓ کے قبل از اسلام کا واقعہ ہے) اور یہ اقرار ہوا کہ اس کارگزاری کے صلہ میں وہ آزاد کر دیئے جائیں گے، چنانچہ حضرت حمزہؓ جب ان کے برابر آئے تو وحشی نے حربہ پھینک کر مارا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا حضرت حمزہؓ نے ان پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔

خاتونان قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا تھا ان کے ناک کان کاٹ لئے ہند نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئیں اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئیں، لیکن گلے سے نہ اتر سکا۔ اس لئے اگل دینا پڑا (حضرت ابو سفیانؓ اور ہند کے یہ سب واقعات اسلام قبول کرنے سے پہلے کے ہیں) آنحضرت ﷺ کو اس فعل سے جس قدر صدمہ ہوا تھا اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ لیکن ایک اور چیز تھی جو ایسے نازک موقعوں پر بھی جبین رحمت کو شکن آلود نہیں ہونے دیتی تھی۔  
اسلام:

چنانچہ جب مکہ فتح ہوا اور آنحضرت ﷺ لوگوں سے بیعت لینے کے لئے بیٹھے تو مستورات میں ہند بھی آئیں، شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں ہند بھی نقاب پہن کر آئیں جس سے اس وقت یہ غرض بھی تھی کہ کوئی ان کو پہچانے نہ پائے۔ بیعت کے وقت انہوں نے نہایت دلیری سے باتیں کیں جو حسب ذیل ہیں۔

ہند: یا رسول اللہ! آپ ہم سے کن باتوں کا اقرار لیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ! خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

ہند: یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں لیا۔ لیکن بہر حال ہم کو منظور ہے۔

رسول اللہ ﷺ: چوری نہ کرنا۔

ہند: میں اپنے شوہر کے مال میں سے کبھی کچھ لے لیا کرتی ہوں معلوم نہیں۔ یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

رسول اللہ ﷺ: لولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہند: رہینا ہم صغار و قتلتم کباراً فانتم و ہم اعلم، ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا بڑے ہوئے تو جنگ بدر میں آپ نے ان کو مار ڈالا اب آپ اور وہاں ہم سمجھ لیں۔

(اس دیدہ دلیری کے باوجود) آنحضرت ﷺ نے ہند سے درگزر فرمایا۔ (ہند کے قلب پر اس کا بہت اثر ہوا) اور ان کے دل نے اندر سے گواہی دی کہ آپ سچے پیغمبر ہیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اس سے پہلے آپ کے خیمہ سے زیادہ میرے نزدیک کوئی معوض خیمہ نہ تھا لیکن اب آپ کے خیمہ سے زیادہ کوئی محبوب خیمہ میرے نزدیک نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

حضرت ہند مسلمان ہو کر گھر گئیں تو اب وہ ہند نہ تھیں، لکن سعد نے لکھا ہے کہ انہوں نے گھر جا کر بت توڑ ڈالا اور کہا کہ ہم تیری طرف سے دھوکے میں تھے۔<sup>(۲)</sup>

(اسد الغابہ میں ان کے حسن اسلام کے متعلق لکھا ہے کہ اسلمت یوم الفتح و حسن اسلامها)<sup>(۳)</sup>

غزوات :

فتح مکہ کے بعد اگرچہ اسلام کو اعلانیہ غلبہ حاصل ہو گیا تھا اور اس لئے عورتوں کو غزوات میں شریک ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی تاہم جب حضرت عمرؓ کے عہد میں روم و فارس کی مہم پیش آئی تو بعض مقامات میں اس شدت کارن پڑا کہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی تیغ و خنجر سے کام لینا پڑا چنانچہ شام کی لڑائیوں میں جنگ یرموک ایک یادگار جنگ تھی اس میں حضرت ہند اور ان کے شوہر حضرت ابو سفیانؓ دونوں نے شرکت کی اور فوج میں رومیوں کے مقابلہ کا جوش پیدا کیا۔

وفات :

حضرت ہندؓ نے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں انتقال کیا، اسی دن حضرت ابو بکرؓ کے والد ابو قحافہ نے بھی وفات پائی تھی۔ لکن سعد کی روایت ہے کہ ان کی وفات حضرت عمرؓ کے زمانہ میں نہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ہوئی کتاب الامثال سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ اس میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابو سفیانؓ نے وفات پائی (ابو سفیانؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی ہے) تو کسی نے حضرت امیر معاویہؓ سے کہا کہ مجھ سے ہندؓ کا نکاح کر دو انہوں نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ اب ان کو نکاح کرنے کی ضرورت نہیں۔<sup>(۴)</sup>

لولاد :

لولاد میں حضرت امیر معاویہؓ زیادہ مشہور ہیں۔

اخلاق :

حضرت ہندؓ میں وہ تمام لوصاف موجود تھے جو ایک عرب عورت کے ملبہ الامتیاز ہو سکتے ہیں صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے :

كانت امرأة لها نفس وانفته ورائی و عقل<sup>(۱)</sup>

”ان میں عزت نفس، غیرت، رائے تدبیر اور دانش مندی پائی جاتی تھی“

فیاض تھیں، حضرت ابوسفیانؓ ان کو ان کے صلہ کے مطابق خرچ نہیں دیتے تھے، اسلام لانے کے وقت جب آنحضرت ﷺ نے ان سے عہد لیا کہ چوری نہ کریں، تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ابوسفیانؓ مجھے پورا خرچ نہیں دیتے اگر ان سے چھپا کر لوں تو جائز ہے؟ آپ نے اجازت دی۔<sup>(۲)</sup>

## (۴۱) حضرت ام کلثومؓ بن عقبہ

نام و نسب اور اسلام :

ام کلثوم کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے : ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط لن ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ والدہ کا نام اروی بنت کریم تھا۔ اس بناء پر حضرت عثمانؓ اور حضرت ام کلثومؓ اخیانی بھائی بہن ہیں ام کلثومؓ کا باپ عقبہ بن ابی معیط قبیلہ امیہ کا ایک ممتاز شخص تھا، اس کو اسلام سے سخت عدوت تھی، لیکن خدا کی قدرت دیکھو! اس نے اس ظلمت کدہ میں ایمان کا چراغ روشن کیا یعنی اس کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ مشرف بالاسلام ہوئیں۔ ہجرت :

۷ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد حضرت ام کلثومؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی خزانہ کے ایک شخص کے ہمراہ مکہ سے پاپیادہ رولہ ہوئیں، چونکہ بھاگ کر نکلی تھیں اس لئے ان کے بھائی پیچھے سے آئے، مدینہ پہنچیں تو دوسرے دن وہ بھی پہنچ گئے، حضرت ام

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۶۲، (۲) بخاری

کلثومؓ نے فریاد کی کہ مجھ کو اپنے ایمان کا خوف ہے میں عورت ہوں اور عورتیں کمزور ہوتی ہیں، آنحضرت ﷺ نے صلح نامہ میں یہ شرط کی تھی کہ قریش کا کوئی آدمی مدینہ آئے گا تو واپس کر دیا جائے گا اس لئے آپ کو فکر ہوئی لیکن چونکہ اس میں عورتیں داخل نہ تھیں اس لئے ان کے متعلق خاص یہ آیت اتری۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَ كُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَاثْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ

بِأَيْمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ

”مسلمانو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو جانچ لو

خدا ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کے ہاں واپس نہ بھیجو!“

اور آپ ﷺ نے اس کے مطابق حضرت ام کلثومؓ کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

نکاح:

حضرت ام کلثومؓ اب تک کنواری تھیں اس لئے حضرت زید بن حارثہؓ سے کہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کا نکاح کیا گیا لیکن جب زیدؓ نے غزوہ موتہ میں شہادت پائی تو حضرت زبیر بن العوام کے عقد نکاح میں آئیں لیکن انہوں نے طلاق دے دی اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے نکاح ہوا اور ان کی وفات کے بعد حضرت عمرو بن العاص سے نکاح پڑھایا اور یہ آخری نکاح تھا۔

وفات:

ایک مہینہ کے بعد وفات پائی اس زمانہ میں حضرت عمرؓ والی مصر تھے۔

اولاد:

حضرت ام کلثومؓ کے حضرت زید اور حضرت عمرؓ بن عاص سے کوئی اولاد نہیں پیدا ہوئی، لیکن حضرت زبیرؓ سے زینب اور حضرت عبدالرحمن بن عوف سے ابراہیم، حمید، محمد اور اسماعیل پیدا ہوئے۔

فضل و کمال:

حمید اور ابراہیم نے ان سے کچھ حدیثیں روایت کی ہیں۔

## (۴۲) حضرت زینب بنت ابی سلمہ

نام و نسب :

زینب نام قبیلہ مخزوم سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے: زینب بنت ابی سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد بن عمرو بن مخزوم حبشہ میں حضرت ام سلمہؓ کے بطن سے پیدا ہوئیں اور ان ہی کے ساتھ کچھ زمانہ کے بعد مدینہ کو ہجرت کی حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے دودھ پلایا<sup>(۱)</sup> پہلے برہ نام تھا آنحضرت ﷺ نے زینب نام رکھا۔<sup>(۲)</sup>

عام حالات :

۳ ہجری میں ابو سلمہؓ نے وفات پائی تو حضرت ام سلمہؓ آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں اس وقت زینب شیر خوار تھیں والدہ ماجدہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے آغوش تربیت میں آئیں، آنحضرت ﷺ کو ان سے محبت تھی پیروں پر چلنے لگیں تو آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں۔ آپ غسل فرماتے تو ان کے منہ پر پانی چھڑکتے تھے لوگوں کا میان ہے کہ اس کی یہ برکت تھی کہ بڑھاپے تک ان کے چہرے پر شباب کا آب و رنگ باقی رہا۔ حضرت عبد اللہ بن زمعہ بن اسود اسدی سے شادی ہوئی دو لڑکے پیدا ہوئے جن میں ایک کا نام ابو عبیدہ تھا ۶۳ ہجری میں حرہ کی لڑائی میں دونوں کام آئے اور حضرت زینبؓ کے سامنے ان کی لاشیں لا کر رکھی گئیں۔ انہوں نے انا للہ پڑھا اور کہا کہ مجھ پر بہت بڑی مصیبت پڑی، ایک تو میدان میں لڑ کر قتل ہوا، لیکن دوسرا تو خانہ نشین تھا لوگوں نے اس کو گھر میں گھس کر مارا“

وفات :

بیٹوں کے قتل کے بعد دس برس زندہ رہیں اور ۳۷ ہجری میں انتقال فرمایا یہ طارق کی حکومت کا زمانہ تھا<sup>(۳)</sup> حضرت ابن عمرؓ جنازہ میں تشریف لائے۔  
فضل و کمال :

حضرت زینب فضل و کمال میں شرہ آفاق تھیں اور اس وصف میں کوئی عورت ان

(۱) اصابہ ج ۸ ص ۹۶ بحوالہ ابن سعد (۲) مسلم ج ۲ ص ۲۳ باب استحباب تفسیر الاسم القبیح  
الی حسن (۳) تہذیب جلد ۲ ص ۴۲۱

سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔ اسد الغابہ میں ہے۔

كانت من افقه نساء زمانها<sup>(۱)</sup>

”وہ اپنے عصر کی فقیہہ بیوی تھیں“

آنحضرت ﷺ سے کچھ حدیثیں روایت کیں آپ کے علاوہ حضرت ام سلمہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ سے بھی چند حدیثیں سنیں جن لوگوں نے ان سے یہ حدیث روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:

امام زین العابدین، ابو عبیدہ، محمد بن عطاء، عراق بن مالک، حمید بن نافع، عروہ، ابو سلمہ، کلیب بن وائل، ابو قلابہ جرمی۔

## (۴۳) حضرت ام ابی ہریرہ

نام و نسب:

امیمہ نام تھا۔ باپ کا نام صبیح یا صفیح بن الحارث تھا۔

اسلام:

اگرچہ حضرت ابو ہریرہؓ جو ان کے صاحبزادے تھے، مسلمان ہو چکے تھے تاہم وہ مشرک تھیں ایک روز انہوں نے آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کی، تو حضرت ابو ہریرہؓ کو سخت ناگوار ہوا، روتے ہوئے خدمت اقدس میں پہنچے اور کہا ”حضور! اب میری ماں کے مسلمان ہونے کے لئے دعا فرمائیے“ آنحضرت ﷺ نے دعا کی، ادھر ان کی حالت میں دفعۃً انقلاب پیدا ہو گیا۔ غسل کر کے کپڑے بدلے اور حضرت ابو ہریرہؓ کے سامنے کلمہ پڑھا حضرت ابو ہریرہؓ فرط مسرت سے ابدیدہ ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کو خبر کی آنحضرت ﷺ نے خدا کا شکر ادا کیا۔<sup>(۲)</sup>

وفات:

وفات کی تاریخ معلوم نہیں۔

اولاد:

اولاد میں حضرت ابو ہریرہؓ زیادہ مشہور ہیں۔

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۹ (۲) مسلم ج ۲ ص ۳۵۷ (باب فضائل امی ہریرہؓ)

## (۴۴) حضرت خولہ بنت حکیم

نام و نسب :

خولہ نام ام شریک کنیت قبیلہ سلیم سے تھیں، آنحضرت ﷺ کی خالہ ہوتی ہیں<sup>(۱)</sup>۔  
نسب نامہ یہ ہے: خولہ بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن الاوقص بن مرثد بن ہلال بن فالح بن زکوان  
بن ثعلبہ بن بہشہ بن سلیم۔

نکاح :

حضرت عثمان بن مظعون سے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔ نکاح ہوا۔

عام حالات :

مسلمان ہو کر مدینہ کو ہجرت کی ۲۔ ہجری میں غزوہ بدر کے بعد حضرت عثمان بن مظعون نے وفات پائی تو خولہ نے دوسرا نکاح نہیں کیا اکثر پریشان رہتی تھیں صحیح بخاری میں روایت آئی ہے کہ انہوں نے اپنے کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔<sup>(۲)</sup>  
فضل و کمال :

آنحضرت ﷺ سے ۱۵ حدیثیں روایت کیں روایان حدیث میں حضرت سعد بن ابی وقاص سعید بن مسیب بھخر بن سعید اور عروہ اور ربیع بن مالک داخل ہیں۔  
اخلاق :

اسد الغابہ میں ہے کانت امرأة سالحة "وہ ایک نیک بی بی تھیں" مسند میں ہے  
تصوم النهار و تقوم الليل یعنی وہ دن کو روزہ رکھتی اور رات کو عبادت کرتی تھیں۔  
ابتداء زیور کا بڑا شوق تھا چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ اگر  
طائف فتح ہو تو آپ مجھ کو فلاں عورت کا زیور دے دیجئے گا آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر خدا اس  
کی اجازت نہ دے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔<sup>(۳)</sup>

(۱) مسند ج ۶ ص ۴۰۹ (۲) بخاری ج ۲ ص ۷۶ (باب هل للمرأة ان يهب انفسها لاحد و

تهديب ج ۲ ص ۲۱۵ (۳) اصابہ ج ۸ ص ۷۰

## (۲۵) حضرت حمنہ بنت محش

نام و نسب :

حمنہ نام حضرت زینبؓ کی ہم شیر ہیں سلسلہ نسب لوپر گزر چکا ہے۔

نکاح :

حضرت مصعب بن عمیر سے نکاح ہوا۔

اسلام :

اور ان ہی کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔

عام حالات :

مدینہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا اور جب آنحضرت ﷺ نے مہاجرین اور انصار کی عورتوں سے بیعت لی تو اس میں یہ بھی شامل ہوئیں مسند لئن حنبل اور لئن سعد وغیرہ نے اکثر عورتوں کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ كانت من المبايعات اس سے یہی بیعت مراد ہے چنانچہ حضرت اسماء بنت یزید کے حالات میں بھی اس کا ذکر آئے ہیں۔

غزوات میں سے اُحد میں نملیاں شرکت کی وہ پانی پلاتی اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں ان کے علاوہ اور عورتیں بھی یہ خدمت انجام دے رہی تھیں چنانچہ رفیدہ اور ام کبشہ وغیرہ کی نسبت بھی اسی قسم کی تصریحات موجود ہیں۔

اس واقعہ میں حضرت حمنہ کے شوہر حضرت مصعب بن عمیر نے شہادت پائی جن کے بعد انہوں نے حضرت طلحہؓ سے کہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے نکاح کیا۔

افک کے واقعہ میں منافقین کے ساتھ غلطی سے جو مسلمان شریک ہو گئے تھے ان میں حضرت حسانؓ اور حضرت مسطح کے ساتھ حضرت حمنہؓ بھی تھیں چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے۔<sup>(۱)</sup>

وظفقت اختها حمنة تحارب لها فهلكت فيمن هلك من اصحاب الافك  
 ”یعنی حضرت زینبؓ کی بہن حمنہ برابر میرے خلاف رہیں یہاں تک کہ اور اصحاب  
 افک کی طرح برباد ہوئیں“



فتح الباری میں ہے کہ حضرت حمزہؓ کے شریک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہؓ کو آنحضرت ﷺ کی نظروں سے گرا کر حضرت زینبؓ (اپنی بہن) کو بلند کریں<sup>(۱)</sup> لیکن تعجب ہے کہ خود حضرت زینبؓ نے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھلایا چنانچہ اس کا تذکرہ ان کے حالات میں آچکا ہے۔

وفات:

وفات کا سنہ صحیح طور پر معلوم نہیں اتنا علم ہے کہ حضرت زینبؓ کی وفات تک زندہ تھیں حضرت زینبؓ نے ۲۰ ہجری میں وفات پائی ہے۔

اولاد:

حضرت طلحہؓ سے حضرت حمزہؓ کے دو لڑکے پیدا ہوئے محمد اور عمران، محمد کو سجاد کے لقب سے شہرت تھی۔

تمت بالخیر

یعنی سیر الصحابیات ختم ہوئی  
آگے اسوۂ صحابیات شروع ہوتی ہے

رضى الله عنهم ورضوا عنه (القرآن)  
اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

# سَيِّدُ الصَّابِرِينَ رضى الله عنهم

اسوہ صحابیات

حصہ یازدہم (11)

جس میں خاص طور پر عورتوں اور لڑکیوں کے درس، ہدایت اور مطالعہ کے لئے ازواج مطہرات، بنات طیبات اور اکابر صحابیات کی زندگی کے مذہبی اخلاقی معاشرتی واقعات اور مذہبی اخلاقی اور علمی خدمات کی تفصیل مستند حوالوں سے لی گئی ہے

تحریر و ترتیب  
جناب مولانا عبدالسلام ندوی

اردو بازار ایم اے جنح روڈ  
کراچی پاکستان 2213768

دَارُ الْإِشَاعَةِ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## دیباچہ

الحمد لله رب العلمين والصلاة والسلام على رسوله محمد وآله واصحابه اجمعين

عورتوں کی تعلیم و تربیت کے مسئلہ سے اصولاً کسی کو اختلاف نہیں ہے گفتگو جو کچھ ہے یہ ہے کہ موجودہ دور کی تعلیم و تربیت سے متمتع ہو کر ایک مسلمان عورت مذہب اخلاق اور معاشرت کے قدیم اصول کو قائم رکھ سکے گی یا نہیں یا دوسرے الفاظ میں قدیم اسلامی روایات کا تحفظ کر سکے گی یا نہیں جن لوگوں کو مسئلہ تعلیم نسوان سے اختلاف ہے وہ اسی شبہ کو اپنی دلیل قرار دیتے ہیں اور موجودہ دور کے تعلیم یافتہ مردوں نے جو مذہبی اخلاقی اور معاشرتی نمونے قائم کئے ہیں ان سے بھی اس شبہ کی تائید ہوتی ہے اور غیر قوموں کی تعلیم یافتہ عورتوں نے بھی ہماری خواتین کے لئے کوئی عمدہ نمونہ نہیں قائم کیا ہے، لیکن اسلام کی قدیم تاریخ ہمارے سامنے مسلمان عورت کا بہترین اور اصلی نمونہ پیش کرتی ہے اور آج جب کہ زمانہ بدل رہا ہے، یورپین تمدن اور یورپین طرز معاشرت سے ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی بیزاری ظاہر کر رہے ہیں اگر ہماری عورتوں کے سامنے اسلام کی ممتاز اور برگزیدہ خواتین کا نمونہ پیش کر دیا جائے، تو ان کی فطرتی نچک ان سے بھی زیادہ متاثر ہو سکے گی اور موجودہ دور کے مؤثرات سے بیزار ہو کر خالص اسلامی اخلاق، اسلامی معاشرت اور اسلامی تمدن کا نمونہ بن جائے گی۔

اسلام کے ہر دور میں اگرچہ عورتوں نے مختلف حیثیتوں سے امتیاز حاصل کیا ہے لیکن ازواج مطہرات، بنات طہیبات اور اکابر صحابیات ان تمام حیثیات کی جامع ہیں اور ہماری عورتوں کے لئے انہی کے مذہبی اخلاقی معاشرتی اور علمی کارنامے اسوۂ حسنہ بن سکتے ہیں اور موجودہ دور کے تمام معاشرتی اور تمدنی خطرات سے ان کو محفوظ رکھ سکتے ہیں، میں نے اسوۂ صحابہ کی دونوں جلدوں میں عمد صحابہ کے جو مذہبی اخلاقی معاشرتی اور علمی واقعات جمع کئے ہیں ان میں اگرچہ صحابیات کے یہ تمام کارنامے بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں لیکن ان کی اہمیت ان کی عظمت اور ان کی اسلامی خدمت کے لحاظ سے میں نے ان واقعات کو جو اس کتاب کی

دونوں جلدوں میں متفرق طور پر موجود تھے متعدد واقعات کے اضافہ کے ساتھ اس مختصر سے رسالے میں الگ جمع کر دیا ہے، جس سے ایک طرف تو یہ فائدہ ہوگا جبکہ صحابیات کی مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور علمی زندگی ایک مستقل حیثیت اختیار کرے گی، دوسری طرف ہماری عورتوں اور لڑکیوں کے درس ہدایت اور مطالعہ کے لئے مستند اور مؤثر واقعات کا ایک مجموعہ مرتب ہو جائے گا جس پر عمل کر کے وہ خالص اسلامی تعلیمات کا بہترین نمونہ بن جائیں گی اور ان کی تعلیم و تربیت کے متعلق جو شبہات ظاہر کئے جا رہے ہیں، ان کی عملی تردید کر سکیں گی۔ و ما توفیقی الا باللہ

عبدالسلام ندوی  
شبلی منزل، اعظم گڑھ، ۱۳ ستمبر ۱۹۲۲ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## قبول اسلام

لطافت طبع رقت قلب اور اثر پذیری ایک نیک سرشت انسان کا اصلی جوہر ہیں اور ان ہی کے ذریعہ سے وہ ہر قسم کی پند و موعظت، تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت کو قبول کر سکتا ہے پھولوں کی پتھریاں، نسیم صبح کی خاموش حرکت سے ہل جاتی ہیں، لیکن تناور درختوں کو باد صرصر کے جھونکے بھی نہیں ہلا سکتے، شعاع نگاہ آئینہ کے اندر سے گزر جاتی ہے لیکن پتھروں پر فولادی تیر بھی نہیں اثر کرتے بعینہ یہی حال انسان کا بھی ہے، لطیف الطبع اور رقیق القلب آدمی ہر دعوت حق کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے لیکن سنگ دل اور غلیظ القلب لوگوں پر بڑے بڑے معجزے بھی اثر نہیں کرتے، اس فرق مراتب کی جزئی مثالیں ہر جگہ مل سکتی ہیں لیکن اشاعت اسلام کی تاریخ تمام تر اسی قسم کی مثالوں سے لبریز ہے کفار میں ہم کو بہت سے اشیاء کا نام معلوم ہے جنہوں نے ہزاروں کوششوں کے بعد بھی خدائے ذوالجلال کے آگے سر نہیں جھکایا لیکن صحابہ کرامؓ میں سینکڑوں بزرگ ہیں جو توحید کی آواز کے سننے کے ساتھ ہی اسلام کے حلقے میں داخل ہو گئے، صحابہ کے ساتھ صحابیات بھی اس فضیلت میں شریک ہیں اور نہ صرف شریک ہیں بلکہ ان سے اسبق واقدم ہیں، چنانچہ سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے بغیر کسی قسم کی کدو کاوش اور جبر واکراہ کے اسلام قبول کیا اور اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی اپنے خدا کے آگے سر جھکایا، تاریخ لندن خمیس میں (۱) حضرت رافع سے مروی ہے۔

قال النبی ﷺ بعثت یوم الاثنین وصلت خدیجة آخر یوم الاثنین و صلی

علی یوم الثلاثاء من الغد ثم زید بن حارثہ ثم ابوبکر .

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں دو شنبہ کے دن مبعوث ہوا اور خدیجہؓ نے اس دن کے

آخری حصہ میں نماز پڑھی اور علی نے دوسرے دن منگل کو نماز پڑھی، اس کے بعد زید بن حارثہؓ اور ابوبکرؓ شریک نماز ہوئے۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتاب رسالت سے پہلے دن جو شعاع افق عالم پر چمکی

وہ ایک رقیق القلب مقدس خاتون کے سینہ پر نور سے چھن کر نکلی۔

## اعلان اسلام :

ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کرنے سے زیادہ اظہار اسلام کے لئے ہمت، شجاعت اور جسارت کی ضرورت تھی، لیکن باوجود کفار کی روک ٹوک اور روستم کے صحابہؓ کے ساتھ صحابیات نے بھی نہایت جرات و بیباکی کے ساتھ اپنے اسلام کا اظہار کیا، چنانچہ ابتداء میں جن سات بزرگوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا، ان میں چھ آدمی یعنی خود رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ، حضرت بلالؓ، حضرت خبابؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت عمارؓ، مرد تھے اور ساتویں ایک غریب صحابیہ یعنی حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ تھیں۔<sup>(۱)</sup>

صحابیات نے اپنی نیک طبیعتی سے صرف آسانی کے ساتھ اسلام ہی کو قبول نہیں کیا، بلکہ انہوں نے نہایت آسانی کے ساتھ اسلام کی اشاعت بھی کی، چنانچہ صحیح بخاری کتاب التیمم میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے ایک سفر میں ایک عورت کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، اس کے پاس پانی کے مشکیزے تھے اور صحابہؓ نے پانی ہی کی ضرورت سے اس کو پکڑا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کا پانی لیا، تو اس کی قیمت ادا فرمائی، اس کو آپ کی اس دیانت سے اسی وقت آپ کی نبوت کا یقین آگیا اور اس کے اثر سے اس کا تمام قبیلہ بھی مسلمان ہو گیا۔

تخل شدائد :

صحابہ کرامؓ کے ساتھ صحابیات نے بھی اسلام کے لئے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں اور ان کے ایمان میں ذرہ برابر بھی تزلزل واقع نہیں ہوا۔

حضرت سمیہؓ نے اسلام قبول کیا، تو ان کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کیں، سب سے سخت اذیت یہ تھی کہ ان کو مکہ کی تپتی ریت میں لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے، لیکن بائیں ہمہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہتی تھیں، ایک دن کفار نے حسب معمول ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں زمین پر لٹا دیا تھا۔ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا، تو فرمایا ”صبر کرو، تمہارا ٹھکانا جنت میں ہے“، لیکن کفار کی اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور ابو جہل نے ان کی ران میں برچھاما کر ان کو شہید کر دیا، چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرف شہادت ان ہی کو نصیب ہوا<sup>(۲)</sup> اور صحابیات کی یہ سب سے بڑی فضیلت ہے کہ سب سے پہلے ایک صحابیہ نے اسلام قبول کیا اور سب سے پہلے ایک صحابیہ نے شرف شہادت حاصل کیا۔

حضرت عمرؓ کی بہن جب اسلام لائیں اور حضرت عمرؓ کو اس کا حال معلوم ہوا، تو اس

قدر مارا کہ بدن لہو لہان ہو گیا، لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو کچھ کرنا ہو کرو میں تو اسلام لاجکی<sup>(۱)</sup> لہینہ کو بھی حضرت عمرؓ مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ میں نے رحم کی بناء پر نہیں بلکہ تم کو اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں“ اسی طرح وہ زمیرہؓ کو جو ان کے گھرانے کی کینز تھیں نہایت اذیت دیتے تھے۔  
قطع علائق :

صحابہ کرامؓ ایمان لائے تو ان کے تمام رشتے ناتے منقطع ہو گئے لیکن اس سے ان کی قوت ایمانی میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوا صحابیات کی حالت اس معاملہ میں صحابہ کرامؓ سے بھی زیادہ نازک تھی انسان اگرچہ اپنے تمام اعزہ و اقارب کی اعانت کا محتاج ہو جاتا ہے، لیکن عورت کی زندگی کا تمام تر دار و مدار شوہر کی اعانت و امداد پر ہوتا ہے، لہذا وہ کسی حالت میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتی، باپ بیٹے سے بیٹا باپ سے قطع تعلق کر کے زندگی بسر کر سکتا ہے لیکن عورت شوہر سے جدا ہو کر بالکل ٹیکس و بیچارہ ہو جاتی ہے، لیکن بائیں ہمہ صحابیاتؓ نے اسلام کے لئے اس نازک رشتے کو بھی منقطع کیا اور اپنے کافر شوہروں سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہو گئیں چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی :

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعَصَمِ الْكُوْفِرِ  
”کافرہ عورتوں سے تعلق نہ رکھو“

تو جس طرح صحابہ کرامؓ نے اپنی کافرہ عورتوں کو طلاق دیدی اسی طرح بہت سی صحابیاتؓ بھی اپنے کافر شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کر آئیں اور ان میں سے ایک بھی اپنے شوہر کے پاس واپس نہ گئی، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :

مَا نَعْلَمُ اِنْ اَحَدًا مِنْ الْمُهَاجِرَاتِ اَرْتَدَّتْ بَعْدَ اِيْمَانِهَا<sup>(۲)</sup>

”ہم کو کسی ایسی مہاجرہ عورت کا حال معلوم نہیں جو ایمان لا کر پھر مرتد ہوئی ہو“

## عقائد

توحید :

کفار نے صحابیاتؓ کو طرح طرح کی اذیتیں دیں لیکن ان کی زبان سے کلمہ توحید کے سوا کلمہ شرک نہیں نکلا، حضرت ام شریکؓ ایمان لائیں تو ان کے اعزہ و اقارب نے ان کو دھوپ

(۱) ایضاً تذکرہ حضرت عمرؓ (۲) بخاری کتاب الشروط ذکر صلح حدیبیہ ۱۲



میں لیجا کر کھڑا کر دیا اس حالت میں جب کہ وہ دھوپ میں جل رہی تھیں روٹی کے ساتھ شہد جیسی گرم چیز کھلاتے اور پانی نہیں پلاتے تھے جب ان مصیبت میں تین دن گزر گئے تو ظالموں نے کہا کہ ”جس مذہب پر تم ہو اب اس کو چھوڑ دو“ وہ اس قدر بدحواس ہو گئی تھیں کہ ان جملوں کا مطلب نہ سمجھ سکیں اب ان لوگوں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بتایا تو سمجھیں کہ توحید الہی کا انکار مقصود ہے بولیں خدا کی قسم میں تو اب تک اس عقیدہ پر قائم ہوں۔<sup>(۱)</sup> شرک سے علیحدگی :

عورتیں قدیم رسم و رواج اور قدیم عقائد کی نہایت پابند ہوتی ہیں اور عرب میں مشرکانہ عقائد ایک مدت سے پھیل کر قلوب میں راسخ ہو گئے تھے۔ لیکن صحابیات نے اسلام لانے کے ساتھ ان عقائد کا انکار کیا عرب کا خیال تھا کہ جو لوگ بتوں کی برائی میان کرتے ہیں وہ مختلف امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس لئے حضرت زینہؓ اسلام لانے کے بعد اندھی ہو گئیں تو کفار نے کہنا شروع کیا ان کو لات اور عزیٰ نے اندھا کر دیا لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ لات و عزیٰ کو اپنے پوجنے والوں کی کیا خبر یہ خدا کی طرف سے ہے۔<sup>(۲)</sup> زمانہ جاہلیت میں بچوں کے پچھونے کے نیچے استرہ رکھنا!

جاہلیت کے زمانہ میں بچوں کے پچھونوں کے نیچے استرا رکھ دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس طرح بچے آسیب سے محفوظ رہتے ہیں حضرت عائشہؓ نے ایک بار کسی بچے کے سر ہانے استرا دیکھا تو منع فرمایا اور کہا ”رسول اللہ ﷺ ٹوٹنے کو سخت ناپسند فرماتے تھے“<sup>(۳)</sup> عرب میں شرک کا اصلی مرکز بت تھے جو گھر گھر میں نصب تھے لیکن صحابیات نے ہر موقع پر ان سے تبری ظاہر کی چنانچہ حضرت ہند بنت عتبہؓ جب ایمان لائیں تو گھر میں جو بت نصب تھا اس کو توڑ پھوڑ ڈالا اور کہا کہ ”ہم تیری نسبت بڑے دھوکے میں مبتلا تھے“<sup>(۴)</sup>

حضرت ابو طلحہؓ نے جب حضرت ام سلیمؓ سے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے کہا ”ابو طلحہ کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ جس خدا کو تم پوجتے ہو وہ ایک درخت ہے (یعنی لکڑی کا بت) جو زمین سے اٹکا ہے اس کو فلاں حبشی نے گڑھ کر تیار کیا ہے“ بولے مجھے معلوم ہے بولیں ”تو کیا

(۱) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام شریک (۲) اسد الغابہ تذکرہ حضرت زینہ (۳) ادب الضرور باب الطیر زمن الجن (۴) طبقات ابن سعد تذکرہ ہند بنت عتبہ

تمہیں اس کی عبادت سے شرم نہیں آتی چنانچہ جب انہوں نے ت پرستی سے توبہ کر کے کلمہ توحید نہیں پڑھا انہوں نے ان سے نکاح کرنا پسند نہیں کیا۔<sup>(۱)</sup>

رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان :

رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اعتقاد نہ صرف صحابیات کے لوح دل پر کا نقش فی الحجر تھا بلکہ ان کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے دل میں بھی یہ عقیدہ نہایت شدت سے راسخ ہو گیا تھا ایک بار آپ نے ایک لڑکی کو بددعا دے دی کہ ”تیرا سن زیادہ نہ ہو“ اس نے شدت اعتقاد کی بناء پر اس کا یقین کر لیا اور حضرت ام سلیم کے پاس روتی ہوئی آئی اور کہا کہ آپ نے مجھ کو یہ بددعا دی ہے اب میرا سن نہ بڑھے گا وہ بدحواس آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ آپ نے میری یتیم کو یہ بددعا دیدی“ آپ ہنس پڑے اور فرمایا میں بھی آدمی ہوں اور آدمیوں کی طرح خوش اور رنجیدہ ہوتا ہوں پس جس کو میں ایسی بددعا دوں جس کا وہ مستحق نہیں ہے تو یہ اس کے لئے پاکی، تزکیہ اور نیکی ہوگی“<sup>(۲)</sup>

## عبادات

### ابواب الصلوٰۃ

پابندی جماعت :

اگرچہ عورتوں پر جماعت کی پابندی فرض نہیں ہے، اور اس بناء پر بعض غیور صحابہ جماعت میں اپنی عورتوں کی شرکت کو پسند بھی نہیں کرتے تھے، تاہم بعض صحابیات پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا تھا اور وہ مناسب اوقات میں نماز باجماعت ادا فرماتی تھیں حضرت عمرؓ کی بی بی برابر عشاء اور فجر کی نماز میں شریک جماعت ہوتی تھیں، ایک بار ان سے لوگوں نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ عمر اس کو پسند نہیں کرتے پھر کیوں ایسا کرتی ہو، بولیں تو پھر روک کیوں نہیں دیتے۔<sup>(۳)</sup>

نماز جمعہ :

عورتوں پر اگرچہ جمعہ فرض نہیں ہے، تاہم صحابیات اس دن کی بہت عزت کرتی تھیں اور اس کی برکتوں میں عمدہ طریقوں سے شریک ہوتی تھیں، ایک صحابیہ تھیں جو اپنے کھیتوں

(۱) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیم (۲) مسلم کتاب الرد والصلۃ الاداب باب من لعنہ النبی ﷺ وسبہ ودعا علیہ (۳) بخاری باب هل علی من لا یشہد الجمعة غسل من النساء والصیان وغیرہم

میں چقندر بودیا کرتی تھیں جب جمعہ کا دن آتا تھا تو اس کو پکا کر نماز جمعہ کے بعد تمام صحابہؓ کو کھلاتی تھیں۔<sup>(۱)</sup>

نماز اشراق :

نماز اشراق اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے جیسا کہ حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے تمام عمر میں صرف ایک بار پڑھی ہے، لیکن بعض صحابیاتؓ نے اس کا التزام کر لیا تھا، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی نماز اشراق پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن میں خود پڑھتی ہوں، کیونکہ آپ بہت سی چیزوں کو پسند فرماتے تھے لیکن اس پر عمل اس لئے نہیں کرتے تھے کہ امت پر فرض نہ ہو جائیں۔<sup>(۲)</sup>

تہجد و نماز شبانہ :

صحابہ کرامؓ تہجد پڑھتے تھے تو اس میں صحابیاتؓ بھی شریک ہوتی تھیں، چنانچہ حضرت عمرؓ رات کو تہجد کے لئے اپنے اہل و عیال کو جگاتے تھے، تو یہ آیت پڑھتے تھے وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْنَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى<sup>(۳)</sup> حضرت ابو ہریرہؓ نے رات کے تین حصے کر دیئے تھے ایک میں خود دوسرے میں ان کی بیوی اور تیسرے میں ان کا خادم تہجد پڑھتا تھا اور ایک دوسرے کو جگاتا تھا۔<sup>(۴)</sup>

## ابواب الزکوٰۃ و الصدقات

زیور عورتوں کو سب سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں، لیکن صحابیاتؓ کو خدا کی مرضی ان سے بھی زیادہ عزیز تھی، ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک صحابیہؓ اپنی لڑکی کو لیکر حاضر ہوئیں، لڑکی کے ہاتھ میں سونے کی موٹے موٹے کنگن تھے، آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کیا تم اس پر زکوٰۃ دیتی ہو؟ بولیں نہیں! فرمایا ”کیا تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ خدا قیامت کے دن اس کے بدلے اس کے ہاتھ میں آگ کے کنگن پہنائے، انہوں نے یہ سنا تو فوراً کنگن آپ کے سامنے ڈال دیئے کہ یہ خدا اور خدا کے رسول کے ہیں۔“<sup>(۵)</sup>

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے خطبہ عید میں صدقہ و خیرات کی ترغیب دی صحابیاتؓ کا مجمع تھا، حضرت بلالؓ دامن پھیلائے ہوئے تھے اور صحابیاتؓ اپنے کان کی بالیاں سونے کے ہار اور

(۱) بخاری کتاب الجمعة باب فی قول اللہ عزوجل فاذا قضيت الصلوة فانتشروا فی الارض وابتغوا من

فضل اللہ (۲) مسلم کتاب الصلوة باب استحباب صلوة الضحی (۳) موطا کتاب الصلوة باب فی صلوة

اللیل (۴) بخاری کتاب الجمعة باب الحنف (۵) ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ باب الكنز ماہو وزکوٰۃ الحلی ۱۲

انگلیوں کے چھلے تک پھینکتی جاتی تھیں<sup>(۱)</sup> حضرت اسماءؓ کے پاس صرف ایک ہی لونڈی تھی، انہوں نے اس کو فروخت کیا اور روپیہ گود میں لیکر بیٹھیں، اسی حالت میں ان کے شوہر حضرت زبیرؓ آئے اور کہا کہ روپیہ مجھے دیدو، بولیں میں نے تو اس کو صدقہ کر دیا۔<sup>(۲)</sup> اعزہ واقارب پر صدقہ کرنا:

ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بی بی ملی حضرت زینبؓ نے ان سے کہا کہ تم نادار آدمی ہو، رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اگر آپ اجازت دیں تو میں جو صدقہ کرنا چاہتی ہوں تمہیں کو دوں، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ تمہیں جاؤ وہ آئیں، تو آستان مبارک پر اسی غرض سے ایک دوسری صحابہ بھی موجود تھیں، دونوں نے حضرت بلالؓ کے ذریعہ سے پوچھ لیا کہ دو عورتیں اپنے شوہروں اور چند یتیموں پر جو ان کی کفالت میں ہیں، صدقہ کرنا چاہتی ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ آپ نے فرمایا ”ان کو دو دو ثواب ملیں گے، ایک قرابت کا اور دوسرا صدقہ کا“ ایک بار حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر میں ابو سلمہؓ کے لڑکوں پر صدقہ کروں تو مجھ کو ثواب ملے گا، میں ان کو چھوڑ نہیں سکتی، کیونکہ وہ میرے لڑکے ہیں، آپ نے فرمایا ہاں تمہیں ثواب ملے گا۔“

ایک صحابیہؓ نے اپنی ماں کو ایک لونڈی صدقہ دی تھی، ماں کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ سے اس کی نسبت دریافت کیا آپ نے فرمایا ”صدقے کا ثواب تمہیں مل چکا اور اب وہ لونڈی تمہاری وراثت میں داخل ہو گئی“<sup>(۳)</sup> محتاج کی حسب حاجت امداد:

صحابیات موت و حیات دونوں حالتوں میں اہل حاجت کی اعانت و امداد فرماتی تھیں، غزوہ احد میں حضرت صفیہؓ آئیں اور اپنے بھائی حضرت حمزہ سید الشہداء کے کفن کے لئے دو کپڑے لائیں، لیکن ان کی لاش کے پاس ایک انصاری کی لاش بھی اسی طرح برہنہ نظر آئی، دل میں شرمائیں کہ حمزہ دو کپڑوں میں کفنائے جائیں اور انصاری کے لئے ایک کپڑا بھی نہ ہو، ناپا تو ایک کا قد بڑا نکلا، مجبوراً کپڑے پر قرعہ ڈالا گیا، اور جو کپڑا جس کے حصہ میں پڑا وہ اسی میں کفنایا گیا۔<sup>(۴)</sup>

(۱) ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الخطبہ و باب الصلوٰۃ بعد صلوٰۃ العید (۲) مسلم کتاب الاداب باب جواز ارواف المرآة الاجنبیة (۳) ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب من تصدق بصدقہ ثم ورثها (۴) مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۱۶۵

## ابواب الصوم

صائم الدہر رہنا:

آج ہماری عورتیں صوم مفروضہ میں بھی لیت و لعل کرتی ہیں لیکن بعض صحابیات صائم الدہر رہتی تھیں یعنی ہمیشہ روزہ رکھتی تھیں، حضرت ابولامہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بار بار دعائے شہادت کی درخواست کی لیکن آپ نے سلامتی کی دعا فرمائی، اخیر میں عرض کی کہ کسی ایسے عمل کی ہدایت فرمائیے کہ خدا مجھے اس سے نفع دے، آپ نے روزہ رکھنے کا حکم دیا اور انہوں نے متصل روزہ رکھنے کا التزام کر لیا، ان کے ساتھ ان کے خادم اور نبی نے بھی اس عمل صالح میں شرکت کی اور روزہ ان کے گھر کی امتیازی علامت ہو گئی اگر کسی دن ان کے گھر میں دھواں اٹھتا تو لوگ سمجھتے کہ آج ان کے گھر میں کوئی مہمان آیا ہے، ورنہ اس گھر میں دن کا کھانا کیونکر پک سکتا تھا۔<sup>(۱)</sup>

نفل کے روزے رکھنا:

بعض صحابیہؓ نفل کے روزے رکھتی تھیں، جس سے ان کے شوہر کو تکلیف ہوتی تھی انہوں نے روکا تو ان کو سخت ناگوار ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر شکایت کی، لیکن آپ نے حکم دیا کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نفل کا روزہ نہیں رکھ سکتی۔<sup>(۲)</sup> مردوں کی جانب سے روزہ رکھنا:

صحابیاتؓ نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے مردوں کی جانب سے بھی روزے رکھتی تھیں، ایک صحابیہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے اور اس پر روزے فرض تھے کیا میں ان کو پورا کر دوں؟ آپ ﷺ نے ان کو اجازت دیدی۔<sup>(۳)</sup> اعتکاف:

صحابیات کو اعتکاف کا اس قدر شوق تھا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف کے لئے خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا، تو حضرت عائشہؓ نے اپنا خیمہ الگ نصب کروایا، ان کی دیکھا دیکھی تمام ازواج مطہراتؓ نے بھی خیمہ نصب کروائے۔<sup>(۴)</sup>

(۱) مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۵۵

(۲) ابوداؤد کتاب الصیام باب المرأة تصوم بغیر اذن زوجها

(۳) بخاری کتاب الصوم باب من مات و علیہ صوم

(۴) ابوداؤد کتاب الصیام باب فی الاعتکاف

## ابواب الحج

حج :

فرائض اسلام میں اگرچہ حج صرف ایک بار فرض ہے لیکن صحابیاتؓ کو ایک بار کے حج سے کیا تسکین ہو سکتی تھی اس لئے تقریباً ہر سال فریضہ حج ادا کرتی تھیں، ایک بار حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے جہاد کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا، بہترین جہاد حج مبرور ہے، اس کے بعد سے ان کا کوئی سال حج سے خالی نہ گیا۔<sup>(۱)</sup>

صحابیاتؓ جس ذوق و شوق سے حج ادا کرتی تھیں، اس کا موثر منظر حجۃ الوداع میں دنیا کو نظر آیا رسول اللہ ﷺ نے اعلان حج کیا تو حضرت اسماء بنت عمیسؓ اگرچہ حاملہ تھیں، لیکن وہ بھی روانہ ہوئیں۔

بچہ کا حج :

بہت سے صحابہ حجۃ الوداع کی شرکت کے لئے جا رہے تھے راستے میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی، تو ایک صحابیہ جھپٹ کے آپ کے پاس آئیں اور ہودج سے اپنے بچے کو نکال کر پوچھا کیا اس کا حج بھی ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں تمہیں اس کا ثواب ملے گا۔<sup>(۲)</sup>

صحابیاتؓ فریضہ حج کے ادا کرنے میں طرح طرح کا التزام مالا یلتزم کرتی تھیں، ایک صحابیہ نے خانہ کعبہ تک پا پیادہ جانے کی نذر مانی، رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا پا پیادہ بھی چلو اور سوار بھی ہو لو<sup>(۳)</sup> اگر کسی مجبوری سے حج کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو جاتا تھا تو صحابیات کو سخت صدمہ ہوتا تھا حجۃ الوداع میں حضرت عائشہؓ کو ضرورت نسوانی سے معذوری ہو گئی، رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا تو دیکھا کہ رو رہی ہیں، فرمایا کیا ماجرا ہے؟ بولیں کہ میں نے اب تک حج نہیں کیا تھا فرمایا سبحان اللہ یہ تو فطری چیز ہے، تمام مناسک حج ادا کر لو صرف خانہ کعبہ کا طواف نہ کرو۔<sup>(۴)</sup>

مال باپ کی طرف سے حج ادا کرنا :

صحابیاتؓ نہ صرف خود بلکہ اپنے مال باپ کی جانب سے بھی حج ادا کرتی تھیں، حجۃ الوداع کے زمانہ میں ایک صحابیہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ میرے

(۱) بخاری کتاب الحج باب حج النساء (۲) ابوداؤد کتاب المناسک باب فی الصبی الحج

(۳) بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج و فضله (۴) ابوداؤد کتاب الحج مناسک باب فی افراد الحج

باپ پر حج فرض ہو گیا ہے لیکن وہ بڑھاپے کی وجہ سے سواری پر بیٹھ نہیں سکتے میں ان کی جانب سے حج ادا کروں؟ آپ ﷺ نے ان کو اجازت دیدی<sup>(۱)</sup> ایک صحابیہ کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا وہ آپ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ میری ماں نے کبھی حج نہیں کیا کیا میں ان کی جانب سے یہ فرض ادا کروں؟ آپ ﷺ نے انکو بھی اجازت دیدی<sup>(۲)</sup>

عمرہ ادا کرنا :

عمرہ فرض ہو یا نہ ہو، لیکن صحابیات اس کو نہایت پابندی کے ساتھ ادا کرتی تھیں اور جب وہ فوت ہو جاتا تھا تو ان کو سخت قلق ہوتا تھا جب حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جن لوگوں کے پاس ہدی نہ ہو وہ عمرہ ادا کر سکتے ہیں تو خیمے میں آکر دیکھا کہ حضرت عائشہؓ رورہی ہیں وجہ پوچھی تو بولیں کہ میں ضرورت نسوانی سے مجبور ہوں لیکن لوگ دو فرض (حج و عمرہ) کا ثواب لیکر جاتے ہیں اور میں صرف ایک کا فرمایا کوئی حرج نہیں خداتم کو عمرہ کا ثواب بھی عطا فرمائیں گے چنانچہ آپ نے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کو ساتھ کر دیا اور مقام یتیم میں انہوں نے جا کر عمرہ کا احرام باندھا اور آدھی رات کو فارغ ہو کر آئیں۔<sup>(۳)</sup>

## ابواب الجہاد

### شوق شہادت :

عمد نبوت میں شہادت ایک ابدی زندگی خیال کی جاتی تھی، اس لئے ہر شخص اس آب حیات کا پیاسا رہتا تھا، حضرت ام ورقہ بنت نوفلؓ ایک صحابیہ تھیں جب غزوہ بدر پیش آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھ کو شریک جہاد ہونے کی اجازت عطا فرمائی جائے میں مریضوں کی تیمارداری کروں گی، شاید مجھے بھی درجہ شہادت حاصل ہو جائے، آپ نے فرمایا گھر ہی میں رہو خدا تمہیں اسی میں شہادت دے گا، یہ معجزانہ پیش گوئی کیونکر غلط ہو سکتی تھی، انہوں نے دو غلام مدبر کئے تھے<sup>(۴)</sup> دونوں نے انکو شہید کر دیا کہ جلد آزاد ہو جائیں۔<sup>(۵)</sup>

(۱) بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج و فضله (۲) مسلم کتاب الصوم باب قضاء الصیام من المیت ۱۲  
(۳) بخاری ابواب العمرہ کتاب الحج (۴) مدبرین غلاموں کو کہتے ہیں جن سے آقا کہہ دیتا ہے کہ وہ ان کی موت کے بعد آزاد ہو جائیں گے اس لئے قدرتی طور پر یہ لوگ آقا کی موت کے متمنی ہوتے ہیں  
(۵) ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ اب امامۃ النساء

## عمل بالقرآن

صحابیاتؓ پر قرآن مجید کا شدت سے اثر پڑتا تھا، ایک بار حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ قرآن مجید کی یہ آیت:

مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزِبْهُ

”جو شخص کوئی بھی برائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا“

نہایت سخت ہے ارشاد ہوا کہ عائشہؓ تم کو خبر نہیں کہ مسلمان کے پاؤں میں اگر ایک کانٹا بھی چبھ جاتا ہے تو وہ اس کے اعمال بد کا معاوضہ ہو جاتا ہے بولیں لیکن خدا تو کہتا ہے:

فَسَوْفَ يُحَاسِبُ حِسَابًا يَسِيرًا

”خدا تو ذرا ہی برائی کا بھی حساب لے گا“

فرمایا ”اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل خدا کی بارگاہ میں پیش ہوگا، عذاب اسی کو دیا جائے گا جس کے حساب میں رد و قدح<sup>(۱)</sup> ہوگی اس اثر پذیریری کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابیات نہایت سرعت کے ساتھ قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کو تیار ہو جاتی تھیں، حضرت ابو حذیفہ بن عتبہؓ نے حضرت سالمؓ کو اپنا منہ بواپنٹا بنایا تھا، اس لئے زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق ان کو حقیقی بیٹے کے حقوق حاصل ہو گئے تھے، لیکن جب قرآن مجید کی یہ آیت:

أَدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ

”ان کو ان کے حقیقی باپوں کا پینٹا کہہ کر پکارو“

نازل ہوئی تو ان کی بی بی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ سالم پہلے ہمارے ساتھ گھر میں رہتے تھے اور ان سے کوئی پردہ نہ تھا اب آپ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ دودھ پلا دو وہ تمہارے رضاعی بیٹے ہو جائیں گے۔<sup>(۲)</sup>

زمانہ جاہلیت میں عرب کی عورتیں نہایت بے پروائی کے ساتھ دوپٹے اوڑھتی تھیں، اس لئے سینہ اور سر وغیرہ کھلا رہتا تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ

”عورتوں کو چاہیے کہ اپنے دوپٹوں کو اپنے سینوں پر ڈال دیں“

اس کا اثر یہ ہوا کہ عورتوں نے اپنے تہ بند اور متفرق کپڑوں کو پھاڑ کر دوپٹے بنائے

(۱) ابو داؤد کتاب الجنائز باب الامراض المكفرة للذنوب (۲) ابو داؤد کتاب النکاح باب ما حرّم به



اور اپنے آپ کو سیاہ چادروں سے اس طرح ڈھانپ توپ لیا کہ حضرت عائشہؓ کے قول کے مطابق یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سر کوؤں کے آشیانے بن گئے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

## منہیات شرعیہ سے اجتناب

مزا میر سے اجتناب :

راگ باجا تو بوی چیز ہے، حضرت عائشہ کا یہ حال تھا کہ لونٹ کی گھنٹی کی آواز سننا بھی پسند نہیں کرتی تھیں، اگر سامنے سے گھنٹی کی آواز آتی تو ساربان سے کہتیں کہ ٹھہر جاؤ، تاکہ یہ آواز سننے میں نہ آئے اور اگر سن لیتیں تو کہتیں کہ تیزی کے ساتھ لے چلو کہ میں اس آواز کو نہ سن سکوں۔<sup>(۲)</sup>

ایک بار ایک لڑکی ان کے گھر میں گھنگھر وپنے ہوئے داخل ہوئی گھنگھر وکی آواز سننے کے ساتھ ہی بولیں کہ گھنگھر وپنے ہوئے وہ میرے پاس نہ آنے پائے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس گھر میں اس قسم کی آوازیں آتی ہیں اس میں فرشتے نہیں آتے۔<sup>(۳)</sup>

مشتبہات سے اجتناب :

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو چیز مشتبہ ہے اس کو چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جو غیر مشتبہ ہے، حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی لیکن ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں، پس جو شخص مشتبہ گناہوں کو چھوڑ دے گا وہ کھلے ہوئے گناہوں کا سب سے زیادہ چھوڑنے والا ہوگا اور جو شخص مشتبہ گناہوں کا مرتکب ہوگا بہت ممکن ہے کہ کھلے ہوئے گناہوں کا مرتکب ہو جائے، گناہ خدا کی چراگاہ ہے اور جو شخص چراگاہ کے آس پاس چرائے گا، ممکن ہے کہ اس کے مویشی اس میں پڑ جائیں، صحابیات اس حدیث پر نہایت شدت سے عامل تھیں، ایک صحابیہ نے اپنی لونڈی کو اپنی ماں پر صدقہ کر دیا تھا، وہ مر گئیں تو اس لونڈی کی حالت مشتبہ ہو گئی، صدقہ کر چکی تھیں اور صدقہ کا مال واپس لینا جائز نہیں، ماں اس کی مالک ہو گئی تھی اور اس کے مرنے کے بعد یہ اس کی وارث ہو گئی تھیں اس لئے وہ ان کو وراثت میں مل سکتی تھی، اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لئے وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا تمہیں صدقہ کا ثواب مل چکا

(۱) ابوداؤد کتاب اللباس باب فی قول اللہ تعالیٰ ولیضربن بخمرهن (۲) مسند احمد بن حنبل جلد

۶ ص ۱۵۲ (۳) مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۴۲

لور اب وہ تمہاری وراثت میں آگئی ہیں۔<sup>(۱)</sup>  
کافروں کا ہدیہ قبول کرنا :

حضرت اسماءؓ کی ماں قبیلہ کافرہ تھیں اور حضرت ابو بکرؓ نے زمانہ جاہلیت میں ہی ان کو طلاق دیدی تھی ایک بار وہ حضرت اسماءؓ کے پاس متعدد چیزیں ہدیہ لیکر آئیں چونکہ یہ کافرہ کا ہدیہ تھا اس لئے حضرت اسماءؓ نے ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت عائشہؓ کے ذریعہ سے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر لیا آپ نے اس کو قبول کرنے کی اجازت دیدی۔<sup>(۲)</sup>

## مذہبی زندگی کے مظاہر مختلفہ

تسبیح و تہلیل :

تسبیح و تہلیل پاک مذہبی زندگی کی مخصوص علامات ہیں اور صحابیات میں یہ علامت پائی جاتی تھی ایک صحابیہؓ سامنے کنکری یا کھٹلی رکھ کر تسبیح پڑھ رہی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ اس کی کیا ضرورت ہے؟ میں اس سے آسان ترکیب بتاتا ہوں، اس کے بعد ایک دعابتادی۔<sup>(۳)</sup>

مقامات مقدسہ کی زیارت :

حصول برکت کا شوق صحابیات کو مقامات مقدسہ کی طرف کھینچ لئے جاتا تھا ایک بار ایک صحابیہؓ ہمار ہوئیں اور یہ نذرمانی کہ اگر خدا شفا دے گا تو بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھوں گی، صحت یاب ہوئیں تو سامان سفر کیا اور رخصت ہونے کے لئے حضرت میمونہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں انہوں نے کہا کہ مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھ لو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔<sup>(۴)</sup>  
ایک صحابیہؓ نے مسجد قبا تک پا پیادہ جانے کی نذرمانی تھی ابھی نذر پوری ہونے نہیں پائی تھیں کہ انتقال ہو گیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فتویٰ دیا کہ ان کی صاحبزادی نذر پوری کریں۔<sup>(۵)</sup>

(۱) ابوداؤد کتاب الوصایا ماجاء فی الرجل یهب امہ تم یوصی لہ (۲) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت اسماءؓ

(۳) ابوداؤد ابواب تصریح شہر رمضان باب التسیح بالحصی (۴) مسلم باب فضل الصلوٰۃ فی

مسجد المدینۃ و مکہ (۵) موطا امام محمد باب الرجل یحلف بالمشی الی بیت اللہ

فرائض مذہبی ادا کرنے میں جسمانی تکلیفیں اٹھانا :

شوق عبادت ہر قسم کی جسمانی تکلیفوں کو آسان کر دیتا ہے اور صحابیات میں یہ شوق موجود تھا، اس لئے وہ ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتی تھیں، اور فرائض اسلام کو بخوشی ادا کرتی تھیں حضرت آمنہ بنت نحرشؓ ایک صحابیہ تھیں، ان کا معمول تھا کہ برابر مصروف نماز رہتی تھیں، جب تھک جاتی تھیں تو ستون مسجد میں ایک رسی باندھ رکھی تھی، اس سے لٹک جاتی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے اس رسی کو دیکھا تو فرمایا، ان کو صرف اسی قدر نماز پڑھنی چاہیے جو ان کی طاقت میں ہو، اگر تھک جائیں تو بیٹھ جانا چاہیے، چنانچہ وہ رسی کھلوا کر پھنکوا دی۔<sup>(۱)</sup>

پابندی قسم :

ہم لوگ بات بات پر قسم کھایا کرتے ہیں اور ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ کس قدر ذمہ داری کا کام ہے، لیکن صحابیات بہت کم قسم کھاتی تھیں اور جس بات پر قسم کھا لیتی تھیں، اس کو پورا کرتی تھیں، ایک بار حضرت عائشہؓ عبد اللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہو گئیں اور قسم کھالی کہ اب ان سے بات چیت نہ کریں گی، لیکن جب حضرت زبیرؓ نے معافی مانگی اور دوسرے صحابہؓ نے بھی ان کی سفارش کی تو رو کر کہنے لگیں :

انی نذرت والنذر شدید

”میں نے نذر مان لی ہے اور نذر کا پورا کرنا نہایت سخت ہے“

بلآخر اصرار و سفارش سے ان کا قصور معاف کر دیا، تو کفارہ قسم میں ۴۰ غلام

آزاد کئے۔<sup>(۲)</sup>

## تجلیل الرسول

برکت اندوزی :

صحابیات ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک سے برکت اندوز ہوتی رہتی تھیں اس لئے جو بچہ پیدا ہوتا، صحابیات سب سے پہلے اس کو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر کرتیں، آپ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے، اپنے منہ میں کھجور ڈال کر اس کے منہ میں ڈالتے اور اس کے لئے برکت کی دعا فرماتے۔<sup>(۳)</sup>

(۱) ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب العاس فی الصلوٰۃ (۲) بخاری کتاب الادب باب الحجرۃ

(۳) مسلم کتاب الفضائل باب فی قرب النبی من الناس و تبرکھم

## محافظت یادگار رسول ﷺ :

صحابیات رسول اللہ ﷺ کی یادگاروں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں، حضرت عائشہؓ کے پاس آپ کا ایک جبہ محفوظ تھا، جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت اسماءؓ نے اسکو لے لیا اور محفوظ رکھا، چنانچہ جب کوئی شخص ان کے خاندان میں بیمار ہوتا تھا، تو شفاء حاصل کرنے کے لئے اس کو دھو کر اس کا پانی پلاتی تھیں۔<sup>(۱)</sup>

جن کپڑوں میں آپ کا وصال ہوا تھا، حضرت عائشہؓ نے ان کو محفوظ کر رکھا تھا، چنانچہ ایک دن انہوں نے ایک صحابی کو ایک یمنی تہ بند اور ایک کمر دیکھا کہ کہا کہ خدا کی قسم آپ ﷺ نے ان ہی کپڑوں میں داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔<sup>(۲)</sup>

ایک بار ایک صحابیہ نے آپ کی دعوت کی، آپ نے کھانے کے بعد جس مشکیزہ سے پانی پیا اس کو انہوں نے محفوظ رکھا، جب کوئی شخص بیمار ہوتا یا برکت حاصل کرنے کا موقع آتا، تو وہ اس سے پانی پیتی اور پلاتی تھیں۔<sup>(۳)</sup>

جب آپ حضرت انسؓ کے گھر تشریف لاتے تھے، تو ان کی والدہ آپ کے پسینے کو نچوڑ کر ایک شیشی میں بھر لیتی تھیں اور اس کو محفوظ رکھتی تھیں۔<sup>(۴)</sup>

غزوہ خیبر میں آپ نے ایک صحابیہ کو خود دست مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا، وہ اس کی اس قدر قدر کرتی تھیں کہ عمر بھر اس کو گلے سے جدا نہیں کیا اور جب انتقال کرنے لگیں تو وصیت کی کہ ان کے ساتھ وہ بھی دفن کر دیا جائے۔<sup>(۵)</sup>

ایک دن آپ ام سلیمؓ کے مکان پر تشریف لائے، گھر میں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا، آپ نے اس کا دہانہ اپنے منہ سے لگایا اور پانی پیا، حضرت ام سلیمؓ نے مشکیزے کے دہانے کو کاٹ کر اپنے پاس بطور یادگار رکھ لیا۔<sup>(۶)</sup>

آپ حضرت شفاء بنت عبد اللہ کے یہاں کبھی کبھی قیلوہ فرماتے تھے، اس غرض سے انہوں نے آپ کے لئے ایک بستر اور ایک خاص تہ بند بنوایا تھا، جس کو پہن کر آپ استراحت فرماتے تھے، یہ یادگاریں ایک مدت تک ان کے خاندان میں محفوظ رہیں، اخیر میں مروان نے ان سے لے لیا۔<sup>(۷)</sup>

(۱) مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۳۴۸ (۲) ابوداؤد کتاب اللباس باب فی لبس الصوف والشعر

(۳) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام نیاز (۴) بخاری کتاب الاستیذان باب من راقو ما فقال عندهم

(۵) مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۸۰ (۶) ابوداؤد کتاب اللباس باب فی لبس الصوف والشعر

(۷) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیم

ادب رسول :

صحابیات آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو دربار نبوت کے ادب عظمت کے لحاظ سے تمام کپڑے زیب تن کر لیتیں ایک صحابیہ فرماتی ہیں :

جمعت علی ثیابی فاتیت <sup>(۱)</sup> رسول اللہ ﷺ

”میں نے تمام کپڑے پہن لئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی“

اگر نادانستگی کی حالت میں بھی کوئی کلمہ آپ کی شان کے خلاف منہ سے نکل جاتا تو اس کی معافی چاہتیں ایک صحابیہ کا پتہ مر گیا تھا اور وہ اس پر رو رہی تھیں، آپ کا گزر ہوا تو فرمایا ”خدا سے ڈرو اور صبر کرو“ بولیں تمہیں میری مصیبت کی کیا پروا ہے؟ آپ چلے گئے تو لوگوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ تھے، دوڑی ہوئی آئیں اور عرض کی کہ میں نے حضور ﷺ کو نہیں پہچانا۔ <sup>(۲)</sup>

حمایت رسول اللہ ﷺ :

صحابیات اپنے دلوں میں نہایت شدت کے ساتھ آپ کی حمایت کی آرزو رکھتی تھیں حضرت طیب بن عمیرؓ اسلام لائے اور اپنی ماں اروی بنت عبدالمطلب کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ ”تم نے جس شخص کی حمایت کی وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا، اگر مردوں کی طرح ہم بھی استطاعت رکھتے تو آپ کی حفاظت کرتے اور آپ کی طرف سے لڑتے“ <sup>(۳)</sup>

خدمت رسول اللہ ﷺ :

صحابیات رسول اللہ ﷺ کی خدمت کو اپنا سب سے بڑا شرف خیال کرتی تھیں حضرت سلمیٰؓ ایک صحابیہ تھیں انہوں نے اس استقلال کے ساتھ آپ کی خدمت کی کہ ان کو خادم رسول اللہ ﷺ کا لقب حاصل ہوا۔ <sup>(۴)</sup>

سفینہ حضرت سلمہؓ کی والدہ کی لونڈی تھیں انہوں نے اس کو اس شرط پر آزاد کرنا چاہا کہ وہ اپنی عمر آپ کی خدمت گزاری میں صرف کرے اس نے کہا ”اگر آپ یہ شرط نہ بھی کرتیں تب بھی میں تانفس واپسین آپ کی خدمت سے علیحدہ نہ ہوتی“ <sup>(۵)</sup>

ہیبت رسول اللہ ﷺ :

رسول اللہ ﷺ کی پر عظمت روحانیت سے صحابیات اس قدر مرعوب ہو جاتی تھیں

(۱) ابو داؤد کتاب الطلاق باب فی عدة الحامل، اسد الغابہ تذکرہ حضرت شفا بنت عبد اللہ

(۲) ابو داؤد کتاب الجنائز باب الصبر عند الصدمہ (۳) استیعاب تذکرہ حضرت طیب بن عمیرؓ

(۴) ابو داؤد کتاب الطب باب الحاجة (۵) ایضاً کتاب العتق باب فی العتق علی الشرط

کہ جسم میں ریشہ پڑ جاتا تھا ایک بار حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو مسجد میں اکڑ بیٹھے ہوئے دیکھا ان پر آپ کے اس خشوع خضوع کی حالت کا یہ اثر پڑا کہ کانپ اٹھیں۔<sup>(۱)</sup>  
نعت رسول اللہ ﷺ :

صحابیات کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں تک آپ کی مدح میں رطب اللسان رہتی تھیں، آپ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو لڑکیاں دف بجا بجا کر یہ شعر گاتی پھرتی تھیں۔

نجن جوار من بنی النجار  
ہم خاندان بنو نجار کی لڑکیاں ہیں  
پردہ نشین عورتیں یہ اشعار پڑھتی تھیں :

یا حبذا محمدا من جار  
محمد ﷺ کتنے اچھے پڑوسی ہیں

من ثنات الوداع

طلع البدر علینا

ثنیۃ الوداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا ہے

مادعی للہ داعی

وجب الشکر علینا

ہم پر خدا کا شکر واجب ہے

جب تک دعا کرنے والے دعا کریں

حضرت عائشہؓ جب رخصت ہو کر آئیں، تو لڑکیاں دف بجا بجا کر واقعات بدر کے متعلق اشعار گاتی تھیں ان میں سے ایک نے یہ مصرعہ گایا :

وفینا نبی یعلم ما فی غد

ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔

تو آپ ﷺ نے اسے روک دیا اور کہا کہ وہی گاؤ جو پہلے گار ہی تھیں۔<sup>(۲)</sup>

### پابند کی احکام رسول ﷺ

صحابیات رسول اللہ ﷺ کے احکام کی نہایت شدت کے ساتھ پابندی کرتی تھیں آپ نے شوہر کے علاوہ اور اعزہ کے ماتم کے لئے صرف تین دن مقرر فرمائے تھے، صحابیات نے اس کی اس شدت کے ساتھ پابندی کی کہ جب حضرت زینب بنت جحشؓ کے بھائی کا انتقال ہوا تو چوتھے دن کچھ عورتیں ان سے ملنے آئیں انہوں نے ان سب کے سامنے خوشبو لگائی اور

(۱) شمائل ترمذی باب ما جاء فی حلیہ رسول اللہ ﷺ

(۲) بخاری کتاب النکاح باب ضرب الدف فی النکاح

کہا کہ مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی، لیکن میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے کہ ”کسی مسلمان عورت کو شوہر کے سوا تین دن سے زیادہ کسی کا ماتم کرنا جائز نہیں“ اس لئے یہ اسی حکم کی تعمیل تھی۔  
جب حضرت ام حبیبہؓ کے والد نے انتقال کیا تو انہوں نے تین روز کے بعد تیل لگایا، خوشبو لگائی اور کہا کہ ”مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی، صرف آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل مقصود تھی“ (۱)

ایک بار حضرت عائشہؓ کے پاس ایک سائل آیا، انہوں نے ایک روٹی کا ٹکڑا دیدیا، پھر اس کے بعد ایک خوش لباس شخص آیا تو انہوں نے اس کو بٹھا کر خوب کھانا کھلایا، لوگوں نے اس تفریق و امتیاز پر اعتراض کیا، تو یوں لیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

انزلوا الناس علی قدر منازلہم

”لوگوں کو ان کے درجہ پر رکھو“

ایک بار آپ ﷺ مسجد سے نکل رہے تھے، دیکھا کہ راستے میں مرد و عورت مل جل رہی ہیں، عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ”پیچھے رہو تم وسط راہ سے نہیں گزر سکتیں“ اس کے بعد عورتوں کا یہ حال ہو گیا کہ گلی کے کنارے سے اس طرح لگ کے چلتی تھیں کہ ان کے کپڑے دیواروں سے الجھ جاتے تھے۔ (۲)  
رضامندی رسول اللہ ﷺ:

صحابیات کو رسول اللہ ﷺ کی رضامندی کی ہمیشہ فکر رہتی تھی، اس لئے اگر آپ کبھی ناراض ہو جاتے تھے، تو ہر ممکن تدبیر سے آپ کے رضامندی کرنے کی کوشش کرتی تھیں، آپ جب حجتہ الوداع کے لئے تشریف لے گئے تو تمام نبی میاں ساتھ تھیں، سوء اتفاق سے راستہ میں حضرت صفیہؓ کا اونٹ تھک کر بیٹھ گیا وہ رونے لگیں، آپ کو خبر ہوئی تو خود تشریف لائے اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے، آپ جس قدر ان کو رونے سے منع فرماتے تھے، اسی قدر اور زیادہ روتی تھیں، جب کسی طرح چپ نہ ہوئیں تو آپ نے ان کی سرزنش فرمائی اور تمام لوگوں کو منزل کرنے کا حکم دیا، اور خود بھی اپنا خیمہ نصب کروایا، اب حضرت صفیہؓ کو خیال ہوا کہ آپ ان سے ناراض ہو گئے، اس لئے آپ کی رضامندی کی تدبیریں اختیار کیں۔ اس غرض سے حضرت عائشہؓ کے پاس گئیں اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنی

(۱) ابو داؤد کتاب الطلاق باب اعداد المتوفی عنہا زوجہا

(۲) ابو داؤد کتاب الادب باب فی مشی النساء فی الطريق

ملی کا دن کسی چیز کے معاوضہ میں نہیں دے سکتی، لیکن اگر آپ رسول اللہ ﷺ کو مجھ سے راضی کر دیں تو میں اپنی باری کا دن آپ کو دیتی ہوں، حضرت عائشہؓ نے آمادگی ظاہر کی اور ایک دوپٹہ لوڑھا جو زعفرانی رنگ میں رنگا ہوا تھا، پھر اس پر پانی کے چھینٹے دیئے کہ خوشبو خوب پھیلے اس کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور خیمہ کا پردہ اٹھایا تو آپ ﷺ نے فرمایا، عائشہؓ یہ تمہاری باری کا دن نہیں ہے، یوں لیں۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ (۱) یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے“  
تفویض الی الرسول ﷺ :

عورت کے لئے نکاح کا معاملہ سب سے اہم ہوتا ہے، لیکن صحابیاتؓ نے اپنے آپ کو بالکل رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں دیدیا تھا اس لئے آپ جس سے چاہتے تھے ان کا نکاح کر دیتے تھے اور وہ خوشی اس کو قبول کر لیتی تھیں، حضرت فاطمہ بنت قیسؓ ایک صحابیہ تھیں، جن سے ایک طرف تو حضرت عبدالرحمن بن عوف جو نہایت دولت مند صحابی تھے نکاح کرنا چاہتے تھے دوسری طرف آپ نے حضرت اسامہ بن زید کے متعلق ان سے گفتگو کی تھی، لیکن حضرت فاطمہ بنت قیس نے آپ کو اپنی قسمت کا مالک بنا دیا تھا اور کہا کہ میرا معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے، جس سے چاہئے نکاح کر دیجئے۔ (۲)

حبیبؓ ایک ظریف الطبع صحابی تھے، جو راستوں میں بھی ظرافت اور مذاق کی باتیں کرتے تھے، اس لئے صحابہ کرامؓ ان کو عموماً ناپسند کرتے تھے، ایک بار آپ نے ان کے لئے ایک انصاری لڑکی سے نکاح کا پیغام دیا، انہوں نے کہا کہ اس کی ماں سے مشورہ کر لوں، ماں نے حبیب کا نام سنا تو انکار کیا، لیکن لڑکی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی بات نامنظور نہیں کی جاسکتی، مجھے آپ کے حوالہ کر دو، خدا مجھے ضائع نہ کرے گا۔ (مسند ج: ۴، ص: ۲۳۲)

ضیافت رسول اللہ ﷺ :

اگر خوش قسمتی سے صحابیاتؓ کو کبھی رسول اللہ ﷺ کی ضیافت کا موقع ملتا تو نہایت عزت، محبت اور ادب کے ساتھ اس فرض کو جالاتیں، ایک بار آپ حضرت ام حرامؓ کے مکان پر تشریف لے گئے تو انہوں نے دعوت کی آپ نے قبول فرمائی اور وہیں قیلولہ فرمایا۔ (۳)

ایک بار ایک صحابی نے آپ کی دعوت کی، دعوت کھا کر آپ رولنہ ہوئے تو ان کی بی بی نے پردے سے سر نکال کر کہا ”یا رسول اللہ ﷺ مجھ پر اور میرے شوہر پر درود بھجئے جائیے“ آپ نے فرمایا خدا تم پر تمہارے شوہر پر رحمت نازل فرمائے“ (مسند ابن حنبل ج: ۳، ص: ۳۹۸)

(۱) مسند احمد بن حنبل جلد ۶، ص ۳۳۸ (۲) نسائی کتاب النکاح الخطبہ فی النکاح

(۳) ابو داؤد کتاب الجہاد، باب فی رکوب البحر فی الغزو



بعض صحابیات خود کوئی نئی چیز پکا کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتی تھیں۔ ایک بار حضرت ام ایمن نے آنا چانا اور اس کی روٹیاں تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیں آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ بولیں ”ہمارے ملک میں اسی کارواج ہے میں نے چاہا کہ آپ کے لئے بھی اسی قسم کی روٹیاں تیار کروں، لیکن آپ نے کمال زہد و تقشف سے فرمایا، آٹے میں چو کر ملا کر پھر گوندھو“ (سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمۃ)

محبت رسول اللہ ﷺ: صحابیات کے دل آپ کی محبت سے لبریز تھے، لہذا وہ اظہار اس کا مختلف طریقوں سے کرتی تھیں، حضرت ام عطیہ ایک صحابیہ تھیں، وہ جب آپ کا ذکر کرتیں تو فرط محبت سے کہتیں بلا یعنی میں آپ پر قربان آپ جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو صحابیات فرط محبت سے آپ کی واپسی اور سلامتی کے لئے نذریں مانتی تھیں۔ ایک بار آپ کسی غزوہ سے واپس آئے تو ایک صحابیہ نے کہا کہ یا رسول اللہ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر خدا آپ کو صحیح و سالم واپس لائے گا تو آپ کے سامنے دف بجایا کر گیت گاؤں گی (ترمذی کتاب المناقب ابی حفص عمر بن خطاب)

شوق محبت رسول: صحابیات کے دل میں آپ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا شوق نہایت رہتا تھا، حضرت قیلہ بیوہ ہو گئیں تو بچوں کو ان کے بچانے لے لیا اب وہ تمام دنیاوی جھگڑوں سے آزاد تھی اس لئے ایک صحابی کے ساتھ خدمت مبارک میں حاضر ہوئی اور آپ کی تعلیمات و تلقینات سے عمر بھر فائدہ اٹھایا (طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت قیلہ)

## فضائل اخلاق

استعفاف: فیض تربیت نبوی ﷺ نے صحابیات کے ایک ایک فرد کو غیرت، خودداری اور عزت نفس کا مجسمہ بنا دیا تھا، اس لئے وہ کسی کے سامنے دست سوال نہیں پھیلاتی تھیں، ماں باپ سے مانگتے ہوئے کسی کو شرم نہیں آتی، لیکن صحابیات کی غیرت اس کو بھی گوارہ نہیں کرتی تھی کہ ماں باپ سے بھری محفل میں سوال کیا جائے، حضرت فاطمہ گھر کے کام کاج سے تنگ آگئی تھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ لونڈی غلام آئے، حاضر خدمت ہوئیں کہ آپ سے ایک غلام مانگیں، دیکھا کہ آپ سے کچھ لوگ باتیں کر رہے ہیں، شرم کے مارے واپس آئیں۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب فی النسیح)

ایشار: ایک اخلاقی وصف ہے، لیکن ایشار فیاضی کی اعلیٰ ترین قسم ہے، لہذا وہ صحابیات میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی، حضرت عائشہ نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق کے پہلو میں اپنی قبر کے لئے جگہ مخصوص کر رکھی تھی، لیکن جب حضرت عمر نے ان سے درخواست کی تو انہوں نے یہ تحفہ جنت ان کو دے دیا اور فرمایا:

’ کنت اریده لنفسی ولا وثرن به الیوم علی نفسی <sup>(۱)</sup>

”میں نے خود اپنے لئے اس کو محفوظ رکھا تھا، لیکن آج اپنے اوپر آپ کو ترجیح دیتی ہوں“  
ایک دن وہ روزہ سے تھیں، گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا ایک مسکین عورت آئی،  
انہوں نے لونڈی سے کہا کہ روٹی اس کو دے دو، اس نے کہا افطار کس چیز سے کیجئے گا، بولیں دے  
تو دو! شام ہوئی تو کسی نے بحری کا گوشت بھجوا دیا، لونڈی کو بلا کر کہا، یہ تیری روٹی سے بہتر ہے <sup>(۲)</sup>  
فیاضی: صحابہ کی طرح اسلام کو صحابیات کی فیاضی سے بھی بہت کچھ ثبات و استحکام حاصل  
ہوا، حضرت ام سلیمؓ نے اپنا نخلستان خاص رسول اللہ ﷺ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ <sup>(۳)</sup>

حضرت عائشہؓ اس قدر فیاض تھیں کہ جو کچھ ہاتھ آجاتا تھا، اس کو صدقہ کر دیتی  
تھیں، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کو فیاضی سے روکنا چاہا، تو اس قدر رہم ہوئیں کہ ان سے  
بات چیت نہ کرنے کی قسم کھالی <sup>(۴)</sup>، حضرت اسماء ان سے بھی زیادہ فیاض تھیں، حضرت عائشہؓ کا  
معمول یہ تھا کہ جمع کرتی جاتی تھیں، جب معتد بہ سرمایہ جمع ہو جاتا تھا، تو اسکو تقسیم کر دیتی تھیں،  
لیکن حضرت اسماء کل کے لئے کچھ نہیں رکھتی تھیں، روز کے روز خرچ کر دیا کرتی تھیں۔ <sup>(۵)</sup>

ایک بار حضرت منکر بن عبداللہ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بولیں  
کہ تمہارے کوئی لڑکا ہے، انہوں نے کہا نہیں، فرمایا، اگر میرے پاس درہم ہوتے تو میں تم  
کو دے دیتی، حسن اتفاق سے شام ہی کو حضرت امیر معاویہ نے ان کے پاس روپے بھجے، بولیں،  
کسی قدر جلد میری آزمائش ہوئی، فوراً آدمی بھیج کر ان کو بلایا، اور دس ہزار درہم دے دیئے،  
انہوں نے اس رقم سے ایک لونڈی خرید لی، اس سے ان کے متعدد بچے پیدا ہوئے۔ <sup>(۶)</sup>

ازواج مطہراتؓ میں حضرت زینب بنت جحشؓ نہایت فیاض تھیں، وہ اپنے ہاتھ سے  
چمڑے کی دباغت کرتی تھیں، اور جو کچھ آمدنی اس سے ہوتی تھی، مساکین کو دے دیتی تھیں،  
ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہو گا وہ مجھ سے سب سے  
پہلے ملے گا، اس بنا پر ازواج مطہرات اپنے ہاتھوں کو ناپتی تھیں، حضرت زینب کے ہاتھ سب  
سے چھوٹے تھے، لیکن جب سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا، تو ازواج مطہرات کو معلوم ہوا کہ  
لبے ہاتھ سے فیاضی مراد تھی۔ <sup>(۷)</sup>

(۱) بخاری کتاب المناقب باب قضیۃ الیعة

(۲) مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب الترغیب فی الصدقہ (۳) صحیح بخاری

(۴) بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش (۵) ادب المفرد باب السخاوة

(۶) طبقات ابن سعد تذکرہ منکر بن عبداللہ (۷) اصحابہ تذکرہ حضرت زینب بنت جحش

مخالف سے انتقام نہ لینا:

اگر مخالف کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے، تو انتقام لینے کا اس سے بہتر کوئی اور موقع نہیں مل سکتا، لیکن صحابیات کے دل میں خدا اور رسول کی محبت نے بغض و انتقام کی جگہ کب چھوڑی تھی؟ حضرت عائشہ اور حضرت زینبؓ میں باہم نوک جھونک رہتی تھی، لیکن جب حضرت عائشہ پر اہتمام لگایا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب سے ان کی اخلاقی حالت دریافت فرمائی، تو بجائے اس کے کہ وہ انتقام لیتیں، بولیں کہ میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کی پوری حفاظت کرتی ہوں، مجھے ان کی نسبت بھلائی کے سوا کچھ معلوم نہیں ہے، حضرت عائشہ کو خود اعتراف ہے کہ:

وہی اللتی تسامینی فعصمها اللہ بالودع<sup>(۱)</sup>

”وہ اگرچہ میری حریف تھیں، لیکن خدا نے تو روع کی وجہ سے ان کو چالیا“

انتقام تو بڑی چیز ہے، صحابیات اپنے مخالفوں سے بغض رکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں، حضرت معاویہ بن خدیج نے حضرت عائشہ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو قتل کر دیا تھا، ایک بار وہ کسی فوج کے سپہ سالار تھے، حضرت عائشہ نے ایک شخص سے پوچھا کہ اس غزوہ میں معاویہ کا سلوک کیسا رہا؟ اس نے کہا ”ان میں کوئی عیب نہ تھا، سب لوگ ان کے مداح رہے، اگر کوئی اونٹ ضائع ہو جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا اونٹ دے دیتے تھے، اگر کوئی گھڑا مر جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا گھوڑا دے دیتے تھے، اگر کوئی غلام بھاگ جاتا تھا تو اس کی جگہ دوسرا غلام دیتے تھے، حضرت عائشہ نے سن کر کہا، استغفر اللہ اگر میں ان سے بغض اس بنا پر رکھوں کہ انہوں نے میرے بھائی کو قتل کیا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ خدا! ”جو شخص میری امت کے ساتھ ملاحظت کرے تو بھی اس کے ساتھ ملاحظت کر اور جو شخص اس پر سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر“<sup>(۲)</sup>

مہمان نوازی:

حضرت ام شریک نہایت دولت مند اور فیاض صحابیہ تھیں، انہوں نے اپنے مکان کو گویا مہمان خانہ بنا دیا تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باہر سے جو مہمان آتے تھے وہ اکثر انہیں کے مکان پر ٹھہرتے تھے۔<sup>(۳)</sup>

(۱) بخاری کتاب الشهادات ۱۔ ۲۔ ۳۔ النساء بعضہن بعضا (۲) اسد الغابہ تذکرہ حضرت معاویہ بن خدیج (۳) نسائی کتاب النکاح ۱۔ خطبہ فی النکاح

## عزت نفس :

صحابیاتؓ عزت نفس کا مجموعہ تھیں، حضرت عبداللہ بن زبیر جس دن شہید ہوئے اس روز اپنی والدہ حضرت اسماءؓ کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے ان کو دیکھا تو بولیں بیٹا قتل کے خوف سے ہرگز ایسی شرط قبول نہ کر لینا جس پر تم کو ذلت برداشت کرنی پڑے خدا کی قسم عزت کے ساتھ تلوار کھا کر مر جانا اس سے بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوڑے کی مار برداشت کر لی جائے۔

## صبر و ثبات :

مردوں پر نوحہ کرنا بال نوحہ، کپڑے پھاڑ ڈالنا، مدتوں مرثیہ خوانی کرنا عرب کا قومی شعار تھا، لیکن فیض تربیت نبوی نے صحابیات کو صبر کا اس قدر خوگر بنا دیا تھا کہ حضرت ابو طلحہ انصاری کا لڑکا بیمار ہوا، وہ صبح کے وقت اس کو بیمار چھوڑ کر کام کاج کے لئے باہر چلے گئے، ان کی عدم موجودگی میں یہاں لڑکا جاں بحق تسلیم ہو گیا، لیکن ان کی بی بی نے لوگوں سے کہہ دیا کہ ابو طلحہ سے نہ کہتا وہ شام کو پلٹے تو بی بی سے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے؟ بولیں پہلے سے زیادہ سکون کی حالت میں ہے، یہ کہہ کر کھانا لائیں، اور انہوں نے کھانا کھایا، صبح ہوئی تو کہا کہ اگر ایک قوم کسی کو کوئی چیز عاریتہ دے اور پھر اس کا مطالبہ کرے تو کیا اس کو اس کے رکھنے کا حق حاصل ہے؟ بولے ”نہیں“ بولیں ”تو پھر اپنے بیٹے کو بھی صبر کرو“<sup>(۱)</sup>

رسول اللہ ﷺ غزوہ احد سے واپس آئے، تو تمام صحابیات اپنے اپنے اعزہ و اقارب کا حال پوچھنے آئیں، انہی میں حضرت حمنہ بنت جحش بھی تھیں، وہ آئیں تو آپ نے فرمایا کہ حمنہ! اپنے بھائی عبداللہ بن جحش کو صبر کرو، انہوں نے اناللہ پڑھا، اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی، آپ نے پھر فرمایا کہ اپنے ماموں حمزہ بن عبدالمطلب کو بھی صبر کرو، انہوں نے اس پر بھی اناللہ پڑھا اور دعائے مغفرت کر کے خاموش ہو رہیں۔<sup>(۲)</sup>

حضرت عبداللہ بن زبیر جب حجاج سے معرکہ آرا ہوئے تو ان کی والدہ حضرت اسماءؓ بیمار تھیں وہ انکے پاس آئے، اور مزاج پر سی کے بعد بولے کہ مرنے پر آم ہے ”بولیں“ شاید تم کو میرے مرنے کی آرزو ہے، لیکن جب تک دو باتوں میں سے ایک نہ ہو جائے، میں مرنا پسند نہ کروں گی، یا تو تم شہید ہو جاؤ، اور میں تم کو صبر کر لوں، یا فتح و ظفر حاصل کرو کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں،

(۱) مسلم کتاب الادب باب استحباب تخلیک الہود عند ولاوتہ الخ

(۲) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت حمنہ بنت جحش

چنانچہ جب وہ شہید ہو چکے تو حجاج نے ان کو سولی پر لٹکا دیا، حضرت اسماء باوجود پیرانہ سالی کے یہ عبرت ناک منظر دیکھنے کے لئے آئیں اور بجائے اس کے کہ وہ روتی پینتیں، حجاج کی طرف مخاطب ہو کر کہا اس سوار کے لئے ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ اپنے گھوڑے سے نیچے اترے۔<sup>(۱)</sup>

### شجاعت :

غزوات میں صحابہ کرامؓ نے جس طرح داد شجاعت دی، صحابیات کے بہادرانہ کارنامے اس سے بھی حیرت انگیز ہیں، غزوہ حنین میں کفار نے اس زور شور سے حملہ کیا تھا کہ میدان جنگ لرز اٹھا تھا، لیکن حضرت ام سلیم کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے منتظر تھیں کہ کوئی کافر سامنے آئے تو اس کا کام تمام کر دیں، چنانچہ حضرت ابو طلحہؓ نے ان کے ہاتھ میں خنجر دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بولیں کہ چاہتی ہوں کہ کوئی کافر قریب آئے تو پیٹ میں بھونک دوں۔ (ابوداؤد کتاب الجہاد فی السلب يعطى القتال)

غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ نے تمام عورتوں کو ایک قلعہ میں کر دیا تھا، ایک یہودی آیا، اور قلعہ کے گرد چکر لگانے لگا، حضرت صفیہ نے دیکھا تو حضرت حسان بن ثابت سے کہا کہ یہ جاسوس معلوم ہوتا ہے، اس کو قتل کر دو، بولے تمہیں تو معلوم ہے کہ میں اس میدان کا مرد نہیں، اب حضرت صفیہؓ خود اتریں اور خیمہ کی ایک میخ اکھاڑ کر اس زور سے مارا کہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ (اسد الغابہ تذکرہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب)

زہد و تقشف :

صحابیات نہایت زاہدانہ اور متشفانہ زندگی بسر کرتی تھیں ایک بار ایک شخص حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا بولیں ذرا ٹھیر جاؤ میں اپنی نقاب سی لو، اس نے کہا اگر میں لوگوں کو اس کی خبر کر دوں تو لوگ آپ کو خلیل سمجھیں گے بولیں ”جو لوگ پرانا دھرا نا کپڑا نہیں پہنتے ان کو آخرت میں نیا کپڑا نصیب نہ ہوگا“<sup>(۲)</sup>

زندہ دلی :

صحابیات کے جذبات کو اسلام نے تروتازہ اور شگفتہ کر دیا تھا، اس لئے ان میں زندہ دلی پائی جاتی تھی، عید کے دن معمولاً لڑکے لڑکیاں رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہو کر باجے بجاتے تھے، اور مسرت کے ترانے گاتے تھے۔ بخاری کتاب العیدین باب سنة العیدین لاهل الاسلام)

(۱) استیعاب تذکرہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ (۲) ادب المفرد باب الرفق فی المعیشہ

رازداری :

صحابیات کا سینہ راز کا مدفن تھا جس سے وہ قیامت تک باہر نہیں نکل سکتا تھا، ایک دن آپ کی خدمت میں تمام ازواج مطہرات جمع تھیں، حضرت فاطمہ بھی اسی حالت میں آگئیں، آپ نے ان کو مر جا کہا اور اپنے دائیں جانب بٹھا لیا اور آہستہ سے ان کے کان میں ایک بات کہی، وہ چیخ مار کر رو پڑیں، پھر آپ نے آہستہ سے ایک بات کہی جس سے وہ ہنس پڑیں، آپ چلے گئے، تو تمام بی بیوں نے اس کی وجہ پوچھی، یولیس، میں آپ کی زندگی میں آپ کا راز فاش نہیں کر سکتی۔<sup>(۱)</sup>

عفت و عصمت :

اسلام نے پاکیزگی اخلاق کی جو تعلیم دی ہے، اس نے صحابیات کو عصمت و عفت کا مجسمہ بنا دیا، ایک صحابیہ کو جن کی اخلاقی حالت زمانہ جاہلیت میں اچھی نہیں تھی، ایک شخص نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو یولیس، ہو، وہ زمانہ گیا، اور اسلام آیا،<sup>(۲)</sup> اسلام کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ لونڈیاں تک بدکاری سے ابا کرنے لگی، بیسکہ کہ ایک لونڈی تھی، جس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر شکایت کی کہ میرا آقا مجھ کو بدکاری پر مجبور کرتا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لَا تُكْرَهُوا فَتْيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ<sup>(۳)</sup>

”اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو“

اس جرم کا ارتکاب تو صحابیات سے بہت بعید تھا، وہ اس کو گورا بھی نہیں کرتی تھیں کہ کسی نامحرم کی نگاہ بھی ان پر پڑے، ایک بار حضرت مغیرہ بن شعبہ نے نکاح کرنا چاہا، اور رسول اللہ ﷺ سے مشورہ طلب کیا، آپ نے فرمایا کہ پہلے عورت کو جا کر دیکھ لو، اس غرض سے اس کے گھر گئے، عورت نے پردہ سے کہا ”اگر رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے تو خیر، ورنہ تمہیں خدا کی قسم۔“<sup>(۴)</sup>

اس معصیت کا ارتکاب تو بڑی چیز ہے، اگر خدا نخواستہ صحابیات پر کبھی اس قسم کا اہتمام بھی لگ جاتا تھا تو ان کے خرمن عقل و ہوش پر بجلی گر پڑتی تھی، حضرت عائشہ کے کانوں میں جب واقعہ افک کی بھنک پڑتی تو بے ہوش ہو کر گر پڑیں، لرزہ مٹا آگیا، اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔<sup>(۵)</sup>

(۱) مسلم کتاب الفضائل مناقب فاطمہ (۲) مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۸۷ (۳) ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی تعظیم الزناء (۴) سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب النظر الی المرأة اذا اراد ان یتزوجها (۵) بخاری کتاب بدر الخلق باب قول اللہ عز و جل 'نقد کان فی یوسف و اخوته آیات للمساءلین .

## حسن معاشرت

مصالحت اور صفائی :

اگر بہ مقتضائے فطرت انسانی صحابیات کسی سے ناراض ہو جاتی تھیں، تو ان کو اس چند روزہ ناگواری پر نہایت افسوس ہوتا تھا، ایک معاملہ میں حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن زبیر سے ناراض ہو گئیں اور بات چیت نہ کرنے کی قسم کھالی، عفو تفسیر کے بعد جب ان کو یہ قسم یاد آتی تھی تو اس قدر روتی تھیں کہ دوپٹہ تر ہو جاتا تھا۔<sup>(۱)</sup>

صلح رحم :

حضرت زینب اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ ہا صلہ رحمی کا سلوک کرتیں تھیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :

ولم ارا امرأة قط خيرا في الدين من زينب و اتقى الله و اصدق حديثا و اوصل للرحم<sup>(۲)</sup>  
”میں نے زینب سے زیادہ دیندار زیادہ پرہیزگار، زیادہ سچی اور زیادہ صلہ رحمی کرنے والی عورت نہیں دیکھی“

حضرت اسماءؓ نے ایک جائیداد وراثت پائی تھی، اور ان کو ایک لاکھ کی رقم حضرت امیر معاویہ نے دی تھی، لیکن انہوں نے اس مال و جائیداد کو حضرت قاسم بن محمد اور لن ابی عتیق پر جو ان کے قرابت دار تھے، ہیہ کر دیا۔<sup>(۳)</sup>

صحابیات کی صلہ رحمی صرف اعزہ کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ وہ کافر قرابت داروں کی قرابت کا بھی لحاظ رکھتی تھیں، حضرت اسماءؓ ہجرت کر کے مدینہ آئیں، تو ان کی والدہ کافرہ تھیں، ان کے پاس آئیں، اور مالی مدد مانگی، حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ کیا وہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہیں آپ نے فرمایا ہاں،<sup>(۴)</sup> چنانچہ انہوں نے ان کو مدد دی، حضرت صفیہؓ نے اپنے ایک یہودی قرابت دار کے لئے جائیداد کی وصیت کی تھی۔<sup>(۵)</sup>

ہدیہ دینا :

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہدیہ ازدیاد محبت کا ذریعہ ہے، اس لئے ایک دوسرے

(۱) بخاری کتاب الادب باب الهجرة (۲) مسلم کتاب الفضائل باب فضائل عائشہ (۳) بخاری کتاب الہبہ باب ہبۃ الواحد للجماعۃ (۴) مسلم کتاب الزکوٰۃ باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین (۵) مسند دارمی کتاب الوصایا باب الوصیۃ لاهل الذمہ

کے پاس عموماً ہدیہ بھیجا کرتی تھیں۔

حضرت لسیہ انصاریہؓ اس قدر مفلس تھیں کہ ان پر صدقہ کا مال حلال تھا، تاہم اس حالت میں بھی وہ ازواج مطہرات کی خدمت میں ہدیہ بھیجتی تھیں ایک بار ان کے پاس صدقہ کی بحری آئی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہؓ کے پاس ہدیہ بھیجا<sup>(۱)</sup> حضرت بریرہ کے پاس بھی جو صدقہ آتا تھا وہ ازواج مطہرات کو ہدیہ دے دیا کرتی تھیں۔<sup>(۲)</sup> خادموں کے ساتھ سلوک :

صحابیات خادموں کے ساتھ جیسا سلوک کرتی تھیں اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار رات کو عبد الملک اٹھا اور اپنے خادم کو آواز دی اس نے آنے میں دیر لگائی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی، حضرت ام الدرداء اس کے محل میں تھیں صبح ہوئی تو کہا کہ تم نے رات اپنے خادم پر لعنت بھیجی، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لعنت بھیجنے والے قیامت کے دن شفعا یا شہد نہ ہوں گے۔<sup>(۳)</sup>

باہمی اعانت :

صحابیات مصیبت میں دوسروں کی اعانت فرماتی تھیں اور ہمسایہ صحابیات اپنی پڑوسنوں کو ہر قسم کی مدد دیتی تھیں، حضرت اسماء کو روٹی پکانا نہیں آتی تھی، لیکن ان کی پڑوسنیں ان کی روٹی پکایا کرتی تھیں۔<sup>(۴)</sup>

اگر عورتوں کو اپنے شوہروں سے شکایت پیدا ہوتی، تو وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا درد دکھ کہتی تھیں، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نہایت پر زور طریقے سے ان کی سفارش کرتی تھیں، ایک بار ان کی خدمت میں ایک عورت سبز دوپٹہ اوڑھ کر آئی، اور جسم کھول کر دکھایا کہ شوہر نے اس قدر مارا ہے کہ بدن پر نیل پڑ گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ مسلمان عورتیں جو مصیبت برداشت کر رہی ہیں، ہم نے ایسی مصیبت نہیں دیکھی، دیکھئے اس کا چمڑا دوپٹہ سے زیادہ سبز ہو گیا ہے بخاری کی اس روایت کے آخر میں عموماً عورتوں کی نسبت یہ الفاظ ہیں۔

والنساء ینصر بعضہن بعضاً

(۱) بخاری کتاب الزکوٰۃ باب قدر کم يعطی من الزکوٰۃ والصدقة ومن اعطی شاة (۲) مسلم کتاب الزکوٰۃ باب اباحة الهدیه للنبی ﷺ ولبنی ہاشم ولبنی عبدالمطلب وان کان المہدی ملکھا بطریق الصدقہ (۳) کتاب البر والصلہ وآداب باب النهی عن لعن الدواب وغیرھا (۴) مسلم کتاب الآداب باب ارداف المرأة الاجنبية اذا عیت فی الطريق



”عورتوں کی یہ فطرت ہے کہ ایک دوسرے کی اعانت کرتی ہیں“<sup>(۱)</sup>

ایک شخص کی مٹی کی بیہوشی وہ حضرت ام الدرداءؓ کے پاس آئے انہوں نے حال پوچھا تو انہوں نے کہا مٹی بیہوش ہے اب انہوں نے ان کو بٹھا کر کھانا کھلایا اور جب تک ان کی مٹی بیہوش رہی حال پوچھتیں اور کھانا کھلاتی رہیں۔<sup>(۲)</sup>

عیادت :

صحابیات ہر ممکن طریقہ سے مریضوں کی عیادت کرتی تھیں ایک بار اہل صفہ میں سے ایک صحابی بیمار تھے حضرت ام الدرداء اونٹ پر سوار ہو کر آئیں اور ان کی عیادت کی۔<sup>(۳)</sup>

تیمارداری :

صحابیات نہایت دل سوزی سے مریضوں کی تیمارداری کرتی تھیں، حضرت عبداللہ بن مظعون بیمار ہوئے تو حضرت ام الحساء اور ان کے تمام خاندان نے ان کی تیمارداری کی ان کا انتقال ہو گیا تو کفن پہنانے کے بعد حضرت ام الحساء نے محبت کے لہجے میں کہا تم پر خدا کی رحمت ہو میں شہادت دیتی ہوں کہ خدا نے تمہاری عزت کی۔<sup>(۴)</sup>

حضرت زینب مرض الموت میں بیمار ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات سے پوچھا کہ کون ان کی تیماردار کرے گا؟ تمام بی بیوں نے کہا ”ہم“ ان کا انتقال ہوا تو پھر دریافت کیا کہ کون ان کو غسل و کفن دے گا؟ تمام بی بیوں نے کہا ”ہم“<sup>(۵)</sup>

عزاداری :

صحابیات عزاداری کو اپنا فرض خیال کرتی تھیں ایک بار رسول اللہ ﷺ ایک صحابی کو دفن کر کے آرہے تھے راہ میں دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ جارہی ہیں پوچھا گھر سے کیوں نکلیں؟ بولیں اس گھر میں عزاداری کے لئے گئی تھی۔<sup>(۶)</sup>

عرب جاہلیت میں عزاداری کا یہ طریقہ تھا کہ عورتیں برادری میں جا کر باہم مردوں پر نوحہ کرتی تھیں، لیکن اسلام نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹا دیا، چنانچہ جب عورتیں اسلام لائیں تھیں تو ان سے اس رسم کے چھوڑنے کا معاہدہ لیا جاتا تھا ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام عطیہؓ سے یہ معاہدہ لینا چاہا تو بولیں فلاں خاندان نے زمانہ جاہلیت میں ہمارے مردے پر نوحہ کیا

(۱) بخاری کتاب اللباس باب الثیاب الحضرة (۲) ادب المفرد باب عیادت الصبیان (۳) ایضاً باب عیادة النساء الرجل المریض (۴) بخاری کتاب الشہادات باب القرعة فی المشکلات (۵) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت زینب (۶) ابو داؤد کتاب الحائز باب فی التعزیر

ہے، مجھے اس کا معاوضہ ادا کرنا ضروری ہے چنانچہ آپ نے ان کو اس کی اجازت دیدی۔<sup>(۱)</sup>  
محبت اولاد :

صحابیات اپنے بچوں سے نہایت محبت رکھتی تھیں، ایک بار ایک صحابی نے نبی علی کو طلاق دیدی اور بچے کو اس سے لینا چاہا، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ ”میرا پیٹ اس کا ظرف میری چھاتی اس کا مشکیزہ اور میری گود اس کا گہوارہ تھا اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے آپ نے فرمایا ”جب تک تم دوسرا نکاح نہ کر لو تم بچے کی سب سے زیادہ مستحق ہو“<sup>(۲)</sup> اگرچہ یہ وصف عموماً تمام صحابیات میں پایا جاتا تھا لیکن اس باب میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں، چنانچہ خود آنحضرت ﷺ نے ان کی خصوصیت کی مدح فرمائی۔

نعم النساء نساء قریش احناهن علی الولد وارعاهن علی الزوج<sup>(۳)</sup>  
”قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں، بچوں سے محبت رکھتی ہیں، اور شوہروں کے مال و اسباب کی نگرانی کرتی ہیں“  
بھائی بہن سے محبت :

صحابیات اپنے بھائی اور بہنوں سے نہایت محبت رکھتی تھیں، حضرت عبداللہ بن ابی بکر کا مقام جش میں انتقال ہوا اور لاش مکہ میں دفن ہوئی تو حضرت عائشہؓ فرط محبت سے ان کی قبر تک آئیں اور ایک مشہور مرثیہ کے چند اشعار پڑھے۔

و کنا کندماتی جذیمة حقبة من الدهر حتی قیل لن یتصدعا  
اور ہم دونوں ایک مدت تک جذیمہ کے دونوں ہم نشینوں کی طرح ساتھ رہے، یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ ان میں کبھی جدائی نہ ہوگی۔

فلما تفرقنا کان وما لکاً بطول اجتماع لم نبت لیلۃ معاً<sup>(۴)</sup>  
لیکن جب جدائی ہوئی تو ایسی ہوئی کہ گویا ہم نے اور مالک نے باوجود طویل ملاقات کے ایک رات بھی ساتھ بسر نہیں کی تھی۔

حضرت حمزہؓ غزوہ احد میں شریک ہوئے، تو ان کی بہن حضرت صفیہؓ آئیں کہ مقتل میں ان کا پتہ لگائیں لیکن لوگوں نے ان کی پریشانی کے خیال سے نہیں بتایا، آخر رسول اللہ ﷺ

(۷۱) مسلم کتاب الجنائز باب التشدید فی النیاحۃ (۲) ابو داؤد کتاب الطلاق باب من احق بالولد )

(۳) بخاری کتاب النکاح (۴) ترمذی کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الزیارة للقبور للنساء

کے پاس آئیں تو آپ کو خوف پیدا ہوا کہ اس واقعہ سے ان کی عقل نہ جاتی رہے، اس لئے ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے انا اللہ پڑھا اور رونے لگیں<sup>(۱)</sup>

حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوا تو تمام عورتیں رونے لگیں، حضرت فاطمہؓ ان کی قبر کے پاس روتی تھیں تو رسول اللہ ﷺ ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھتے تھے۔<sup>(۲)</sup>

حمایت والدین :

صحابیات والدین کی حمایت سے سخت موقعوں پر بھی اغماض نہیں کرتی تھیں ایک بار کفار نے حالت نماز میں رسول اللہ ﷺ کی گردن میں اونٹ کی اوجھ ڈال دی حضرت فاطمہؓ دوڑ کے آئیں اس کو آپ کی گردن سے نکال کر پھینک دیا اور کفار کو برا بھلا کہا۔<sup>(۳)</sup>

پرورش یتیمی :

یتیموں کی پرورش بڑی نیکی کا کام ہے، حدیث شریف میں آیا ہے :

انا و کافل الیتیم کھاتین فی الجنة

” ہم اور یتیموں کی پرورش کرنے والے جنت میں اس قدر قریب ہوں گے جس قدر یہ دونوں انگلیاں قریب قریب ہیں“

اس لئے صحابیات یتیموں کی پرورش اپنا فرض سمجھتی تھیں، حضرت زینبؓ متعدد یتیموں کی پرورش کرتی تھیں، ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور پوچھا کہ میں اپنے شوہر اور یتیموں پر صدقہ کروں تو جائز ہے؟ ایک دوسری صحابیہ بھی اسی غرض سے در دولت پر کھڑی تھیں، حضرت بلالؓ نے اطلاع کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا دوہرا ثواب ملے گا، ایک قربت کا اور دوسرا صدقہ کا۔<sup>(۴)</sup>

حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کے بچے یتیم ہو گئے، تو حضرت عائشہؓ ان کی پرورش فرماتی تھیں۔<sup>(۵)</sup>

یتیموں کے مال کی نگہداشت :

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں یتیموں کے مال کی حفاظت و نگہداشت کے متعلق ایک نہایت مفصل آیت نازل فرمائی ہے وابتلوا لیتیمی حتیٰ اذا بلغوا النکاح، الخ اس بناء پر صحابیات نہ صرف ان کے مال کی حفاظت کرتی تھیں بلکہ اس کو ترقی دیدی تھیں، حضرت عائشہؓ

(۱) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت حمزہؓ (۲) مسند ابو داؤد و طیالسی صفحہ ۳۵۱ (۳) بخاری کتاب الصلوٰۃ باب المرأة تطرح عن المصلی شیئا من الاذی (۴) بخاری کتاب الزکوٰۃ باب الزکوٰۃ علی الزوج والایتام فی الحجر (۵) موطا امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب الزکوٰۃ فیہ من الحلی والتبر والغیر

قیسوں کے مال لوگوں کو دیتی تھیں کہ تجارت کے ذریعہ سے ان کو ترقی دیں۔<sup>(۱)</sup>  
بچوں کی پرورش :

صحابیات بچوں کی پرورش میں اپنے عیش و آرام کو بھی فراموش کر دیتی تھیں حضرت ام سلیمؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت انس بن مالکؓ بچے تھے اس لئے انہوں نے یہ عزم بالجزم کر لیا کہ جب تک ان کی نشوونما کامل طور پر نہ ہو جائے گی وہ دوسرا نکاح نہ کریں گی چنانچہ حضرت انسؓ خود پاس گزار نہ لہجے میں اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میری ماں کو جزائے خیر دے کہ اس نے میری ولایت کا حق ادا کیا۔<sup>(۲)</sup>

رسول اللہ ﷺ صحابیات کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب تھے لیکن بایں ہمہ جب آپ نے حضرت ام ہانیؓ سے نکاح کا پیام دیا تو انہوں نے معذرت کی کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے میری آنکھوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں، لیکن شوہر کا حق بہت زیادہ ہے اس لئے مجھے خوف ہے کہ اگر میں شوہر کا حق ادا کروں تو بچوں کی طرف سے بے پروائی کرنا پڑے گی اور اگر بچوں کی پرورش میں مصروف رہوں گی تو شوہر (یعنی آپ کا اگر نکاح کر لوں گی) کا حق ادا نہ کر سکوں گی<sup>(۳)</sup>  
شوہر کے مال و اسباب کی حفاظت :

زن و شوہر کے معاشرتی تعلقات پر اس کا نہایت عمدہ اثر پڑتا ہے کہ بیوی نہایت دیانت کے ساتھ شوہر کے مال و اسباب اور گھربار کی حفاظت کرے اور صحابیات میں عموماً یہ دیانت پائی جاتی تھی، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی وہ گھر میں تھیں کہ ایک غریب سوداگر آیا اور کہا کہ اپنے سایہ دیوار کے نیچے مجھ کو سودا بیچنے کی اجازت دیجئے وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہوئی، فیاضی اور کشادہ دلی سے اجازت دینا چاہتی تھیں لیکن شوہر کی اجازت کے بغیر اجازت نہیں دے سکتی تھیں بولیں ”اگر میں اجازت دے دوں اور زبیر انکار کر دیں تو مشکل پڑے گی زبیرؓ کی موجودگی میں تو اور مجھ سے سوال کرو“ وہ اسی حالت میں آیا اور کہا یا ام عبد اللہ! میں محتاج آدمی ہوں آپ کی دیوار کے سایہ میں کچھ سود لپٹنا چاہتا ہوں بولیں ”تم کو مدینہ میں میرا گھر ہی ملتا تھا“ حضرت زبیرؓ نے کہا تمہارا کیا بگڑتا ہے جو ایک محتاج کو بیع و شرا سے روکتی ہو؟ وہ تو چاہتی ہی تھیں اجازت دے دی<sup>(۴)</sup> وہ نہایت فیاض تھیں، اس لئے صدقہ و خیرات کرنا بہت پسند کرتی تھیں، لیکن شوہر کے مال کے سوا ان کے پاس اور کچھ نہ تھا اور شوہر کے مال میں بلا

(۱) موطاء امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب اموال البیتى والتجارة فیہا (۲) طبقات ابن سعد ذکرہ حضرت ام سلیمؓ

(۳) ایضاً ذکرہ حضرت ام ہانیؓ (۴) مسلم کتاب الآداب باب حوار ارناف المرأة الاجیبة اذا عبت فی الطريق

اجازت تصرف نہیں کر سکتی تھیں، مجبوراً رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ میں زبیر کی آمدنی میں سے کچھ صدقہ کروں تو کیا کوئی گناہ کی بات ہے؟ ارشاد ہوا کہ جو کچھ ہو سکے دو<sup>(۱)</sup>

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بیعت لی تو ان میں سے ایک خاتون انھیں لور کہا کہ ہم اپنے باپ، بیٹے اور شوہر کے محتاج ہیں ان کے مال میں سے ہمارے لئے کس قدر لینا جائز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس قدر کہ کھاپی لو اور ہدیہ دو<sup>(۲)</sup>

اگرچہ یہ وصف عموماً تمام صحابیات میں پایا جاتا تھا لیکن اس باب میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا اس خصوصیت کو ان الفاظ میں نمایاں کیا۔

نعم النساء نساء قریش احناهن علی الولد و ارعاهن علی الزوج

”قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں بچوں سے محبت رکھتی ہیں اور شوہر کے مال و

اسباب کی نگرانی کرتی ہیں“

شوہر کی رضا جوئی :

صحابیات اپنے شوہروں کی رضا مندی اور خوشنودی کا نہایت خیال رکھتی تھیں، حضرت حولاً عطر فروش تھیں، ایک بار حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ میں ہر رات کو خوشبو لگاتی ہوں، بناؤ سنگار کر کے دلہن بن جاتی ہوں، لور خالصتہ لوجہ اللہ اپنے شوہر کے پاس جا کر سورتی ہوں، لیکن اس پر بھی وہ متوجہ نہیں ہوتے اور منہ پھیر لیتے ہیں، پھر ان کو متوجہ کرتی ہوں اور وہ اعراض کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ آئے تو آپ سے بھی اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا جاؤ اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہو۔<sup>(۳)</sup>

ایک روز آپ نے حضرت عائشہؓ کے ہاتھ میں چاندی کے چھلے دیکھے تو فرمایا عائشہؓ یہ کیا ہے؟ بولیں میں نے اسکو اس لئے بنایا ہے کہ آپ کے لئے بناؤ سنگار کروں۔<sup>(۴)</sup>

ایک صحابیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے آپ نے ان کو پہننے سے منع کیا بولیں، اگر عورت شوہر کے لئے بناؤ سنگار نہ کرے تو اس کی نگاہوں سے گر جائے گی۔<sup>(۵)</sup>

(۱) مسلم کتاب الزکوٰۃ باب الحث علی الصدقة ولو بالقلیل (۲) ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب المرأة تصدق من بیت زوجها (۳) اسد الغابہ تذکرہ حضرت حولاً (۴) ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب الکفر ما هو زکوٰۃ الحلی (۵) نسائی کتاب الزینة.

## شوہر کی محبت :

صحابیات اپنے شوہروں سے نہایت محبت رکھتی تھیں حضرت زینبؓ کی شادی ابو العاص سے ہوئی تھی وہ حالت کفر میں تھے کہ بدر کا معرکہ پیش آ گیا اور وہ گرفتار ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے اسیران جنگ کو فدیہ لیکر رہا کرنا چاہا تو حضرت زینبؓ نے اپنا ایک یادگار ہار جس کو حضرت خدیجہؓ نے ان کو رخصتی کے وقت دیا تھا ابو العاص کے فدیہ میں بھجوا دیا۔<sup>(۱)</sup>

حضرت آمنہ بنت نضل کو اپنے شوہر کی شہادت کا حال معلوم ہوا تو فرط محبت سے چیخ اٹھیں۔<sup>(۲)</sup>

حضرت عمرؓ کو اہل و عیال کے ساتھ زیادہ شغف نہ تھا تاہم ان کی بی بی حضرت عاتکہؓ روزے کے دنوں میں بھی فرط محبت سے ان کے سر کاؤ۔۔۔ لیتی تھیں<sup>(۳)</sup> حضرت عاتکہؓ کو اپنے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ سے نہایت محبت تھی چنانچہ جب وہ طائف میں شہید ہوئے تو حضرت عاتکہؓ نے ایک پردہ مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فالیق لا تنفک عینی خزینۃ علیک ولا ینفک جلدی اغیر

میں نے قسم کھائی ہے کہ تیرے غم میں میری آنکھ۔۔۔ ہمیشہ پر غم لور جسم ہمیشہ غبار آلود رہے گا اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے شادی کی دعوت ولیمہ میں حضرت علیؓ بھی شریک تھے انہوں نے عاتکہؓ کو یہ شعر یاد دلایا تو رو پڑیں حضرت عمرؓ کی شہادت ہوئی تو ان کا بھی نہایت پردہ مرثیہ لکھا۔ اس کے بعد ان سے حضرت زبیرؓ نے شادی کے اور وہ بھی شہید ہوئے تو عاتکہؓ نے ان کا بھی مرثیہ لکھا<sup>(۴)</sup>

## شوہر کی خدمت :

صحابیات شوہر کی خدمت نہایت دلسوزی کے ساتھ کرتی تھیں رسول اللہ ﷺ کمال طہارت کی وجہ سے مسواک کو بار بار دھلوا یا کرتے تھے اور اس پاک خدمت کو حضرت عائشہؓ اور فرماتی تھیں<sup>(۵)</sup> ایک بار آپ کبیل لوڑھ کر مسجد میں آئے ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس پر دھبہ نظر آتا ہے آپ نے اس کو غلام کے ہاتھ حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیا حضرت عائشہؓ نے کٹورے میں پانی منگایا خود اپنے ہاتھ سے دھویا اور خشک کیا اور اس کے

(۱) ابو داؤد کتاب الجہاد باب فداء الامیر بالمال (۲) سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی البكاء علی المیت (۳) موطاء کتاب الصیام باب ماجاء فی الرخصة فی القبلة للصیام (۴) اسد الغابہ تذکرہ عاتکہ بنت زید (۵) ابو داؤد کتاب الطہارة باب غسل المسواک

بعد آپ ﷺ کے پاس بھینچ دیا<sup>(۱)</sup> جب آپ ﷺ احرام باندھتے یا احرام کھولتے تھے تو حضرت عائشہؓ جسم مبارک میں خوشبو لگاتی تھیں۔<sup>(۲)</sup>

جب آپ خانہ کعبہ ہدیٰ بھجتے تھے تو وہ ان کے گلے کا قلابہ بنتی تھیں<sup>(۳)</sup>

صحابہ کرامؓ جب تمام دنیا کی خدمت و اعانت سے محروم ہو جاتے تھے تو اس بے کسی کی حالت میں صرف ان کی نبی مایاں ان کا ساتھ دیتی تھیں رسول اللہ ﷺ تخلف غزوہ تبوک کی بنا پر حضرت ہلال بن امیہؓ سے ناراض ہوئے اور اخیر میں تمام مسلمانوں کی طرح ان کی نبی مایاں کو بھی تعلقات کے منقطع کر لینے کا حکم دیا تو وہ حاضر خدمت ہوئیں اور کہا کہ وہ بڑھے آدمی ہیں ان کے پاس نوکر چاکر نہیں اگر میں ان کی خدمت کروں تو آپ ناپسند فرمائیں گے مگر شاد ہوا "نہیں"<sup>(۴)</sup>

عورت کتنی ہی اطاعت گزار اور فرماں بردار ہو، لیکن اگر اس سے تعلقات منقطع کر لئے جائیں تو وہ شوہر کی طرف مائل نہیں ہو سکتی، لیکن صحابیات نے اس فطرتی اصول کو بھی توڑ دیا تھا ایک صحابی نے اپنی نبی مایاں سے ظہار کیا، یعنی ایک مدت معینہ کے لئے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا، تاہم اس حالت میں بھی وہ ان کی خدمت گزاری میں مصروف رہتی تھیں۔

## طرز معاشرت

غربت و افلاس :

ابتداءً اسلام میں صحابیات نہایت فقر و فاقہ اور غربت و افلاس کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھیں، جس کا اثر ان کے لباس، مکان، اثاثہ البیت اور سامان آرائش غرض ہر چیز سے ظاہر ہوتا تھا۔

لباس :

صحابیاتؓ کو کپڑوں کی نہایت تکلیف تھی، حضرت فاطمہؓ جگر گوشہ رسول ﷺ کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ ایک بار انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ادب و حیا سے جسم کے ہر حصہ کو چھپانا چاہا لیکن ناکامیابی ہوئی، سر ڈھکتی تھیں تو پاؤں کھل جاتے تھے پاؤں ڈھکتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا۔<sup>(۵)</sup>

(۱) ایضاً باب الاعداء من النجاسة یكون فی الثوب (۲) ابوداؤد کتاب المناسک باب الطیب عند الاحرام (۳) ایضاً باب من بعث بھدیہ (۴) بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک (۵) ابوداؤد کتاب اللباس باب فی العبد ینظر الی شعر مولانہ .

بعض صحابیات کو تو چادر بھی میسر نہیں تھی، رسول اللہ ﷺ نے صحابیات کو عید گاہ میں جانے کی اجازت دی تو ایک صحابیہ نے کہا کہ اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے ارشاد ہوا کہ اس کو دوسری عورت اپنی چادر اوڑھادے۔<sup>(۱)</sup>

شادی میاہ میں دو لہن کے لئے غریب سے غریب آدمی بھی اچھا جوڑ لہناتا ہے لیکن صحابیات کو معمولی جوڑا بھی میسر نہ تھا حضرت عائشہؓ کا میان ہے کہ میرے پاس گاڑھے کی ایک کرتی تھی، شادی میاہ میں جب کوئی عورت سنواری جاتی تھی تو وہ مجھ سے اس کو مستعار منگوا لیتی تھی۔<sup>(۲)</sup>

مکان :

غربت و افلاس کی وجہ سے صحابیات کے مکان نہایت مختصر، پست اور کم حیثیت کے ہوتے تھے۔ گھروں میں جائے ضرورت تک نہ تھی<sup>(۳)</sup> اس لئے راتوں کو صحرا میں جانا پڑتا تھا، دروازوں پر پردے تک نہ تھے<sup>(۴)</sup> راتوں کو جلانے کے لئے چراغ تک میسر نہ تھا۔<sup>(۵)</sup>

اثاث البیت :

صحابیات کے گھروں میں نہایت مختصر سامان ہوتے تھے یہاں تک کہ میاں ملی ملی دونوں کے لئے صرف ایک بچھونا ہوتا تھا<sup>(۶)</sup> اور وہ بھی کھجور کے پتوں سے بنایا جاتا تھا۔

زیورات :

صحابیات نہایت معمولی اور سادہ زیور استعمال کرتی تھیں، احادیث کی کتابوں کے تتبع استقراء سے بازو بند، کڑے، بالی، ہار، انگوٹھی اور چھلے کا پتہ چلتا ہے لونگ کا ہار بھی پہنتی تھیں جس کو عربی میں سخاب کہتے ہیں، حضرت عائشہؓ کا ایک ہار جو سفر میں گم ہو گیا تھا وہ مرہ یمانی کا تھا۔<sup>(۷)</sup>

سامان آرائش :

صحابیات سرمہ اور مہندی کا استعمال بھی کرتی تھیں، زچہ خانے سے نکلتی تھیں، تو منہ پر درس (ایک قسم کی سرخ گھاس کا نام ہے) کا غازہ ملتی تھیں کہ چہرے سے داغ دھبے مٹ جائیں<sup>(۸)</sup> خوشبو میں زعفران، عطر اور سک کا استعمال کرتی تھیں، سک ایک قسم کی

(۱) سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی خروج النساء فی العیدین (۲) بخاری کتاب الہیہ باب الاستعارة للعروس عند النباء (۳) بخاری قصة الافک (۴) ابوداؤد کتاب الادب باب الاستیذان فی العورات الثلاث (۵) صحیح بخاری (۶) ابوداؤد کتاب الطہارت باب فی الرجل یصیب منها مادون الجماع (۷) ایضاً باب فی الیتیم (۸) ایضاً ماجاء فی وقت النفساء



خوشبو ہے جو ماتھے پر لگائی جاتی ہے۔  
اپنا کام خود کرنا:

صحابیات خانہ داری کے کاموں کو خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں اور اس میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرتی تھیں، حضرت فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کی محبوب ترین صاحبزادی تھیں، لیکن چکی پیٹے پیٹے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے، مشکیزوں میں پانی لاتے لاتے سینہ داغدار ہو گیا تھا، جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو گئے تھے۔<sup>(۱)</sup>

ازواج مطہرات باری باری گھر کا کام دھندا خود کرتی تھیں، ایک دن حضرت عائشہؓ کی باری تھی، جو پیسے اور اس کی روٹی پکائی، اور رسول اللہ ﷺ کا انتظار شروع کیا، آپ کے آنے میں دیر ہو گئی تو سو گئیں آپ آئے تو جگایا،<sup>(۲)</sup> حضرت اسماءؓ حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی تھیں اور ان کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی، وہ اس قدر مفلس تھے کہ ایک گھوڑے کے سوا گھر میں کچھ نہ تھا، حضرت اسماءؓ خود باغوں میں جا جا کر گھوڑے کی گھاس لاتی تھیں، حضرت ابو بکر نے سائسی کے لئے ایک غلام بھیجا تو انہوں نے اس خدمت سے نجات پائی رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کو ایک قطع زمین بطور جاگیر دیا تھا، جو مدینہ سے تین فرسخ دور تھا، حضرت اسماءؓ روز وہاں جاتیں اور وہاں سے کھجور کی گٹھالیاں اپنے سر پر لاتیں اور ان کو کوٹ کر ان کی پانی کھینچنے والی اونٹنی کو کھلاتی تھیں۔

گھر کے معمولی کاروبار ان کے علاوہ تھے، خود پانی لاتیں، مشک پھٹ جاتی تھی تو اس کو سی لیتیں آنا گوند ہتی، روٹی پکاتیں،<sup>(۳)</sup> گھر کے کام دھندے کے علاوہ صحلیات بعض صنعتی کام بھی کرتی تھیں

حضرت سودہؓ طائف کی ادھوڑی بناتی تھیں جس کی وجہ سے ان کی مالی حالت تمام ازواج مطہرات سے بہتر رہتی تھی،<sup>(۴)</sup> بعض صحابیہ اپنے بستی تھیں<sup>(۵)</sup>

پردہ

مہد نبوت میں اگرچہ اس زمانہ کا عادت تھی کہ عورتیں بے پردہ اور آزاد تھیں۔

مہد میں سفر کرتی تھیں<sup>(۶)</sup> نقاب پوش رہتی تھیں<sup>(۷)</sup> اور غیر محرم سے پردہ کرتی

(۱) کتاب الخروج والامارة باب فی بیان مواضع قسم الخمس ولہم ذی القربی (۲) ادب المفرد باب لایوذی جارہ (۳) مسلم کتاب الآداب باب جواز ارداد المرآة الاحیة اذا اعمت فی الطریق و بخاری کتاب النکاح (۴) اسد الغابہ تذکرہ فلسفہ ۵۱، بخاری کتاب الیوع باب النساء (۶) ابوداؤد کتاب المناسک باب فی الصبی الحج (۷) ابوداؤد کتاب المناسک ما ییس المحرم

تھیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے زمانے میں جب لوگ ہمارے سامنے سے گزرتے تھے تو ہم چہرے پر چادر ڈال لیتے تھے لوگ گزر جاتے تو پھر منہ کھول دیتے تھے۔<sup>(۱)</sup>

ایک بار حضرت ابی بن ابی اظہرؓ حضرت عائشہؓ کی ملاقات کو آئے وہ پردہ میں چھپ گئیں بولے ”تم مجھ سے پردہ کرتی ہو میں تمہارا چچا ہوں بولیں کیونکہ بولے میرے بھائی کی بی بی نے تم کو دودھ پلایا ہے“ بولیں مرد نے تو نہیں پلایا۔<sup>(۲)</sup>

ایک صحابیہ کا بیٹا شہید ہوا وہ نقاب پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں صحابہ کرامؓ نے ان کو دیکھ کر کہا بیٹے کی شہادت کا حال پوچھنے آئی ہو اور نقاب پوش ہو کر؟ بولیں میں نے اپنے بیٹے کو کھو دیا ہے شرم و حیا کو تو نہیں کھویا۔<sup>(۳)</sup>

ہمارے زمانے میں پردہ ایک رسمی چیز ہے، مثلاً ایک عورت کسی محرم سے رسماً پردہ کرتی ہے تو اس سے لازمی طور پر ہمیشہ پردہ کرے گی لیکن دو چار بار کسی نامحرم کے سامنے آنے کا اتفاق ہو گیا تو پھر اس کے لئے پردہ کے تمام قیود ٹوٹ جائیں گے لیکن صحابیات رسمی پردے کی پابند نہ تھیں ان کا پردہ بالکل شرعی تھا اگر شریعت اجازت دیتی تھی تو وہ کسی کے سامنے آتی تھیں اور جب شرعی موانع پیدا ہو جاتے تھے تو اس سے پردہ کرنے لگتی تھیں حضرت عائشہؓ کا مذہب ہے کہ غلاموں سے پردہ ضروری نہیں اس لئے وہ حضرت عبداللہ سالمؓ کے سامنے جو نہایت متدین غلام تھے آتی تھیں اور ان سے بے تکلف باتیں کرتی تھیں ایک دن وہ آئے اور کہا کہ ”خدا نے آج مجھے آزاد کر دیا چونکہ اب وہ غلام باقی نہیں رہے اس لئے حضرت عائشہؓ نے پردہ گروا دیا اور عمر بھر ان کے سامنے نہ ہوئیں۔“<sup>(۴)</sup>

## معاملات

### ادائے قرض کا خیال :

حضرت عائشہؓ اکثر قرض لیا کرتی تھیں ان سے پوچھا گیا کہ آپ قرض کیوں لیتی ہیں؟ بولیں کہ ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو بندہ قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا اپنی جانب سے اس کے لئے مددگار مقرر کر دیتا ہے تو اسی مددگار کی جستجو کرتی ہوں۔“<sup>(۵)</sup>

(۱) ابوداؤد کتاب المناسک باب فی المحرم تغطى وجھها (۲) ابوداؤد کتاب النکاح باب فی لبن الفحل

(۳) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فضل قتال الروم علی غیرہم من الامم

(۴) نسائی کتاب الطہارۃ باب مسح المرأة رأسها (۵) مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۹۹

قرض کا ایک حصہ معاف کر دینا :

حضرت ام سلمہؓ نے ایک غلام کو مکاتب بنایا اس کے جب بدل کتلت ادا کرنا چاہا تو کہا کہ اس میں کچھ کمی کر دیجئے انہوں نے کم کر دیا۔<sup>(۱)</sup>

تقسیم وراثت میں دیانت :

حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہؓ پر چند کھجور کے درخت بہہ کئے تھے لیکن اب تک ان کا قبضہ نہیں ہوا تھا اس لئے بہہ نامکمل تھا، حضرت ابو بکرؓ کا انتقال ہونے لگا تو کہا کہ میں نے تم پر جو درخت بہہ کئے تھے، اگر تمہارا ان پر قبضہ ہو جاتا تو وہ تمہاری ملک ہو جاتے لیکن آج وہ میرے ترکہ میں داخل ہیں، جس کے وارث تمہارے بھائی اور بہنیں ہیں اس لئے کتاب اللہ کے موافق باہم تقسیم کر لو، حضرت عائشہؓ بولیں کہ اگر اس سے بھی زیادہ مال ہوتا تو میں چھوڑ دیتی۔<sup>(۲)</sup>

## خدمات

سیاسی خدمات میں بھی صحابیات کی کوئی قابل الذکر خدمت نہیں ہے صرف اصحابہ میں تذکرہ شفاء بنت عدویہ میں اس قدر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ان کی رائے کو مقدم سمجھتے تھے؛ ان کی عزت کرتے تھے اور بازار کی بعض خدمتیں بھی ان سے متعلق تھیں، لیکن سیاسی خدمات کے علاوہ صحابیات نے اسلام کی ہر ممکن خدمت کی ہے جس کی تفصیل ذیل کے عنوانات سے معلوم ہوگی۔

## مذہبی خدمات

اشاعت اسلام :

مذہبی خدمات میں اشاعت اسلام سب سے اہم ہے اور اس میں ابتدائے اسلام ہی سے صحابیاتؓ کی مساعی جمیلہ کا کافی حصہ شامل ہے، چنانچہ حضرت ام شریکؓ ایک صحابیہ تھیں جو آغاز اسلام میں مخفی طور پر قریش کی عورتوں کو اسلام کی دعوت دیا کرتی تھیں، قریش کو ان کی مخفی کوششوں کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکال دیا۔<sup>(۳)</sup>

ایک غزوہ میں مسلمان پیاس سے بے تاب ہو کر نکلے، تو حسن اتفاق سے ایک عورت

(۱) طبقات ابن سعد تذکرہ مصباح بن سرحس (۲) موطاء امام مالک کتاب الاقصیہ باب مالایحوز

من النحل (۳) اسد الغابہ تذکرہ حضرت ام شریک

مل گئی، جس کے ساتھ پانی کا ایک مشکیزہ تھا صحابہ اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ کی اجازت سے پانی کو استعمال کیا، اگرچہ آپ نے اسی وقت اس کو پانی کی قیمت دلوائی۔ تاہم صحابہ پر اس کے احسان کا یہ اثر تھا کہ جب اس عورت کے گاؤں کے آس پاس حملہ کرتے تھے، تو خاص اس کے گھرانے کو چھوڑ دیتے تھے، اس پر صحابہ کرام کی اس منت پذیری کا یہ اثر ہوا کہ اس نے اپنے تمام خاندان کو قبول اسلام پر آمادہ کیا اور وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔<sup>(۱)</sup>

حضرت ام حکیم بنت الحارث کی شادی عکرمہ بن ابی جہل سے ہوئی تھی وہ خود تو فتح مکہ کے دن اسلام لائیں، لیکن ان کے شوہر بھاگ کر یمن چلے گئے، حضرت ام حکیم نے یمن کا سفر کیا اور ان کو دعوت اسلام دی وہ مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے۔<sup>(۲)</sup>

حضرت ابو طلحہؓ نے حالت کفر میں حضرت ام سلیمؓ سے نکاح کرنا چاہا، لیکن انہوں نے کہا کہ تم کافر ہو اور میں مسلمان، نکاح کیونکر ہو سکتا ہے؟ اگر قبول اسلام کر لو تو وہی میرا مہر ہو گا اس کے سوا تم سے کچھ نہ مانگوں گی، چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور اسلام ہی ان کا مہر قرار پایا۔<sup>(۳)</sup>

نو مسلموں کا تکفل :

ابتداءً اسلام میں جو لوگ اسلام لاتے تھے، ان کو مجبوراً اپنے گھریا، اہل و عیال اور مال و جائیداد سے کنارہ کش ہونا پڑتا تھا، اس بناء پر اس وقت اشاعت اسلام کے ساتھ اسلام کی سب سے بڑی خدمت یہ تھی کہ ان نو مسلموں کی کفالت کی جائے، اور صحابیات اس میں نمایاں حصہ لیتی تھیں، چنانچہ حضرت ام شریکؓ کا گھرانہ نو مسلموں کے لئے گویا مہمان خانہ بن گیا تھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ بنت قیس کو ان کے یہاں صرف اس بنا پر عدت بسر کرنے کی اجازت نہیں دی<sup>(۴)</sup> کہ ان کے گھر مہمانوں کی کثرت سے پردہ کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا، حضرت درہ بنت لہب بھی نہایت فیاض تھی، اور مسلمانوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں<sup>(۵)</sup>

خدمت مجاہدین :

جس طرح صحابہ کرامؓ بہ شوق غزوات میں شریک ہوتے تھے، اسی طرح صحابیات بھی خدا کی راہ میں ان سے پیچھے رہنا نہیں چاہتی تھیں، ان کے لئے سب سے زیادہ موزوں کام زخمیوں کی مرہم پٹی اور مجاہدین کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچانا تھا، اور وہ اس خدمت کو

(۱) بخاری کتاب الفسل باب صعيد الطيب وضوء المسلم (۲) موطاء امام مالك كتاب النكاح المشرک

اذا سلمت زوجته قبله (۳) اسد الغابہ تذکرہ حضرت زید بن سہل بن اسوہ (۴) مسلم كتاب الطلاق باب

نہایت خلوص اور دل سوزی سے انجام دیتی تھیں، غزوہ خیبر میں متعدد صحابیات شریک جہاد ہوئیں رسول اللہ ﷺ کو ان کا حال معلوم ہوا تو ناراضی کے لہجے میں پوچھا کہ تم کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے آئی ہو؟ بولیں یا رسول اللہ! ہم اون کاتے ہیں اور اس سے خدا کی راہ میں اعانت کرتے ہیں ہمارے ساتھ زخمیوں کے دوا علاج کا سامان ہے لوگوں کو تیرا اٹھا اٹھا کر دیتے ہیں اور ستو گھول گھول کر پلاتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

حضرت ام عطیہؓ ایک صحابیہ تھیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات لڑائیوں میں شریک ہوئیں وہ مجاہدین کے اسباب کی نگرانی کرتی تھیں، کھانا پکاتی تھیں، مریضوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔<sup>(۲)</sup>

غزوہ احد میں خود حضرت عائشہؓ شریک تھیں اور وہ ام سلیم اپنی پیٹھ پر مشک لاد لاد کر لاتی تھیں اور لوگوں کو پانی پلاتی تھیں۔<sup>(۳)</sup>

حضرت ریحہ بنت مسعودؓ کامیان ہے کہ ہم سب غزوات میں شریک ہوتے تھے پانی پلاتے تھے مجاہدین کی خدمت کرتے تھے اور مدینہ تک زخمیوں اور لاشوں کو اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔<sup>(۴)</sup>

حضرت رفیدہ نے مسجد نبوی میں خیمہ کھڑا کر رکھا تھا جو لوگ زخمی ہو کر آتے تھے وہ اسی خیمہ میں ان کا علاج کرتی تھیں چنانچہ حضرت سعد بن معاذؓ غزوہ خندق میں زخمی ہوئے تو ان کا علاج اسی خیمہ میں ہوا۔<sup>(۵)</sup>

صحابیات کی یہ خدمات خود صحابہ کرامؓ کے زمانے میں نہایت قابل قدر خیال کی جاتی تھیں اور خود خلفاء بھی ان کا لحاظ رکھتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ نے مدینہ کی عورتوں میں چادر تقسیم فرمائی ایک عمدہ چادر رہ گئی تو کسی نے کہا کہ اپنی بی بی ام کلثوم کو دے دیجئے بولے ام سلیم اس کی زیادہ مستحق ہیں، کیونکہ وہ غزوہ احد میں مشک بھر بھر کر پانی لاتی تھیں اور ہم کو پلاتی تھیں۔<sup>(۶)</sup>

خدمات مساجد:

صحابیات مساجد کی صفائی میں نہایت اہتمام کرتی تھیں ایک بار کسی نے مسجد

(۱) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی المرأة والعبء یخذیان من الغنیمۃ (۲) مسلم کتاب الجہاد باب النساء الغازیات یرضع لهن ولا یہم والنہی عن قتل صیان اهل الحرب (۳) ایضاً باب غزوة النساء مع الرجال (۴) بخاری کتاب الجہاد باب رد النساء والقبلہ (۵) اصابہ تذکرہ رفیدہ (۶) بخاری کتاب الجہاد باب حمل الناس القرب الی الناس فی الغزو

نبوی میں تھوک دیا تھا رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو اس قدر برہم ہوئے کہ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا ایک صحابیہ انھیں لور اس کو مٹا دیا اور اس کی جگہ خوشبو لگائی، آپ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خوب کام کیا۔<sup>(۱)</sup>

ایک صحابیہ تھیں جو ہمیشہ مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھیں یہ ایک ایسا نیک کام تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی نہایت قدر فرمائی چنانچہ جب ان کا انتقال ہو گیا تو صحابہ کرام نے ان کو راتوں رات دفن کر دیا اور آپ کو اس کی اطلاع نہیں دی، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں خبر کی بولے حضور استراحت فرما رہے تھے، ہم نے تکلیف دینا گوارا نہیں کیا۔<sup>(۲)</sup>

بدعات کا استیصال :

بدعت مذہب کے لئے بمنزلہ گھن کے ہے، اس لئے باثر صحابیات ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتی تھیں کہ نخل اسلام میں یہ گھن نہ لگنے پائے، مثلاً مسلمانوں میں غلاف کعبہ کی جو عزت و حرمت قائم ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب نیا غلاف چڑھایا جاتا، تو اس پر انے غلاف چرا چھپا کر خادموں کو کچھ دے دلا کر لے لیتے ہیں، اسی کو تبرک سمجھ کر لے آتے ہیں اور مکانوں میں رکھتے ہیں، دوستوں کو بطور سوغات کے تقسیم کرتے ہیں، قرآن میں رکھتے ہیں، مسجدوں میں لٹکاتے ہیں، لور مریض کو اس سے ہوا دیتے ہیں، لیکن قرن لول میں یہ حالت نہ تھی متولی کعبہ صرف یہ کرتا تھا کہ غلاف کو زمین میں دفن کر دیتا تھا کہ وہ ناپاک انسانوں کے کام کا نہ رہے شیبہ بن عثمان نے جو اس زمانہ میں کعبہ کے کلید برادر تھے حضرت عائشہؓ سے اس واقعہ کو بیان کیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ تعظیم غیر شرعی ہے، خدا اور رسول ﷺ نے اس کا حکم نہیں دیا اور ممکن ہے کہ آئندہ اس سے سوا اعتقاد اور بدعات کا سرچشمہ پھوٹے، اس لئے شیبہ سے کہا کہ یہ اچھی بات نہیں، تم ہرا کرتے ہو، جب غلاف کعبہ سے اتر گیا اور کسی نے اس کو نپاکی کی حالت میں استعمال بھی کر لیا تو کوئی مضائقہ نہیں تم کو چاہیے کہ اس کو بیچ ڈالا کرو اور اس کی قیمت غریبوں اور مسافروں کو دے دیا کرو<sup>(۳)</sup>

احساب :

جو چیز مذہب اور اخلاق کو صحیح اصول پر قائم رکھتی ہے شریعت کی اصطلاح میں اس کا نام احساب ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے اس کے تین درجے مقرر فرمادیئے ہیں۔

من رای منکم منکرا فلیغیر بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ۔

(۱) نسائی کتاب الصلوٰۃ باب تخلیق المسجد (۲) سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز و باب ماجاء فی

الصلوٰۃ علی القبر (۳) عین الاصابہ بحوالہ سنن بیہقی

وذلك اضعف الايمان (مسلم)

” تم سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے اگر اس میں اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے اس کا انکار کرے اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے“

اور بااثر صحابیات نے پہلے دونوں طریقوں سے اس مذہبی خدمت کو انجام دیا ہے ایک دفعہ حضرت عائشہ ایک گھر میں مہمان اتریں، میزبان کی دو لڑکیوں کو جو جوان ہو چکی تھیں دیکھا کہ چادر اوڑھے نماز پڑھ رہی ہیں، تاکید کی کہ آئندہ کوئی لڑکی بے چادر اوڑھے ہوئے نماز نہ پڑھے رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا ہے۔<sup>(۱)</sup>

ایک دفعہ ان کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر آئے اور معمولی جھٹ پٹ وضو کر کے چلے گئے حضرت عائشہ نے ٹوکا کہ عبدالرحمن وضو اچھی طرح کیا کرو رسول اللہ ﷺ کو میں نے کہتے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو نہ بھیجے اس پر جہنم کی پھٹکار ہو۔<sup>(۲)</sup>

ایک بار انہوں نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کی چادر میں صلیب کے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں دیکھنے کے ساتھ ڈانٹا کہ یہ چادر اتار دو رسول اللہ ﷺ ایسے کپڑوں کو دیکھتے تھے تو پھاڑ ڈالتے تھے۔<sup>(۳)</sup>

ایک بار ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمن نہایت باریک دوپٹہ اوڑھ کر سامنے آئیں دیکھنے کے ساتھ ہی غصہ سے دوپٹہ کو چاک کر دیا، پھر فرمایا تم نہیں جانتیں کہ سورہ نور میں خدا نے کیا احکام نازل فرمائے ہیں اس کے بعد گاڑھی کا دوسرا دوپٹہ منگوا کر اوڑھ لیا۔<sup>(۴)</sup>

## اخلاقی خدمات

نردبازی کی روک ٹوک :

فتوحات عجم کے بعد عرب میں نردبازی، شطرنج بازی اور مرغ بازی وغیرہ کا رواج ہوا تو صحابیات نے اس پر شدت کے ساتھ وارد گیر کی، چنانچہ حضرت عائشہ کے گھر میں کچھ کرایہ دار رہتے تھے، ان کی نسبت ان کو معلوم ہوا کہ وہ نرد کھیلتے ہیں، تو سخت برا فروختہ ہوئیں اور کہلا بھیجا کہ اگر نرد کی گولیوں کو میرے گھر سے باہر نہ پھینک دو گے تو میں اپنے گھر سے نکلوا دوں

(۱) مسند جلد ۶ ص ۹۶ (۲) ایضاً ص ۳۸۵ (۳) مسند جلد ۶ ص ۱۴۰ (۴) موطا امام مالک

گی۔<sup>(۱)</sup>

شراب خواری کی روک ٹوک :

فتح عجم کے بعد اہل عرب شراب کے جدید اقسام و نام سے آشنا ہوئے جن میں ایک باذوق تھا (یعنی بادہ) چونکہ عربی میں شراب کو خمر کہتے ہیں اور اس کا اطلاق صرف انگوری شراب پر ہوتا ہے اس بناء پر لوگوں کو شبہ تھا کہ ان شرابیوں کا کیا حکم ہے؟ لیکن حضرت عائشہؓ نے اپنی مجلس میں با اعلان کہہ دیا کہ شراب کے برتنوں میں چھوڑے تک نہ بھگوئے جائیں، پھر عورتوں کی طرف خطاب کر کے کہا اگر تمہارے منکوں کے پانی سے بھی نشہ آئے تو وہ بھی حرام ہے رسول اللہ ﷺ نے ہر منشی چیز سے منع فرمایا ہے۔<sup>(۲)</sup>

مصنوعی بال لگانے کی ممانعت :

قدیم زمانہ میں یہودیہ عورتوں میں جو بد اخلاقیوں پھیل گئی تھیں، ان میں ایک یہ تھی کہ جن عورتوں کے بال جھڑ جاتے تھے وہ مصنوعی بال لگاتی تھیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے مسلمان عورتوں کو اسکی ممانعت فرمادی تھی، آپ کے بعد جب مسلمان عورتوں نے بھی یہی روش اختیار کی تو صحابیاتؓ نے اس پر شدت سے روک ٹوک کی، چنانچہ ایک دفعہ کسی عورت نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ میری بیٹی دلہن بنی ہے، لیکن ہماری سے اس کے بال جھڑ گئے ہیں، کیا مصنوعی بال جوڑ دوں؟ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔ (مسند ج: ۶ ص: ۱۱۱)

## علمی خدمات

علم تفسیر :

قرآن مجید ایک ایسی مقدس اور ایک ایسی بزرگ ترین کتاب ہے کہ اگر اس کی ایک آیت کسی کی شان میں نازل ہو جائے تو وہ اس کے شرف کے لئے کافی ہے چنانچہ حضرت زینبؓ کے متعلق قرآن مجید کی جو آیت نازل ہوئی تھی اس پر وہ فخر کیا کرتی تھیں۔

ایک سفر میں حضرت عائشہؓ کا ایک ہار گم ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلاش میں چند صحابہ کرام کو بھیجا وہ اس کی تلاش میں نکلے تو راستے میں نماز کا وقت ہو گیا اور لوگوں نے

(۱) ادب المفرد باب واخراج الذین یلبونہ بالنرو (۲) سنن نسائی کتاب الخمر



بغیر وضو کئے نماز پڑھے، واپس آئے تو آپ سے اس کی شکایت کی، اس پر آیت تيمم نازل ہوئی، حضرت اسید بن حفیر نے اس کو حضرت عائشہؓ کی بڑی فضیلت سمجھا اور ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

جزاك الله خيرا فوالله ما نزل بك امر قط الا جعل الله لك منه مخرجا و  
جعل للمسلمين فيه بركة<sup>(۱)</sup>

”خدا تم کو جزائے خیر دے تم کو کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جس سے خدا نے تمہارے نکلنے کا راستہ نہیں بنایا اور مسلمانوں کے لئے وہ ایک برکت بن گیا“

حضرت عبادہ بن صامت کی نبی نبی حضرت خولہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ (مجادله) <sup>(۲)</sup>

”خدا نے اس عورت کی بات سن لی جو تم سے جھگڑتی تھی“

اور اس نے ان کے رتبے کو اس قدر بلند کیا تھا کہ ایک بار حضرت عمرؓ مسجد سے آرہے تھے، راہ میں ان سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے ان کو سلام کیا بولیں ”اے عمر! میں نے تمہارا وہ زمانہ دیکھا ہے، جب تم کو لوگ بازار عکاظ میں عمر کہتے تھے، اور اب تو تمہارا لقب امیر المؤمنین ہے، پس رعایا کے معاملے میں خدا سے ڈرو اور یقین کرو کہ جو شخص عذاب الہی سے ڈرے گا، اس پر بعید قریب ہو جائے گا، اور جو موت سے ڈرے گا، اس کو فوت ہونے کا خوف لگا رہے گا“ ایک شخص جو ساتھ میں تھے بولے نبی نبی تم نے تو امیر المؤمنین کو بہت کچھ کہہ ڈالا لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا جانے دو یہ خولہ بنت حکیم ہیں، اور عبادہ بن صامت کی نبی نبی ہیں، اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اوپر سے ان کی بات سن لی تھی، پھر عمرؓ کو تو اور سننا چاہئے۔ <sup>(۳)</sup>

لیکن جس کتاب کی ایک آیت بھی انسانی شرف و عزت کے لئے کافی ہے، اس کا ایک خاص حصہ صحابیات کے متعلق نازل ہوا ہے، یعنی ایک مستقل سورہ (نساء) خاص طور پر صحابیات کے احکام و معاملات کے متعلق نازل ہوئی ہے، سورہ نور کی متعدد آیتیں بھی انہی کے ساتھ مخصوص ہیں، ان کے علاوہ اور بھی متعدد آیتیں ان کی شان میں نازل ہوئی ہیں، اس بناء پر اگرچہ ان آیتوں اور ان سورتوں کے شان نزول اور ان کی تفسیر سے اکثر صحابیات کو تعلق ہے، تاہم عام طور پر تفسیر کے جو معنی سمجھے جاتے ہیں اور جس معنی کی رو سے ایک شخص مفسر کہا

(۱) مسند جلد ۱ ص (۲) بخاری کتاب النکاح باب استعارة الثياب العروس وغیرھا

(۳) اصابہ تذکرہ خولہ

جاتا ہے اس کے لحاظ سے تمام صحابیات میں صرف حضرت عائشہؓ علم تفسیر میں اکابر صحابہ کی ہمسر ہیں اور انہوں نے نہایت دقیق آیتوں کی تفسیریں کی ہیں ان سے احادیث کی کتابوں میں جو تفسیری روایات مذکور ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ آیتیں ہیں جن کے متعلق ان کے دل میں کوئی بات کھٹکی ہے اور انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے استفسار فرمایا ہے اور آپ نے ان کی تفسیر کی ہے، مثلاً<sup>(۱)</sup> ایک دفعہ آپ نے بیان فرمایا کہ من حوسب عذاب قیامت میں جس کا حساب ہوگا اس پر عذاب ہو گیا، حضرت عائشہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ خدا تو فرماتا ہے۔

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا

”اور اس سے آسان حساب لیا جائے گا“

آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ اعمال کی پیشی ہے، لیکن جس کے اعمال میں جرح قدح شروع ہوئی تو وہ ہر بلا ہی ہوا، ایک دفعہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ خدا فرماتا ہے:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتُ وَبَزَزُ اللَّهُ الْوَاحِدَ الْقَهَّارَ -

”جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی بدل دیا جائے گا اور تمام مخلوق خدائے واحد قہار کے روبرو ہو جائے گی“

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ آیت پڑھی۔

وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ

”تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے“

لیکن جب زمین و آسمان کچھ نہ ہوگا تو لوگ کہاں ہوں گے، آپ نے فرمایا صراط پر

قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی۔

الَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجَلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ

”جو لوگ جو کام کرتے ہیں خوفزدہ دل سے کرتے ہیں وہ اپنے خدا کی طرف رجوع

کریں گے“

حضرت عائشہؓ کو شک تھا کہ جو چور ہے بدکار ہے، شرابی ہے، لیکن خدا سے ڈرتا ہے، کیا وہ بھی اس سے مراد ہے، آپ نے فرمایا نہیں، عائشہؓ اس سے وہ مراد ہے جو نمازی ہے، روزہ دار ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، اور پھر خدا سے ڈرتا ہے، دوسری وہ آیتیں ہیں جن کے متعلق دوسروں کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہوا ہے، اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے ان کے متعلق سوال کیا ہے

(۱) ماخوذ از سیرت عائشہ میں ان تفسیروں کے حوالے بھی مذکور ہیں

جس کا انہوں نے نہایت خوبی کے ساتھ ازالہ کیا ہے۔ مثلاً :-

(۱) اعمال حج میں اسے ایک کوہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا بھی ہے، قرآن مجید میں اس کے متعلق حسب ذیل الفاظ ہیں۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ  
أَنْ يَطُوفَ بِهِمَا (البقرة)

”صفا اور مروہ کی پہاڑیاں شعائر الہی میں سے ہیں، پس جو خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے  
کچھ مضائقہ نہیں اگر وہ ان کا بھی طواف کرے۔“

عروہ نے کہا خالہ جان! اس کے تو یہ معنی ہوئے ہیں کہ اگر کوئی طواف نہ کرے، تو  
بھی کچھ حرج نہیں فرمایا بھانجے تم نے ٹھیک کہا، اگر آیت کا مطلب وہ ہوتا جو تم سمجھ رہے ہو تو  
خدا یوں فرماتا۔ لا جناح ان لا يطوف بهما

اگر ان کا طواف نہ کرو تو کچھ حرج نہیں اصل میں یہ آیت انصار کی شان میں نازل  
ہوئی ہے، اوس و خزرج اسلام سے پہلے منات کی جسے پکارا کرتے تھے، منات مثلث میں نصب  
تھا، اس لئے صفا اور مروہ کے طواف کو وہ برا جانتے تھے، اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ سے  
دریافت کیا کہ ہم لوگ پہلے ایسا کیا کرتے تھے، اب کیا حکم ہے، اس پر خدا نے ارشاد فرمایا کہ صفا  
اور مروہ کا طواف کرو، اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔

ابو بکر بن عبد الرحمنؓ ایک محدث تھے، ان کو حضرت عائشہؓ کی یہ تقریر معلوم ہوئی  
تو انہوں نے کہا، علم اس کو کہتے ہیں۔

(۲) قرآن مجید کی ایک آیت ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا اسْتَأْنَسُوا الرُّسُلَ وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ قَدْ كَذَّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا

”یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہو گئے اور ان کو خیال ہوا کہ وہ جھوٹ بولے گئے تو

ہماری مدد آگئی“

عروہ نے پوچھا (کذبوا جھوٹ بولے گئے) یعنی اس سے جھوٹ وعدہ کیا گیا یا  
کذبوا وہ جھٹلائے گئے، فرمایا کذبوا جھٹلائے گئے، عروہ نے کہا کہ اس کا تو ان کو یقین ہی تھا کہ  
وہ جھٹلائے گئے اور ان کی قوم نے ان کی نبوت کی تکذیب کی، یہ ظن اور خیال تو نہ تھا، اس لئے  
کذبوا ان سے جھوٹ وعدہ کیا گیا، صحیح ہے، یولیس معاذ اللہ، پیغمبر ان اللہ کی نسبت یہ گمان  
نہیں کر سکتے کہ اس نے ان سے امداد و نصرت کا جھوٹ وعدہ کیا، عروہ نے پوچھا کہ پھر آیت کا  
مطلب کیا ہے فرمایا کہ یہ پیغمبروں کے پیروں کے متعلق ہے کہ جب انہوں نے ایمان قبول

کیا اور نبوت کی تصدیق کی اور ان کی قوم نے ان کو ستایا اور مدد الہی میں ان کو تاخیر نظر آئی یہاں تک کہ پیغمبر اپنی قوم کے منکرین ایمان سے ناامید ہو گئے تو ان کو خیال ہوا کہ شاید اس تاخیر کے سبب سے مومنین بھی ہماری تکذیب کر دیں کہ دفعتاً خدا کی مدد آگئی۔

(۳) جس آیت پاک میں چار بیویوں کی اجازت دی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

وَإِنْ حِفْتُمْ إِلَّا تَقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَشَىٰ  
وَثَلَاثَ وَرُبَاعَ (نساء)

”اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں تم انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو۔“

بظاہر آیت کے پہلے اور پچھلے ٹکڑوں میں ربط نہیں معلوم ہوتا یتیموں کے حقوق میں عدم انصاف اور چار نکاح کی اجازت میں باہم کیا تعلق ہے چنانچہ ایک شاگرد نے حضرت عائشہؓ کے سامنے اس اشکال کو پیش کیا تو فرمایا کہ آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بعض لوگ یتیم لڑکیوں کے ولی ہو جاتے تھے ان سے موروثی رشتہ داری ہوتی تھی اور وہ پانی ولایت کے زور سے چاہتے ہیں کہ ان سے نکاح کر کے ان کی جائیداد پر قبضہ کر لیں اور چونکہ ان کی طرف سے کوئی بولنے والا نہیں ہوتا اس لئے مجبوراً اس کو ہر طرح دباتے ہیں خدائے پاک انہی لوگوں کو خطاب کرتا ہے کہ اگر تم ان یتیم لڑکیوں کے معاملے میں انصاف سے پیش نہ آسکو تو ان کے علاوہ اور عورتوں سے دو تین چار نکاح کر لو مگر ان کو نکاح کر کے اپنے قابو میں نہ لے آؤ۔

(۴) اسی سورہ میں ایک اور آیت ہے :-

يَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِيهِ

يَنَامَى النِّسَاءِ الَّتِي لَا تُؤْتُونَ لَهُنَّ مَا كَتَبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ (نساء)

”ان لڑکیوں کی نسبت لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ دے کہ خدا ان کے حق میں فیصلہ کرتا ہے اس کتاب میں (قرآن) جو کچھ تم لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا ہے ان یتیم لڑکیوں کی نسبت جن کو نہ تو تم ان کے مقررہ حقوق دیتے ہو اور نہ خود ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو“

کسی سائل نے اس کے بعد اس آیت کا مطلب دریافت کیا تو فرمایا کہ اس آیت میں یہ جوار شاد ہوا ہے کہ قرآن مجید میں پہلے جو کچھ ان کے بارے میں پڑھ کر سنایا گیا ہے اس سے وہی پہلی آیت مراد ہے یہ حکم ان اولیاء سے متعلق ہے جو یتیم لڑکیوں کو نہ خود اپنے نکاح میں لاتے ہیں کہ وہ حسن سے محروم ہیں اور نہ دوسروں سے ان کا نکاح کر دینا پسند کرتے ہیں کہ جائیداد مشترکہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا خوف ہے۔

(۵) اس آیت کے مطلب میں لوگوں کو اختلاف ہے۔

مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ

”جو تو نگر ہو اس کو اس سے پھینا چاہیے اور جو تنگ دست ہو، وہ قاعدہ کے مطابق اس سے لے لے“  
یہ آیت اولیائے یتامی کی شان میں ہے کہ وہ اگر محتاج ہوں تو یتیموں کے مال میں سے لے کر کھا سکتے ہیں، لیکن حضرت لن عباسؓ نے مروی ہے کہ یہ آیت حسب ذیل آیت سے منسوخ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَّا يَأْكُلُونَ فِيهِ بُطُونَهُمْ نَارًا

”جو لوگ ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں“  
لیکن اس آیت میں تو یہ سزا ان لوگوں کے لئے بیان کی گئی ہے جو ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس آیت میں کھانے کی اجازت ہے، وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو یتیموں کی جائیداد کی دیکھ بھال کرتے ہیں، ان کا کاروبار سنبھالتے ہیں اگر ولی صاحب استطاعت ہے تو اس کو اس خدمت کا معاوضہ لینا چاہیے اور اگر وہ مفلس اور تنگ دست ہے تو قاعدے کے مطابق حسب حیثیت لے سکتا ہے، اس تفسیر کی بنا پر دونوں آیتوں میں کوئی تخائف نہیں ہے۔

(۶) عورت کو اگر اپنے شوہر سے شکایت ہو تو اس موقع کی آیت ہے :-

وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (نساء)

”اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے ناراضامندی اور اعراض کا خوف ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ دونوں آپس میں صلح کر لیں اور صلح تو ہر حال میں بہتر ہے“  
لیکن دفع ناراضی کے لئے صلح کرنا تو ایک عام ہے، اس کے لئے خدائے پاک کو اس خاص حکم کے نازل کرنے کی کیا حاجت تھی؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ آیت اس عورت کی شان میں ہے جس کا شوہر اس کے پاس زیادہ آتا جاتا نہیں، یا بیوی سن سے اتر گئی ہے اور شوہر کی خدمت گزاری کے قابل نہیں رہی ہے، زن و شوئی کے باہمی فرائض انجام دینا ایک فرض دینی ہے، لیکن اس خاص حالت میں اگر بیوی طلاق لینا پسند نہ کرے اور اپنے عام حقوق سے شوہر کو بسکدوش کر دے تو یہ باہمی مصالحت بری نہیں بلکہ قطعی علیحدگی سے بہتر ہے۔

ان آیات کے علاوہ حضرت عائشہؓ سے اور آیتوں کی تفسیریں بھی مروی ہیں، لیکن ہم نے جن آیتوں کی تفسیریں درج کی ہیں ان سے دقت نظری کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے

کہ جو آیتیں عورتوں کے نکاح و طلاق کے معاملات سے تعلق رکھتی ہیں، ان کا مطلب انہوں نے کس قدر صحیح سمجھا ہے، اور کس طرح ان کو یاد رکھا ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ اگر عورتیں اپنے حقوق کا تحفظ کرنا چاہتی ہیں، تو ان کو قرآن و حدیث کی صحیح تعلیم کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کرنی چاہیے۔

علم اسرار الدین :

علم اسرار الدین اس علم کو کہتے ہیں جن میں احکام شریعت کے علل و اسباب اور ان کے حکم و مصالح بیان کئے جاتے ہیں، اور یہ علم اس قدر دقیقہ سنجی پر مبنی ہے کہ صرف چند فقہائے صحابہ یعنی حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ نے اس کے اصول و قواعد مہمہد کئے ہیں، باقی اس فن میں اور صحابہ کی مساعی جمیلہ کا حصہ بہت کم شامل ہے، بالخصوص اس میں صحابیات کے کارنامے تو بالکل نظر نہیں آتے لیکن تنہا حضرت عائشہؓ نے شریعت کے جن رموز و اسرار کی گرہ کشائی کر دی ہے، وہ صحابیات کی اس کمی کو پورا کر دیتی ہے، بلکہ اس فن میں خود صحابہ سے بھی ان کا پلہ بھاری نظر آتا ہے اور صحابہ سے اس علم کے متفرق مسائل احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، لیکن حضرت عائشہؓ کے مسائل کی تعداد سے کئی گنا زیادہ ہے، اور انہوں نے مذکورہ بالا صحابیات سے بہت زیادہ شریعت کے اسرار و مصالح کے پردہ کشائی کی ہے۔ اور بجز مسائل کا علل و اسباب بیان کئے ہیں، مثلاً عمد نبوت میں عورتوں کی اخلاقی حالت چونکہ قابل اعتماد تھی، اس لئے ان کو حضور ﷺ نے صلوة اور شرکت جماعت کی اجازت تھی، لیکن جب اخیر زمانہ میں عورتوں کے نظام اخلاق میں انحطاط پیدا ہو گیا تو حضرت عائشہؓ نے صاف صاف کہہ دیا :-

لو ادرك رسول الله ﷺ ما احدث النساء لمنعهن المساجد كما منعه

نساء بنی اسرائیل“ (۱)

”عورتوں نے اپنی حالت میں جو تغیرات پیدا کر لئے ہیں، اگر رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسا کہ بنو اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں“

قرآن مجید کی مکی اور مدنی سورتوں میں متعدد فروق و امتیازات ہیں، مثلاً جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں، ان میں زیادہ تر عقائد اور وقائع اخروی کا ذکر ہے، اور مدنی سورتوں میں بتدریج اور امر و نواہی کا مطالبہ کیا گیا ہے، کیونکہ اسلام ایک جاہل قوم میں آیا ہے

(۱) ابوداؤد کتاب الصلوة باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد والتشديد فی ذلك

اس لئے اس کو پہلے خطیبانہ اور واعظانہ طریقہ سے جنت اور دوزخ کا حال سنایا گیا جب اس سے لوگ متاثر ہو چکے تو اسلام کے احکام و قوانین اور امر و نواہی نازل ہوئے، اگر زنا و شراب خواری وغیرہ سے اجتناب کا پہلے ہی دن مطالبہ کیا جاتا تو دفعۃً کون اس نامانوس آواز کو سنتا؟ اس قسم کے امتیازات و فروق کے دریافت کرنے پر یورپ کے علمائے مستشرقین کو بڑا ناز ہے، لیکن حضرت عائشہؓ نے پہلے ہی دن اس راز کو فاش کر دیا تھا صحیح بخاری میں ان سے مروی ہے۔

انما نزل اول ما انزل منه سورة من المفصل فيها ذكر الجنة والنار حتى اذا ثاب الناس الى الاسلام ثم نزل الحرام والحلال لو نزل اول شيء لا تشربوا الخمر لقالوا لا ندع الخمر ابداً ولو نزل لا تزنوا لقالوا لا ندع الزنا ابداً لقد نزل بمكة وانا جاريه العب بل الساعة موعدهم والساعة ادهى وامرو ما نزلت سورة البقرة والنساء لا وانا عنده (باب تالیف القرآن)

”قرآن کی سب سے پہلی سورہ جو نازل ہوئی وہ مفصل کی سورہ ہے جس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو پھر حلال و حرام اترا، اگر پہلے یہ اترا کہ شراب مت پیو گے تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز شراب نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ اترا کہ زنا نہ کرو تو کہتے کہ ہم ہرگز نہیں زنا چھوڑیں گے مکہ میں جب میں کھیلتی تھی تو یہ اترا کہ ان کے وعدہ کا دن قیامت ہے اور قیامت نہایت سخت اور نہایت تلخ چیز ہے، سورہ بقرہ اور سورہ نساء جب اتریں تو میں آپ کی خدمت میں تھی۔“

اسلام کے ظہور سے پہلے مدینہ میں قبائل باہم خانہ جنگیوں میں مصروف تھے جن میں ان کے اکثر ارباب ادعا جو اپنے اقتدار کے تحفظ کے ہر نئی تحریک کی کامیابی میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں، قتل ہو گئے انصار ان لڑائیوں سے اس قدر چور ہو گئے تھے کہ اسلام آیا تو ان سب نے اس کو اپنے لئے رحمت سمجھا، چونکہ ارباب ادعاء کا طبقہ مفقود ہو چکا تھا، اس لئے ان کی راہ میں کسی نے موانع پیدا نہیں کئے، اس طریقہ سے خدائے پاک نے ہجرت سے پہلے ہی مدینہ میں اسلام کی ترقی کے راستے صاف کر دیئے تھے، یورپ کے فلسفہ تاریخ نے آج اس نکتہ کو حل کیا ہے، لیکن حضرت عائشہؓ نے ان سے پہلے ہم کو بتا دیا تھا۔

كان يوم بعثت يوماً قدمه الله لرسوله ﷺ فقدمه رسول الله ﷺ وقد افرق

ملوهم وقتلت سروا تهم وجوحوا فقدمه الله لرسوله في دخولهم الاسلام

(بخاری باب القسامه في الجاهلية)

”جنگ بعثت وہ واقعہ تھا جس کو خدا نے اپنے رسول کے لئے پہلے ہی سے پیدا کر دیا

تھا رسول اللہ ﷺ مدینہ میں آئے تو انصار کی جمعیت منتشر ہو گئی تھی اور ان کے سردار مارے جا چکے تھے اس لئے خدا نے اپنے رسول کے لئے ان کے حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے یہ واقعہ پہلے ہی مہیا کر دیا تھا۔

جن نمازوں میں چار رکعتیں ہوتی ہیں قصر کی حالت میں ان کی صرف دو رکعتیں ادا کی جاتی ہیں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چار میں سے دو سہولت کی خاطر ساقط کر دی گئی ہیں، لیکن حضرت عائشہؓ اس کی وجہ یہ بتاتی ہیں:

فرضت الصلوة رکعتين ثم ها جرانبي ﷺ ففرضت اربعاً و تركت

صلوة السفر على الاول (بخاری باب ہجرت)

”بکہ میں دو رکعتیں نمازیں فرض تھیں جب آپ نے ہجرت فرمائی تو چار فرض کی گئیں اور سفر کی نماز اپنی قدیم حالت پر چھوڑ دی گئی“

عبادت کا تو خدا نے ہر وقت حکم دیا ہے، لیکن احادیث میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ نماز عصر اور نماز فجر کے بعد کوئی نماز یعنی نفل و سنت بھی جائز نہیں، اس لئے بظاہر اس ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آئی لیکن حضرت عائشہؓ اس کی یہ وجہ بیان فرماتی ہیں:

وهم عمرانما نهى رسول الله ﷺ عن الصلوة ان يتحوى طلوع

الشمس و غروبها (مسند احمد جلد ۶ ص ۱۴۴)

”عمر کو وہم ہوا آپ نے صرف اس طرح نماز سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص آفتاب کے طلوع یا غروب کے وقت کو تاک کر نماز نہ پڑھے“

یعنی آفتاب پرستی کا شبہ نہ ہو آفتاب پرستوں کے ساتھ وقت عبادت میں تشابہ نہ ہو، احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نفل پڑھتے تھے اس بناء پر لوگ بغیر کسی عذر کے بھی بیٹھ کر نفل پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں، ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے؟ جواب دیا:

حين خطمه الناس (ابوداؤد باب صلوة القاعد)

”یہ اس وقت تھا جب لوگوں نے آپ ﷺ کو توڑ دیا، یعنی آپ کمزور ہو گئے“

ابوداؤد اور مسلم میں ان سے اس قسم کے اور روایتیں بھی مروی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کبر سنی اور ضعف کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔

ہجرت کے بعد جب نمازوں میں دو رکعتوں کے بجائے چار رکعتیں ہو گئیں، تو مغرب میں یہ اضافہ کیوں نہیں کیا گیا؟ حضرت عائشہؓ اس کا جواب یہ دیتی ہیں:



فانہا وتر النهار (مسند جلد ۶ ص ۲۴۱)

”مغرب میں اضافہ نہ ہوا کیونکہ وہ دن کی وتر ہے“

یعنی جس طرح رات کی نمازوں میں تین رکعتیں وتر کی ہیں اسی طرح دن کی نمازوں میں وتر کی یہ تین رکعتیں ہیں۔

نماز فجر میں تو اضمینان زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس میں رکعتیں اور زیادہ ہونی چاہئیں لیکن اور نمازوں سے کم ہیں حضرت عائشہؓ اس کی وجہ یہ بیان فرماتی ہیں:

وصلوة الفجر بطول قراتها (مسند جلد ۶ ص ۲۴۱)

”نماز فجر میں رکعات کا اضافہ اس لئے نہیں ہوا کہ دونوں رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھی جاتی ہیں“

یعنی رکعتوں کی کمی کو طول قرأت نے پورا کر دیا۔

اہل جاہلیت عاشوراکا روزہ رکھتے تھے اور وہ فرضیت صوم سے پہلے اسلام میں بھی واجب رہا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اسی قسم کی روایت احادیث میں مذکور ہے، لیکن وہ نہیں بیان کرتے کہ جاہلیت میں اس دن کیوں روزہ رکھا جاتا تھا، لیکن حضرت عائشہؓ اس کا سبب یہ بیان فرماتی ہیں:

کانوا یصومون یوم عاشورا قبل ان یفرض رمضان وکان یوم تستر فیہ

الکعبۃ (مسند احمد جلد ۶ ص ۲۴۴)

”اہل عرب رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشوراکے دن کا روزہ رکھتے تھے، کیونکہ اس روز کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا“

باوجودیکہ آپ ہمیشہ تہجد پڑھتے تھے، لیکن رمضان کے پورے مہینے میں آپ نے تراویح نہیں پڑھی، حضرت عائشہؓ اس کی یہ وجہ بیان فرماتی ہیں کہ پہلے دن جب آپ نے مسجد میں نماز تراویح ادا فرمائی تو کچھ اور لوگ بھی شریک ہو گئے، دوسرے دن اور زیادہ مجمع ہوا، تیسرے دن اور بھی جمع ہوئے، چوتھے دن اتنا مجمع ہوا کہ مسجد میں جگہ نہ رہی، لیکن آپ باہر تشریف نہ لائے اور لوگ مایوس ہو کر چلے گئے صبح کو آپ نے لوگوں سے فرمایا:

اما بعد فانہ لم یخف علی شانکم اللیلۃ ولکنی خشیت ان تفرض علیکم

صلاة اللیل فتعجزوا.

”رات تمہاری حالت مجھ سے پوشیدہ نہ تھی لیکن مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر تراویح فرض نہ ہو جائے اور تم اس کے ادا کرنے سے قاصر رہو“

حج کے بعض ارکان مثلاً طواف کرنا، بعض مقامات میں دوڑنا، کہیں کھڑا ہونا کہیں کنکری پھینکنا بظاہر فعل عبث معلوم ہوتے ہیں، لیکن حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

انما جعل الطواف بالبيت و بالصفا و المروة و رمي الجمار لاقامة ذكر

اللہ عزوجل (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۶۴)

”خانہ کعبہ، صفا و مہ کو طواف کنکریاں پھینکنا تو صرف خدا کے یاد کرنے کے لئے

ہے“

قرآن مجید کے اشارات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں یہ بھی ایک طرز عبادت تھا چونکہ حج یادگار ابراہیمی ہے اس لئے وہی طرز عبادت قائم رکھا گیا۔

مکہ معظمہ کے پاس محصب نام ایک وادی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے پیام حج میں قیام فرمایا تھا اور آپ کے بعد خلفائے راشدین بھی اس میں قیام فرماتے رہے اس بناء پر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اس کو سنن حج میں شمار کرتے تھے، لیکن حضرت عائشہؓ اس کو سنت نہیں سمجھتی تھیں اور آپ کے قیام کی یہ وجہ بیان فرماتی تھیں:

انما نزلہ رسول اللہ ﷺ لانه كان منزلا اسمعج لخروجه

”آپ نے یہاں صرف اس لئے قیام کیا تھا کہ یہاں سے چلنے میں آسانی ہوتی تھی“

حضرت ابن عباسؓ اور ابو رافعؓ بھی اس مسئلہ میں حضرت عائشہؓ کے ہم زبان ہیں<sup>(۱)</sup>

ایک دفعہ آپ نے حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے بہت سے صحابہ کرام اس حکم کو دائمی سمجھتے تھے، لیکن متعدد صحابہ کے نزدیک یہ حکم وقتی تھا، حضرت عائشہؓ بھی ان ہی لوگوں میں ہیں اور اس وقتی حکم کا سبب یہ بتاتی ہیں:

لا ولكن لم يكن يضحى منهم الا قليل ففعل ذلك ليطعم من ضحى من لم

يضح (مسند جلد ۶ ص ۱۰۲)

”یہ نہیں ہے کہ قربانی کا گوشت تین دن کے بعد حرام ہو جاتا ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں کم لوگ قربانی کر سکتے تھے اس لئے آپ نے یہ حکم دیا کہ جو لوگ قربانی کریں وہ ان لوگوں کو کھلائیں جنہوں نے قربانی نہیں کی ہے“

حضرت عائشہؓ کی یہی حدیث امام مسلم نے ایک خبر کی صورت میں بیان کی ہے یعنی یہ

کہ ایک سال مدینہ کے آس پاس دیساتوں میں قحط پڑا، اس سال آپ نے یہ حکم دیا اور دوسرے سال جب قحط نہیں رہا، اس کو منسوخ فرمادیا، حضرت سلمہ بن اکوع سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔<sup>(۱)</sup>

کعبہ کے ایک طرف کی دیوار کے بعد کچھ جگہ چھوٹی ہوئی تھی جس کو حطیم کہتے ہیں اور طواف میں اس کو بھی اندر داخل کر لیتے ہیں، لیکن ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جو حصہ کعبہ کے اندر داخل نہیں اس کو طواف میں کیوں شامل کرتے ہیں؟ حضرت عائشہؓ کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ دیواریں بھی خانہ کعبہ میں داخل ہیں؟ ارشاد ہوا ”ہاں“ عرض کی کہ پھر بناتے وقت لوگوں نے ان کو اندر کیوں نہیں کر لیا؟ فرمایا تیری قوم کے پاس سرمایانہ تھا، اس لئے اتنا کم کر دیا، پھر عرض کی کہ اس کا دروازہ اتنا بلند کیوں رکھا؟ فرمایا یہ اس لئے تاکہ وہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں اور جس کو چاہیں روک دیں“

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اگر عائشہؓ کی یہ روایت صحیح ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسی لئے ادھر کے دونوں رکنوں کا بوسہ نہیں دیا، لیکن سوال یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ خانہ کعبہ اپنے اصلی اساس پر قائم نہیں ہے تو شریعت ابراہیمی کے مجدد کی حیثیت سے آپ کا فرض تھا کہ اس کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کرتے، لیکن آپ نے حضرت عائشہؓ سے خود اس کی وجہ یہ بیان فرمادی کہ ”عائشہؓ تیری قوم اگر کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو ڈھا کر اساس ابراہیمؑ پر تعمیر کراتا“

آج کل ہجرت کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ گھریا چھوڑ کر مدینہ جا کر آباد ہو جانا خواہ وہ پہلے جہاں آباد تھے، کیسے ہی امن و امان کا ملک ہو، لیکن حضرت عائشہؓ نے ہجرت کی حقیقت یہ بتائی ہے۔

لا ہجرة اليوم كان المومنون يفر احد هم بدینه الى الله والى رسوله  
مخافة ان يفتن عليه فاما اليوم فقد اظهر الله الاسلام واليوم يعبد ربه حيث شاع  
ولكن جهاد ونية (بخاری باب الهجرة)

”اب ہجرت نہیں ہے، ہجرت اس وقت تھی جب مسلمان اپنے مذہب کو لے کر خدا اور اس کے رسول کے پاس ڈر سے دوڑا آتا تھا کہ اس کو تبدیل مذہب کی بنا پر ستایا نہ جائے

لیکن اب خدا نے اسلام کو غالب کر دیا اب مسلمان جہاں چاہے اپنے خدا کو پوج سکتا ہے، ہاں جہاد اور نیت کا ثواب باقی ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام میں اختلاف پیدا ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ پیغمبر جہاں مرے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں، لیکن اس کا اصل سبب حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں۔

قال رسول الله ﷺ في مرضه الذي لم يقم منه لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد لولا ذلك ابرز قبره غير انه خشي ان يتخذ مسجداً (بخاری آخر کتاب الجنائز و مسند احمد جلد ۶ ص ۱۲۱)

”آپ نے مرض الموت میں فرمایا کہ خدا یسود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں) کہ اگر یہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھلے میدان میں ہوتی لیکن چونکہ اس کا خوف تھا کہ وہ بھی سجدہ گاہ نہ بن جائے اس لئے آپ حجرے ہی کے اندر مدفون ہوئے۔“

علم حدیث :

محدثین نے روایت حدیث کے لحاظ سے صحابہ کے پانچ طبقے قرار دیئے، میں اور تقریباً ہر طبقے میں صحابہ کے ساتھ صحابیات بھی شامل ہیں۔  
(۱) اول طبقہ یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں، حضرت عائشہؓ کا شمار اسی طبقے سے ہے۔

(۲) دوسرا طبقہ یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں پانچ سو یا پانچ سو سے زیادہ ہیں، اس میں کوئی صحابیہ شامل نہیں۔

(۳) تیسرا طبقہ یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں سو یا سو سے زیادہ ہیں مگر پانچ سو سے کم ہیں، حضرت ام سلمہؓ اسی میں محسوب ہیں۔

(۴) چوتھا طبقہ یعنی وہ صحابہ جن کی تعداد روایت چالیس سے سو تک ہے اس طبقے میں بخترت صحابیات شامل ہیں۔ مثلاً ام المؤمنین ام حبیبہؓ، ام المؤمنین میمونہؓ، ام عطیہ انصاریہؓ، ام المؤمنین حفصہؓ، اسماء بنت ابی بکرؓ، ام ہانیؓ

(۵) پانچواں طبقہ یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے کم ہیں، اس طبقے میں بخترت صحابیات شامل ہیں۔ مثلاً حضرت ام قیسؓ، حضرت فاطمہ بنت قیسؓ، حضرت ربیع بنت مسعودؓ، حضرت سمرہ بنت صفوانؓ، حضرت کلثوم بنت حسین غفاریؓ، حضرت جداء بنت وہب وغیرہ۔

فمن روایت :

روایت کے علاوہ حدیث کے متعلق درایت کی ابتداء صحابیات سے ہی ہوئی یعنی حضرت عائشہؓ نے بعض روایتوں پر درایت تنقید کی اور اس سے درایت کے خاص خاص اصول قائم ہوئے، مثلاً ان کے سامنے جب روایت کی گئی کہ ”مردے پر اس کے اہل و عیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے“ تو انہوں نے درایت اس روایت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ قرآن مجید میں ہے۔

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى  
”ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا“

رونا اہل و عیال کا گناہ ہے اس کا عذاب مردے پر کیوں ہوگا؟ اس سے یہ اصول قائم ہوا کہ جو روایت نصوص قرآنیہ کے خلاف ہو وہ قبول نہیں کی جاسکتی چنانچہ اس اصول کی رو سے انہوں نے متعدد روایتوں کی تنقید کی ہے، مثلاً صحابہ کرام کے دور میں یہ خیال پھیل گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج میں خدا کو دیکھا تھا لیکن حضرت عائشہؓ کے سامنے اس کا ذکر آیا تو بولیں جو شخص یہ روایت کرے وہ دروغ گو ہے اس کے بعد یہ آیت پڑھی :

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ

”خدا کو کوئی نگاہ نہیں پاسکتی اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے وہ لطیف اور خبیر ہے“

ان کے سامنے جب یہ روایت کی گئی کہ نحوست عورت گھوڑے اور گنہگار میں ہے تو انہوں نے اس سے انکار کیا اور یہ آیت پڑھی :

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا

”زمین میں یا تمہارے اندر تمہیں جو مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ پہلے سے لکھی ہوتی ہیں“  
غزوہ بدر میں جو مارے گئے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کے مدفن پر کھڑے ہو کر

فرمایا تھا : هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدْرُبُكُمْ حَقًّا

”خدا نے جو تم سے وعدہ کیا تم نے اس کو پایا“

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ مردوں کو پکارتے ہیں، آپ نے جواب میں فرمایا :

(۱) یہ روایتیں بہ ترتیب عین الاصابہ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشۃ علی الصحابہ صفحہ ۸، ۱۷، ۱۸، ۲۱ میں موجود ہیں  
آخر روایت کے علاوہ اور روایتیں بخاری میں بھی ہیں

ما انت باسمع منهم ولكن لا يجيبون

”تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے“

حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ روایت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ آپ نے یہ

نہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا تھا: انہم ليعلمون الآن ما كنت اقول لهم حق

”وہ اس وقت یقینی طور پر جانتے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہتا تھا وہ سچ تھا“

اس کے بعد انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَىٰ، وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ

”اے پیغمبر تو مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتا اور نہ ان کو جو قبر میں ہیں“

مطلب یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے کفار آپ کی آواز سن ہی نہیں سکتے تھے (۱)

عام طور پر لوگ متعہ کی حرمت میں احادیث پیش کرتے ہیں، لیکن حضرت عائشہؓ

کے ایک شاگرد نے جو از متعہ کی روایت کی نسبت ان سے پوچھا تو انہوں نے اس کا جواب

حدیث سے نہیں دیا بلکہ فرمایا میرے تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے، پھر یہ آیت پڑھی:

وَالَّذِينَ هُمْ يَحْفَظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ

فَأَنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ .

”جو لوگ کہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، بجز اپنی بیویوں یا لونڈیوں کے

ان پر کوئی ملامت نہیں“

اس لئے ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت جائز نہیں (۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت ہے کہ حرامی لڑکا تینوں میں (ماں باپ، بچہ) بدتر

ہے۔ حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا یہ صحیح نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک منافق تھا جو رسول اللہ

ﷺ کو برا بھلا کہا کرتا تھا، لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اس کے علاوہ وہ ولد الزنا بھی

ہے آپ نے فرمایا کہ وہ تینوں میں بدتر ہے، یعنی اپنے ماں باپ سے زیادہ برا ہے، یہ ایک خاص

واقعہ تھا عام نہ تھا خدا فرماتا ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ

”کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا“

یعنی قصور تو ماں کا ہے، بچہ کا کیا گناہ ہے (۳) جس کی بنا پر وہ ان سے برا قرار دیا جائے۔

(۱) بخاری غزوہ بدر (۲) اصباحہ سیوطی بحوالہ حاکم (۳) ایضاً

علم فقہ :

عمد نبوت میں علم فقہ کوئی مدون و مرتب نہ تھا کہ صحابہ باقاعدہ اس کی تعلیم حاصل کرتے سوال و استفسار کے ذریعہ بے شبہہ رسول اللہ ﷺ سے بہت سے مسائل دریافت کئے جاسکتے تھے، لیکن صحابہ کرام کچھ تو فرط ادب سے اور کچھ اس لئے کہ قرآن نے سوال کی ممانعت کر دی تھی آپ سے بہت کم مسائل دریافت کرتے تھے مند داری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ صحابہ نے رسول اللہؐ سے صرف تیرہ مسائل دریافت کئے جو کل کے کل قرآن مجید میں مذکور ہیں<sup>(۱)</sup> اس بناء پر آپ سے فقہی تعلیم حاصل کرنے کا صرف یہ طریقہ تھا کہ صحابہ کرام آپ کے تمام اعمال مثلاً وضو، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا بغور مطالعہ کرتے تھے اور قرآن و امارات سے ان اعمال کے شروط و ارکان کو مباح و واجب اور منسوخ و غیرہ قرار دیتے تھے<sup>(۲)</sup> لیکن صحابیات کو اس طریقہ سے فائدہ اٹھانے کا بہت کم موقع ملتا تھا اس کے ساتھ جو فقہی مسائل عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں وہ عام طور پر میان بھی نہیں کئے جاسکتے تھے اس لئے صحابیات کو زیادہ تر آپ سے سوال و استفسار کی ضرورت پیش آتی تھی چنانچہ خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :

نعم النساء نساء الانصار لم یکن یمنعهن الحیاء ان یتفقهن فی الدین<sup>(۳)</sup>

” انصاریہ عورتیں کس قدر اچھی تھیں کہ تقہ فی الدین سے ان کو حیل باز نہیں رکھتی تھی“

غرض اس طریقہ سے تعلیم سے صحابیات کو مختلف فوائد پہنچے اور اس طرح ان کے

تین طبقے قرار پائے۔

(۱) مٹھریں یعنی وہ لوگ جن سے بخت مسائل منقول ہیں (۲) مقلین یعنی وہ لوگ جن سے بہت کم مسائل مروی ہیں (۳) متوسطین یعنی وہ لوگ جو ان دونوں طبقوں کے درمیان میں ہیں اور ان تینوں طبقوں میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ جو صحابیات شامل ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں، مٹھریں میں جن کے متعلق علامہ لن حزم نے لکھا ہے کہ اگر ان کے فتاویٰ جمع کئے جائیں تو ہر ایک کے فتاویٰ سے ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں حضرت عائشہؓ داخل ہیں۔

متوسطین جن کے فتاویٰ رسالوں کی صورت میں جمع ہو سکتے ہیں حضرت ام سلمہ شامل ہیں۔ مقلین جن سے صرف چند مسائل منقول ہیں ان میں بخت صحابیات شامل ہیں

(۱) مسند دارمی ص ۲۹ (۲) حجة الله البالغة مطبوعه مصر ص ۱۱۲

(۳) مسلم کتاب الطہارت باب استحباب استعمال العسلۃ من الحیض فرضته من مسك فی موضع الدم

مثلاً حضرت ام عطیہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، یعلیٰ بنت قالفؓ، حضرت اسماءؓ، حضرت ام شریکؓ، حضرت خولاءؓ، حضرت عاتکہؓ، بنت زیدؓ، حضرت سہلہؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا وغیرہ۔

## خاتمہ

### مناقب صحابیاتؓ

یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، کہ صحابہ کرامؓ میں سب سے افضل کون ہے؟ عام اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ خلفائے راشدین تمام صحابہ میں افضل ہیں اور خود خلفاء میں فضیلت کے مدارج ترتیب خلافت کی رو سے قائم ہوئے ہیں، لیکن علامہ ابن حزم ظاہری کے نزدیک ازواج مطہرات تمام صحابہ سے افضل ہیں اور اس مسئلہ کو انہوں نے اپنی کتاب ملل والنحل میں نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اور اسی سلسلہ میں ان آیات و حدیث کے جوہرات بھی دیئے ہیں جن سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کا درجہ عموماً مردوں سے کم ہے، لیکن اس وقت ہم ان مباحث میں پڑنا نہیں چاہتے، بلکہ مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے جو وجوہ فضیلت قائم ہو سکتی ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر صحابیات کے مناقب میں صحیح حدیثیں نقل کر دیتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوگا کہ جن وجوہ کی بنا پر صحابہ کرامؓ کے فضائل کی بنیاد قائم ہوئی ہے، ان میں ان کے ساتھ صحابیاتؓ بھی شامل ہیں۔

اسلام میں سب سے بڑی فضیلت تقدم فی الاسلام ہے، اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے فضائل میں یہ فضیلت سب سے نمایاں ہے، لیکن اس فضیلت میں ان کے ساتھ دو عورتیں بھی شامل ہیں، یعنی حضرت خدیجہؓ اور حضرت سمیہؓ یا ام ایمنؓ، چنانچہ صحیح بخاری مناقب ابو بکرؓ میں حضرت عمارؓ سے مروی ہے:

رأیت رسول اللہ ﷺ وماعہ الاخمسة اعبدا و امراتان و ابو بکر

” میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ آپ کے ساتھ صرف پانچ

غلام دو عورتیں اور حضرت ابو بکرؓ تھے۔“

تقدم فی الاسلام کے بعد سب سے بڑی فضیلت تقدم فی الهجرة ہے اور اس فضیلت

میں تمام مہاجرات اولات صحابہ کی شریک ہیں، چنانچہ علامہ ابن حزم ظاہری ملل اور نحل میں

لکھتے ہیں:



فلساننشك ان المهاجرات الاولات من نساء الصحابة رضی اللہ عنہم  
 یشارکن الصحابة فی الفضل ففاضلة و مفضولة و فاضل و مفضول ففیہن من یفضل  
 کثیراً من الرجال و فی الرجال من یفضل کثیراً منهن و ما ذکر اللہ تعالیٰ منزلة من  
 الفضل الاوترون النساء مع الرجال فیہا کقولہ تعالیٰ ان المسلمین و المسلمات<sup>۱</sup>  
 ”ہم کو اس میں شک نہیں ہے کہ صحابہ کی بیویوں میں مہاجرات اولات فضیلت میں  
 صحابہ کی شریک ہیں ان میں کسی عورت پر اور کسی مرد کو کسی مرد پر فضیلت حاصل ہے  
 عورتوں میں بعض عورتیں بہت سے مردوں پر فضیلت رکھتی ہیں اور اسی طرح مردوں میں  
 بعض مرد بہت سی عورتوں پر فضیلت رکھتے ہیں خدا نے فضیلت کا کوئی درجہ ایسا نہیں بیان کیا  
 جس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو شامل نہ کیا ہو مثلاً خدا کا یہ قول کہ مسلمان مرد  
 اور مسلمان عورتیں۔“

اسلام میں سب سے پہلی ہجرت حبشہ کی ہجرت ہے اور اس ہجرت میں ایک  
 صحابیہ کو ایک ایسا شرف حاصل ہوا جس پر تمام مہاجرین حبشہ کو ناز تھا چنانچہ حضرت موسیٰ  
 اشعری سے روایت ہے کہ جب ہم کو مدینہ کی طرف رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کا سال معلوم  
 ہوا تو ہم نے بھی اپنی قوم کے ۵۳ یا ۵۲ آدمی کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا اور اس غرض سے  
 کشتی پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے سوء اتفاق سے کشتی حبش میں جا پڑی اور ان  
 لوگوں کی ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے رفقاء سے ہو گئی چنانچہ حضرت جعفر  
 نے ان لوگوں سے کہا کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے یہاں بھیجا ہے اور یہیں اقامت کا حکم دیا ہے  
 تم لوگ بھی ہمارے ساتھ اقامت کرو ان لوگوں نے وہاں اقامت اختیار کی یہاں تک کہ جب  
 خیبر فتح ہوا تو سب کے سب ایک ساتھ آئے اور خیبر ہی میں رسول اللہ ﷺ سے ملے اس  
 موقع پر ان لوگوں کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ جو لوگ غزوہ خیبر میں شریک نہ تھے ان میں  
 ان کے سوا رسول اللہ ﷺ نے کسی کو مال غنیمت سے حصہ نہیں دیا ان لوگوں سے بعض صحابہ  
 نے کہا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے حضرت اسماء بنت عمیس بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ  
 ہی حبشہ سے آئیں تھیں وہ ایک روز حضرت حفصہ کی ملاقات کو گئیں تو حضرت عمرؓ بھی آگئے  
 اور ان کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ حضرت حفصہ نے جواب دیا کہ اسماء بنت عمیسؓ ان کا نام  
 سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا حبشہ ہے یہ بحر یہ (یعنی سمندر کی رہنے والی) ہے حضرت اسماء

بنت عمیس نے کہا کہ ہاں ہم ہیں، اب حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے، ہم تم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے مستحق ہیں، یہ سن کر حضرت اسماءؓ برہم ہوئیں اور کہا کہ عمر تم غلط کہتے ہو، خدا کی قسم تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے اور ہم تمہارے بھوکے کو کھانا کھلاتے تھے اور تمہارے جاہل کو نصیحت کرتے تھے اور ہم حبش کے دور ترین مبعوض زمین میں پڑے ہوئے تھے، ہم کو ایذا دی جاتی تھی، ہم خائف رہتے تھے اور یہ سب کچھ صرف خدا اور خدا کے رسول کی ذات کے لئے تھا خدا کی قسم تم نے جو کچھ کہا ہے، جب تک اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے نہ کر لوں گی، نہ کھاؤں گی، نہ پانی پیوں گی، خدا کی قسم کسی قسم کا جھوٹ نہ بولوں گی، کجروی نہ اختیار کروں گی اور اس واقعہ میں کوئی اضافہ نہ کروں گی، چنانچہ جب آپ تشریف لائے تو انہوں نے اس واقعہ کو بیان کیا، اور آپ نے اس کو سن کر فرمایا وہ تم سے زیادہ میرے مستحق ہیں عمر اور ان کے اصحاب کی، صرف ایک ہجرت ہے، اور تم اہل کشتی کی دو ہجرتیں ہیں، حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ ابو موسیٰ اور دوسرے کشتی والے جوق در جوق میرے پاس آتے تھے، اور اس حدیث کو پوچھتے تھے، ان کے لئے دنیا کی کوئی چیز اس سے زیادہ مسرت خیز اور با عظمت نہ تھی حضرت ابو موسیٰ بار بار مجھ سے اس حدیث کو پوچھتے تھے۔<sup>(۱)</sup>

فضیلت کی ایک بڑی وجہ محبت رسول ہے، اور اس محبت کی وجہ سے بعض صحابیات کو وہ درجہ تقرب رسول حاصل ہوا جو صرف مخصوص صحابہ کو حاصل تھا، صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ازواج مطہرات کے سوا بجز حضرت ام سلیمؓ و حضرت انسؓ کی ماں کے کسی عورت کے پاس تشریف نہیں لے جاتے تھے، چنانچہ آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی، تو آپ نے فرمایا مجھے ان پر رحم آتا ہے، کیونکہ ان کے بھائی میرے ساتھ شہید ہوئے تھے۔<sup>(۲)</sup> جس لطف و محبت کے ساتھ آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے، اسی لطف و محبت کے ساتھ وہ آپ کی خدمت گزاری بھی کرتی تھیں، بخاری کتاب الاستیذان میں ہے کہ جب آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے تو وہ آپ کے لئے چھوٹا بچھا دیتیں، آپ آرام فرماتے، جب سو کر اٹھتے تھے تو وہ آپ کا پینہ ایک شیشی میں جمع کر لیتیں، مرتے وقت وصیت کی کہ کفن میں حنوط کے ساتھ عرق مبارک بھی شامل کر لیا جائے، حضرت انس بن مالکؓ کی خالہ ام حرامؓ کو بھی اکثر یہ شرف حاصل ہوتا تھا، چنانچہ معمول تھا کہ جب آپ قباء کو تشریف

(۱) مسلم باب من فضائل جعفر بن ابی طالب و اسماء بنت عمیس و اہل سفینہم (۲) صحیح مسلم باب من فضائل ام انسؓ ابن مالک و بلالؓ

لے جاتے تو ان کے پاس ضرور جاتے وہ اکثر کھانا لے کر پیش کرتیں، اور آپ نوش فرماتے، آپ سو جاتے تو وہ آپ کے بالوں سے جوئیں نکالتیں<sup>(۱)</sup>، مخصوص صحابیات کے علاوہ قومی حیثیت سے بھی بعض صحابیات کو بعض معاشرتی فضائل حاصل ہیں اور ان فضائل میں اس قبیلے کی تمام صحابیات شامل ہیں، مثلاً ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام ہانیؓ سے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے یہ معذرت کی کہ میرا سن زیادہ ہو گیا اور میرے لڑکے ہیں (جن کی پرورش میرے لئے ضروری ہے اس موقع پر آپ نے عموماً قریشی عورتوں کی یہ فضیلت بیان کی)

خیر نساء رکن الابل نساء قریش احناہ علی یتیم فی صغره و رعاه علی  
زوج فی ذات یدہ<sup>(۲)</sup>

”شتر سوار عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں، بچپن میں اپنے یتیم بچے سے محبت رکھتی ہیں اور اپنے شوہر کے مال کی بہت زیادہ حفاظت کرتی ہیں“  
انصاریہ کا قبیلہ اسلام میں ایک خاص درجہ فضیلت رکھتا ہے اور اس قبیلہ کے مرد اور عورت دونوں رسول اللہ ﷺ کو یکساں محبوب تھے، چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک بار انصار کی عورتیں اور انصار کے لڑکے ایک شادی کی تقریب سے واپس آ رہے تھے، آپ ﷺ نے ان کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور تین بار فرمایا کہ ”تم لوگ میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو“

دوسری روایت میں ہے کہ ایک انصاریہ صحابہ اپنے بچے کو ساتھ لیکر آئیں اور آپ نے ان سے گفتگو فرمائی اور اسی سلسلہ میں دوبارہ فرمایا کہ ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم تمام لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو“<sup>(۳)</sup>

ان فضائل کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین نے بھی صحابیات کی قدر و منزلت کو قائم رکھا، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام ابیہنؓ کی ملاقات کو تشریف لے جایا کرتے تھے، آپ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ آؤ چلیں، جس طرح رسول اللہ ﷺ ان کی ملاقات کو جایا کرتے تھے، اسی طرح ہم بھی ان کی ملاقات کر آئیں، چنانچہ جب ان کے پاس پہنچے تو وہ رو پڑیں، ان لوگوں نے کہا کیوں روتی ہو، خدا کے پاس رسول اللہ ﷺ کا جو درجہ ہے وہ نہایت بہتر ہے بولیں میں

(۱) بخاری کتاب الجہاد ص ۳۹۱ (۲) مسلم باب من فضائل نساء قریش (۳) بخاری کتاب

السناب باب قول النبی ﷺ لانا نصار انتم احب الناس الی

اس لئے نہیں روتی کہ میں اس سے ناواقف ہوں بلکہ اس لئے روتی ہوں کہ وحی کا آسمانی سلسلہ ٹوٹ گیا اس پر یہ دونوں بزرگ بھی رو پڑے۔

عام صحابیات کے علاوہ ان مطہرات کو جو عزت حاصل تھی، عورتوں کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک حرم محترم نے انتقال کیا تو حضرت عبداللہ بن عباس سجدے میں گر پڑے لوگوں نے کہا کہ آپ اس وقت سجدہ کرتے ہیں؟ بولے جب قیامت کی کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کر لیا کرو، پھر ازواج مطہرات کی موت سے بڑھ کر قیامت کی کون سی نشانی ہوگی (۱) 'مقام' سرف میں حضرت میمونہ نے وفات پائی تو حضرت عبداللہ بن عباس بھی ساتھ تھے بولے کہ یہ میمونہ ہیں ان کا جنازہ اٹھاؤ، تو مطلق حرکت و جنبش نہ دو (۲) (۳)

بعض صحابہ عزت و محبت کی وجہ سے ازواج مطہرات پر اپنی جائیدادیں وقف کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ازواج مطہرات کے لئے باغ کی وصیت کی تھی جو چار ہزار پر فروخت کیا گیا۔ (۴)

خلفاء ازواج مطہرات کا نہایت ادب و احترام کرتے تھے، حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں ازواج مطہرات کی تعداد کے لحاظ سے نو پیالے تیار کرائے، جب ان کے پاس کوئی میوہ یا اور کوئی کھانے کی عمدہ چیز آتی تو ان پیالوں میں کر کے تمام ازواج مطہرات کی خدمت میں بھیجتے تھے۔ (۵)

۲۳ ہجری میں جب حضرت عمر امیر الحاج بن گئے تو ازواج مطہرات کو بھی نہایت عزت کے ساتھ ہمراہ لے گئے، حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن عوف کو سوار یوں کے ساتھ کر دیا تھا، یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے اور کسی کو سوار یوں کے قریب آنے نہیں دیتے تھے، ازواج مطہرات منزل پر اترتی تھیں تو حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کسی کو قیام گاہ کے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ (۶)

عام مسلمان ازواج مطہرات کے ساتھ جو حسن عقیدت رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ لوگ عام طور پر حضرت عائشہ کی خدمت میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو لاتے تھے اور وہ ان کے لئے دعائے برکت فرماتی تھیں (۷) حضرت عائشہ بنت طلحہ نے

(۱) مسلم باب من فضائل ام ایمن (۲) ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب السجود عنہ الآیات (۳) نسائی کتاب

النکاح ذکر امر رسول اللہ ﷺ فی النکاح وازواجه وماباح اللہ عروجل ینہ ﷺ (۴) ہرمذی کتاب المناقب

حضرت عبدالرحمن بن عوف (۵) موطاء امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب حرمة اهل الكتاب والمجوس

(۶) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبدالرحمن ابن عوف (۷) ادب السغرد باب الطیرۃ من الجن

حضرت عائشہؓ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی ان کا بیان ہے کہ لوگ دور دور سے میرے پاس آتے تھے اور چونکہ مجھ کو حضرت عائشہؓ سے تقرب حاصل تھا اس لئے بوڑھے بوڑھے لوگ میرے پاس آتے تھے جو ان لوگ مجھ سے بھائی چارہ کرتے تھے اور مجھ کو ہدیہ دیتے تھے اور اطراف ملک سے خطوط بھیجتے تھے۔<sup>(۱)</sup>

، غرض ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت اور مرد دونوں کا درجہ یکساں بلند کیا اور خلفائے راشدینؓ اور عام مسلمانوں نے اس درجہ کو قائم رکھا، لیکن صحابیات کو یہ درجہ صرف مذہب اخلاق اور حسن معاشرت کی بنا پر حاصل ہوا تھا اور آج بھی ان ہی چیزوں سے عورتیں اپنے درجے کو بلند کر سکتی ہیں۔

## تمت بالخیر

(۱) ادب المفرد باب الکتاب فی النساء وجوابہن

# مسلمان عورتوں کی بہادری

از

علامہ سید سلیمان ندویؒ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
مسلمان عورتوں کی بہادری

از  
علامہ سید سلیمان ندوی

یورپ کے گولڈن ڈیڈس میں سب سے زریں کارنامہ ایک بہادر عورت کا واقعہ ہے جس نے موقع جنگ پر نیپولین کے مقابلہ میں ایک سپاہی کا کام انجام دیا تھا۔ ۱۸۰۸ء میں جب نیپولین بوناپاٹ پر تگال کی مہم سر کر چکا تو اپنے بھائی جوزف کو اپنا یہاں اپنا قائم مقام چھوڑ کر اسپین کی طرف بڑھا، دارالسلطنت آرگان کے شہر زرگوزا (سرتوسہ) میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اسپین نے جنگی طاقت کے علاوہ قومی جوش سے بھی اس فتنہ کو فرو کرنا چاہا تمام ملک میں وطن اور قوم کی جے پکاری جانے لگی اور ہر شخص اپنے ملک پر جان فدا کرنے پر مستعد ہو گیا اس موقع پر جنس انسانی کے ایک کمزور اور نازک طبقہ نے بھی حتی الامکان وطن کے لئے جان فروشی کی۔

عورتوں اور ضعیف بچوں کی سرفروشی اور کیا ہو سکتی تھی؟ انہوں نے مجروح سپاہیوں کی خدمت کی، کونٹسٹ بیورینا نے عورتوں اور بچوں کی ایک جماعت ترتیب دی جن کے متعلق یہ خدمت سپرد کی کہ موقع جنگ پر سپاہیوں کو کھانا پہنچائیں، زخمی سپاہیوں کو میدان کارزار سے اٹھا کر لائیں اور ان کی تیمارداری کریں اور ان کی مرہم پٹی کریں۔ اسی جنگی تاریخ کا ایک پر فخر واقعہ یہ ہے کہ اگیٹنا زرا لوزا ایک ایک سپاہی کا کھانا لے جاتی تھی کہ اثنائے راہ میں ایک خوفناک سین (منظر) ان کو نظر آیا، عین معرکہ میں ایک گول انداز سپاہی کو گولی لگی اور وہ مر گیا دوسرے سپاہی کھڑے ہیں اور ہمت کرتے ہیں کہ مقتول سپاہی کی جگہ کھڑے ہو کر دشمن کو ادھر آنے سے روکیں، مگر بندوق کی گولیاں ان زوروں سے برس رہی تھیں کہ آگے بڑھتے ہوئے لوگوں کے قدم ڈگمگارے تھے، بہادر اگیٹنا دوڑ کر مقتول سپاہی کی جگہ پر پہنچی اور اس توپ میں جس کو مقتول سپاہی نے ٹھیک دشمنوں کے نشانے پر رکھا تھا، دیا سلامتی لگا دی



اور اخیر معرکہ تک اس کا دستِ ہمت شل نہ ہوا اور وہ برابر کام کرتی رہی۔

اختتامِ جنگ پر اگسینا کو معلوم ہوا کہ اس نے اپنے شوہر کی طرف سے یہ خدمت ادا کی، جس کی مردہ لاش توپ کے پیچھے پڑی تھی۔ ملک و قوم نے اگسینا کی اس خدمت کو اس نگاہِ عزت سے دیکھا کہ جب تک وہ زندہ رہی سلطنت سے اس کو وظیفہ ملتا رہا یورپین اربابِ قلم نے گولڈن ڈیڈس کے سب سے قیمتی اور قابلِ عزت سلسلہ واقعات میں اس کا ذکر کیا۔

جان آف آرک یورپ کی ایک بہادر عورت تھی جس نے مردانہ لباس پہن کر بطور سپہ سالار کے ۱۴۲۸ء میں آریلینس کا محاصرہ کیا۔ پیٹے کی لڑائی میں انگریزوں کو شکست دی اور چارلس ہفتم کو تخت پر بٹھایا۔ ۱۴۳۱ء میں اس جرم پر کہ اس میں یہ مافوق الفطرت قوت بزورِ سحر ہے جلادی گئی جان کے کارناموں کی انتہائی شہرت یہ ہے کہ اسکول کا بچہ اس سے واقف ہے اور اب ۱۹۲۰ء میں یورپ نے اس کے ولید ہونے کو تسلیم کر لیا ہے۔

اس کے مقابلہ میں ہماری قومی تاریخوں میں اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے کان ان سے آشنا نہیں ہیں اور افسوس ہے کہ نہیں ہیں اسلام سے پہلے بھی عرب میں یہ دستور تھا کہ معرکہ میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ شریک رہتی تھیں، عورتوں اور بچوں کی جماعت صفِ جنگ سے پیچھے رہتی تھی ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ مجروح سپاہیوں کی تیمارداری کریں، گھوڑوں کی خدمت کریں اپنے بہادر شوہروں کو آرام پہنچائیں اسلاف کے تاریخی کارناموں کے رجز سے جوش پیدا کریں غنیم کے مقتول سپاہیوں کے ہتھیار کھول لیں یا بھاگتوں کو گرفتار کریں اور قیدیوں کی حفاظت کریں۔

عرب کا مشہور شاعر عمرو بن کلثوم فخر کے لہجہ میں کہتا ہے:

علی اثارنا بیض حسان	نحاذران تقسم او تھونا
اخذن علی بعولتھن عھدا	اذا لاقوا کتائب معلمینا
لکی یسلبن افراساً و بیضاً	واسری فی الجبال مقرنینا
ضعائن من بنی چشم بن بکر	خلطن بمیسم حسبنا و دینا

یقتن جیادنا ویقلن لستم بعولتنا اذالم تمنعونا  
 ”ہماری صف کے پیچھے حسین گوری عورتیں ہیں ہم کو برابر ڈر رہتا ہے کہ ان کی  
 اہانت نہ ہو اور دشمن ان پر قبضہ نہ پائیں ان عورتوں نے میدان قتال میں جان بازی  
 کا اپنے شوہروں سے عہد لے لیا ہے کہ ہمارے ساتھ اس لئے رہتی ہیں تاکہ  
 دشمنوں کے گھوڑے اور ہتھیار لے لیں اور دشمنوں کو گرفتار کر لیں یہ جشم بن بکر کے  
 خاندان کی عورتیں ہیں جن میں حسن کے ساتھ خاندانی عزت اور مذہب بھی ہے  
 ہمارے گھوڑوں کی خدمت کرتی ہیں اور ان کا قول ہے کہ اگر تم ہمیں دشمنوں سے نہ  
 بچا سکو تو تم ہمارے شوہر نہیں۔“

اسلام میں بھی یہ قدیم دستور قائم رہا جہاد میں برابر مردوں کے ساتھ ان کی عورتیں  
 شریک رہتی تھیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ غزوہ احد میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اپنے  
 ہاتھ سے مشک بھر بھر کر زخمی سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں ان کے ساتھ ام سلیمؓ اور ام سلیطہؓ دو اور  
 صحابیہ بھی اس خدمت میں شریک تھیں۔

محدث ابو نعیمؒ نے روایت کی ہے کہ جنگ خیبر میں فوج کے ساتھ چھ عورتیں بھی مدینہ سے  
 چلی تھیں، رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر نہ تھی جب معلوم ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے غضب و نفرت  
 کے لہجے میں ان سے فرمایا کہ تم کو کس نے فوج کے ساتھ آنے کی اجازت دی؟ ان عورتوں  
 نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے ساتھ دوائیں ہیں ہم زخمیوں کو مرہم لگائیں گی،  
 بدن سے تیر نکالیں گی، کھانے کا انتظام کریں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خیر ٹھہرو! جب خیبر فتح  
 ہوا تو اور سپاہیوں کے ساتھ ان عورتوں کو بھی رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت سے حصہ دیا۔<sup>۱</sup>

ام سلیمؓ اور انصار کی عورتیں انہیں خدمات کے لئے اکثر غزووں میں شریک رہی ہیں بیچ  
 بنت معوذہ اور دوسری عورتوں نے شہداء اور مجروحین کو احد کے میدان میں جنگ سے اٹھا کر  
 مدینہ لانے کی خدمت انجام دی تھی سلمہ رفیدہؓ صحابیہ کا ایک خیمہ تھا جس میں وہ زخمیوں کی  
 مرہم پٹی کرتی تھیں۔<sup>۲</sup>

۱۔ ابوداؤد، فتح خیبر، ۲: ابوداؤد، جلد ۲۵۲، ۳: بخاری کتاب الطب، ۳: ابوداؤد، ج ۲۷۰۔

ام زیاد اشجعیہ اور دوسری پانچ عورتوں نے غزوہ خیبر میں چرخہ کات کر مسلمانوں کو مدد دی تھی وہ میدان سے تیراٹھا کر لاتی تھیں اور سپاہیوں کو ستوپلاتی تھیں! حضرت ام عطیہ نے سات غزوات میں صحابہ کرام کے لئے کھانا پکایا تھا۔

ابن جریر طبری ایک موقع پر لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے مقتولین کو ایک جگہ جمع کر کے صف کے پیچھے ڈال دیا اور جو لوگ مقتولین کی تجہیز و تکفین کے لئے متعین تھے وہ مجروحوں کو عورتوں کے سپرد کرتے اور جو شہداء ہوتے ان کو دفن کر دیتے۔ انگوٹھ اور ارماتھ کی لڑائیوں میں جو فتح قادسیہ کے سلسلے میں لڑی گئی تھیں عورتیں اور بچے قبر کھودتے تھے۔

قادسیہ کی لڑائی کا واقعہ ایک عورت جو موقع جنگ پر موجود تھیں اس طرح بیان کرتی ہے کہ جب لڑائی کا خاتمہ ہو چکا تو ہم اپنے کپڑے گس گس کر رزم گاہ کر طرف چلے، ہمارے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں، میدان میں جہاں کوئی مسلمان مجروح سپاہی نظر آیا اس کو اٹھالیا۔ مذکورہ بالا واقعات سے مذہبی ولولہ، قومی ہمدردی، غیرت اور بہادری کے علاوہ ان خدمات کی بھی تفصیل معلوم ہوتی ہے جو لڑائیوں میں عورتوں کے متعلق تھیں۔

(۱)..... زخمیوں کو پانی پلانا۔

(۲)..... فوج کے کھانے کا انتظام۔

(۳)..... قبر کھودنا،

(۴)..... مجروح سپاہیوں کو معرکہ جنگ سے اٹھالانا۔

(۵)..... زخمی سپاہیوں کی تیمارداری کرنا۔

(۶)..... ضرورت کے وقت فوج کو ہمت دلانا اور ان کی امداد کرنا۔

قرن اول کی تمام لڑائیوں کا مرقع ایک ایک کر کے تم اپنے سامنے رکھو عموماً صف جنگ کے پیچھے تم عورتوں کو اپنے ادائے فرض میں مشغول پاؤ گے مسلمان عورتوں کی سب سے آخری خدمت کے متعلق تفصیلی واقعات کی ضرورت ہے جس سے یہ معلوم ہوگا کہ مسلمانوں

۱: صحیح مسلم، ج ۲ ص ۱۰۵، مصر: ۲، طبری مطبوعہ یورپ، جلد ۶ ص ۱۲۳۱-۳، ایضاً ج ۶ ص ۲۲۲۳-۳، طبری

مطبوعہ یورپ ج ۶ ص ۲۶۳۔

کا یہ کمزور طبقہ اس نازک خدمت کو کس خوبی سے انجام دیتا تھا۔

حضرت انس بن مالکؓ خادم رسول اللہ ﷺ کی والدہ ام سلیمؓ عموماً غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ حضرت طلیب بن عمیرؓ جب اسلام لائے اور اپنی ماں ارؤی بنت عبدالمطلبؓ کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ تم نے جس شخص کی نصرت و مدد کی وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا اگر مردوں کی طرح مجھ میں بھی استطاعت ہوتی تو میں آپ کی حفاظت کرتی اور آپ کی طرف سے لڑتی۔<sup>۱</sup>

غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ اور تمام صحابہؓ یہودیوں سے لڑ رہے تھے کہ بنو قریظہ لڑتے لڑتے اس مقام کے قریب پہنچ گئے جہاں مسلمان عورتیں اور بچے چھپے تھے بنو قریظہ اور مسلمان عورتوں کے درمیان کوئی ایسی فوج نہ تھی جو عورتوں کی حفاظت کر سکے اسی اثناء میں ایک یہودی ان عورتوں کی طرف نکل آیا خوف یہ تھا کہ اگر یہ یہودی بنی قریظہ سے کہہ آیا کہ ادھر عورتیں ہیں تو میدان خالی پا کر وہ عورتوں پر حملہ کر دیں گے حضرت صفیہؓ نے جو رسول اللہ کی پھوپھی اور حضرت زبیرؓ کی والدہ تھیں حضرت حسان بن ثابتؓ سے کہا کہ اس یہودی کو قتل کر دو، حضرت حسانؓ نے عذر کیا، آخر حضرت صفیہؓ خیمہ کا ایک ستون لے کر خود اتریں اور اس یہودی کو اسی ستون سے وہی مار کر گرا دیا۔ مورخ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ یہ پہلی بہادری تھی جو ایک مسلمان عورت سے ظاہر ہوئی۔<sup>۲</sup>

حضرت ام عمارہؓ ایک مشہور صحابیہ تھیں قبل از ہجرت مقام عقبہ میں جب مدینہ کے مسلمانوں نے کفار قریش سے چھپ کر رسول اللہ ﷺ کی امداد اور اسلام کی اشاعت کے لئے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو اس مختصر جماعت میں جو اسلام کی سب سے پہلی جماعت تھی حضرت ام عمارہؓ بھی شریک تھیں۔ اسلامی تاریخ میں اسی واقعہ کو بیعت عقبہ کہتے ہیں ۶ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے حج کی نیت سے مکہ معظمہ کا ارادہ کیا اور مکہ میں داخل ہونے کے لئے قریش سے آپ ﷺ نے اجازت مانگی اور حضرت عثمانؓ مسلمانوں کی طرف سے سفیر بن کر مکہ گئے تو یہ خبر مشہور ہوئی کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر ڈالا اس

۱: اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۹۱۔ ۲: استیعاب تذکرہ حضرت طلیب بن عمیرؓ۔ ۳: اسد الغابہ تذکرہ حضرت صفیہؓ۔

وقت تمام صحابہ کرامؓ سے رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش سے لڑنے اور مرنے پر بیعت لی جو تاریخ اسلام میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے حضرت ام عمارہؓ اس بیعت رضوان میں شریک تھیں مسلمانوں کی طرف سے اپنے شوہر زید بن عاصم کے ساتھ جنگ احد میں بھی موجود تھیں بلکہ عین اس وقت جب احد میں عام مسلمانوں کے پاؤں اکٹھے گئے تھے اور آنحضرت ﷺ پر کفار بڑھ بڑھ کر وار کر رہے تھے اور جانثار آگے آ کر اپنی جانیں قربان کر رہے تھے یہ بہادر خاتون بھی تیغ بدست حملہ آوروں کو مار مار کر پیچھے ہٹا رہی تھیں اس دن کئی زخم ان کے دست و بازو میں آئے تھے اسی طرح دیگر غزوات میں بھی ان سے بے مثال بہادری کے کارنامے ظہور میں آئے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں مسیلمہ کذاب نے ادعائے نبوت کیا اور مقام یمامہ میں ایک خونریز لڑائی کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس جنگ میں جو جنگ یمامہ کے نام سے مشہور ہے حضرت ام امارہؓ بھی شریک تھیں اور جب تک ان کا ہاتھ زخمی نہ ہو دشمنوں سے لڑتی رہیں۔ اس دن حضرت ام عمارہؓ کو بارہ زخم لگے تھے!

حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں اسلام کو جزیرہ نمائے عرب سے باہر قدم رکھنے کے لئے مشرق کی ان دو پر زور طاقتوں سے مقابلہ کرنا پڑا جو دنیا میں روم اور ایران کے مہیب ناموں سے مشہور ہیں، رومیوں کا وہ سب سے خونریز معرکہ جس پر ان کی قسمت کا آخری فیصلہ ہوا، جنگ یرموک ہے، اور ایرانیوں کی وہ سب سے آخری پر زور کوشش جس سے زیادہ زور و قوت صرف کرنا تخت کیانی کے امکان میں نہ تھا، جنگ قادسیہ ہے۔ یہ دونوں معرکے تاریخ اسلام کے بہترین کارنامے ہیں جنہوں نے دنیا میں پھیلنے کے لئے اسلام کا راستہ صاف کر دیا۔

لیکن ان دونوں واقعوں میں مسلمانوں کی فتح یا بی مخرات اسلام کے زور بازو اور آتش بیانی کی ممنون ہے۔ محرم ۱۴ھ میں مسلمانوں اور ایرانیوں میں مقام قادسیہ پر مقابلہ ہوا، ایرانیوں کی جمعیت ایک لاکھ سے زیادہ تھی اور مسلمان کچھ اوپر تیس ہزار تھے۔ اس معرکہ میں کئی ہزار مسلمان شہید اور زخمی ہوئے۔ عورتوں اور بچوں نے شہداء کی قبریں کھودیں، اور مجروحوں کو میدان جنگ سے اٹھالائے، اور ان کی تیمارداری کی۔

قادسیہ کی لڑائی میں عورتوں کو کس قدر جوش تھا، اس کا اظہار ذیل کی تقریر سے ہوگا۔  
جو قبیلہ نضج کی ایک بوڑھی عورت نے اپنے بیٹوں کو میدان جنگ میں بھیجتے وقت کی تھی۔

انکم اسلمتم فلم تبدلوا وهاجرتم فلم تشربوا ولم تنب بکم  
البلاد ولم تقحمکم السنة ثم جنتم بامکم عجوز کبيرة  
فوضعتموها بين ایدی اهل فارس واللّٰه انکم بنور جل  
واحد کما انکم منو امرمة واحدة ما خنت اباکم ولا  
فضحت خالکم انطلقوا واشهدوا اول القتال و اخره. ۱

”پیارے بیٹو! تم اسلام لائے پھر، پھرے نہیں، تم نے ہجرت کی، تو تم کو کسی نے  
ملامت نہ کی، تمہارا وطن تمہارے ناموافق تھا نہ تم پر قحط پڑا تھا، تم نے اپنی بوڑھی ماں  
کو اپنے ساتھ لاکر اہل فارس کے سامنے ڈال دیا، خدا کی قسم! تم ایک باپ کی اولاد  
ہو، جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو، نہ میں نے تمہارے باپ سے خیانت کی، اور  
نہ میں نے تمہارے ناموں کی فضیحت کی، جاؤ اور شروع سے اخیر تک لڑو!“

بیٹوں نے ایک ساتھ دشمنوں پر حملہ کیا، اور بڑی بہادری سے لڑے، جب نظروں سے  
غائب ہو گئے، تو اس بوڑھی عورت نے دُعا کو ہاتھ اٹھایا، کہ خدایا! میرے بچوں کو بچانا، اختتام  
جنگ پر بہادر بیٹے صحیح و سالم اپنی ماں کے پاس آئے اور غنیمت کا مال ماں کے آگے ڈال دیا۔  
جنگ قادسیہ میں عرب کی مشہور شاعرہ خنساء بھی شریک تھی۔ خنساء کے ساتھ اس کے  
چاروں بیٹے بھی شریک تھے، شب کے ابتدائی حصہ میں جب ہر سپاہی صبح کے ہولناک منظر  
پر غور کر رہا تھا، آتش بیاں شاعرہ نے اپنے بیٹوں کو یوں جوش دلانا شروع کیا۔ ۲

۱۔ طبری جلد ۶ ص ۲۳۰۷۔ یہ دونوں واقعے موقع جنگ، تعداد، اولاد اور بعض الفاظ کے اتحاد سے ایک ہی  
معلوم ہوتے ہیں لیکن بعض اختلافات بھی ایسے ہیں جو ایک واقعہ نہیں ہونے دیتے۔ پہلی عورت قبیلہ نضج کی ہے  
خنساء قبیلہ مسلم کی ہے، پہلی عورت کی مختصر اور سادہ تقریر ہے دوسری عورت کی تقریر طویل اور فصاحت اور جوش سے  
لبریز ہے جو خنساء کے شایان شان ہے، طبری نے پہلی عورت کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے بیٹے مال غنیمت لے  
کر صحیح و سالم واپس آ گئے۔ ابن اثیر نے دوسری عورت کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے بیٹے شہید ہوئے اور ان کی تنخواہ  
حضرت عمران کی ماں کو دیا کرتے تھے، واللہ اعلم۔

يا بنى انکم اسلمتم وهاجرتم مختارين ووالله الذى لا اله غيره  
انکم بنور جل واحد كما انکم بنو امرأة واحدة ماخنت اباکم  
ولا فضحت خالکم ولا هجنت حسبکم ولا غيرت سبکم وقد  
تعلمون ما اعد الله لمسلمين من الثواب الجزيل فى حرب  
الکافرين واعلموا ان الدار الباقية خير من الدار الفانية يقول  
الله عز وجل يا ايها الذين امنوا واصبروا وصابروا ورابطوا  
واتقوا الله لعلکم تفلحون "فاذا اصبحتم غدا ان شاء الله  
سالمين فاغدوا الى قتال عدوکم مستبصرين وباللہ على اعدائه  
مستنصرين واذار ایتم الحرب قد شموت عن ساقها واضطربت  
لظى على ساقها وحللت ناراً على رواقها فتمموا وطيسها  
وجالدا وارئسها عند احتدام حمسيها تظفر وابلغمم والكرامة  
فى دار الخلد والمقامة . (اسد الغابہ ابن اثیر جزى ج ۵ ص ۳۳۲)

پیارے بیٹو! تم اپنی خواہش سے مسلمان ہوئے اور تم نے ہجرت کی، وحدہ  
لا شریک کی قسم! کہ تم جس طرح ایک ماں کے بیٹے ہو، ایک باپ کے بھی بیٹے  
ہو، میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں کی، اور نہ تمہارے ماموں کو  
ذلیل کیا، اور نہ تمہارے حسب و نسب میں داغ لگایا، جو ثواب عظیم خدا نے  
کافروں سے لڑنے میں مسلمانوں کے لئے رکھا ہو، تم اس کو خود جانتے  
ہو، خوب سمجھ لو کہ آخرت جو ہمیشہ رہنے والی ہے اس دار فانی سے بہتر ہے،  
خدائے پاک فرماتا ہے "مسلمانو! صبر کرو اور استقلال سے کام لو، خدا سے  
ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو۔" کل جب خیریت سے تم انشاء اللہ صبح کرو، تو تجربہ  
کاری کے ساتھ اور خدا سے نصرت کی دعا مانگتے ہوئے دشمنوں پر جھپٹ پڑنا  
، اور جب دیکھنا کہ لڑائی زوروں پر ہے اور ہر طرف اس کے شعلے بھڑک رہے  
ہے تو تم خاص آتش دان جنگ کی طرف رخ کرنا، اور جب دیکھنا کہ فوج غصہ

سے آگ ہو رہی ہے تو غنیمت کے سپہ سالار پر ٹوٹ پڑنا، خدا کرے کہ تم دنیا میں مال غنیمت اور عقبیٰ میں عزت پاؤ۔

صبح کو جنگ چھڑتے ہی حضرت خنساء کے چاروں بیٹے یکبارگی دشمنوں پر جھپٹ پڑے، اور آخر کو بڑی بہادری سے چاروں لڑ کر شہید ہوئے، حضرت خنساء کو جب یہ خبر پہنچی، تو اس نے کہا اس خدا کا شکر ہے جس نے بیٹوں کی شہادت کا مجھے شرف بخشا۔ حضرت عمرؓ آٹھ سو دینار حضرت خنساء کو اس کے چاروں بیٹوں کی تنخواہ کے دیا کرتے تھے۔

واقعہ جسر کے بعد جس میں مسلمانوں کو ایرانیوں کے مقابلہ میں سخت ہزیمت اٹھانی پڑی تھی ایک دوسرا ہولناک معرکہ ہوا، جو جنگ بویب کے نام سے مشہور ہے۔ جنگ بویب میں جس کو قادیسیہ کی تمہید سمجھنا چاہئے، مسلمانوں کو ایرانیوں کا بہت سامان رسد ہاتھ آ گیا۔ مسلمان عورتوں کو روزمگاہ سے بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے، کھانے کا انتظام چونکہ عورتوں ہی سے متعلق تھا اس لئے شنی نے جو فوج کا سپہ سالار تھا، یہ سارا سامان فوج کے ایک رسالہ کی حفاظت میں عورتوں کے پاس بھیج دیا، یہ رسالہ گھوڑے دوڑاتا ہوا عورتوں کی فرودگاہ کی طرف چلا۔ عورتیں سمجھیں کہ دشمن چڑھ آئے ہیں، عورتوں کے خیموں میں اسلحے کہاں سے آتے، بچوں کو پیچھے کھڑا کیا، اور خود پتھر اور خیمہ کی چوبیس لے لے کر حملہ کے لئے کھڑی ہو گئیں۔ عمر بن عبدالمسوح جو اس رسالہ کا افسر تھا، پکارا اسلامی فوج کی عورتوں کو بے شک ایسا ہی بہادر ہونا چاہیے یہ کہہ کر اس نے عورتوں کو مسلمانوں کی فتح کی خوش خبری سنائی، اور وہ چیزیں ان کے سپرد کیں۔

میسان کی لڑائی میں اس سے بھی ایک عجیب بہادری عورتوں سے ظاہر ہوئی۔ دریائے دجلہ کے قریب اہل میسان اور مسلمانوں کا سامنا ہوا، مغیرہ جو اس وقت فوج کے سپہ سالار تھے۔ میدان جنگ سے عورتوں کو بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ دونوں فوجوں میں گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، اروة بنت حارث نے جو طبیب العرب کلدہ کی پوتی تھیں، عورتوں سے کہا کہ اگر ہم مسلمانوں کی مدد کریں تو نہایت مناسب ہوتا۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے دو پٹے کا ایک بڑا علم بنایا، اور عورتوں نے بھی اپنے اپنے دو پٹوں کی جھنڈیاں بنا لیں، دونوں طرف



کے بہادر دل توڑ حملے کر رہے تھے۔ کہ اس سامان کے ساتھ عورتیں پرچم اڑاتی ہوئی فوج کے قریب پہنچ گئیں۔ یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں کی امداد کو ایک تازہ دم فوج اور پہنچ گئی، غنیم کے بازو ست پڑ گئے اور آن کی آن میں یہ سیاہ بادل چھٹ گیا۔

عہد صدیقی میں اول ۳ھ میں مسلمانوں نے دمشق پر لشکر کشی کی، چند معرکوں کے بعد اہل دمشق قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمان دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے پڑے تھے۔ کہ معلوم ہوا کہ نوے ہزار رومی بڑے سر و سامان کے ساتھ اجنادین میں جمع ہو رہے ہیں، مسلمانوں کی فوج منتشر طور سے تمام ملک شام میں پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت ابو عبیدہ اور خالد بن ولید کی جو عراق کو پامال کر کے دمشق میں آ کر مل گئے تھے۔ یہ رائے قرار پائی کہ اسلامی فوج کو سمیٹ کر ایک جگہ جمع ہونا چاہیے، ان فوجیوں کی مجموعی تعداد چوبیس ہزار تھی، کل افسران اسلام جہاں جہاں تھے اپنی اپنی فوجیں لئے ہوئے اجنادین کی طرف بڑھے۔

حضرت ابو عبیدہ اور خالد بن ولید نے بھی دمشق کا محاصرہ چھوڑ کر اجنادین کی طرف باگ اٹھائی، حضرت خالد بن ولید نے آگے آگے جا رہے تھے اور حضرت ابو عبیدہ تھوڑی سی فوج کے ساتھ عورتوں اور بچوں کو لئے ہوئے مع خیمے اور سامان رسد کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ اہل دمشق نے دیکھا کہ مسلمان ڈیرے خیمے اٹھائے لدے پھندے جا رہے ہیں۔ ان کو انتقام کا موقع نہایت مناسب معلوم ہوا قلعہ کے پھاٹک کھول کر فوراً پیچھے سے حملہ کر دیا۔ قیصر روم نے دمشق کے لئے کچھ امدادی فوجیں بھیجی تھیں اتفاق سے عین وقت پر وہ آ پہنچیں اور آتے ہی انہوں نے مسلمانوں کا آگ روک لیا، اس وقت مسلمانوں میں جس انتہا کی بدحواسی پیدا ہوئی چاہیے تھی، وہ ظاہر ہے، مگر اس کے برخلاف انہوں نے نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ دونوں طرف سے حملے روکے لیکن زیادہ تر ان کی توجہ سامنے کی فوج کی طرف منعطف تھی، اتنا موقع بھی اہل دمشق کو غنیمت معلوم ہوا اور مسلمان عورتوں کو اپنی حراست میں لے کر قلعہ دمشق کی طرف رخ کیا۔

عورتوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، خولہ بنت ازور نے کہا ”بہنو! کیا تمہاری

غیرت یہ گوارا کر سکتی ہے کہ مشرکین دمشق کے قبضہ میں آ جاؤ؟ کیا تم عرب کی شجاعت و حمیت کے دامن میں داغ لگانا چاہتی ہو؟ میرے نزدیک تو مر جانا اس ذلت سے کہیں بہتر ہے۔ ان چند فقروں نے ایک آگ سی لگا دی، خیموں کی چوبیس لے لے کر باقاعدہ ہاتھ باندھ کر آگے بڑھیں۔ سب سے آگے خولہ بنت ازور ضرار کی بہن تھیں۔ اور ان کے پیچھے عفرہ بنت عفار، ام ابان بنت عتبہ، سلمہ بنت نعمان بن مقرن وغیرہ تھیں۔ کچھ دیر کے لئے حیرت نے دمشقیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور اتنی دیر میں عورتوں نے تیس لاشیں گرا دیں، اور آخر کو پھر انہوں نے بھی حملہ کر دیا، دمشقیوں کے قدم اکھڑنے کو تھے کہ مسلمان بھی ادھر سے فارغ ہو کر آگئے۔ دمشقی فوج میں جو رقی جان باقی تھی وہ بھی ان حملوں سے نکل گئی۔ باقی فوج بھاگ کر دمشق میں قلعہ بند ہو گئی اور اسلامی فوج کی عنانِ عزیمت پھر اجنادین کی طرف مڑی۔

اڈورڈ گین صاحب نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو نقل کر کے مسلمان عورتوں کی عفت، عصمت، دلیری و بہادری کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”یہ وہ عورتیں ہیں جو شمشیر زنی، نیزہ بازی، تیر اندازی میں نہایت ماہر تھیں یہی وجہ ہے کہ نازک سے نازک موقع پر بھی یہ اپنے دامنِ عفت کے محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوتی تھیں۔“

جنگ یرموک مسلمانوں کی سب سے پہلی باقاعدہ جنگ تھی، اس معرکہ میں مسلمان کل چالیس ہزار تھے مگر جو تھے عرب میں انتخاب تھے رومیوں کی جمعیت دو لاکھ سے زائد تھی اور یہ آدمیوں کا طوفان اس جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا کہ گمان تھا کہ ایک ٹکر میں یہ مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ دے گا یرموک میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا مسلمان اور عیسائیوں کی تعداد میں چوگنے کا فرق تھا ان کے جوش کا یہ عالم تھا کہ بیس ہزار رومیوں نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال لی تھیں کہ ہٹنا چاہیں بھی تو نہ ہٹ سکیں۔

دو لاکھ کانڈی دل اس زور و شور سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا، کہ اسلامی فوج کا داہنا بازو ہٹتے ہٹتے عورتوں کے خیمہ گاہ تک آ گیا لحم و جذام کے قبیلے ایک مدت تک ان عیسائیوں کے ماتحت رہے اور اب مسلمان ہو گئے تھے۔ میسرہ (بایاں حصہ) میں زیادہ تر یہی لوگ تھے۔ رومیوں

نے ان کی طرف رخ کیا تو یہ مرعوب ہو کر نہایت بے ترتیبی سے بھاگ کھڑے ہوئے، رومی تعاقب کرتے ہوئے خیموں تک پہنچ گئے۔ عورتوں کے غصہ کی انتہا نہ رہی فوراً خیموں سے باہر نکل آئیں اور اس زور سے حملہ کیا، کہ رومیوں کا سیلاب جو نہایت سرعت سے آگے بڑھ رہا تھا۔ دفعۃً بھٹم کر پیچھے ہٹ گیا۔ اب خواتین نے بھاگتوں کو روک کر پھر آگے بڑھایا فوج کی پشت پر آ کر مسلمانوں کو غیرت دلادلا کر جوش پیدا کرنے لگیں۔ عورتوں کی ان کوششوں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے، قریش کی عورتیں گھسیٹ گھسیٹ کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑیں اور حملہ کرتے ہوئے مردوں سے آگے نکل گئیں حضرت معاویہ کی بہن جویریہ عورتوں کا ایک دستہ لے کر آگے بڑھیں اور نہایت دلیری سے لڑ کر زخمی ہوئیں حضرت معاویہ کی ماں ہند بن عتبہ مردوں کو مخاطب کر کے یہ کہتی تھیں۔<sup>۱</sup>

يامعشر العرب عضدوا الغلفان بسيوفكم

عربو! نامرد بن جاؤ نامرد

ازر کی بہن خولہ یہ شعر پڑھ کر مسلمانوں کو غیرت دلاتی تھیں۔

ياهاربه عن نسوة تقيات رميت بالسهم والمنيات

اے پاکدامن عورتوں کو چھوڑ کر بھاگنے والو! تم موت اور تیر کے نشانہ نہ بنو،

مؤرخ طبری نے اس جنگ میں ام حکیم بنت حارث کا نام خصوصیت سے لیا ہے ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل کی پھوپھی زاد بہن اسماء بنت یزید نے تنہا نورومیوں کو مار ڈالا جو عورتیں مردانہ وار جنگ یرموک میں لڑی ابن عمر و اقدی ان میں بعض کے یہ نام بتاتا ہے اسماء بنت ابوبکر صدیق، عبادہ بن صامت کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ، کعب بنت مالک، سلمیٰ بنت ہاشم، نعم بنت قناس، عفرہ بنت عفارہ۔

جنگ یرموک کے بعد پھر مسلمانوں کی فوج رومیوں کے مقابلہ پر جا رہی تھی ایک روز اس نے دمشق کے قریب مرج الصفر میں قیام کیا، خالد بن سعید نے جنھوں نے حال ہی میں ام حکیم بنت حارث سے نکاح کیا تھا یہیں مسلمانوں کی دعوت ولیمہ کی ایک پل کے

۱: تاریخ طبری، جلد ۶ ص ۲۳۳۔ ۲: طبری، جلد ۵ ص ۳۲۱۶۔ ۳: بلاذری، ص ۱۴۱۔ ۴: اسد الغابہ، ج ۵ ص ۳۹۸

قریب ام حکیم کا خیمہ نصب ہوا جو اسی مناسبت سے اب تک ام حکیم کا پل کہلاتا ہے ابھی لوگ کھانے سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ رومی پہنچ گئے مسلمانوں نے بھی لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کو پسپا ہو جانا پڑا۔ ام حکیم بھی نہایت دلیری سے لڑیں، رومیوں کے ساتھ آدمی ان کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے۔<sup>۱</sup>

جنگ جمل میں گو حضرت عائشہؓ کا فوج لے کر حضرت علیؓ کے مقابلہ میں آنا ہم ایک اجتہادی غلطی سمجھتے ہیں لیکن اس سے عورتوں کے استقلال، دلیری، ثابت قدمی کا اظہار ہوتا ہے۔

فتوحات واقدی کی روایتیں اگر تسلیم کر لی جائیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ شام کی فتوحات میں عورتوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ خصوصاً ام حکیم، ہند، ام کثیر، اسماء، ام ابان، ام عمارہ، خولہ، لبنی، عفیرہ، ان عورتوں نے بعض بعض موقعوں پر اس مردانگی سے جنگی خدمات انجام دی ہیں کہ مردوں سے بن نہیں آسکتیں۔

حضرت عتبہ بن غزو ان حضرت عمرؓ کی طرف سے امیر تھا ازدہ بنت حارث جو طیب عرب کلدہ کی پوتی تھی، عتبہ کی بیوی تھی عتبہ جب اہل مدینہ الفرات سے سرگرم تھا تو اس کی بیوی ازدہ اپنی تقریر سے لوگوں کو ابھارتی تھی اور جوش دلاتی تھی۔<sup>۲</sup>

دمشق کے حملہ میں جب ابان بن سعید، تو ما حاکم دمشق کے ہاتھ سے شہید ہوئے تو ان کی بیوی ام ابان بنت عتبہ اپنے مقتول شوہر کے سارے جنگی اسلحے لگا کر قصاص لینے کو نکلیں اور دیر تک دشمنوں کا مقابلہ کرتی رہیں اہل دمشق کو محصور تھے لیکن شہر پناہ کے برجوں سے برابر مسلمانوں کا جواب دیتے تھے۔ سب کے آگے ایک مقدس شخص ہاتھ میں طلائی صلیب لئے ہوئے ارباب ثلثہ سے دعائے فتح مانگ رہا تھا ام ابان کو تیر اندازی میں بڑی قدرت تھی، ایسا تاک کر تیر مارا کہ صلیب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر قلعہ کے نیچے گر پڑی مسلمانوں نے دوڑ کر صلیب اٹھائی، عیسائیوں سے صلیب اعظم کی یہ تذلیل دیکھی نہ گئی ”توما“ غصہ سے شہر کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور پھر اس زور کارن پڑا کہ مسلمان گھبرا اٹھے رومیوں نے

۱: اسد الغابہ ص ۵۷۷۔ ۲: فتوح البلدان بلاذری، ص ۳۳۳، مطبوعہ یورپ۔

صلیب کی واپسی کے لئے لاکھ کوششیں کیں، مگر ایک بھی کارگر ثابت نہ ہوئی جس نے ادھر کا رخ کیا ام ابان نے اس کو تیروں پر دھر لیا۔ ”تو ما جو کسی طرح پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتا تھا ام ابان نے اس کی آنکھ میں ایسا دیکھ کر تیر مارا کہ وہ چیختا ہوا بھاگا اس وقت ام ابان رجز کے یہ شعر پڑھ رہی تھی۔

ام ابان فاطمی ثبارك ☆ صولی علیہم صولة المتدارك ☆ قد ضج جمع القوم من نبالك  
ام ابان تو نے اپنا انتقام لے ☆ اور ان پر پے در پے وار کئے جا ☆ رومی تیرے تیروں سے چیخاٹھے  
یرموک کی سب سے خوفناک لڑائی یوم التویر مسلمان عورتوں کی بہادری کا عجیب  
وغریب نمونہ تھی، مسلمانوں کو ہزیمت ہو جاتی، اگر عورتیں تلواریں کھینچ کر رومیوں کے منہ  
نہ پھیر دیتیں۔ ہند، خولہ، ام حکیم اور بہت سی قریش کی عورتوں نے مردانہ وار حملے کئے، اسماء  
بنت ابی بکر گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے شوہر حضرت زبیرؓ کے ساتھ تھیں، اور برابر حضرت  
زبیرؓ کے دوش بدوش لڑتی جاتی تھیں۔<sup>۱</sup>

صفین میں بہت سی مسلمان عورتیں حضرت علیؓ کی طرف سے شریک جنگ تھیں، لڑتی  
تھیں پر زور تقریروں سے فوج کو ابھارتی تھیں، زرقاء، عکرشہ، ام الخیر نے میدان کارزار میں  
وہ تقریریں کی ہیں کہ فوج کی فوج میں ایک آگ لگ گئی۔<sup>۲</sup>

۹۰ھ میں ولید بن عبد الملک کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے بخارا پر فوج کشی کی،  
قتیبہ کو اس فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا عرب میں ازد کا قبیلہ بہادری اور شجاعت میں  
ضرب المثل تھا اسلامی فتوحات میں اس کے کارنامے نہایت روشن ہیں بخارا کے ترک بھی  
بڑے ساز و سامان سے مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے قبیلہ ازد نے کہا کہ پہلے تنہا ہم کو  
زور آزمائی کرنے دو، حضرت قتیبہ نے ان کو آگے بڑھنے کی اجازت دی، ازدی بڑھے، اور  
نہایت بہادری سے حملے کئے لیکن مقابلہ معمولی لوگوں سے نہ تھا ترکوں نے اس ثابت قدمی  
سے جواب دیا کہ ازدی ہتے ہتے اپنی قیام گاہ تک آگئے ترکوں نے بڑھ کر اور زور سے

۱۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات اس فتوح الشام میں مذکور ہیں جو ابن عمرو اقدی کی طرف منسوب ہے۔ مگر  
چونکہ فتوح الشام ازدی وغیرہ میں ان کا مطلق ذکر نہیں ہے اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔ ج: عقد الفریدج  
از ص ۱۲۱ تا ص ۱۲۳۔

سورہ البقرہ پڑھی اور دوسری رکعت میں آل عمران، جن سے بڑی کوئی سورت قرآن پاک میں نہیں ہے دو دو اور ڈھائی ڈھائی پاروں میں تمام ہوتی ہیں۔ غزالہ نماز سے فارغ ہو کر اپنے فرودگاہ کو چلی گئی اور حجاج کی ساری فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ جب لڑائی کی نوبت آئی تو حجاج کوفہ، بصرہ اور شام کی فوج لے کر نکلا شیب کی جمعیت گو اس کے مقابلہ میں نہایت کم تھی لیکن بہادری سے لڑی۔ حجاج اپنی فوج کے پیچھے کھڑا ہو کر خود جوش دلار ہا تھا اس کی فوج برابر بڑھتی گئی یہاں تک کہ حجاج نے خوارج کی مسجد پر قبضہ لر لیا، غزالہ اور جیزہ بھی لڑائی میں مشغول تھیں کہ حجاج نے چپکے سے چند آدمی بھیجے جنہوں نے پیچھے سے جا کر غزالہ کو مار کر دیا، شیب اپنے مقتولین کو چھوڑ کر ہواز کی طرف چلا گیا۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ جیزہ بھی اس لڑائی میں ماری گئی لیکن ابن اثیر اور طبری نے لکھا ہے کہ اس کے کچھ دن بعد جب شیب کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر پل سے نیچے دریائے دجلہ میں گر پڑا اور شیب آہنی زرہ اور ہتھیاروں کے بوجھ سے ڈوب کر مر گیا تو اس نے کہا یہ ممکن ہے اس واقعہ سے اس کی ماں کی بہادری کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت تک زندہ تھی۔

بعض لڑائیوں میں حجاج اور غزالہ کا سامنا ہو گیا، حجاج مقابلہ نہ کر سکا اور بھاگ نکلا، حالانکہ یہ وہی حجاج تھا جس سے ساراعراق اور حجاز کا پنا تھا ایک شاعر اسی واقعہ کو لکھ کر حجاج کو عار دلاتا ہے۔<sup>۱</sup>

اسد علی وفي الحروب نعامة  
فتحاء تصفر من صفیر الصافر  
ہلابرزت الی غزالۃ فی الوغی  
بل کان قبلک فی جناح اطائر  
حجاج مجھ پر تو شیر ہے، لیکن معرکوں میں بزدل اور ست شتر مرغ کی طرح بزدل ہو جاتا ہے، حجاج تو لڑائی میں غزالہ کے مقابلے میں کیوں نکلا؟ اور نکلتا کیوں کر؟ تیرا دل تو دھڑک رہا تھا۔

۱۳۹ھ میں منصور کے ایام خلافت میں قیصر روم نے ملطیہ پر فوج کشی کر کے اس کو بالکل ویران کر دیا۔ منصور نے قیصر کی تادیب کو فوجیں روانہ کیں، صالح بن علی اور عباس بن محمد سپہ

۱: ابن خلکان، ج ۱ ص ۲۲۳، تفصیل اور تاریخوں سے لی گئی ہے۔

سالار تھے، ان لوگوں نے جا کر پہلے ملطیہ کو از سر نو آباد کیا، اور پھر قسطنطنیہ کی طرف فوجیں بڑھائیں اور قیصر کے بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا، ام عیسیٰ بنت علی اور لبابہ بنت علی، صالح کی بہنیں اور خلیفہ منصور کی پھوپھیاں تھیں۔ انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ جب بنو امیہ کی حکومت برباد ہو جائے گی، تو ہم جہاد کریں گی، چنانچہ ایقائے نذر کے لئے وہ بھی اس جہاد میں شریک تھیں۔

۸۷۱ ہجری میں ہارون رشید کے زمانہ میں ولید بن طریف خارجی نے خابور اور نصیبین میں علم بغاوت بلند کیا، دربار کا ایک مشہور سردار یزید شیبانی اس بغاوت کے فرو کرنے کو بھیجا گیا، چند مقابلوں کے بعد خوراج نے شکست کھائی اور ولید مارا گیا، ولید کی بہن فارعہ کو جب اپنے بھائی کا حال معلوم ہوا، تو اس نے زرہ پہنی، سارے ہتھیار لگائے، اور گھوڑے پر سوار ہو کر شاہی فوج پر حملہ آور ہوئی، یزید دوسروں کو ہٹا کر خود اس کے مقابلہ میں آیا، اور فارعہ کے گھوڑے کو ایک نیزہ مارا، اور فارعہ سے کہا، تم کیوں اپنے خاندان کو بدنام کرتی ہو، جاؤ اور واپس جاؤ، فارعہ میدان سے پھری لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور اس زبان پر خود اس کی تصنیف کے یہ دردناک اشعار تھے۔

فیاشجر الخابور مالک مورقا کانک لم تجزع علی بن طریف  
اے خابور (نام مقام) کے درخت! تم کیوں سرسبز ہو؟ گویا تم ولید کی موت پر بے قرار  
ہی نہ ہوئے۔

فتی لایحب الزاد الا من التقی ولا المال الا من قنا و سیوف  
ولید ایک ایسا جوان تھا جو صرف زاد تقویٰ اور تیغ و نیزہ کی دولت پسند کرتا تھا۔  
فقد ناک فقدان الشباب ولینا فدیناک من فتیاننا بالوف  
اے ولید! ہم نے تجھ کو اس طرح کھو دیا ہے، جس طرح جوانی کو کھودے، کاش ہم  
اپنے ہزار جوان تیری ایک ذات پر فدا کرتے۔

علیہ سلام اللہ وقفا فانی ارى الموت وقاعاً بكل شریف

ولید پر خدا کی رحمت ہو، موت ایک دن ہر شریف کو آنے والی ہے۔

یہ پورا مرثیہ اس قدر بلند اور پردرد ہے کہ اکثر علمائے ادب اس کو چشم ادب سے دیکھتے ہیں، ابوعلی قالی نے اپنی امالی میں اس کو نقل کیا ہے، ابن خلکان نے لکھا ہے کہ فارغہ کے مرثیہ غمخیز خنساء کے ہم پلہ ہیں، اس مرثیہ کا پہلا شعر اس قدر مقبول ہے، کہ عموماً علمائے بدیع اس کو تجاہل عارفانہ کی مثال میں پیش کرتے ہیں۔

ولید کی اس بہن کا نام ابن خلکان نے فارغہ اور فاطمہ لکھا ہے، لیکن ابن اثیر نے اس کا نام لیلیٰ بتایا ہے، ابن خلدون نے اس واقعہ کو تو ذکر کیا ہے، لیکن اس کا کچھ نام نہیں لکھا ہے، بہر حال، کچھ کام سے غرض ہے، نام کچھ بھی ہو۔

قرون وسطیٰ میں صلیبی جنگ کا نہ صرف عیسائی مردوں پر نشہ چھایا تھا بلکہ عیسائی عورتیں تک جوش میں بھری ہوئی تھیں، اور بقول عماد کاتب بیسیوں عیسائی عورتیں میدان جنگ میں شریک تھیں، عام مسلمانوں میں صلیبی جنگ کے مقابلہ کے لئے جو جوش پھیلا تھا، عورتیں بھی اس سے بے اثر نہ تھیں اسامہ ایک مسلمان امیر تھا، جب وہ صلیبی جنگ میں شریک ہونے کو آیا تھا تو اس کی ماں اور بہنیں بھی اس کے ساتھ تھیں۔ دونوں برابر ہتھیار لگا کر اسامہ کے ساتھ رہتی تھیں، اور عیسائیوں پر حملہ کرنے میں اس کو مدد دیتی تھیں<sup>۱</sup>۔

مسلمان ماؤں کے اسی مذہبی جوش کا اثر تھا کہ بچہ بچہ تک اس سے متاثر تھا، عیسائی ایک مدت سے عکا کا محاصرہ کیے ہوئے پڑے تھے۔ جب وہ تھک گئے اور ایک زمانے کی معیت کی وجہ سے مسلمانوں سے راہ و رسم پیدا ہو گئی تو انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ عیسائی اور مسلمان بچوں میں آپس میں مقابلہ ہونا چاہئے۔ کچھ عیسائی بچے ادھر سے اور کچھ بچے ادھر سے نکلے۔ دیر تک مقابلہ رہا، آخر اسلام کے ننھے ننھے ہاتھوں نے مسیحی بھیسروں کے میمنوں کو رسیوں میں جکڑ کر باندھ دیا۔<sup>۲</sup>

اسلام کے تاریخی محاسن کے ذکر میں عموماً ہندوستان کا نام نہیں آتا لیکن اس خاص مضمون میں ایک جگہ نہیں بیسیوں جگہ ہندوستان کا نام آئے گا، ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں

۱: یہ واقعہ احمد بک آجائف روسی کی کتاب حقوق المرأة والاسلام سے لیا گیا ہے۔ ۲: الفتح القسی فی الفتح القدسی۔



مسلمانوں پر حملے کئے، عورتوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو شکست ہی ہوا چاہتی ہے وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور مار مار کر گھوڑوں کے رخ پھر میدان جنگ کی طرف پھیر دیئے اور ایک عام شور برپا کر دیا مسلمانوں کی ہمت بندھی اور سنبھل گئے اور پلٹ کر اس زور و شور سے حملے کئے کہ ترک پھر نہ جم سکے گو اس موقع پر عورتوں نے تلواریں نہیں اٹھائیں لیکن یہ فتح بالکل عورتوں کی کوشش سے ہوئی اگر عورتیں ہمت نہ کرتیں تو مسلمان میدان جنگ چھوڑ چکے تھے۔

اسلام میں خوارج کا فرقہ اپنی تاریخی حیثیت نہایت شہرت رکھتا ہے جن کے کارنامے بعض اسلامی فرقوں کی طرح صرف خوفناک سازشیں نہیں ہیں بلکہ بارہا حکومتوں اور جاہرانہ شخصیتوں کے مقابلہ میں اس نے تلواریں بلند کی ہیں، گو طلب مساوات آزادی بیان اور تمنائے حریت کی بنا پر اس کی گردن ہمیشہ تلوار کے نیچے رہی لیکن اس کی اولوالعزمی اور شجاعت نے اس کو بہت دنوں تک زندہ رکھا اور اب تک ہے سلطنت کے متعلق اس کے خیالات بالکل آج کل کے نہلسٹ فرقوں کے مشابہ تھے۔

۶۷ھ میں جب عبدالملک شام میں خلیفہ تھا اور حجاج ثقفی عراق کا گورنر تھا، شیبہ خارجی نے موصل میں سلطنت کے خلاف سر اٹھایا، غزالہ شیبہ کی بیوی اور جیزہ شیبہ کی ماں بھی شریک جنگ رہتی تھیں، حجاج نے شیبہ کے دبانے کو یکے بعد دیگرے پانچ سردار بھیجے مگر ایک بھی میدان جنگ سے پھر کر واپس نہ آیا۔ آخر عبدالملک نے شام سے فوجیں بھیجیں اور حجاج خود ان کو لے کر نکلا۔

شیبہ موصل سے کوفہ چلا لیکن حجاج اس سے پہلے کوفہ پہنچ کر ”قصر الامارۃ“ میں اتر چکا تھا غزالہ نے نذر مانی تھی کہ کوفہ کی جامع مسجد میں دو رکعت نفل پڑھوں گی، کچھ دن چڑھے غزالہ اپنے شوہر کے ساتھ صرف ستر آدمی لے کر جامع مسجد آئی حالانکہ سارا شہر دشمن تھا اور خود شامی فوجیں کوفہ میں بھری پڑی تھیں، شیبہ تلوار کھینچ کر مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور غزالہ نے اندر جا کر اطمینان سے دو رکعت نماز پڑھی اور پھر معمولی نماز نہیں پہلی رکعت میں

اکثر ایسی مسلمان عورتوں کے نام نظر آتے ہیں، جن کی بہادری، شجاعت، اولوالعزمی مردوں کے مقابلہ میں کسی قدر مرجح ثابت ہوتی ہے۔

شاہ التتمش کی بیٹی رضیہ سلطانہ جس نے اسلامی خواتین میں گو کم سلطنت کی مگر سب سے بہترین کی، ابن بطوطہ جو محمد تغلق کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا، لکھتا ہے، کہ ”رضیہ مردانہ لباس میں تمام ہتھیار لگا کر گھوڑے پر سوار باہر نکلتی تھی۔“ شاہان ہند کا معمول تھا کہ جب وہ شکار کو جاتے تھے۔ تو کل بیگمات اور کنیریں بھی ساتھ ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ التتمش شیر کے شکار کو گیا تھا، بیگمات پیچھے تھیں، ایک شیر نکل کر بادشاہ پر جھپٹا، اگر رضیہ نہ پہنچ گئی ہوتی تو بادشاہ بری طرح زخمی ہو گیا ہوتا، لیکن شیر دل رضیہ نے جھپٹ کر تلوار کے ایسی تابد توڑ دیا، کہ شیر نیم جان ہو کر گر پڑا۔

تختِ حکومت پر بیٹھ کر رضیہ نے وہ رعب قائم کیا کہ اعیانِ دولت تک کانپتے تھے، بعض امراء نے یہ دیکھ کر کہ اب ان کا کوئی زور نہیں چلتا، مخالفت پر آمادہ ہو گئے اور صرف لفظی مخالفت نہیں، بلکہ فوجیں لئے ہوئے دہلی کے باہر پڑے تھے، رضیہ کی مدد کو جو باہر سے آتا تھا اس کو بھی توڑ کر ملا لیتے تھے۔ لیکن رضیہ نے تنہا اپنی تدبیر و دلیری سے ان کو ایسا پریشان کیا کہ وہ ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے۔ لیکن ان کو پناہ نہیں ملتی تھی۔ ۶۳۷ء میں جب حاکم لاہور نے سراٹھایا تو خود فوج لے کر گئی، اس کے بعد بھٹنڈہ کے گورنر نے جب سرکشی کی تو پھر خود فوج لے کر نکلی، لیکن اپنے نوکروں کی سازش سے راستہ میں گرفتار ہو گئی، اور اس کی جگہ پر دہلی میں اس کے بھائی معز الدین کو لوگوں نے بادشاہ بنایا، رضیہ قید سے چھوٹی، تو نئے سرے سے ایک لشکر ترتیب دے کر دو تین مرتبہ تختِ دہلی کے لئے لڑی، لیکن چونکہ رضیہ کی فوج بالکل نئی اور بھرتی کی تھی ہمیشہ شکست کھاتی رہی تھی۔

اس سلسلہ میں سلطان علاؤ الدین کے عہد کا ایک عجیب و غریب واقعہ یہ ہے جس سے اسلامی ہندوستان کی تاریخِ عظمت کسی قدر بڑھ جاتی ہے شاہانِ ہند کے مرقع میں علاؤ الدین خلجی کی تصویر ایک خاص امتیاز رکھتی ہے جسکے چہرے سے اولوالعزمی، بلند خیالی،

جلالتِ شان کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، سلطان نے جب سیل تاتار کو روک کر پیچھے ہٹا دیا، جس کو نہ بغداد و خوارزم کے مستحکم قلعے ہٹا سکے تھے، اور چین کی بلند دیواریں روک سکیں تھیں، اور نہ ایران و روس کی طاقتیں دبا سکیں تھیں تو سلطان کو سکندر اعظم کی عالمگیر حکومت کا خیال پیدا ہوا اس نے ایک دن برسبیل تذکرہ کہا کہ اب ہندوستان میں کو ایسی ریاست نہیں ہے جو مجھ سے سرکشی کر سکے۔ قلعہ جالور کا راجہ کانیر دیو دربار میں حاضر تھا۔ اس نے نہایت بددماغی سے متکبرانہ لہجہ میں کہا کہ جالور کا قلعہ کبھی مطیع نہیں ہو سکتا۔

سلطان برہم تو ہوا لیکن اس وقت اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا، دو تین دن کے بعد راجہ کو دہلی سے رخصت کر دیا، اور مہلت دی کہ قلعہ جالور کو جس قدر محفوظ کر سکتا ہے کر لے، اور دو تین مہینے کے بعد سلطان نے اپنی ایک لونڈی کو جس کا نام گل بہشت تھا، سپہ سالار بنا کر جالور کی مہم پر روانہ کیا، گل بہشت اپنی فوج لئے ہوئے برق و باد کی طرح جالور پہنچی راجہ مقابلہ نہ کر سکا اور قلعہ بند ہو گیا، گل بہشت نے راجہ کو محصور کر لیا، اور اس بہادری اور دلیری سے اس نے قلعہ پر حملہ کرنا شروع کیا، کہ راجہ کو اس کا گمان تک نہ تھا، قلعہ فتح ہونے میں کچھ ہی دیر تھی کہ یک بیک گل بہشت بیمار پڑی اور ایسی شدید بیمار پڑی کہ پھر نہ اٹھی، گل بہشت سب کچھ کر سکتی تھی، لیکن موت کا حملہ نہیں روک سکتی تھی۔

گل بہشت کے مرنے پر راجہ شیر ہو گیا، اور قلعہ کھول کر شاہی فوج کو اس نے بہت پیچھے ہٹا دیا، گل بہشت کا لخت جگر شاہین راجہ کے ہاتھ سے مارا گیا، آخردہلی سے ایک نئے سپہ سالار کمال الدین نے پہنچ کر جالور فتح کر لیا۔

ساتویں صدی کے اختتام اور آٹھویں صدی کی ابتداء میں دنیا میں ایک عجیب انقلاب پیدا ہوا، امیر تیمور کیا تھا ترکستان کے حدود میں ایک آندھی اٹھی تھی۔ جس سے ترکوں کی مضبوط سلطنت ہل گئی۔ دمشق و عرب متزلزل ہو گیا، تغلق خاندان کی شمع حیات بجھ گئی، اور مغل اعظم کی اس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد قائم ہوئی، جس سے بہتر کوئی حکومت ہندوستان میں قائم نہیں ہوئی، گو اس فتح کا ثمرہ خود تیموری نسل کو پورے سو سو برس کے بعد

حاصل ہوا۔ لیکن دراصل اس مدت میں سیدوں اور لودھیوں کا دور حکومت اس تیموری تاریخ کی تمہید تھا، جس کا سرنامہ ظہیر الدین شاہ بابر کے طغرے مزین ہے۔

لیکن کیا ان فتوحات میں عورتوں کی کوئی کوشش شامل نہ تھی؟ امیر تیمور کے کشورستان لشکر میں بہت سی عورتیں تھیں جو میدانوں میں لڑتی تھیں، اور معرکوں میں گھستی تھیں۔ بہادروں سے مقابلہ کرتی تھیں، تلواریں چلاتی تھیں، نیزے لگاتی تھیں، تیرماری تھیں، غرض کسی بات میں وہ مردوں سے کم نہ تھی، کیا تیموری کارناموں میں ان عورتوں کو کوئی حصہ نہ ملے گا۔<sup>۱</sup>

تیموری نسل کا ہر ایک شاہزادہ شجاعت مجسم تھا لیکن کیا تم یہ نا انصافی کر سکتے ہو کہ تیموری شاہزادیوں کو ان کی وراثت سے الگ کر دو؟ بابر نامہ، ہمایوں نامہ، ترک جہانگیر دیکھو ہر جگہ نظر آئے گا، کہ تیموری خواتین برابر ہتھیار لگاتی تھیں، گھوڑوں پر سوار ہوتی تھیں، شکار کھیلتی تھیں، شیرماری تھیں، چوگان کھیلتی تھیں، تیر چلاتی تھیں، غرض فن سپہ گری سے خوب واقف تھیں، ترک بابری کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابر کو جو فتوحات کابل، سمرقند، فرغانہ وغیرہ میں حاصل ہوئیں، ان میں عورتوں کو بھی دخل تھا۔

نور جہاں تیمور و بابر کی بیٹی نہ تھی لیکن بہو تھی، اکثر نور جہاں ہاتھی پر سوار ہو کر سیر و شکار کو نکل جاتی تھی، اور ایک ایک گولی میں شیر کو ٹھنڈا کر دیتی تھی، جہانگیر ترک جہانگیری میں نور جہاں کے شکاروں کا بڑی مسرت سے تذکرہ کرتا ہے، اور ایک جگہ لکھتا ہے

”ایک مرتبہ میں شکار کو نکلا ایک ہاتھی پر رستم خان اور میں تھا، اور دوسرے ہاتھی پر نور جہاں تھی، سامنے جھاڑیوں میں شیر تھا، ہاتھی شیر کی بو پا کر کانپنے لگتا ہے، اس اضطراب و جنبش میں نشانہ ٹھیک لگنا، اور پھر عماری میں بیٹھ کر، نہایت مشکل ہے، قدر اندازی میں میرے بعد رستم خاں کا کوئی ثانی نہیں ہے، مگر ہاتھی پر بیٹھ کر اکثر اس کے تین تین اور چار چار نشانے خطا کر جاتے ہیں، لیکن نور جہاں نے عماری میں بیٹھے بیٹھے پہلی ہی آواز میں شیر کو ٹھنڈا کر دیا۔“<sup>۲</sup>

ایک مرتبہ نور جہاں جہانگیر کے ساتھ شکار کھیلنے گئی، ہاتھی پر سوار تھی، سامنے سے چار شیر

۱: عجائب المقدور ابن عرب شاہ ص ۲۳۳ - ۲: ترک جہانگیری ص ۲۷۹۔

نکلے، لیکن نور جہاں کی پیشانی پر بل تک نہ آیا، اس نے نہایت اطمینان سے بندوق چلائی، اور دو شیروں کو ایک ایک گولی میں اور دو کو دو گولیوں میں ٹھنڈا کر دیا، جہانگیر نہایت خوش ہوا، اور چند بیش قیمت زیور نور جہاں کو انعام دیئے، اس موقع پر ایک شاعر نے یہ جہتہ یہ شعر پڑھا۔

نور جہاں گر چہ بصورت زن است در صف مرداں "زن شیر افکن" است  
نور جہاں چونکہ پہلے علی قلی خاں شیر افکن کی بیوی تھی، اس لئے "زن شیر افکن" کی ترکیب نے اس شعر کو با مزہ کر دیا ہے۔

جہانگیر کے اخیر عہد میں نور جہاں کے بھائی آصف خاں کے سبب سے نور جہاں اور جہانگیر دونوں کے دل مہابت خاں کی طرف سے صاف نہ تھے، آصف خاں کی کوشش تھی۔ کہ مہابت خاں ذلیل ہو، جہانگیر دریائے بھٹ کے قریب خیمہ زن تھا، آصف خاں ایک دن پہلے فوج سمیت دریا کر اس پار چلا گیا تھا، مہابت خاں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا، اور جہانگیر کو گرفتار کر لیا، نور جہاں کو موقع ملا، تو وہ دریا سے اس پار جا کر فوج سے مل گئی، اور وہاں اس نے امرا و اعیان دولت کو بلا کر سخت ملامت کی، کہ صرف تمہاری بے احتیاطی سے بادشاہ گرفتار ہو گیا، انہوں نے بالاتفاق کہا کہ مناسب یہ ہے کہ گل حضور کی رکاب میں گل فوج شاہی دریا کے اس پار جا کر جس طرح ہو بادشاہ کی قدم بوسی حاصل کرے۔

صبح کو کل فوج تیار ہوئی، مہابت خاں نے پل تو پہلے ہی جلا دیا تھا، سواروں نے اپنے اپنے گھوڑے اور ہاتھی دریا میں ڈال دیے، نور جہاں بھی ایک ہاتھی پر سوار تھی، نور جہاں کے ساتھ شہزادہ شہریار کی بہن اور شاہنواز خاں کی بیٹی بھی تھی، ابھی فوج دریا ہی میں تھی، کہ مہابت خاں نے حملہ کر دیا، ایک تو فوج دریا میں منتشر تھی ہی اور منتشر ہو گئی، عجیب ابتری پھیل گئی، نور جہاں نے خواجہ ابوالحسن اور معتمد خاں کو کہلا بھیجا کہ دیکھتے کیا ہو؟ تم بھی جواب دو، اتنے میں مہابت خاں کے سواروں نے آ کر نور جہاں کے ہاتھی کو گھیر لیا، نور جہاں کی عماری تیروں کا نشانہ بن گئی، یہاں تک کہ ایک تیر عماری کے اندر بھی چلا آیا، اور شہزادی کے

بازو میں آکر لگا، تمام کپڑے خون میں تر بہ تر ہو گئے، نور جہاں نے اپنے ہاتھ سے تیر نکال کر باہر پھینک دیا، نور جہاں کے ساتھ جو خوبہ سراتھے، وہ بھی تمام آئے، نور جہاں کا ہاتھی زخموں سے چور چور ہو کر بھاگ نکلا، آخر بڑی مشکل سے وہ اپنے فرودگاہ کو پہنچ سکی، اگر ہاتھی سنبھلا رہتا، تو ممکن تھا کہ نور جہاں لڑنے میں بھی دروغ نہ کرتی۔<sup>۱</sup>

مرزا ہادی نے تزک جہانگیری کے خاتمہ میں ایک عورت کی بہادری کا عجیب واقعہ لکھا ہے، گو اس کے اخلاق کی مذمت بھی کی ہے۔

جہانگیر کے زمانہ میں دولت آباد کا قلعہ نظام الملک سے تعلق رکھتا تھا، حمید خاں حبشی نظام الملک کے دربار کا وکیل تھا، اور محل میں بالکل حمید خاں کی بیوی کا عمل دخل تھا، گو ایک معمولی عورت تھی، لیکن رفتہ رفتہ نظام الملک کے دربار میں اس کا اتنا رسوخ بڑھا، کہ جس پر یہ سوار ہو کر نکلتی تھی، تو سرداران فوج و امراء دولت پیادہ اس کے رکاب میں چلتے تھے، نظام الملک ان دنوں میاں بیوی کے ہاتھوں میں ایک کٹھ پتلی تھا۔

اسی زمانہ میں عادل خاں نے ایک بڑی فوج نظام الملک سے لڑنے کو بھیجی، نظام الملک کو فکر ہوئی کہ اس کے مقابلہ میں کس کو بھیجا جائے؟ حمید بیگم نے کہا کہ میں خود جاؤں گی، اگر جیتی، جیتی، اور اگر ہاری تو عورتوں کا اعتبار ہی کیا؟ چنانچہ نظام الملک کی رضامندی سے حمید بیگم فوج لے کر روانہ ہوئی، راستہ بھرا اپنے سپاہیوں کو انعام و اکرام سے خوش کرتی گئی، جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، تو حمید بیگم خود تمام ہتھیار سے مسلح ہو کر میدان میں آئی، اور پہاڑ کی طرح عرصہ کارزار میں کھڑی رہی، اور اس بہادری اور دلیری سے اپنی فوج کو لڑاتی رہی کہ تھوڑی ہی دیر میں عادل کا شاہی لشکر اس بے سروسامانی سے بھاگا، کہ تمام ہاتھی اور توپ خانے میدان جنگ میں چھوڑ گیا۔

مرزا کے خاص الفاظ یہ ہیں

”نقاب بر قامت رعنا فلندہ بر اسپ سواری شد، خنجر و شمشیر مرصع بکرمی بست، بعد از نکہ تلاق صفین و محازات فتنین اتفاق افتاد از علو ہمت و علو جرات دلیرانہ بالشکر

عادل خوانی مصاف دادہ سپاہ و سرداران را بقتل و حرب و ضرب ترغیب و تحریص  
نموده، قدم مردانگی را در آں بحر و غا و لجنه بیجان چوں کوه استوار بر جا داشت، و آں  
غنیم و دشمن عظیم را شکست فاش دادہ جمیع فیلان و توپ خانہ در ابدست آورده سالماً  
و غانماً مراجعت بر افراخت۔“

مسلمان عورتوں کی ہمت مردانہ کا ایک اور عجیب واقعہ ہے

عادل شاہی خاندان جس کے دائرہ حکومت کا مرکز شہر بیجا پور تھا، پونجی خاتون اس کے  
سب سے پہلے بادشاہ یوسف عادل شاہ کی بیوی تھی، یوسف عادل شاہ نے ۹۱۶ھ میں وفات  
پائی اس کا نابالغ فرزند اسماعیل عادل شاہ تخت پر بیٹھا، کمال خاں دکنی نائب السلطنت  
مقرر ہوا، گو نام اسماعیل عادل شاہ کا تھا، لیکن سلطنت کمال خاں کرتا تھا، اس کو ایک دن خیال  
ہوا کہ اس نام کو کیوں نہ مٹا دیا جائے؟

پونجی خاتون کمال خاں کے اس ارادے سے غافل نہ تھی، اس نے کمال خاں کے  
برطرف کرنے کی کوشش شروع کی، لیکن وہ کیا کر سکتی تھی، تمام اعیان دربار و سرداران فوج  
کمال خاں کے قبضہ میں تھے، پونجی خاتون نے اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا، کہ یا کمال  
خاں معدوم کر دیا جائے یا عادل شاہی خاندان معدوم ہو، اس نے موقع دیکھ کر یوسف ترک  
کو جو اسماعیل عادل شاہ کو کہتا تھا، کل مراتب سمجھا بجا کر کمال خاں کے پاس بھیجا، یوسف نے  
چپ چاپ ایک ہی خنجر میں کمال خاں کا کام تمام کر دیا، یوسف گرفتار ہو گیا، اور آخر وہ بھی  
وہیں ڈھیر کر دیا گیا۔

کمال خاں کی ماں نے اسی وقت کمال خاں کے بیٹے صفدر خاں کو بلا کر معاملہ سے خبردار  
کیا، اور کہا ابھی اسماعیل عادل شاہ اور پونجی خاتون کو قتل کر کے تخت پر بیٹھ جاؤ، تمام فوج  
تمہارا ساتھ دے گی، صفدر خاں باپ کی لاش دیکھ کر چاہتا تھا کہ چیخ مارے، ماں نے کہا  
خبردار! کمال کے مرنے کی خبر نہ پھیلے، لوگوں سے جا کر کہہ! کہ کمال خاں کہتا ہے، کہ اسماعیل  
عادل شاہ کا سر چاہیے۔

پونجی خاتون پہلے سے مجبھتی تھی کہ یہ آفت آنے والی ہے، قلعہ میں اس وقت کمال خاں کی طرف سے تین سو مغل، اور دو تین سو دکنی اور حبشی سپاہی تھے، پونجی خاتون نے ان کو بلا کر کہا کہ تم جانتے ہو کہ یہ تخت عادل شاہ کا ہے، اسماعیل ابھی بچہ ہے، کمال خاں ہم کو الگ کر کے خود بادشاہ بنا چاہتا ہے، تم میں جو عادل شاہی تخت کا وفادار ہو، وہ ہمارے ساتھ قلعہ میں رہے، اور ہماری مدد کرے، اور جس کو اپنی جان عزیز ہو، وہ قلعہ سے نکل جائے، تم دشمنوں کی کثرت سے نہ ڈرو، کمال خاں کو کفرانِ نعمت کی سزا ضرور ملے گی، ظاہر ہے کہ ایسی مایوسی کی حالت میں کمال خاں کو چھوڑ کر کون پونجی خاتون کا ساتھ دیتا؟ تین سو مغلوں میں سے ڈھائی سو، اور دو تین سو حبشیوں اور دکنیوں میں سے صرف سترہ سپاہیوں نے پونجی خاتون کی معیت گوارا کی، اور باقی قلعہ سے نکل کر صفدر خاں سے مل گئے، پونجی خاتون نے یہ بھی بڑی عقل مندی کی، کہ غداروں سے پہلے ہی قلعہ پاک کر لیا، عین موقعہ پر اگر یہ دشمنوں سے مل جاتے تو کیا ہوتا؟

پونجی خاتون پہلے چاروں طرف سے اپنے کو قلعہ بند کر لیا، اور انہی دو تین سو سپاہیوں کو محل کی چھت پر کھڑا کر دیا، اور خود پونجی خاتون، دل شاد آغا، یوسف عادل شاہ کی بہن اور چند عورتیں اسماعیل عادل شاہ کے ساتھ تیر و کمان ہاتھ میں لے کر چھت پر کھڑی ہو گئیں، صفدر خاں ایک بڑی جمعیت سے قلعہ کی طرف آیا، پونجی خاتون، دل شاد آغا اور سپاہیوں نے صفدر خاں کو تیر اور پتھروں پر ڈھرایا، اور اتفاق سے اسی وقت مصطفیٰ آقا عادل شاہی خاندان کا ایک قدیم نمک خوار پچاس تو چکیوں کو لے کر خاتون کی مدد کو آیا، ان تو چکیوں نے اوپر پہنچ کر گولے اڑانے شروع کر دیئے، صفدر خاں اپنی ماں کے حکم سے پھرا کہ بڑی توپیں لگا کر ابھی قلعہ ریزہ ریزہ کر دیا جائے، پونجی خاتون اور عورتوں نے کہا کہ اگر توپیں آگئیں، تو پھر کچھ نہ ہو سکے گا، اس سے پہلے کوئی تدبیر بن جائے، تو بن جائے، رائے یہ ہوئی کہ سپاہیوں کو چھپ جانا چاہیے، اور تمام عورتیں یہیں کھڑی رہیں، دشمن سمجھیں گے کہ سپاہی ان عورتوں کو قلعہ میں چھوڑ کر بھاگ گئے، چنانچہ ایسا ہی کیا، سپاہی سب ادھر ادھر چھپ گئے اور عورتیں کھڑی رہیں، غنیم، جب نظر پڑی تو دیکھا کہ صرف عورتیں ہیں، ان کی ہمت ہوئی اور



پلٹ کر انہوں نے دوبارہ حملہ کیا، قلعہ کا دروازہ توڑ ڈالا عورتوں نے انگلی تک نہ ہلائی اور کھڑی دیکھتیں رہیں صفدر خان چاہتا تھا کہ پہلا دروازہ توڑ کر دوسرا دروازہ بھی توڑ ڈالے کہ سپاہیوں نے نکل کر اس زور سے حملہ کیا کہ دشمن پھر نہ بھتم سکے۔<sup>۱</sup>

دو تین سو آدمیوں سے فوج کا مقابلہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے نظام شاہی خاندان جس نے دکن میں تقریباً سو برس تک نہایت کامیابی سے حکومت کی اور جس کا دارالحکومت شہر احمد نگر تھا اس کی ایک شہزادی نے جس دلیری اور استقلال کے ساتھ اکبر اعظم کی فوج کا مقابلہ کیا وہ قابل حیرت امر ہے چاند خاتون نظام شاہی خاندان کی چشم و چراغ اور عادل شاہی خاندان کی بہوتھی، حسین نظام شاہ بحرئی (احمد نگری) اس کا باپ تھا اور علی عادل شاہ بیجا پوری اس کا شوہر تھا علی عادل شاہ کے مرنے پر بیجا پور سے احمد نگر چلی آئی تھی اور یہیں رہتی تھی۔

اکبر کو جب ہندوستان کی مہمات سے فرصت ملی تو اس کو تسخیر دکن کی فکر ہوئی شہزادہ مراد اور خانخانان اس مہم پر بھیجے گئے اس وقت تخت احمد نگر پر برہان نظام شاہ جلوہ افروز تھا، نظام شاہ نے صوبہ برار اکبر کو پیش کر دیا لیکن اس معاملہ سے اختتام سے پہلے برہان شاہ کا انتقال ہو گیا اور برار پر اکبر کا قبضہ نہ ہو سکا، شہزادہ مراد اور خانخانان موقع کی تاک میں گجرات میں فوج لئے ہوئے پڑے تھے اسی اثناء میں برہان کا جانشین ابراہیم شاہ امراء کے ہاتھ سے مارا گیا۔ منجھو خان وکیل سلطنت اور آہنگ خان اور اخلاص تینوں میں تخت نشینی کے لئے جھگڑا ہوا ہر ایک نے اپنا ایک جدا جدا بادشاہ بنا لیا آخر آپس کا نفاق بڑھا اور خون ریزیوں تک نوبت پہنچی منجھو خان نے جل کر شہزادہ مراد کو لکھ دیا کہ نظام شاہی قوت فنا ہو چکی ہے آپ ادھر کا رخ کیجئے میں بلا تامل احمد نگر کا قلعہ آپ کے حوالے کر دوں گا مراد چل کھڑا ہوا۔ خانخانان بھی شاہ رخ مرزا والی، بدخشاں، شہباز خان، راجہ جگن ناتھ، راجہ درگاہ، راجہ رام چندر اور دیگر امراء کو لے کر روانہ ہوا جب یہ لوگ احمد نگر کے قریب پہنچ گئے تو منجھو خاں کو اپنی عجلت کاری پر سخت ندامت ہوئی کیونکہ اس اثنا میں منجھو خان تمام مخالف قوتوں کو دبا کر خود مختار ہو

چکا تھا ناچار قلعہ چھوڑ کر نکل گیا۔

چاند خاتون نے دیکھا کہ ہماری آبائی حکومت معدوم ہو چاہتی ہے اس نے عزم کر لیا کہ جس طرح ہوگا میں سلطنت کو بچاؤں گی۔ اس نے خود پہلے اپنے بعض مخالف امراء کو قلعہ سے علیحدہ کیا اور بعض کو توز جوڑ کر کے ملا لیا۔ قطب شاہ (گولکنڈہ) اور عادل شاہ (بیجاپور) سے امدادیں طلب کیں اور قلعہ کو ہر طرف سے مضبوط کر کے شہزادہ مراد اور خانخاناں کی منتظر رہی۔ شہزادہ مراد نے ۲۳ ربیع الثانی ۱۰۰۳ھ کو اپنی فوج قلعہ کی طرف بڑھائی، چاند خاتون نے بھی حکم دیا کہ ہماری توپوں کے منہ کھول دیئے جائیں تمام دن مراد کو شش کرتا رہا کہ قلعہ پہنچ جائے مگر چاند خاتون نے ایک قدم بھی آگے بڑھنے نہ دیا شام کو مراد تھک کر خود ہٹ گیا دوسرے دن شہزادہ مراد، شاہ رخ مرزا، خانخاناں، شہباز خان، راجہ جگن ناتھ وغیرہ نے مورچہ ڈال کر چاروں طرف سے قلعہ کا محاصرہ کر لیا بعض نظام شاہی امراء نے لڑ بھڑ کر چاند خاتون کی مدد کو قلعہ میں جانا چاہا مگر خانخاناں نے جانے نہ دیا۔ شہزادہ مراد اور خانخاناں مہینوں قلعہ کا محاصرہ کئے پڑے رہے مگر وہ قلعہ کو نہیں بھی نہ لگا سکے۔

ادھر چاند خاتون کی حسب درخواست عادل شاہ نے پچیس ہزار سوار چاند خاتون کی مدد کو بھیجے، قطب شاہ نے پانچ چھ ہزار اور کچھ پیادے روانہ کئے منجھو خان، اخلاص خاں، آہنگ خاں، امراء نظام شاہی بھی اسی فوج کے ساتھ ہو گئے، غرض اس طرح مل ملا کر ایک زبردست فوج تیار ہو گئی، شہزادہ مراد کو اس فوج کا جب حال معلوم ہوا، تو گھبرا گیا، تمام فوج میں کھلبلی مچ گئی، آخر رائے یہ قرار پائی کہ اس فوج کے آنے سے پہلے پہلے قلعہ لے لینا چاہیے، یوں لڑ کر قلعہ میں کس جانا تو ممکن نہ تھا، تین مہینے میں یہاں سے لے کر قلعہ کے برج تک پانچ سرنگیں کھودنی گئی، اور ان میں بارود بچھادی گئی، کہ آگ لگا کر قلعہ اڑا دیا جائے۔

چاند خاتون کو ان سرنگوں کی خبر لگ گئی، اس نے اسی وقت بارود نکال کر سرنگوں کو بھرنا شروع کر دیا، شہزادہ مراد کو تو اس کی جلدی تھی کہ اس قلعہ کی فتح میرے نام لکھی جائے، خانخاناں کا اس میں ہاتھ بھی نہ لگنے پائے، دو پہر کو خانخاناں کے سوا تمام امراء اور فوج کو لے کر قلعہ کے رخ پر مستعد کھڑا ہو گیا، کہ ادھر بارود سے قلعہ اڑا اور ادھر پہنچا، چاند خاتون

اس وقت تک دوسرنگیں بھروا چکی تھی، اور تیسری کھودی جا رہی تھی، کہ شہزادہ نے سرنگوں میں آگ لگانے کا حکم دیا، اس زور کی ایک آواز ہوئی اور ایک دھماکہ ہوا کہ لوگ سمجھے کہ آسمان پھٹ پڑا، یا بجلی ٹوٹ پڑی، اور قلعہ کی پچاس گز دیوار دھم سے گر پڑی، سامنے شہزادہ اپنے خون خوار راجپوتوں اور مغلوں کے ساتھ کھڑا نظر آیا، قیامت ہو گئی، لوگوں کے دل بیٹھ گئے، کام کرنے والوں نے کام چھوڑ دیا، سپاہیوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، فوج کے سردار بھاگ کھڑے ہوئے، غرض سارے قلعہ میں عجیب سراسیمگی اور بدحواسی پھیل گئی۔

چاند خاتون کی ہمت دیکھو، اسی وقت گھوڑے پر سوار، مسلح، ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے سراپردہ سے باہر نکل آئی، شہزادہ اس فکر میں تھا کہ باقی دوسرنگیں بھی اڑیں تو حملہ کیا جائے، لیکن وہ سرنگیں ہوں بھی، چاند خاتون نے اتنی ہی دیر میں جلدی جلدی کر کے بیسیوں آتش بار توپیں اس شگاف میں کھڑی کر دیں، تمام فوج کو تسکین دے کر پھر لڑنے پر آمادہ کر دیا، مغلوں اور راجپوتوں نے جان توڑ کر حملے کئے شہزادہ مراد نے سر پٹک پٹک مارا، مگر چاند خاتون نے ایک انچ بھی قلعہ نہ دیا، اور اس ہمت اور دلیری سے فوج کو لڑاتی رہی کہ قلعہ کی خندق شام تک مغلوں اور راجپوتوں کی لاشوں سے پٹ گئی، شام کو شہزادہ ناکام پلٹا، رات بھر میں چاند خاتون نے خود مسلح کھڑی ہو کر پچاس گز قلعہ کی دیوار تین گز بلند کر دی، صبح کو مراد نے دیکھا تو پھر وہی پہلی دیوار حائل تھی، موافق اور مخالف دونوں کے منہ سے چاند خاتون کی اس اولوالعزمی، استقلال اور بہادری پر صدائے آفرین و تحسین بلند ہو گئی، اور اسی وقت سے چاند خاتون کا لقب چاند سلطان ہو گیا۔

اس ناکامی سے شہزادہ کا دل چھوٹ گیا، امرائے اکبری میں مقابلہ کی قوت نہ رہی، ناچار صلح کرنی چاہی، اول تو چاند سلطان نے انکار کیا، کہ غنیم بے دل ہو چکے ہیں، تھوڑی سی کوشش سے ان کو ہزیمت ہو سکتی ہے، لیکن چونکہ لوگ قلعہ میں بند بند گھبرا گئے تھے، اس لئے چاند سلطان نے بھی آخر صلح منظور کر لی، اور حسب قرار داد برابر کا صوبہ شہزادہ مراد کے حوالہ کر دیا۔<sup>۱</sup>

غور کرو! کیا اس بھی زیادہ کسی عورت کی بہادری ہو سکتی ہے؟ سلطنت کی بنیاد کمزور، امراء میں نفاق اور خانہ جنگی، قلعہ میں فوج نہیں، سامانِ رسد نہیں، قلعہ کی دیوار شکستہ اور منہدم، پہلے سے حفاظتِ قلعہ کا خیال نہیں، اور پھر مقابلہ اکبر اعظم اور خانخاناں سے، ایسی حالت میں غنیمت کو ہٹا کر قلعہ کو بچالینا مسلمان عورتوں کا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔

ہم نے اپنی یہ داستان جس سرزمینِ اقدس سے شروع کی تھی، آخر میں ہم پھر اسی کے ایک گوشہ میں آ کر پناہ لیتے ہیں، یہ گوشہ عربِ یمن کے نام سے مشہور ہے، پانچویں صدی ہجری کے وسط میں یہ علاقہ خلافتِ عباسیہ کے احاطہٴ اقتدار سے نکل کر دولتِ فاطمیہ مصر کے قبضہ میں چلا گیا، اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ یمن میں ایک مقام خزار ہے، وہاں مشہور قدیم قاضیوں کا خاندان تھا، جو آلِ صلح کے نام سے مشہور تھا، وہاں فاطمیوں کی طرف سے ایک داعی و مبلغ پہنچا، اس نے اس خاندان کے ایک نوجوان لڑکے میں نجابت اور اولوالعزمی کے غیر معمولی آثار دیکھ کر اس کو اپنے رنگ میں لانا شروع کیا، اور اسماعیلی مذہب کی اس کو تلقین کی، اس کا نام علی بن محمد صلحی تھا، علی نے جوان ہو کر حوصلہ مند یوں اور اولوالعزمیوں کے پروبال پیدا کئے، علی کی چچا زاد بہن تھی جس کا نام اسماء تھا، یہ لڑکی حسن و جمال، تدبیر و دانش، علم و فضل، مردانگی و شجاعت میں بے مثال تھی، علی کی شادی اسماء سے ہوئی، قدرتِ الہی نے اس طرح گویا دو قوتوں کو باہم منضم کر کے یمن کی آئندہ قسمت کا ہیولی تیار کر دی، اور ان دونوں کی ہمتوں اور تدبیروں سے پورا ملک یمن ان کے قبضہ اختیار میں آ گیا۔

علی صلحی کو دشمنوں سے جو معرکے پیش آئے، اس میں اسماء اس کی دست و بازو تھی، ایک دفعہ جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ مکہ معظمہ کی طرف کوچ کر رہی تھی کہ دفعۃً دشمنوں نے چھاپا مارا، صلحی کے ساتھ آدمی کم تھے، اس کو شکست ہوئی، اور اسماء دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئی، اور ایک زمانہ تک ان کے پاس قید رہی، اور بالآخر خود اپنی ہی تدبیروں سے قید و بند کے دروازے کو توڑ کر باہر نکل آئی، اس نے سخت چوکی پہرہ کے باوجود، روٹی کے اندر ایک خط رکھ کر قاصد کو جو ایک سائل کی صورت میں تھا، اپنے بیٹے کے پاس روانہ کیا، وہ ایک فوج گراں لے کر موقع پر آ پہنچا، اور اسماء آزاد تھی، جب تک زندہ رہی یمن کی ملکہ وہی

تھی، ۳۹ھ میں اس نے وفات پائی۔

اسماء کے آغوش تربیت میں دو اور بہادر خاتونانِ اسلام پل کر جوان ہوئی، ایک اس کی لڑکی فاطمہ اور دوسری اس کی بہو سیدہ۔ فاطمہ نے تو اپنے شوہر کی قید سے جس نے دوسری شادی کر لی تھی، مردانہ وار گلو خلاص حاصل کی، چپکے سے اپنی ماں کو پیغام بھیجا اور وہاں سے فوج منگوا کر مردانہ بھیجیں بدل کر چل کھڑی ہوئی۔

سیدہ اپنی ساس اسماء کی وفات کے بعد یمن کی ملکہ ہوئی، اس کا شوہر مکرم عیاش اور راحت طلب تھا، سیدہ نے سلطنت کے بار کو نہایت عمدگی سے اٹھایا، بہت سی عمارتیں بنوائیں، شہر آباد کئے، فوج کشیاں کیں، دشمنوں کو تلواروں اور تہ تیروں دونوں سے زیر کیا، دولت فاطمیہ کی طرف سے جو مراسلے آتے تھے۔ ان میں اس کے لئے بڑے بڑے القاب شاہی استعمال کئے جاتے تھے۔<sup>۱</sup>

ابھی ہم کو بیسیوں اسلامی ممالک اور سیکڑوں اسلامی شاہی خاندانوں کے تاریخی اوراق اٹھانے باقی ہیں، ایران و ترکستان و روم و افریقہ و مراکش و اندلس کے اسلامی خاندانوں کی بہادر خواتین کے متعلق حالات اس مختصر رسالہ میں نہیں آئے، حالانکہ ان ملکوں اور خاندانوں میں بہادر خواتین اسلام کی کمی نہیں، لیکن افسوس کہ دوسرے ضروری کاموں کی مصروفیت مزید تفصیل کی اجازت نہیں دیتی، مگر جاتے جاتے ہم خواتین اسلام کی ایک روحانی شجاعت و بہادری کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جو اس جسمانی شجاعت و بہادری سے بدرجہا بلند و برتر ہے، اس سے مراد ان کی اخلاقی و روحانی شجاعت و جرأت ہے۔

آغاز اسلام میں متعدد خواتین نے اپنے دین و ایمان کی خاطر سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائی ہیں، مگر کبھی جادہ حق سے روگردانی نہیں کی، حضرت سُمیہ حضرت عمار بن یاسر مشہور صحابی کی والدہ تھیں، ان کو ابو جہل نے اسلام لانے کے جرم میں ایسی برچھی ماری کہ وہی جانبر نہ ہو سکیں۔ ام قاہیہ ایک صحابیہ تھیں، حضرت عمرؓ اپنے اسلام سے پہلے ان کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ”میں نے رحم کھا کر تجھ کو نہیں چھوڑا ہے، بلکہ اس لئے چھوڑا ہے کہ تھک گیا ہوں“ وہ

۱۔ یمن کے یہ تمام واقعات تاریخِ عمارہ یعنی مشہور اندیا آفس لندن میں مذکور ہیں۔

نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ ”عمر! اگر تم مسلمان نہ ہو گے تو خدا تم سے ان بے رحمیوں کا انتقام لے گا“ حضرت زبیرؓ ایک اور صحابیہ تھیں، وہ بھی اسلام کی راہ میں بے حد ستائی گئیں، ابو جہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں، نہ ہی یہ اور ام عیسیٰؓ یہ دونوں بھی صحابیہ تھیں، یہ بھی اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلی تھیں۔<sup>۱</sup>

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جب بنو امیہ کے مقابلہ میں حجاز میں اپنی خلافت قائم کی، اور حجاج نے ان پر بڑے سر و سامان سے فوج کشی کی، تو ان کے رفقاء نے ان سے علیحدہ ہونا شروع کر دیا، مخلصوں کی ایک بہت چھوٹی سی جماعت ان کو ساتھ رہ گئی، اس وقت حضرت ابن زبیرؓ گھبرا کر اپنی ماں حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ کے پاس گئے اور اجازت طلب کی کہ اگر مناسب ہو تو ”میں حجاج سے صلح کر لوں؟“ بہادر ماں نے جواب دیا ”فرزند من! اگر تم باطل پر ہو تو آج سے بہت پہلے تم کو صلح کر لینی چاہیے تھی، اور اگر حق پر ہو تو رفقاء کی کمی سے دل برداشتہ نہ ہو، حق کی رفاقت خود کیا کم نصرت ہے؟“ حضرت ابن زبیرؓ ماں کے پاس سے واپس آئے اور تمام ہتھیاروں سے سچ کر ماں سے رخصت ہونے آئے، ماں نے سینہ سے لگایا تو جسم بہت سخت نظر آیا، پوچھا کیا واقعہ ہے؟ فرمایا میں نے دوہری زرہ پہن لی ہے، بولیں یہ شہدائے حق کا شیوہ نہیں، ابن زبیرؓ نے زرہ اتار ڈالی، پھر کہا مجھے ڈر ہے کہ دشمن میری لاش کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کریں؟ ماں نے جواب دیا۔ ”بیٹا! جب بکری ذبح ہو جاتی ہے، تو اس کی کھال کھینچنے کی تکلیف نہیں ہوتی“ اور اس طرح ماں نے بیٹے کو قتل میں بھیجا، اور حق و صداقت کی قربان گاہ پر اپنے دل بند کو نثار کر دیا۔

حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد حجاج نے ان کی لاش کو برسر راہ سولی پر لٹکا دیا، کچھ دنوں کے بعد حضرت اسماءؓ کا جب ادھر سے گزر ہوا تو بیٹے کی لاش سولی پر لٹکی نظر آئی۔ کون ایسی ماں ہوگی جو اس پر اثر منظر کو دیکھ کر تڑپ نہ جائے گی لیکن وہ نہایت بے پرواہی کے ساتھ ادھر سے گزر گئیں اور لٹکی لاش کی طرف اشارہ کر کے یہ بلیغ فقرہ کہا ”کیا اب تک یہ سوار اپنے گھوڑے سے اتر نہیں؟“<sup>۲</sup>

۱۔ یہ تمام واقعات سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ۲۔ طبری۔

اس روحانی شجاعت، اخلاقی جرأت، اور بے مثال صبر و استقلال کا نمونہ کہاں نظر آسکتا ہے؟۔

ناظرین سے رخصت ہو کے اس منظر کو ان کے سامنے کرتے جاتے ہیں جب غرناطہ کا آخری سلطان ابو عبد اللہ اپنے آخری قلعہ کی کنجیاں عیسائی فاتحوں کے سپرد کر رہا تھا اور اپنی تھوڑی سی جماعت کے ساتھ اس سرزمین پر جہاں مسلمانوں نے ۶۰۰ برس حکومت کی آخری نظر ڈالتے ہوئے آنسوؤں کے تار اس کی دونوں آنکھوں سے جاری ہو جاتے ہیں اس وقت سلطان کی والدہ عائشہ آگے بڑھ کر کہتی ہے کہ ”فرزند من! جس چیز کو تم مرد بن کر نہ بچا سکتے اب اس کیلئے عورتوں کی طرح خوب رولو“ اس ایک فقرہ میں استقلال و جرأت کی کتنی روح بھری ہے۔ یہ گذشتہ بہادر خواتین اسلام کے کارناموں کا ایک دھندلا سا خاکہ تھا اب سوال یہ ہے کہ موجود خواتین اسلام آئندہ کی تاریخ اسلام کے لئے کیا کارنامہ دنیا میں چھوڑ جانا چاہتی ہیں؟۔



رضی اللہ عنہم و رضوانہ (القرآن)  
اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

# سَيِّدُ الصَّابِرِينَ رضی اللہ عنہم

اہل کتاب صحابہ و تابعین

حصہ دوازدہم (12)

جس میں ترانوے ۹۳ ایسے صحابہ، صحابیات، تابعین اور تابعات کے سوانح اور کارنامے درج ہیں، جو مذہباً یہودی یا نصرانی تھے اور مشرف باسلام ہوئے۔ شروع میں ایک مقدمہ ہے، جس میں جزیرہ عرب میں یہود و نصاریٰ کی قدیم تاریخ، ان کے تمدنی و سیاسی اثرات اور ان کی دینی و اخلاقی حالت کی تفصیل بیان کی گئی ہے

تحریر و ترتیب  
مولانا حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی  
ریش دارالمصنفین

اُردو بازار ایم اے جناح روڈ  
کراچی پاکستان 2213768

دَارُالْإِشَاعَةِ





## پیش لفظ

موضوع کی ندرت یقین ہے کہ ہر پڑھنے والے کے دلکش ثابت ہوگی۔ کس کو خیال تھا کہ یہ بھی موضوع کسی مستقل کتاب کا بن سکتا ہے؟

فاطر کائنات کے انعامات اور نوازش کسی خاص عہد و زمانہ تک محدود نہیں۔ صدیوں پر صدیاں گزر گئیں، صحابیوں پر بہتر سے بہتر اور کیسی کیسی جامع کتابیں مرتب ہو گئیں۔ اس پہلو کی طرف کسی کا ذہن بھی منتقل نہ ہوا کہ جو اہل کتاب میں سے صحابہ ہوئے ہیں، مخصوص ان کا تذکرہ یکجا کر دیا جائے۔ یہ سعادت چودھویں صدی ہجری کے وسط کے عہد کے ایک فرزندندوہ کے لئے اٹھ رہی تھی، ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

خیال کو عمل میں لانا آسان نہ تھا۔ کتنی ہی کتابیں غور و استیعاب کے ساتھ پڑھنی پڑیں، اور پھر حالات و تفصیلات خاطر خواہ بہم نہ پہنچ سکے۔ سمندر کے کھنگالنے پر جتنے بھی موتی ہاتھ آگئے بہت غنیمت ہیں۔ ۶۳ صحابی، ۸ صحابیات، ۱۳ تابعی، ۲ تابعات کے نام اور کم و بیش حالات کا فراہم ہو جانا تھوڑی بات نہ ہوئی۔ فرط احتیاط سے مولف سلمہ خود ہی کچھ رُک گئے، ورنہ چند نام تو اور اس فہرست میں بڑھ سکتے تھے۔

دنیا کس طرف جا رہی ہے۔ روشن خیال دنیا، قلم ہاتھ میں لئے ہوئے، نفس پرستی کے کیسے کیسے نئے عنوانوں کی طرف ہر روز لپک رہی ہے، اور کچھ اللہ کے بندے، اللہ اور رسول کے نام دیوانے اب بھی پڑے ہوئے ہیں کہ دن رات، اللہ والوں اور اللہ والیوں ہی کے حالات کی ادھیڑ بن میں لگے ہوئے ہیں۔ نفع خوری اور صلہ عاجل حاصل ہونہ ہو، ”اجر غیر ممنون“ کی توقع انہیں۔۔۔ بنائے رکھنے کے لئے کافی ہے۔

شروع کتاب میں عرب میں یہودیت و نصرانیت کی اجمالی تاریخ اور جغرافیائی نقشے بڑے کام کی چیزیں ہیں۔۔۔ رسالہ بحیثیت مجموعی ”بہ قامت کہتر“ ہونے کے ساتھ صحیح معنی میں ”بہ قیمت بہتر“ ہے۔ اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس کی طبع و اشاعت کا سامان بھی اسی ادارہ کی طرف سے ہو رہا ہے، جو سیرت کے سلسلہ میں خدمات خصوصی کا امتیاز حاصل کئے ہوئے ہے۔

از مولانا عبد الماجد دریا بادی

۲۰۔ اپریل ۱۹۵۱ء



## دیباچہ

وجہ تصنیف :

ندوہ کی تعلیم کا آخری سال تھا۔ علامہ زبیر علی کی کشف میں سورہ آل عمران درس میں تھی۔ مومنین اہل کتاب کے متعلق جب کوئی آیت سامنے آتی تو اس کے شان نزول اور مصداق کے سلسلہ میں بار بار حضرت عبداللہ بن سلام یا ایک دو اور صحابی کا نام آتا۔ جب سورہ کی آخری آیت ”وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ“ - (الایہ)

”اہل کتاب میں سے بعض ہیں، جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور جو کتاب تمہاری طرف نازل کی گئی (قرآن) اور جو کتاب ان کی طرف نازل کی گئی، اس پر یقین رکھتے ہیں۔“

کی تفسیر شروع تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے ساتھ اصحٰہ النجاشی اور حبشہ اور نجران کے وفد کا ذکر بھی آیا۔ اس وقت میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ تفسیر کی جتنی کتابیں اب تک نظر سے گزر چکی ہیں، ان سب میں یہ چیز مشترک ہے کہ جن مومنین اہل کتاب کا ذکر آتا ہے تو ارباب تفسیر دو چار مخصوص اہل کتاب صحابہ کے علاوہ کسی اور کے نام کا ذکر نہیں کرتے، تو آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے اپنی اس خلش کا اظہار حضرت الاستاد جناب مولانا شاہ حلیم عطا صاحب سے کیا۔ انہوں نے مذکورہ ناموں کے علاوہ دو چار اور نام بتائے۔ اس وقت میں خاموش ہو گیا، اتفاق سے اسی روز یا اس کے دوسرے روز بخاری شریف کے درس میں یہ حدیث

”لو ا من بی عشرة من الیہود لا من بی الیہود“

”اگر دس یہود بھی مجھ پر ایمان لاتے تو ان کی کافی تعداد ایمان لے آتی۔“

سامنے آئی، (حضرت شاہ صاحب ہی کے یہاں بخاری کا درس بھی تھا)۔ میں نے ان سے پھر دریافت کیا کہ دس یہود بھی ایمان نہیں لائے تھے؟ یہ تو اسلام کی بڑی ناکامی اور بے اثری کی

دلیل ہے کہ اس نے اہل کتاب میں کوئی مقبولیت حاصل نہیں کی۔ جبکہ وہ اس سے بڑی حد تک قریب بھی تھے<sup>۱</sup>۔ شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ اس سے بہت زیادہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ایمان لائے تھے۔ اس حدیث میں عام یہود نہیں، بلکہ علماء اور خواص مراد ہیں<sup>۲</sup>۔ اس جواب سے گوتھوڑی سی تسکین ضرور ہوگئی، لیکن پورے طور پر میری خلش رفع نہیں ہوئی اور بالآخر عہد طالب علمی کی یہی خلش اس کتاب کی تصنیف کا باعث ہوئی۔

ندوہ کی تعلیم کے ختم کرنے کے بعد جب میں دارالمصنفین آیا تو رہ رہ کر یہ خلش مجھے بے چین کرتی تھی۔ اتفاق سے ایک دن سید ابن ہشام دیکھ رہا تھا کہ غزوہ بنی قریظہ اور غزوہ بنی نضیر کے سلسلہ میں دو چار اہل کتاب صحابہ کے ناموں پر نظر پڑی۔ اس سے مجھے مزید تسکین ہوئی۔ میں نے استاذ الاساتذہ حضرت سید صاحب قبلہ سے دریافت کی کہ کیا اہل کتاب صحابہ کے حالات کہیں یکجا مل سکتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ یکجا تو نہیں ملیں گے، ہاں ہشام، سہیلی اور دوسری سیر کی کتابوں کا مطالعہ کرو تو متفرق طور پر ان کے نام اور حالات مل جائیں گے۔ میں نے تلاش و جستجو شروع کر دی۔

بہت دنوں تک مغازی سیر کی کتابوں کی ورق گردانی کرتا رہا۔ لیکن میں نے اپنے ذہن میں جو طویل خاکہ بنایا تھا، اس میں رنگ بھرنے کا خاطر خواہ سامان ان کتابوں سے بہم نہ پہنچ سکا۔ پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ طبقات درجال کی کتابیں دیکھی جائیں۔ پہلے تو اس بحرِ خار میں گوہر مقصود پر طبیعت آمادہ نہیں ہوئی، لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ہمت عطا فرمائی اور تحقیق و تلاش شروع کر دی۔ برسوں کی محنت و جانفشانی کے بعد جو کچھ حاصل ہو سکا، وہ پیش کش ناظرین ہے۔

ماخذ! سیر کے بعد درجال کی کتابوں میں سب سے پہلے حافظ ذہبی کی ”تجريد اسماء الصحابة“ شروع سے آخر تک پڑھی۔ پھر استیعاب اور اسد الغابہ اور ان سب کے بعد اصابہ کی ورق گردانی کی۔ اس سلسلہ میں قبائل اور مقامات کی تحقیق کی ضرورت پڑی، تو اس کے لئے کتاب الانساب سمعانی اور معجم البلدان کی طرف رجوع کیا گیا۔

۱۔ بعد میں یہ علم ہوا کہ اسی حدیث کے پیش نظر بعض مستشرقین خصوصیت سے تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل ولفسون نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہود میں اسلام بہت زیادہ غیر مقبول رہا۔ (ص ۳۷)

۲۔ یہی جواب عام شرح حدیث حافظ ابن حجر نے دیا ہے۔ واقعات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ چند سرداران یہودی عام یہود کے حلقہ بگوش اسلام ہونے میں سدا رہے۔ حافظ ابن حجر نے ان کے نام بھی لکھے ہیں۔

شروع میں تو یہ کتاب اہل کتاب صحابہ کے حالات تک محدود تھی، لیکن جب میں نے اصحابہ کا بلا استیعاب مطالعہ شروع کیا تو اس میں بعض اہل کتاب تابعین کے ناموں پر بھی نظر پڑی۔ جن کو میں جمع کرنا گیا۔ چونکہ یہ تھوڑے تھے، اس لئے ان کو بھی اس کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا۔

جن بزرگوں کے اہل کتاب ہونے میں شبہ ہے :

جب تک اس قبیلہ کے کسی بزرگ کے متعلق مخصوص طور پر معلوم نہیں ہو گیا کہ وہ اہل کتاب میں سے تھے، اُس وقت تک اُن کو فہرست میں نہیں لیا گیا۔ مثلاً بنو تغلب کے متعلق اسد الغابہ میں تصریح ہے کہ

”لان بنی تغلب کانوا نصری“۔

”اس لئے کہ بنو تغلب نصاریٰ تھے“۔ (۱۵ ص ۵۷)

اسد الغابہ میں دوسری جگہ ہے،

”ان کثیرا من العرب قد تنصر کتغلب“۔ (جلد ۳ ص ۲۲۲)

”بہت سے عربی قبائل عیسائی ہو گئے تھے۔ مثلاً تغلب“۔

لیکن بہت سے تغلیبیوں کو اس فہرست میں اس لئے نہیں لیا گیا کہ خاص طور پر ان کے عیسائی ہونے کی کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

اسی طرح حضرت تمیم داریؓ شام کے رہنے والے تھے اور شام میں عموماً عیسائی ہی آباد تھے۔ حضرت تمیم داریؓ جب خدمتِ نبویؐ میں آئے تو ان کے اہل خاندان کا ایک وفد بھی ان کے ساتھ تھا۔ لیکن ان سب میں صرف حضرت تمیمؓ اور ان کی ایک عزیزہ کو اس فہرست میں لیا گیا۔ اس لئے کہ دوسروں کے عیسائی ہونے کی کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

اسی طرح مصر کے قبطی عام طور پر عیسائی تھے، لیکن بہت سے قبطی صحابہ کو اس لئے چھوڑ دیا گیا کہ ان کی قومی نسبت کے علاوہ اور کوئی ثبوت ان کے عیسائی ہونے کا نہیں مل سکا۔

جن بزرگوں کے اہل کتاب ہونے میں شبہ ہے ان کے نام درج کئے جاتے ہیں :

۱۔ ابو ہند الداری

یہ حضرت تمیم داریؓ کے چچا زاد بھائی تھے۔ معلوم نہیں، انہوں نے عیسائیت قبول

کی تھی یا نہیں۔

۲۔ احمد بن عبد اللہ بن سلام

ان کا تذکرہ ابن ندیم نے کیا ہے<sup>۱</sup>۔ لیکن رجال کی کتابوں میں حضرت عبد اللہ بن سلام کے دو صاحبزادوں حضرت یوسف اور حضرت محمد کا نام تو مذکور ہے، جو شرف صحابیت سے بھی بہرہ ور تھے، لیکن احمد نام کے کسی صاحبزادے کا تذکرہ نہیں مل سکا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ محمد کی تصحیف ہو۔ واللہ اعلم

۳۔ تبع بن امرہ کعب الاحبار

یہ کعب احبار کے ریب تھے۔

۴۔ ذکوان بن یامین

ان کے اسلام میں اختلاف ہے۔

۵۔ سلمہ بن سعد

اصابہ میں ہے کہ یہ حضرت شعیب کی قوم سے تھے۔

۶۔ سلمہ بن عیاض

ان کے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اہل کتاب میں سے تھے، لیکن تصریح نہیں ملتی۔

۷۔ فیروز الدیلیمی

کسریٰ کے اسیر تھے، ممکن ہے کہ رومی عیسائی ہوں۔

۸۔ ابن التیہان

ابن ندیم نے ان کو اہل کتاب میں شمار کیا ہے<sup>۲</sup>۔ اگر اس سے مراد ابو الہثیم بن التیہان ہیں تو وہ اہل کتاب میں نہیں، بلکہ انصاری تھے اور اگر کوئی ابو ابن التیہان ہیں تو کتب رجال میں ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔

۹۔ أم لمہاجر الرومیة

رومیہ کی نسبت کی وجہ سے ان کی عیسائی ہونے کا امکان ہے۔

۱۰۔ ابن جرتج تابعی

تذکرہ الحفاظ وغیرہ میں ان کو رومی بتایا گیا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر صاحب فخر الاسلام نے ان کو نصرانی لکھا ہے<sup>۳</sup>۔ لیکن اس قومی نسبت کے علاوہ ان کے عیسائی ہونے کا اور کوئی ثبوت رجال کی کتابوں میں نہیں مل سکا۔ اس لئے ان کا نام اس فرست میں لیا گیا ہے۔

## ۱۱۔ انبۃ عم صفیہ

ابن سعد نے طبقات میں اور امام محمد نے السیر الکبیر میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ امام محمد نے لکھا ہے کہ غزوہ خیبر میں حضرت صفیہؓ اور ان کی ایک چچا زاد بہن گرفتار ہوئیں۔ حضرت صفیہؓ حضرت دحیہ کلبیؓ کے حصے میں آئی تھیں، مگر بعض اہم مصالِح کے تحت آپ نے ان کو ان سے واپس لے لیا اور ان کے بجائے ان کی چچا زاد بہن کو انہیں دے دیا۔ چونکہ ان کے اسلام لانے کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے، اس لئے ہم نے ان کا ذکر اس فہرست میں نہیں کیا ہے۔ (السیر الکبیر۔ جلد اول۔ ص ۱۸۷)

حبشہ کے وفد میں عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئی اور مشرف باسلام ہوئی۔ اس کے علاوہ نعیم الحجر کے ہاتھ پر جن تذکرہ آچکا ہے، چالیس علمائے یہود نے اسلام قبول کیا تھا، لیکن افسوس کہ ان کے حالات تو کیا پورے نام بھی سیرورجال کی کتابوں میں نہیں ملتے۔

ترتیب اور ناموں کی تعداد :

کتاب میں پہلے صحابہ کے حالات حروف تہجی کے اعتبار سے درج ہیں۔ پھر اسی ترتیب سے تابعین اور ان کے بعد صحابیات اور پھر تابعات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

پوری کتاب میں ترتیباً (۶۳) صحابہ، سات (۷) صحابیات اور تیرہ (۱۳) تابعین اور دو (۲) تابعات کے حالات درج ہیں۔ جن میں سے صحابہ میں ۳۹ یہودی اور ۲۳ عیسائی اور تابعین میں ۳ یہودی اور ۹ نصرانی اور صحابیات میں ۳ یہودی اور ۳ نصرانیہ اور تابعات میں ایک یہودی اور ایک عیسائی ہیں۔ کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ ہے، جس میں جزیرہ عرب کے یہودی و نصاریٰ کی تاریخ اور ان کے سیاسی، تمدنی اور اخلاقی حالات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ آخر میں ایک نقشہ بھی ہے جس میں ان کے مرکزی مقامات اور قبائل کا جائے وقوع دکھایا گیا ہے۔

خادم

مجیب اللہ ندوی





## مقدمہ

کتاب میں بہت سے مقامات اور قبائل کے نام اور یہود و نصاریٰ کی تمدنی اور اخلاقی حالت اور ان کے قبول اور عدم قبول اسلام کے سلسلہ میں متعدد واقعات ایسے سامنے آئیں گے جن کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ جزیرہ عرب کے یہود و نصاریٰ کی تاریخ پر ایک نظر ڈالی جائے، تاکہ موضوع کا پورا پس منظر سامنے آجائے اور کتاب کے بعض گوشے جو اس سے تشنہ بیان رہ جاتے ہیں وہ واضح ہو جائیں۔

اسی ضرورت کے ماتحت یہاں یہود و نصاریٰ کی تمدنی، مذہبی اور اخلاقی حالت کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے، لیکن چونکہ اس میں قصداً استقصاء اور اعتواء کے بجائے اختصار سے کام لیا گیا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ موضوع کے بعض پہلو پورے طور پر سامنے نہ آسکیں۔ اس سلسلہ میں اگر کوئی فروگزاشت ہوئی ہو تو اہل علم سے درخواست ہے کہ وہ مجھے اس پر متنبہ فرما کر ممنون کر فرمائیں، و فوق کل ذی علم علیم -

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسلام سے پہلے جزیرہ عرب کے باشندوں کا دنیا کے دوسرے ملکوں اور قوموں سے کوئی خاص تعلق نہ تھا اور نہ انہوں نے کسی ملک یا کسی قوم کا کوئی اثر قبول کیا تھا۔ لیکن جزیرہ عرب کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ اس کے برعکس یہ پتہ چلتا ہے کہ عربوں کے سیاسی، تمدنی اور تجارتی ہر قسم کے تعلقات ان کے پڑوسی ملکوں اور قوموں سے تھے اور قوموں کے آپس کے اختلاط اور ارتباط اور ان کے باہمی سیاسی اور تمدنی تعلقات کے جو اثرات ایک دوسرے پر پڑتے ہیں، وہ سب اہل عرب پر بھی پڑے تھے۔

عربوں اور دوسرے ملکوں اور قوموں میں باہم اختلاط اور تعلقات کے تین بڑے ذریعے یہ تھے :

- ۱- تجارت
- ۲- ایران و روم کے ماتحت عربوں کی سرحدی حکومتیں یعنی غسان اور حیرہ وغیرہ -
- ۳- یہودیت اور نصرانیت۔

پہلی دونوں شقیں ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ اس لئے صرف تیسری شق کے متعلق کچھ تفصیل ہم پیش کرتے ہیں۔ اس میں دکھانا ہے کہ جزیرہ عرب میں ان مذاہب کی ابتداء کب سے ہوئی اور ان کو یہاں کیا کامیابی حاصل ہوئی۔ کن قبائل نے انہیں قبول کیا اور ان کے مرکزی مقامات کون کون سے تھے اور عہد جاہلیت میں عربوں کی مذہبی اور تمدنی زندگی پر ان قبائل کا کیا کا اثر پڑا اور پھر اسلام کے بعد مسلمانوں پر ان کے کیا اثرات پڑے اور انہوں نے مسلمانوں سے کیا اثرات قبول کئے پھر مجملاً یہ بھی ذکر آئے گا کہ ظہور اسلام سے پہلے اور اس کے بعد ان کی اخلاقی حالت اور ذہنی سطح کیا تھی اور قرآن مجید نے اس کے متعلق کیا اشارے کئے ہیں۔

مؤخر الذکر شق میں سے پہلے ہم یہودیت، اس کے بعد نصرانیت کی تاریخ بیان

کریں گے۔



## یہود

یہودیت :

جزیرہ عرب میں یہود کی تاریخ دو دوروں پر منقسم ہے۔ پہلا دور ۵۰۰ ق م جسے یہود باندہ کا دور کہا جاتا ہے۔ اور دوسرا دور ۵۰۰ ق م سے ظہور اسلام تک۔ پہلے دور میں جو یہود جزیرہ عرب آئے، ان کے متعلق قدیم صحیفوں اور عربی تاریخوں میں متعدد روایتیں ملتی ہیں، لیکن یہ صحیح طور سے نہیں بتایا جاسکتا کہ کب سے ان کو وجود یہاں ملتا ہے۔ بعض عربی تاریخوں کی روایتوں سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ حجاز میں ان کی آمد حضرت موسیٰؑ کے زمانہ یعنی ۵۰۰ ق م سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ یا قوت نے مجرم البلدان میں مدینہ کے باشندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

”حین اظہرہ اللہ تعالیٰ (موسیٰ) علی فرعون فوطی الشام و اہلک  
من کان بہا منهم ثم بعث بعثاً آخر الی الحجاز الی العمالیق و امرہم  
ان لا یتبقوا احدًا ممن بلغ الحکم الا من دخل فی دینۃ فقد موا  
علیہم فقاتلوہم فاظہرہم اللہ علیہم فقتلوہم و قتلوا ملکہم لارقم  
واسروا ابنالہ شاباً جمیلاً کا حسن من رأی فی زمانہ فضوا بہ عن  
القتل و قالوا نستحیہ حتی تقدم بہ علی موسیٰ فیری فیہ رایہ فاقبلوا  
وہو معہم و قبض اللہ موسیٰ قبل قد رمہم فلما قربوا و سمع  
بنو اسرائیل بذلک تلقوہم و اسئلوہم عن اخبارہم فاخبروہم بما

۱۔ اس وقت حضرت موسیٰؑ کے ماننے والے کو یہود کہا جاتا تھا۔ لیکن ان کا قدیم اور اصلی نام بنی اسرائیل تھا۔ (یعنی حضرت یعقوبؑ جن کا عبرانی نام اسرائیل تھا، ان کی اولاد) بنی اسرائیل کے بجائے ان کا نام یہود حضرت موسیٰؑ کے بہت بعد غالباً حضرت سلیمانؑ کے بعد پڑا۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد یہود دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک گروہ موحد تھا۔ یہ گروہ حضرت سلیمانؑ کے فرزند ولی عہد کے ماتحت تھا۔ اصل میں یہود ان ہی کا لقب تھا۔ اس لئے یہود کا لفظ ہود سے مشتق ہے۔ جس کے معنی رجوع کے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ اللہ کی طرف رجوع ہوئے، اس لئے ان کا نام یہود پڑ گیا۔ واللہ اعلم

دوسرا گروہ ہمیں حضرت موسیٰؑ سے پہلے بنی اسرائیل سے نہیں بلکہ ان کے امتی اور ماننے والے جو اس وقت یہود کے نام سے مشہور ہیں، ان سے بحث کرنی ہے۔ اس لئے ہم نے ہر جگہ یہود ہی کا لفظ استعمال کیا ہے، اس لئے غلط فہمی نہ ہونی چاہئے۔ قرآن پاک میں ان کا تذکرہ ان کے قدیم اور جدید دونوں ناموں سے کیا گیا ہے۔

فتح الله عليهم قالوا فما هذا الفتى الذى معلم فاخبروهم بقصة فقالوا ان هذه معصية منكم لمخالفتكم امر نبيكم والله لا دخلتم علينا بلادنا ابدا فحاولوا بينهم وبين الشام فقال ذلك الحيش ما بلد اذا منعتم بلدكم خير لكم من البلدى فتحتموه وقتلتم اهله نار جمعوا اليه فعادوا اليها فاقاموا بها فهذا كان اول سكنى اليهود الحجاز والمدينة“ - (جلد ۷ - ص ۳۲۷)

”جب اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون پر غالب کیا تو انہوں نے فرعون کے اعوان و انصار کو ختم کرنے کے بعد ایک فوج حجاز عمالیق<sup>۱</sup> کی سرکوبی کے لئے بھیجی اور فوج کو حکم دیا کہ ان میں سے جو لوگ دین میں داخل ہو جائیں، ان کے علاوہ ہر بالغ کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ فوج حجاز گئی اور اس کو عمالقدہ پر غلبہ حاصل ہو گیا اور وہاں کا بادشاہ ارقم قتل کیا گیا۔ اس کا ایک لڑکا گرفتار ہوا چونکہ وہ بہت خوبصورت اور معصوم تھا، اس لئے فوج اس کو اپنے ساتھ شام لیتی آئی۔ اس لڑکے کے بارے میں وہ غور کر رہے تھے کہ حضرت موسیٰؑ کے پاس اسے لے جایا جائے یا نہیں۔ آخر کار اسے وہ شام لے کر واپس آئے۔ اس وقت حضرت موسیٰؑ کی وفات ہو چکی تھی۔ بنو اسرائیل نے فوج سے حجاز کے حالات دریافت کئے۔ انہوں نے اپنی فتح کا واقعہ ان کے سامنے سنایا۔ پھر اس نوجوان کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے صورت حال بتائی۔ اس پر بنو اسرائیل فوج پر خفا ہوئے کہ تم نے حضرت موسیٰؑ کے قول کی خلاف ورزی کی، اس لئے تم شام میں نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ وہ شام میں داخل نہیں ہو سکے۔ یہ صورت حال دیکھ کر فوج کے سردار نے کہا کہ فوجیو! شام کے بعد تمہارے لئے حجاز ہی کی سرزمین بہتر ہے، تو بہتر وہیں واپس چلو۔ چنانچہ وہ حجاز واپس آئے۔ مدینہ اور حجاز میں یہودی کی یہ پہلی آبادی تھی جو یہاں آباد ہوئی“<sup>۲</sup>۔

اس روایت کے متعلق تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل ولفسون نے لکھا ہے کہ یہ روایت قابل اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے صحف قدیم میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کی تردید کے لئے صرف اتنا ثبوت کافی نہیں ہے کہ ”صحف قدیم میں اس کا تذکرہ نہیں ہے“۔

۱۔ حجاز میں اس وقت عمالقدہ کی حکومت تھی، جن کا ظلم و ستم فرعون سے کچھ کم نہ تھا۔

۲۔ اس روایت کو اعانی نے (جلد ۱۱- ص ۹۱) میں اور سمودی نے وفا الوفاء (ص ۱۱۱) میں اور ابن خلدون نے اپنی تاریخ (جلد ۲- ص ۲۸۷) میں نقل کیا ہے۔

بہت سے ایسے قدیم تاریخی واقعات ملیں گے، جو مسلمات کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ مگر صحفِ قدیم ان کے تذکرہ سے خالی ہیں، تو کیا یہ سب ناقابلِ اعتبار ہیں؟ اور پھر مصنف کو بھی یہ تسلیم ہے کہ ۱۲۰۰ ق م سے پہلے حجاز میں یہود کی آمد شروع ہو گئی تھی، تو پھر اس روایت کے عدم قبولیت کا سبب اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ اپنی یہودی عصبیت کی بنا پر عربی ماخذ کی روایت کو کمزور کرنا چاہتا ہے۔ جیسا کہ اس نے کتاب میں متعدد جگہ اس کا اظہار کیا ہے۔<sup>۱</sup>

اس کے بعد جزیرہ عرب میں یہود کی دوسری آمد شمعون کی ہجرت قرار پا سکتی ہے۔ اس کے متعلق صحفِ قدیم کا بیان ہے کہ وہ چراگاہ کی تلاش کے لئے طور سینا تک گئے اور وہاں ان سے اور قبائل معان سے جو وہاں کے قدیم باشندے تھے جنگ ہوئی، جس میں بنی شمعون غالب رہے۔ وہ پورا بیان یہ ہے:

۳۸۔ یہ جن کے نام مذکور ہوئے اپنے اپنے گھرانے کے سردار تھے اور ان کا آبائی گھرانہ بہت بڑھ گیا۔

۳۹۔ اور وہ جدور کی درآمد تک اس وادی سے پورب تک اپنے گلوں کے لئے چراگاہ ڈھونڈنے گئے۔

۴۰۔ وہاں انہوں نے ستھری اور اچھی چراگاہ پائی کہ وہ زمین وسیع اور چکنی اور سکھ کی جگہ تھی۔ آحام کے لوگ قدیم مدت سے اس میں رہتے تھے۔

۴۱۔ اور وہ جن کے نام لکھے گئے ہیں، شاید یہود اور حزقیہ کے دنوں میں چڑھ آئے اور انہوں نے ان کے پڑاؤ پر قبضہ کیا اور معونیم<sup>۲</sup> جو وہاں ملے قتل کیا۔ ایسا کہ وہ آج کے دن تک نابود ہیں اور ان کے گھروں میں آپ رہے، کیونکہ ان کے گلے کے لئے وہاں چرائی تھی۔

۴۲۔ اور ان میں سے یعنی بنو شمعون کے بیٹوں میں سے پانچ سومر دشعیر کے پہاڑ پر گئے اور یسعی کے خلطیہ اور نعرماہ اور رفاہ اور غرییل ان کے سردار تھے۔

۱۔ اس روایت کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرانے میں مصنف کی غلط فہمی کا سبب شاید یہ ہو کہ اس روایت کا ماخذ اس نے صرف افغانی کو سمجھا ہے۔ حالانکہ دوسری مستند کتابوں جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے، ان میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

۲۔ معونیم یعنی قبائل معان یا معین جو مکہ اور یثرب کے اطراف میں آباد تھے۔ تاریخ الیہود (ص ۵) اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سے اور قبائل معان میں جو جنگ ہوئی، اس میں بنی اسرائیل غالب رہے اور انہوں نے معان کو قتل کر کے اس زمین پر قبضہ کر لیا۔ یہ قبائل عرب کے بہت قدیم قبائل ہیں۔ انہوں نے کئی برس تک جزیرہ عرب میں حکومت کی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ارض القرآن، جلد اول۔

۳۳۔ اور ان باقی عمالیقوں کو جو بھاگ نکلے تھے قتل کیا اور آج کے دن تک وہاں بستے ہیں۔  
(تواریخ اول۔ باب ۴)

اس ہجرت کی سنہ کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ڈوزی (DOZIY) نے اپنی کتاب ”بنی اسرائیل مکہ میں“ میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ہجرت حضرت داؤد کے زمانہ سے کچھ پہلے یعنی ۱۰۰۰ ق م کے قریب ہوئی۔ لیکن مارگولیتھ (MORGOLOUTH) نے ڈوزی سے اختلاف کیا ہے اور اپنی کتاب ”عربوں اور بنی اسرائیل کے تعلقات“ میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ہجرت حزقیل کے وقت میں ہوئی، جنہوں نے ۶۹۱ ق م سے ۷۱۷ ق م تک بلا دیہود پر حکومت کی ہے۔

خود بائبل کے مترجمین نے اس ہجرت کے سنہ کی جو تعیین کی ہے، اس سے بھی مارگولیتھ کے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی انہوں نے اس کو ۷۱۵ ق م کا واقعہ قرار دیا ہے۔

تاریخ الیہود کے مصنف کا خیال ہے کہ کم از کم اس ہجرت کا زمانہ ۱۲۰۰ ق م ہے۔ لیکن اس نے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا ہے۔ غالباً اس نے یہ رائے اس لئے قائم کی ہے کہ بائبل میں اس واقعہ کا سنہ تو ۷۱۵ ق م درج ہے، لیکن اس واقعہ سے پہلے اور بعد کے جتنے واقعات ہیں وہ سب ۱۳۰۰ ق م کے تحت درج ہیں۔ صرف اس واقعہ کے سامنے ۷۱۵ ق م درج ہے۔

بہر حال اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ ۷۰۰ ق م سے پہلے شمعون عرب میں آباد ہو چکے تھے۔ اسی اختلاف روایت کی بنا پر بعض مستشرقین نے بنی شمعون کے وجود ہی سے انکار کر دیا ہے۔ لیکن کتاب یوشع بن نون کے دیکھنے سے ان کے خیال کی تردید ہو جاتی ہے۔ اس میں ان قبائل کے نام اور ان کے جائے قیام کے حدود مفصل درج ہیں۔<sup>۱</sup>

اس کے علاوہ صحف قدیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب تاجر برابر کنعان اور بنی اسرائیل کے دوسرے شہروں تک سامان تجارت لے کر جایا کرتے تھے اور یہود تجارت سب تک برابر تجارتی سفر کرتے رہتے تھے۔<sup>۲</sup> اوپر یہود اور عمالقہ کی جنگ کا ذکر آچکا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد بار عمالقہ اور عربی قبائل میں لڑائیاں ہوئی ہیں۔<sup>۳</sup> جو یہود کے عرب مس متوطن ہونے کا بڑا سبب ہوئیں۔

غرض ان ہی مذکورہ اسباب کی بنا پر حجاز میں یہود کی آمد رفت اور بود باش شروع ہوئی۔ لیکن اس دور کے یہود کے تاریخی آثار باقی نہیں رہ گئے ہیں۔ اس لئے ان کو یہود باندہ (یعنی مٹ جانے والے) کہا جاتا ہے۔

دوسرا دور :

( دوسرے دور میں جو یہود حجاز آئے، وہ زیادہ تر شام و فلسطین کے باشندے تھے۔ وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر انہوں نے اپنے سرسبز و شاداب وطن کو چھوڑ کر جزیرہ عرب جیسی بے آب و گیاہ سرزمین کا رخ کیا۔ ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ مختصر طور پر ان کی ہجرت کے تین قوی سبب یہ تھے۔

۱۔ فلسطین میں یہود کی آبادی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ چنانچہ اس وقت ان کی تعداد چالیس لاکھ بتائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ فلسطین جیسی چھوٹی جگہ میں اتنی کثیر آبادی کا فراغت اور خوشحالی کے ساتھ رہنا اور پھر اس کے ذرائع معاش کا مہیا ہونا دشوار ہوگا۔ اس لئے عرب اور عراق کا رخ کرتے تھے، جہاں کی آبادی ان کے رقبہ کے اعتبار سے بہت کم تھی اور پھر جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، یہود کی آبادیاں متفرق طور سے جزیرہ عرب میں پھیلی ہوئی تھیں جو یہاں ان کی آمد کا ایک بڑا سبب بن گئیں۔

۲۔ پہلی صدی ہجری میں رومیوں نے متعدد بار فلسطین پر حملہ کیا۔ یہاں تک کہ یہود کو زمام حکومت ان کے ہاتھ میں دے دینا پڑی۔ لیکن ظاہر ہے کہ فلسطین یہود کا صرف وطن ہی نہیں تھا بلکہ وہ ان کی سب سے مقدس عبادت گاہ بھی تھی۔ اس لئے وہ چین سے نہیں بیٹھے اور بغاوت کے فتنے برابر اٹھاتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں نے ان پر ہر قسم کے ظلم توڑنے شروع کر دیئے۔ اب ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ فلسطین چھوڑ کر ہجرت کر جاتے۔ جس کے لئے ان کو سب سے قریب آزاد سرزمین جزیرہ عرب ہی کی مل سکتی تھی!۔

۳۔ اس کے بعد پہلی صدی ہجری یعنی ۶۰ء میں رومیوں اور یہودیوں میں ایک زبردست جنگ ہوئی۔ جس میں پورا فلسطین تہ و بالا ہو گیا۔ یہاں تک کہ بیت المقدس کی مشہور عبادت گاہیں تک برباد کر دی گئیں۔ اس جنگ میں یہودیوں کو شکست اٹھانا پڑی اور اس شکست کے بعد خاص طور سے ان کے قافلے فلسطین سے نکلنے لگے اور ان کو جہاں جائے پناہ ملی، وہاں چلے گئے۔ ان تارکین وطن میں ایک بڑی تعداد نے عرب کا رخ کیا۔ جہاں ایک کثیر تعداد میں یہود پہلے سے موجود تھے۔ یہود کی اس ہجرت کی پوری تفصیل یہودی مورخ یوسف جو ان جنگوں میں شریک بھی رہا ہے، اس کے بیان سے معلوم ہوتی ہے!۔



۱۹۱۔ رومیوں اور یہودیوں کی جنگ اور یہود کی جزیرہ عرب کی طرف ہجرت کے متعلق بہت سی مفید باتیں عربی مصادر میں بھی مل جاتی ہیں۔ چنانچہ صاحبِ اغانی نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کی ہجرت کے سلسلہ میں لکھا ہے : کہ

”لما ظہرت الروم علی بنی اسرائیل جمیعا بالشام فوطنوہم وقتلوہم ونکحو انساءہم خرج بنو نضیر بنو قریظہ وبنو ہدل ہاربین منہم الی من بالحجاز من بنی اسرائیل“<sup>۱</sup>۔

”جب رومیوں نے شام کے بنو اسرائیل (یہود) پر غلبہ پایا تو ان کو خوب برباد کیا، ان کو قتل کیا۔ ان کی عورتوں کو اپنے حوالہ عقد میں لے آئے۔ اس ظلم و ستم سے بچنے کے لئے، بنو نظیر، بنو قریظہ اور بنو ہدل وغیرہ حجاز میں اپنے دوسرے یہودی بھائیوں کے یہاں چلے آئے۔“

بہر نوع یہی اسباب تھے جن کی بنا پر یہود حجاز میں آئے۔

جزیرہ عرب اپنی طبعی تقسیم کی بناء پر تو کئی حصوں پر مشتمل ہے، لیکن تمدنی اور سیاسی اعتبار سے دو حصوں میں منقسم ہے، حجاز اور یمن۔ اب تک زیادہ تر بحث حجاز میں یہود کی آمد اور اس سے ان کے قدیم وجود و جدید تعلقات پر تھی۔ اب ہم عرب کے دوسرے حصہ یمن سے یہود کے تعلقات پر بھی ایک نظر ڈال لینا چاہتے ہیں۔

یمن میں یہودیت :

یمن گو جزیرہ عرب ہی کا حصہ ہے، لیکن سیاسی اور تجارتی اہمیت کے اعتبار سے ہمیشہ وہ ایک مستقل ملک رہا ہے۔ اس کی اہمیت کی بنا پر اس کا تذکرہ ہم علیحدہ کرتے ہیں۔

اہل یمن سے بھی یہود کے تعلقات قدیم زمانہ سے شروع ہو چکے ہیں۔ اوپر آچکا ہے کہ حضرت سلیمان کے وقت یعنی ۱۰۰۰ ق م میں عرب اور یہود میں تجارت ہوتی تھی جس کا سب سے بڑا مرکز سبأ تھا، جو یمن کا دارالسلطنت تھا۔

اس کے علاوہ قرآن پاک میں حضرت سلیمان اور ملکہ سبأ کا جو واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے، اس سے بھی یہود اور اہل یمن کے تعلقات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ معین جو یمن کے بیچ میں واقع تھا، اس کا تذکرہ تحریری طور پر ۸۰۰ ق م میں ملتا ہے<sup>۲</sup>۔

۱۔ اغانی۔ جلد ۱۹۔ ص ۹۰۵ ۲۔ تاریخ دوم۔ آیت ۲۶-۸۔ یہ بڑی ترقی یافتہ حکومت تھی۔ جدید اثری تحقیقات نے اس کے بارے میں بہت کچھ معلومات فراہم کر دیئے ہیں۔

یمن میں یہودیت کو اصل فروغ حمیری حکومت کے بعد ہوا۔ اس لئے کہ یہودیت حمیری حکومت کا تقریباً سرکاری مذہب ہو گیا تھا۔ اس کے فرمانرواؤں میں ایک ستارہ پرست، ایک دو عیسائی، بقیہ سب یہود تھے۔ لیکن حمیری حکومت کی ابتداء کب ہوئی، اس کے بارے میں مؤرخین کی بہت مختلف اور متضاد رائے ہیں۔

حضرت الاستاذ سید سلیمان صاحب ندوی نے ارض القرآن میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ ڈاکٹر ہالولے نے اس کی ابتداء ۱۱۵ ق م قرار دی ہے۔ لیکن سید صاحب نے اس پر نقد کیا ہے اور مختلف دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ حمیری حکومت کی ابتداء ۲۰ ق م سے آگے نہیں بڑھتی۔ بہر نوع اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسری صدی قبل مسیح یا پہلی صدی کے وسط میں یمن میں یہودیت کو فروغ ہونا شروع ہو گیا تھا اور ۵۵۰ برس تک وہاں اس کو فروغ حاصل رہا۔ لیکن حمیری حکومت کے آخری فرمانروا ذونواس کی موت ۵۲۵ء کے بعد یمن میں یہودیت کا زور ٹوٹ گیا اور اس کی جگہ عیسائیت نے لے لی، جس کا تذکرہ آگے آتا ہے۔

جزیرہ عرب میں یہودیت کا ذکر کرتے ہوئے یعقوبی نے لکھا ہے :

”فاما من تہود منہم فالیمن باسرها“<sup>۱</sup>

”جزیرہ عرب میں جو لوگ یہودی ہوئے، ان میں یمن بھی ہے۔ یمن پورے کا پورا یہودی تھا۔“

پھر اس کے بعد یعقوبی نے یمن میں یہودیت کی ابتداء کے سلسلہ میں لکھا ہے :

”کان تبع حمل حبرین من احبار الیہود الی الیمن فابطل الارثان و

تہود من بالیمن“<sup>۲</sup> (جلداول۔ ص ۲۹۸)

”ملک تبع نے دو یہودی عالموں کو یمن بھیجا، انہوں نے وہاں سے بت پرستی کو مٹایا اور ان

کے اثر سے یمن کے باشندوں نے یہودیت قبول کر لی۔“

جدید اثری تحقیقات کے مطابق متابعہ کا زمانہ تیسری صدی عیسوی سے آگے نہیں بڑھتا۔ اس

لئے یعقوبی کے بیان کے مطابق یمن میں یہودیت کو پورا فروغ تیسری صدی میں ہوا

اوپر یمن میں یہودیت کی جو قدامت دکھائی گئی ہے، اس سے یہ بیان کچھ مختلف معلوم ہوتا

ہے۔ مگر اس میں تضاد نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ وہاں یہودیت بہت قدیم زمانے سے موجود ہو مگر اہل یمن

کا وہ عام مذہب تیسری صدی میں ہوا ہو۔

کیا عرب کے یہود ہجرت کر کے نہیں آئے تھے؟

اوپر ذکر آچکا ہے کہ مختلف اسباب کی بنا پر یہود شام و فلسطین کی سرسبز و شاداب سرزمین چھوڑ کر جزیرہ عرب جیسے بے آب و گیاہ مقام کا رخ کرتے تھے۔ لیکن مورخین کا خیال ہے کہ یہود کہیں باہر سے نہیں آئے تھے، بلکہ یہ عرب ہی نسل تھے، جنہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ یعقوبی کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ بنی نضیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”وہم فخذ من جذام الا انہم تہودا ووزلوا یقال لہ النضیر فسموا بہ“

(جلد ۲۔ ص ۴۹)

”یہ جذام کی ایک شاخ تھی، مگر یہ یہودی ہو گئے تھے اور جہاں یہ آباد ہوئے، اس مقام کا نام نضیر تھا۔ اسی لئے وہ اس نام سے مشہور ہو گئے۔“

پھر بنو قریظہ کے متعلق لکھتا ہے:

”وہی فخذ من جذام اخوة النضیر ویقال انہم تہود وافی ایام

عادیا بن سمنویل ثم نزلوا ابجیل یقال لہ قریظہ فنسبوا الیہ“

(جلد ۲۔ ص ۵۴)

”یہ بھی جذام کی ایک شاخ ہے۔ بنو نضیر کے بھائی بند تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عادیا بن سمنویل کے زمانہ میں یہودی ہوئے۔ پھر جبل قریظہ کے پاس آباد ہوئے اور اسی نسبت سے ان کا یہ نام پڑ گیا۔“

جو لوگ اس خیال کے موید ہیں۔ یعقوبی کے بیان کے علاوہ ان کا قیاسی استدلال یہ

ہے کہ دنیا کے دوسرے حصوں کے یہود اپنے عادات و اطوار اور اپنے تمدنی اثرات کے اعتبار سے وہاں کے باشندوں سے ہمیشہ ممتاز رہے۔ لیکن عرب کے یہود کسی حیثیت سے بھی عربوں سے ممتاز نہیں تھے اور نہ انہوں نے کوئی تمدنی یا علمی یادگار چھوڑی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے وہ عربی ہی جنس سے تھے۔ صرف انہوں نے کسی وجہ سے اپنا مذہب تبدیل کر لیا تھا۔

لیکن صرف یعقوبی کے بیان اور فرضی قیاسات پر یہ فیصلہ کر لینا کہ عرب کے تمام کے

تمام یہود عرب النسل تھے، صحیح نہیں ہے۔

اوپر جن واقعات کا تذکرہ آچکا ہے، ان ہی سے اس کی پوری تردید ہو جاتی ہے۔ لیکن

اس سلسلہ میں دو تین باتیں قابل لحاظ ہیں:

یعقوبی نے بنی قریظہ اور بنو نضیر کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ انشاء اللہ ان قبائل کے تذکرے کے وقت اس کے دلائل ہم پیش کریں گے۔

۲۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ عرب کے یہود دنیا کے دوسرے حصوں کے یہود سے ممتاز نہیں تھے، یا ان کا کوئی تمدنی امتیاز نہیں تھا۔ اس گوشہ پر ”یہود کے تمدنی اثرات“ کے تحت آئندہ ہم مفصل بحث کریں گے۔ لیکن یہاں دو ایک باتیں سرسری طور سے کہی جاتی ہیں :

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہود کو دنیا کے کسی گوشہ میں کوئی امتیاز کبھی بھی حاصل نہیں تھا۔ اس لئے ان کے پاس دو اسباب و ذرائع (خصوصیت سے حکومت) موجود ہی نہیں تھے، جن کی بنا پر قومیں امتیاز حاصل کرتی ہیں۔ اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ کہیں بھی ممتاز تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عرب یہود کو شاید سب سے زیادہ امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ اس لئے کہ قرآن نے زیادہ تر ان ہی کے عقائد اور اخلاق و معاملات سے بحث کی ہے۔ اس خیال کی زیادہ تر تائید غالباً یہودی مستشرقین نے بھی کی ہے۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کے ان بیانات کی اہمیت گھٹائی جائے۔ جن کا تعلق یہود سے ہے، لیکن خیال تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں ہے۔

یہ بات کہ یہود باہر سے نہیں آئے۔ پورے جزیرہ عرب کے متعلق یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ جزیرہ عرب کے باشندوں کی ایک بڑی آبادی نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ خصوصیت کے ساتھ یمن کے یہود تو اکثر بیشتر عرب ہی تھے۔ اس لئے اس سلسلہ میں صحیح مسلک یہ ہے کہ یہود باہر سے بھی آئے اور خود عربوں کے بعض قبائل اور افراد نے بھی اسے قبول کیا۔ جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔ خصوصیت سے شمالی حجاز کے یہود زیادہ تر باہر سے آئے تھے۔

کیا عرب کے یہود دنیا سے منقطع ہو چکے تھے ؟

تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل دلفنسون نے لکھا ہے کہ عراق، مصر، یونان اور اس کے علاوہ جہاں بھی یہودیوں کی آبادی تھی، وہاں کے یہود کی تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔ یہ نہیں بلکہ انہوں نے تاریخ میں اپنے سیاسی و تمدنی آثار کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں اور دنیا کی دوسری قوموں سے ان کے گونا گوں تعلقات تھے۔ لیکن جزیرہ عرب کے یہود دنیا سے بالکل منقطع ہو گئے تھے اور عربوں میں اس طرح گھل مل گئے تھے کہ دونوں کی تہذیب و معاشرت میں کوئی فرق باقی نہیں تھا اور نہ دوسرے سے ممالک کے یہود کی طرح ان کے کوئی قابل ذکر تمدنی اور علمی آثار موجود تھے۔ لیکن واقعات کی روشنی میں یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

۱۔ ایک بات کہ وہ عربوں میں بالکل گھل مل گئے تھے اور دونوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں تھا، بالکل صحیح نہیں ہے۔ جزیرہ عرب میں جہاں یہود منتشر طور پر موجود تھے۔ وہاں واقعی ان کی کوئی نمایاں حیثیت نہیں تھی، جو ان کے مرکزی مقامات مثلاً یثرب، خیبر، وادی القریٰ اور تیماء وغیرہ تھے، وہاں وہ ہر نقطہ نظر سے عربوں سے ممتاز تھے۔ پوری تفصیل آگے آتی ہے۔

۲۔ دنیا کے دوسرے حصوں سے ان کا تعلق نہیں تھا۔ یہ غلط فہمی ویسی ہی ہے، جیسے کو خود عربوں کے متعلق یہ خیال کہ وہ دنیا سے الگ تھلگ تھے، لیکن یہ خیال نہ تو عربوں کے متعلق صحیح ہے اور نہ یہود کے متعلق۔ عربوں اور حجاز یمن کے یہود کے تجارتی اور معاشرتی تعلقات دوسرے ملکوں سے قدیم زمانہ سے تھے۔ ذکر آچکا ہے کہ یمن کے یہود تجارت کی غرض سے برابر شام کا سفر کرتے رہتے تھے۔ جزیرہ عرب کے جتنے تجارتی مرکز تھے وہ سب یہودیوں کے قبضہ میں تھے۔ یمن کی حمیری حکومت اور حبشہ کی عیسائی حکومت کے درمیان آنحضرت ﷺ کی بعثت تک برابر سیاسی چشمک جاری رہی۔ خصوصیت سے شام کے یہودیوں سے تو بعض معاشرتی تعلقات بھی تھے۔ شام کے یہودی مدینہ کے یہودیوں سے آنحضرت ﷺ کے حالات دریافت کیا کرتے تھے۔

بنو قینقاع جلاوطن کئے گئے تو وہ یہاں سے ازراعات جو شام کے علاقہ میں ہے، چلے گئے۔ اسی طرح دوسرے یہودی قبائل کا بھی شام کی طرف جانا ثابت ہے۔ حجاز سے مدینہ کو جو راستہ جاتا ہے، اس شاہراہ پر جتنے مرکزی مقامات تھے، ان میں یہودیوں کی آبادیاں ملتی ہیں اور پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قریش تو تجارت کے لئے شام تک سفر کریں اور یہود جو جزیرہ عرب کے سب سے زیادہ تاجر اور مالدار باشندے تھے، شام کا تجارتی سفر نہ کرتے ہوں۔ اور پھر مزید برآں یہ کہ شام ہی میں ان کا قبلہ اور سب سے مقدس عبادت خانہ تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر یہ خیال کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ یہود منقطع ہو کر بالکل قبائلی زندگی گزار رہے تھے۔

۳۔ تمدنی اور علمی حیثیت سے بھی عرب کے یہودی ممتاز تھے۔ ان کے تمدنی و سیاسی اثرات پر بحث آگے آئے گی۔ البتہ علمی حیثیت کے متعلق کچھ باتیں یہاں کہی جاتی ہیں۔

جزیرہ عرب کے یہودی علمی امتیاز کے لئے یہی ثبوت بہت ہے کہ ان میں حضرت عبداللہ ابن اسلام، حضرت زید بن سعنے، حضرت مخزوم، حضرت مامون بن یامین، کعب احبار، محمد بن کعب القرظی، وہب بن منبہ جیسے علماء اور کعب بن اشرف اور سموئیل جیسے شعراء موجود تھے۔

حضرت عبداللہ بن سلام کے صاحبزادے حضرت یوسف نے اپنی ایک علمی یادگار بھی چھوڑی تھی ان کے متعدد مدارس قائم تھے۔ خود مدینہ میں بیت المدارس کے نام سے ان کی ایک مشہور درسگاہ تھی۔

جزیرہ عرب میں سب سے زیادہ لکھے پڑھے یہودی ہوتے تھے۔ مدینہ میں غالباً سب سے پہلے تحریر کا رواج یہودی ہی کے ذریعہ ہوا۔ وہ صرف اپنی مذہبی زبان عبرانی ہی نہیں بلکہ عربی سے بھی بخوبی واقف تھے اور اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دیتے تھے اور روزمرہ کی زبان بھی یہی تھی۔ پوری تفصیل آگے آئے گی۔

غالباً یہ یہودی ہی کا اثر تھا کہ ظہور اسلام کے وقت متعدد صحابہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ بعض صحابہ تو عربی کے ساتھ عبرانی سے بھی واقف تھے۔

بہر نوع یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ عرب کے یہود تمدنی اور سیاسی حیثیت سے کوئی ممتاز حیثیت نہیں رکھتے تھے یا وہ علمی حیثیت سے دوسرے مقامات کے یہود سے پست تھے۔

یہود کے مرکزی مقامات اور ان کے مشہور قبائل :

یوں تو جزیرہ عرب کے ہر حصہ میں یہودیوں کی آبادیاں موجود تھیں۔ لیکن خصوصیت سے شمالی عرب سے تمام مرکزی مقامات پر یہود قبائل آباد تھے اور ان میں اکثریت ان یہودیوں کی تھی جو باہر سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ ان قبائل کے نام، ان کی آمد اور ہجرت کے سلسلہ میں جو معلومات مل سکی ہیں وہ درج ذیل ہیں :

یثرب : ظہور اسلام کے وقت جزیرہ عرب میں یہود کی سب سے بڑی آبادی یثرب اور خیبر میں تھی۔ اس لئے سب سے پہلے ان ہی مقامات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ یثرب کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں صاحب معجم البلدان نے لکھا ہے کہ یہ یثرب بن قانیہ کا آباد کیا ہوا تھا۔ اس لئے اس کا نام یثرب پڑ گیا۔ یثرب بن قانیہ حضرت نوحؑ کی اولاد کی ساتویں پشت میں تھا۔ اگر یہ بیان صحیح ہے تو بہت قدیم آبادی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت بھی یہی نام رائج تھا۔ مگر آپ ﷺ نے طابہ اور طیبہ نام رکھا۔ پھر آپ کی ہجرت کے بعد وہ مدینہ النبی ﷺ کے نام سے پکارا جانے لگا اور آخر میں یہی نام مخفف ہو کر زبان زد و خاص ہو گیا۔

۱! بعثت نبوی سے ایک سو سال پہلے یہودیت کا سب سے بڑا مرکز یمن تھا۔ لیکن حمیری حکومت کی شکست اور ذونواس کے قتل کے بعد یمن میں یہودیت کی جگہ نصرانیت نے لے لی تھی۔ تفصیل آگے آئے گی۔

مدینہ میں جو یہود قبیلے آباد تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے :

بنو قریظہ : یہ نہایت قدیم قبیلہ تھا، جو اپنے وطن شام کو چھوڑ کر یہاں آیا اور وادی مہرزور کے قریب جو مدینہ کے مشرق میں واقع ہے، آباد ہو گیا۔ یہ وادی بعد میں ان ہی کے نام سے مشہور ہو گئی اور رفتہ رفتہ ان کی ملک میں آ گئی۔

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے جن قبائل سے معاہدہ کیا تھا، ان میں بنو قریظہ کا قبیلہ بھی تھا۔ معاہدہ کی رو سے مسلمان اور یہود ایک دوسرے کے خلاف کسی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن ۵ھ میں انہوں نے معاہدہ شکنی کی۔ اس سے پہلے غزوہ احزاب وغیرہ میں یہ مسلمانوں کے خلاف سازش کر چکے تھے۔ اس لئے ان کو اس جرم کی سزا بھگتنی پڑی۔ حضرت ثعلبہؓ، حضرت زید بن سعنہ، حضرت سعیدؓ، حضرت عطیہؓ، حضرت ریحانہؓ وغیرہ اہل کتاب صحابہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

بنو نضیر : اس خاندان نے بھی بنو قریظہ کے ساتھ ہی اپنا آبائی وطن چھوڑا اور مدینہ کے جنوب مشرق میں وادی بطحان کے پاس آ کر آباد ہو گئے۔ یہ مدینہ کی سب سے بڑی آبادی تھی۔ یا قوت نے بطحان کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بنو نضیر اسی وادی کے قریب آ کر آباد ہوئے، لیکن ایک جگہ ایک مقام بوریہ کو ان کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے : کہ

”ہو موضع منازل بنی نضیر“

”بنو نضیر کی آبادی اسی جگہ پر ہے۔“

بوریہ ایک کنوئیں کا نام ہے۔ ہو سکتا ہے یہ کنواں وادی بطحان کے قریب ہی رہا ہو۔ اس بنا پر دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔<sup>۲</sup>

آنحضرت ﷺ نے اس قبیلہ سے بھی معاہدہ کیا تھا۔ لیکن انہوں نے بھی معاہدہ شکنی کی اور اس کی پاداش میں ۴ھ میں جلا وطن کئے گئے۔ حضرت مخزومؓ، حضرت یامینؓ، حضرت ابوسعیدؓ وغیرہ اسی قبیلہ سے تھے۔

بنو قینقاع : اس قبیلہ کے متعلق یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ باہر سے ہجرت کر کے آیا تھا یا یہیں کا کوئی عرب قبیلہ تھا۔ جس نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ اس قبیلہ کے لوگ عام طور پر صناع اور

زراعت پیشہ تھے۔ خصوصیت سے آہنگری اور زرگری ان کا خاص پیشہ تھا۔ خود ان کا نام بھی ان کے پیشوں کے طرف راہنمائی کرتا ہے۔ قین عربی میں لوہار کہتے ہیں اور قاع اس ہموار اور نرم زمین کو کہتے ہیں، جس میں کھیتی کی جاسکے۔ جن سے ان کی دونوں خصوصیتیں معلوم ہوتی ہیں۔ مدینہ کے دوسرے یہودی قبائل کے مقابلہ میں یہ زیادہ مضبوط اور طاقتور تھے۔ سب سے پہلے اسی قبیلہ نے معاہدہ شکنی کی اور اس کے نتیجہ میں جلاوطن کئے گئے۔ مدینہ سے نکل کر ارضیات میں، جو شام کا ایک ضلع ہے، چلے گئے۔

بنو ہدل : یہ قبیلہ بھی بنو قریظہ کے ساتھ اپنے وطن سے ہجرت کر کے مدینہ آیا تھا اور ان ہی کے ساتھ آبادی مہرزور میں آباد ہو گیا تھا۔ یہ قبیلہ اپنی کوئی الگ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ ہر معاملہ میں بنو قریظہ ہی شریک تھا۔ بعض کتابوں میں اس کا نام بہد لکھا ہوا ہے۔ سمودی نے لکھا ہے کہ ان کو ہدل اس لئے کہتے تھے کہ عام طور پر ان کے ہونٹ موٹے اور لٹکے ہوئے ہوتے تھے۔ عربی میں ایسے آدمی کو ہدل کہتے ہیں۔ حضرت ثعلبہ، حضرت اسد بن کعب اور عبداللہ بن سلام اسی قبیلہ سے تھے۔

بنو زنباع : یہ قبیلہ بنو قریظہ ہی کی ایک شاخ اور اس کے ماتحت تھا۔ بنو قریظہ سے اس کے تعلق کی بنا پر یہ تو معلوم ہے کہ یہ قبیلہ بھی ہجرت کر کے آیا تھا۔ مگر اس کی جائے قیام کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ حضرت رافعؓ کا نسبی تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔

### یثرب کے دوسرے یہودی قبائل :

مذکورہ قبائل کے علاوہ مدینہ منورہ میں اور بھی متعدد یہودی قبائل تھے، جن کو خود کوئی ممتاز حیثیت حاصل نہیں تھی، بلکہ وہ ہر معاملہ میں ان ہی یہودی قبائل کے پابند تھے۔ مثلاً بنو عریض جبل احد کے قریب آباد تھے۔ بنو ظفر وادی مہرزور کے آخر سرے پر آباد تھے۔ بنو شہل اور بنو حارثہ مدینہ کے بالکل مشرق میں آباد تھے۔ ان کے علاوہ چند اور قبائل کے نام اس معاہدہ میں آئے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے یہود سے کیا تھا۔

۱۔ یہود بنی عوف ۲۔ یہود بنی نجار ۳۔ یہود بنی ساعدہ ۴۔ یہود بنی الاوس

۵۔ یہود بنی ثعلبہ ۶۔ بنو جفنه ۷۔ بنو الشطیبہ ۸۔ بنو حارث۔ اس معاہدہ میں ان قبائل کے

ذکر کے بعد یہ دفعہ بھی ہے : کہ



”وان بطانة يهود کا نفسہم“

”اور یہودیوں (کے قبائل) کی ذیلی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے، جو اصل کو حاصل ہیں۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے اور بھی دوسرے ذیلی قبائل تھے۔ چنانچہ اس کی تائید سمہوی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ وہ مدینہ کے یہودی قبائل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ان يهود كانوا نيفا وعشرين قبيلة“<sup>۱</sup>۔

”مدینہ میں یہود قبائل بیس (۲۰) سے زیادہ تھے۔“

ان ذیلی قبائل میں بیشتر ایسے تھے، جن کا تعلق اوس و خزرج سے تھا۔ مگر انہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ اس لئے وہ یہودی قبائل میں شمار ہوتے تھے۔ مثلاً بنو اشہل، بنو حارث، بنو غوف وغیرہ قبیلہ اوس کی شاخیں تھیں۔ اس طرح بنو نجار، بنو حارث، بنو ساعد وغیرہ خزرج کے تحتی قبائل تھے۔

خیبر : شمالی حجاز میں یہود کا دوسرا بڑا مرکز خیبر تھا، جو شام کے راستہ میں مدینہ منورہ سے تقریباً آٹھ منزل پر واقع ہے۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہاں کی یہودی آبادی کہیں سے ہجرت کر کے آئی تھی یا یہیں کی خود عرب آبادی نے، یہودیت قبول کر لی تھی۔ بعض قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قدیم آبادی ہے۔ مجسم البلدان نے خیبر کی وجہ سے تسمیہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ یہ بستی خیبر بن قانیہ کی طرف منسوب ہے۔ اس لحاظ سے ان کے اور انصار کے جدِ اعلیٰ ایک ہی ہیں۔ انصار کے جدِ اعلیٰ یثرب بن قانیہ کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

اس بیان سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہاں یہودیت کا فروغ کب سے ہوا۔ اس سلسلہ میں عاجز کی رائے یہ ہے کہ خیبر عبرانی لفظ ہے، جس کے معنی قلعہ کے ہیں۔ یہ لفظ خود اشارہ کر رہا ہے کہ اس بستی کو یہود سے بڑا قدیم تعلق ہے اور پھر اس سرزمین کو قلعوں کی سرزمین کہا جائے تو صحیح بھی ہے۔ اس لئے یہاں بہت سے قلعے تھے، جن کی یادگار آج تک باقی ہے۔

خیبر حجاز کا بڑا زرخیز علاقہ ہے، جس کو تجارتی لحاظ سے بھی بڑی اہمیت حاصل تھی۔ یہاں کے یہود اقتصادی حیثیت سے بہت ممتاز تھے۔ انہوں نے متعدد جنگی قلعے بنا رکھے تھے، جن میں سات قلعے بہت مشہور تھے۔ ۱۔ ناعم، ۲۔ قوس، ۳۔ حصن الشق، ۴۔ حصن الطاة، ۵۔ حصن السالم، ۶۔ حصن الوطع، ۷۔ حصن الکلیبہ<sup>۲</sup>۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ اس میں بیس ہزار سپاہی رہتے تھے<sup>۳</sup>۔

یعقوبی کے اس بیان سے خیبر کی وسعت اور اس کی آبادی کی کثرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

دوسرے یہود کی طرح اسلام کے خلاف ان کی ریشہ دوانیاں جب بہت بڑھ گئیں تو مکہ میں آنحضرت ﷺ نے ان کے خلاف جارحانہ کارروائی کر کے ان کو شکست دی۔ پوری تفصیل آگے آئے گی۔ حضرت صفیہؓ کا وطن خیبر ہی تھا۔

فدک : خیبر اور مدینہ کے درمیان فدک کی بستی تھی۔ یہاں بھی یہودیوں کی آبادی تھی اور دوسرے مقامات کی طرح یہاں کے یہود بھی نہایت خوش حال تھے۔ یہ بستی بھی پرانی ہے، مگر یہاں یہود کب آباد ہوئے، اس کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ آنحضرت ﷺ نے خیبر کے آس پاس جن قبائل سے صلح کی تھی، ان میں اہل فدک بھی تھے۔ تاریخوں میں ان کا تذکرہ اسی حیثیت سے آتا ہے۔

وادی القریٰ : شام اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے، جس میں بہت سی بستیاں آباد تھیں۔ اس کو ”وادی القریٰ“ (بستیوں کی وادی) کہتے ہیں۔ یہ نہایت ہی قدیم آبادی ہے۔ قدیم زمانہ میں یہاں عاد و ثمود آباد تھے۔ یہ بستیاں اپنی سرسبز و شادابی کے لحاظ سے ہمیشہ سے ضرب المثل تھیں۔ قرآن مجید کی ان آیات میں انہی بستیوں کی طرف اشارہ ہے۔

”اتُّرِكَوَانِ فِی مَا هُنَّ اَمِنِیْنَ فِی جَنَّتِ وَ عُیُونٍ وَ زُرُوعٍ وَ نَخْلٍ طَلَعَهَا هَضِیْمٌ“ - (شعراء)

”کیا تم کو ان ہی چیزوں میں بے فکری سے رہنے دیا جائے گا، جو یہاں موجود ہیں، یعنی باغوں، چشموں اور کھیتوں میں اور ان کھجوروں میں جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہیں۔“

ارباب تاریخ و جغرافیہ لکھتے ہیں کہ عاد و ثمود کی تباہی کے بعد دوسرے عربی قبائل بھی یہاں آباد ہوئے، مگر وہ سب یہود کے زیر اثر رہے۔ قضاعہ، جہینہ اور عذرہ وغیرہ قبائل اسی وادی میں آباد تھے۔ اس تفصیل سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ یہاں کے یہود جزیرہ عرب میں ہجرت کر کے آئے تھے اور بہت قدیم زمانہ سے یہاں آباد تھے۔

آنحضرت ﷺ خیبر اور فدک سے واپس ہوئے تو یہاں کے باشندوں نے بھی خیبر کے شرائط صلح کے تحت صلح کر لی۔

عہد اسلام کے بعد بھی کئی صدیوں تک یہودیوں کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ تاریخ الیہود کے مصنف کا بیان ہے کہ گیارہویں صدی عیسوی تک یہود موجود تھے (ص ۱۸۶)۔ یا قوت نے اپنے زمانہ یعنی ساتویں صدی ہجری میں اس کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے۔ ”اس وقت یہ زمین بالکل ویران ہے۔“

کنہوں اور چشموں کا پانی اب تک ویسے ہی جاری ہے، مگر اس سے فائدہ اٹھانے والا کوئی موجود نہیں“۔<sup>۱</sup>  
ان دونوں بیانیوں سے پتہ چلتا ہے کہ پانچویں اور ساتویں صدی ہجری مطابق گیارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی کے درمیان یہود نے اس سرزمین کو چھوڑا ہے، لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ان کے ترک وطن کے اسباب کیا تھے اور وہ یہاں سے کہاں گئے۔

بلاذری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے خیبر کے یہود کے ساتھ وادی القریٰ کے یہودیوں کو بھی جلا وطن کر دیا تھا۔<sup>۲</sup> لیکن یہ بیان محل نظر ہے۔ دوسرے یہ روایت ”قیل“ کے لفظ سے مروی ہے، جو اس کے مصنف پر دال ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور بھی دلائل ہیں، جس کی بنا پر بلاذری کی یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ واللہ اعلم

یتماء : وادی القریٰ سے قریب ہی یتماء کی بستی تھی۔ فدک اور وادی القریٰ کی طرح یتماء بھی مدینہ اور شام کے راستے پر واقع تھا۔ یہاں بھی یہود کی آبادی تھی۔ ظہور اسلام سے پہلے یہاں بنو عادیا کا خاندان حکمران تھا۔<sup>۳</sup> اس خاندان کا ایک ممتاز فرد سمول بن عادیا تھا، جو اپنی شاعری اور وفا شعاری میں ضرب المثل تھا۔ حضرت رفاعہؓ کا جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے، اسی کے لڑکے تھے۔ یہ حضرت صفیہؓ کے ماموں ہوتے تھے۔

بلاذری نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب وادی القریٰ سے واپس ہوئے تو اہل یتماء نے صلح کی درخواست کی اور آپ نے قبول کر لی۔<sup>۴</sup> مگر یہ بیان بھی قابل غور ہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔  
بحران : بعض واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ نجران میں بھی قدیم زمانہ سے یہود آباد تھے، لیکن یمن کی یہودی سلطنت کے زوال کا اثر نجران کے یہودیوں پر بھی پڑا، اور آہستہ آہستہ ان کی آبادی وہاں سے ختم ہو گئی اور ان کی جگہ نصرانیوں نے لے لی۔

ظہور اسلام سے پہلے نجران میں یہود کی موجودگی کے واقعات کے سلسلہ میں یہ واقعہ ارباب تاریخ اور مفسرین عام طور پر لکھتے ہیں کہ ”عیسائیوں نے نجران کے کسی یہودی کے دو لڑکوں کو کسی وجہ سے قتل کر دیا۔ یہودی نے یمن کے یہودی حکمران ذونواس سے داد رسی کی۔ اس نے نجران پر حملہ کیا<sup>۵</sup> اور

۱۔ معجم البلدان۔ جلد ۷۔ ص ۷۳ ۲۔ فتوح البلدان۔ ص ۴۱ ۳۔ کتاب شعر و اشعار۔ ص ۴ ۴۔ فتوح البلدان۔ ص ۳۳ ۵۔ اس حملہ کے سلسلہ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ نجران کے عیسائیوں کا رجحان اور ان کا تعاون دینی رشتہ کی بنا پر حبشہ کی عیسائی حکومت کے ساتھ زیادہ تھا اور یمن کے یہودی حکمرانوں اور حبشہ کے عیسائی حکمرانوں میں برسوں سے سیاسی کشمکش چلی آرہی تھی اس کشمکش کی موجودگی میں نجران کی یہودیوں کے لئے سیاسی حیثیت سے خلش کا سبب بنی ہوئی تھی۔ حبش پر براہ راست حملہ کرنا ان کے بس سے باہر تھا۔ اس لئے انہوں نے نجران ہی کو اپنی دشمنی کا نشانہ بنایا۔ ممکن ہے یہودی بچوں کے قتل ہی کو یہودیوں نے نجران پر حملہ کرنے کا ایک سیاسی اور قانونی بہانہ بنایا ہو۔ جس طرح یمن کے عیسائیوں نے کعبہ پر حملہ کے لئے ایک معمولی بہانہ نکال لیا تھا۔

وہاں کی عیسائی آبادی کا قتل عام کیا، جس کی طرف قرآن کی اس آیت میں اشارہ ہے<sup>۱</sup>۔

”قَتَلَ أَصْحَابُ الْأَخْذُ وَالنَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ“۔ (بورج)

’خندق والے یعنی بہت سی ایندھن کی آگ رکھنے والے ملعون ہوئے‘۔

یہ واقعہ اسلام سے ایک صدی پہلے کا ہے۔ اس کے بعد ہی یمن کی یہودی سلطنت ذونواس کے بعد ختم ہو گئی اور پھر یہودیوں کو جزیرہ عرب میں سیاسی غلبہ نہیں ہوا۔ اس زوال کا اثر یہودیوں کی تمام آبادیوں پر پڑا۔ ظہور اسلام کے وقت نجران میں عیسائیوں کے ساتھ یہود بھی آباد تھے۔ مگر تاریخ کی عام کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ ابوداؤد کی ایک روایت سے ان کی آبادی کا پتہ چلتا ہے اور ہو یہ ہے کہ نجران میں یہود کی آبادی تھی، جو حضرت عمرؓ کے زمانہ تک باقی رہے اور آپ ہی کے زمانہ میں بعض سیاسی مصلحتوں کی بنا پر جلا وطن کر دیئے گئے۔

آئندہ اوراق میں ”جزیرہ عرب میں عیسائیت“ کے عنوان کے تحت اس کی پوری تفصیل

آئے گی۔

اذرح اور جرباء : جزیرہ عرب کی سرحد پر یہ بستیاں پاس ہی پاس واقع تھیں، جن میں یہود آباد تھے اور ان ہی کا غلبہ تھا۔ آنحضرت ﷺ تبوک سے واپس ہوئے تو یہاں کے باشندوں نے صلح کی درخواست کی۔ اہل اذرح نے سو دینار سالانہ اور اہل جرباء نے جزیرہ کے طور پر کچھ متعین رقم دینے کی خواہش ظاہر کی۔ اس پر آپ ﷺ نے ان سے صلح کر لی۔<sup>۲</sup>

مقنا : یہ بستی خلیج عقبہ (ایلہ) کے کنارے آباد تھی۔ اس کی حیثیت ایک بندرگاہ کی تھی۔ یا قوت اور بلاذری دونوں نے لکھا ہے کہ یہاں کے باشندے یہودی تھے، مگر یہ کسی نے نہیں لکھا کہ وہ یہاں کب آباد ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے جو معاہدہ کیا تھا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ شکار ماہی، کتاہی اور زراعت ان کا خاص پیشہ تھا۔<sup>۳</sup>

اہل مقنا کے معاہدہ کے سلسلہ میں کچھ قابل غور باتیں ہیں، جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔

بحرین : بحرین، فارس اور جزیرہ عرب کی سرحد پر واقع ہے، جو فارس کے ماتحت تھا۔ یہاں کے باشندے نہ خالص عربی تھے اور نہ عجمی۔ بلکہ یہ مقام مختلف اور متضاد مذہب اور تہذیب و تمدن رکھنے والی

۱۔ اس آیت کے شان نزود کے سلسلہ میں تفسیروں میں متعدد واقعات مذکور ہیں۔ ممکن ہے ایک ہی واقعہ نے متعدد جگہ پر مختلف شکلیں اختیار کر لی ہوں۔ جیسا کہ عام طور پر اس قسم کے واقعات میں ہوتا ہے۔ ۲۔ ابوداؤد، جلد ۲۔ باب اخراج الیہود۔

۳۔ فتوح البلدان۔ ص ۶۶۔ ایضاً۔ ۶۷۔

قوموں کا سنگم تھا۔ عرب و عجم، یہود و نصاریٰ اور مجوس و آتش پرست سب ہی یہاں موجود تھے۔ عربوں کی جن مقامات پر دوسری قوموں سے ملنے اور قریب سے ان کی تہذیب و ثقافت سے واقف ہونے کا موقع ملا۔ ان میں ایک بحرین بھی ہے۔ فتوح البلدان میں ہے : کہ

”اہل الارض من المجوس والیہود والنصری“ . (۸۶)

”اہل بحرین کی آبادی مجوس، یہود اور نصاریٰ پر مشتمل تھی۔“

عرب کے مشہور قبائل عبدالقیس، بکر بن وائل، تمیم وغیرہ یہیں آباد تھے۔

افسوس ہے کہ بحرین کی قدیم تاریخ پردہ اخفا میں ہے۔ ظہور اسلام کے وقت منذر بن ساوی وہاں کا حکمران تھا۔ غالباً یہ عرب تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ۶ھ میں جب قریب کے ملوک و سلاطین کو دعوتی خطوط لکھے تو ایک خط منذر والی بحرین کو بھی لکھا اور حضرت علاء ابن عبداللہ کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ منذر پر اس خط کا بہت اچھا اثر پڑا اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ اس کے ساتھ اہل بحرین کی ایک بڑی تعداد بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔ آنحضرت ﷺ نے منذر کو اس عہدہ پر جوں کا توں باقی رکھا۔

۸ھ میں منذر نے تحریری طور پر آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یہاں یہود کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے جواب لکھا کہ جو لوگ تبلیغ اسلام کے بعد بھی اسلام قبول کریں، ان سے فی کس ایک دینار سالانہ جزیہ لیا جائے۔

آنحضرت ﷺ کے دور سعادت کے بعد یہاں کے باشندے عام طور پر مرتد ہونے لگے تو حضرت بشر بن جبار و جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے، انہوں نے اہل بحرین کو ارتداد سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی۔

مکہ و طائف : مکہ اور طائف میں خالص عرب مشرکین کی آبادی تھی، مگر مکہ کی قدیم تاریخوں میں عربوں اور خصوصیت سے قریش اور یہود میں تجارتی و تمدنی تعلقات کے بیان کے سلسلہ میں یہود کا ذکر بھی آتا ہے۔ جس سے یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ آیا مکہ و طائف میں عرب مشرکین کے ساتھ یہود آباد تھے یا نہیں۔ بعض مستشرقین نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام سے پہلے مکہ میں عربوں کے سبب یہود بھی آباد تھے۔ مگر عربی تاریخوں سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اس لئے اس کی صحت میں ہم کو تامل ہے۔

۱ فتوح البلدان - ص ۸۶ ۲ ایضاً - ص ۹۱ اور سیاسی زندگی ڈاکٹر حمید اللہ - ص ۳۵۰

۳ فتوح البلدان - ص ۹۱ ۴ تاریخ الیہود - ص ۹۳

اس سلسلہ میں قابل غور بات یہ ہے کہ اگر مکہ میں یہود موجود ہوتے تو قریش کا وفد مکہ کے یہودیوں کو چھوڑ کر مدینہ کے یہود کے پاس کیوں جاتا۔ جیسا کہ ابن ہشام اور دوسرے ارباب سیر نے تصریح کی ہے کہ قریش نے نصر بن حارث اور عقبہ بن معیط وغیرہ کو آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بارے میں کچھ باتیں دریافت کرنے کے لئے مدینہ بھیجا تھا۔ چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف، روح اور ذوالقرنین کے سلسلے میں جو آیات نازل ہوئیں، ان سب کا نزول یہی واقعہ ہے۔

یہ ضرور ہے کہ اہل مکہ اور یہود میں گونا گوں تعلقات تھے۔ مکہ کے عکاظ اور مجنہ کے بازاروں میں یہود تاجر اور کاہن شریک ہوتے تھے، جہاں کہانت کی شعبہ بازیوں زیادہ تر ان ہی کے دم سے قائم تھیں۔ مکہ میں بعض یہودی غلاموں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ پھر مکہ کے قریب ہی بنو کنانہ آباد تھے، جس میں یہودیت موجود تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان وجوہ کی بناء پر یہ خیال قائم کر لیا گیا کہ یہاں یہود موجود تھے، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔

البتہ طائف کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ یہاں قدیم زمانہ سے یہودیوں کی ایک نوآبادی موجود تھی۔ فتوح البلدان میں ہے :

”کان بمخلاف الطائف قوم من اليهود طرد من الیمن و یثرب

فاقامها بها للتجارة“ . (ص ۶۳)

”طائف کے ایک حصہ میں یہودیوں کی آبادی تھی۔ جو یمن و یثرب سے نکال دیئے گئے

تھے اور بسلسلہ تجارت یہاں آکر آباد ہو گئے تھے“۔

جب طائف پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو وہاں کے یہودیوں پر جزیہ لگایا گیا۔ بلاذری کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہاں کے بعض یہودیوں کی جائیداد خریدی تھی!۔ اس سے زیادہ یہاں کے یہودیوں کے وجود کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

تبالہ وجرش : تبالہ وجرش طائف کے جنوب میں واقع ہیں۔ تاریخوں میں ہے کہ ان بستیوں میں بھی عربوں کے ساتھ اہل کتاب آباد تھے۔ یہ بصراحت معلوم نہیں ہو سکا کہ اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ دونوں مراد ہیں یا صرف یہود۔ لیکن ہمارا قیاس ہے کہ دونوں مراد ہیں اور دونوں آباد ہوں گے۔ اس لئے کہ اکثر مرکزی مقامات میں دونوں کے آباد ہونے کا پتہ چلتا ہے، جیسا کہ مقنا اور بحرین کے سلسلہ میں ذکر آچکا ہے۔

یہ بہت ہی قدیم اور زرخیز بستیاں تھیں اور خصوصیت سے تبالہ کے بارے میں تو یا قوت نے لکھا ہے: ”اس کی زرخیزی ضرب المثل ہے“<sup>۱</sup>۔

۱۰ھ میں یہاں کے عرب باشندوں نے تو اسلام قبول کر لیا، لیکن اہل کتاب اپنے دین پر قائم رہے اور انہوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہاں کی امارت پر حضرت سفیانؓ کا تقرر فرمایا تھا<sup>۲</sup>۔

یہودیوں کی ان یکجا آبادیوں کے علاوہ عرب کے مختلف قبائل میں ایک ایک دو دو اشخاص ملتے ہیں، جنہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی اور بعض ایسے عربی قبائل کا بھی پتہ چلتا ہے جو پورے پورے دائرۃ یہودیت میں داخل ہو گئے تھے۔ مثلاً حمیر، بنو کنذہ، بنو کنانہ، بنو الحارث، قضاعہ<sup>۳</sup>۔ غسان اور جذام کے بعض خاندانوں میں بھی یہودیت تھی<sup>۴</sup>۔

یہودی قبائل اور ان کی آبادیوں کا ذکر اس وسعت کے ساتھ اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ جزیرہ عرب کے اندر جتنے بھی تجارتی، زراعتی، سیاسی، مرکزی مقامات تھے، تقریباً ان سب پر یہودیوں کا قبضہ تھا یا کم از کم وہاں ان کا اثر و رسوخ تھا۔ دوسرے آئندہ جو مباحث آنے والے ہیں، ان میں بھی اس تفصیل سے واقعات کے سمجھنے میں بہت کافی مدد ملے گی۔

اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں کے تعلقات اور اس کی نوعیت:

جزیرہ عرب میں یہودیوں کی آمد اور ان کی آبادیوں کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے، اس سے اجمالاً عربوں اور یہودیوں کے تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مگر پھر بھی اس سلسلہ میں مزید تفصیل کی ضرورت ہے تاکہ ان کے تعلقات کی تمام جہتیں اور نوعیتیں پورے طور سے سامنے آجائیں۔

اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں میں گونا گوں معاشرتی اور تمدنی تعلقات تھے۔ مگر ان کے باوجود ذہنی طور پر ان میں ایک طرح کی اجنبیت اور مغایرت بھی موجود تھی۔ مگر وہ وطنی اور معاشرتی نہیں تھی۔ بلکہ معاشی اور مذہبی تفوق یا افضلیت و مفضولیت کی تھی۔

یہود دین الہی کے ماننے والے اور صحف سماوی کے حامل تھے۔ پھر بھی اسی کے ساتھ ان کو پورے جزیرہ میں معاشی غلبہ حاصل تھا۔ اس لئے وہ عام عربوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو افضل اور بہتر سمجھتے تھے۔

۳ معارف بن قتیبہ - ص ۲۶۶

۲ فتوح البلدان - ص ۶۶

۱ معجم البلدان - جلد ۲ - ص ۲۵۶

۴ یعقوبی - جلد ۱ - ص ۲۹۸

غالباً اسی تفوق پسندی ہی کا نتیجہ تھا کہ یہود خالص عرب آبادی میں بہت کم آباد تھے اور جہاں عربوں کے ساتھ وہ آباد بھی تھے تو وہاں انہوں نے اپنا تفوق قائم رکھنے کے لئے کوئی نہ کوئی امتیاز بھی باقی رکھا۔ یہودی آبادیوں کے نقشے پر آپ نظر ڈالیں گے تو عاجز کے اس خیال کی پوری تائید ہوگی۔

مگر چونکہ ان کو پورے جزیرہ میں عدوی اکثریت حاصل نہیں تھی اور دوسرے ان کے تجارتی اسباب و سامان اور زراعتی پیداوار اور حاصلات کی منڈی زیادہ تر عرب ہی آبادیاں تھیں۔ اس لئے وہ عربوں سے بالکل منقطع اور بے تعلق ہو کر نہیں رہ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تفوق کے باوجود انہوں نے ہمیشہ عربوں سے اپنے تعلقات استوار رکھنے کی کوشش کی، جیسا کہ ہر تجارت پیشہ اور کاروباری قوم کا شیوہ ہوتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں عام اہل عرب مذہبی اور معاشی دونوں حیثیت سے اپنے کو کمتر سمجھتے تھے اور وہ شاید سمجھنے پر مجبور بھی تھے، اس لئے کہ ان نعمتوں سے جو یہودیوں کو حاصل تھیں، ان کا دامن قریب قریب خالی تھا۔ نہ تو ان کے پاس کوئی کتاب الہی تھی اور نہ معاشی حیثیت سے وہ مطمئن تھے۔

قریش جو تجارت میں معروف و مشہور تھے اور جن کو کعبہ کے کلید بردار اور نگران ہونے کی وجہ سے سارے عرب کی سیادت ہی نہیں بلکہ پورے جزیرہ عرب کی بے تاج بادشاہی بھی حاصل تھی، وہ بھی یہود کی مذہبی افضلیت و تفوق کے معترف اور ان کی معاشی برتری کے ماننے پر مجبور تھے۔

قرآن مجید نے متعدد جگہ اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ”اگر تم کو (اہل عرب) رسول کی سچائی اور دین حق میں شبہ ہو تو اہل کتاب سے پوچھ لو“۔ حدیث و سیر کی کتابوں سے ثابت ہے کہ قریش نے متعدد بار اپنے وفود مدینہ کے یہود کے پاس اس لئے بھیجے کہ وہ آپ ﷺ کی بنوت اور آپ ﷺ کے صفات کتب سابقہ کی روشنی میں ان سے دریافت کریں۔ اسی تفوق و افضلیت ہی کا اثر تھا کہ جب لوگوں کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے تو وہ منت مانتے تھے کہ بچہ زندہ رہ جائے گا تو اسے یہودی بنا دیں گے۔ چنانچہ مدینہ میں اس طرح کے بہت سے جدید الیہودیہ افراد موجود تھے۔<sup>۱</sup> تفصیل آگے آئے گی۔

معاشی حیثیت سے بھی یہود کو عربوں پر عام طور پر تفوق حاصل تھا۔ مدینہ کی بیشتر آبادی ان کی مقروض تھی۔ خیبر کا بھی یہی حال تھا۔ وہاں وہ عربوں سے مزدوری کراتے تھے۔ جس وقت خیبر فتح ہوا، اس وقت بہت سے عرب خدمت گاران کے پاس موجود تھے۔<sup>۲</sup> قریش جو پورے عرب میں ممتاز



اور صاحب ”رحلۃ الشتاء والصیف“ تھے، وہ بھی شادی بیاہ کے موقع پر خیبر کے یہودیوں سے زیورات کرایہ پر لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اسی طرح کے مستعار زیورات گم ہوئے تو قریش نے یہودیوں کو دس ہزار دینار ہرجانہ ادا کیا۔<sup>۱</sup>

کہنا یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں میں باہم معاشی اور معاشرتی تعلقات تھے اور باوجود تفوق و مذہبی مغائرت کے جنگ وغیرہ کے مواقع پر اپنے مصالح کے ماتحت عربی قبائل سے وہ تحلیف و معاہدہ کرتے تھے اور اس میں شریک ہوتے تھے۔

مدینہ کے مشہور عربی قبائل اوس و خزرج میں جتنی لڑائیاں ہوئیں<sup>۲</sup>۔ ان میں وہاں کے یہودی قبائل کسی نہ کسی کے حلیف تھے۔ اسی طرح خیبر کے یہودیوں سے آس پاس کے تمام قبائل سے معاہدہ جنگ تھا۔ چنانچہ اسلامی غزوات کے مواقع پر انہوں نے اس حلف و معاہدہ سے پورا فائدہ اٹھایا۔<sup>۳</sup>

یہی نہیں بلکہ بعض عربی قبائل اور یہودیوں میں شامل شادی بیاہ کے رشتے بھی شروع ہو گئے تھے۔ کعب جو یہود مدینہ کا اشعر الشعراء اور سب سے بڑا دشمن اسلام تھا، اس کا باپ قبیلہ طے اور بعض روایتوں میں ہے کہ بنو نہباں سے تھا، جس نے مدینہ میں آکر اپنا اثر و رسوخ پیدا کیا اور سردار بنو نضیر ابورافع کی لڑکی سے شادی کر لی تھی۔<sup>۴</sup> اس طرح مدینہ کے یہود اور عربی قبائل میں بھی غالباً اسی قسم کے تعلقات تھے اور خصوصیت سے وہ قبائل جو جدید الیہود یہ تھے۔<sup>۵</sup>

ظہور اسلام سے پہلے یہود اور عرب کے ایک دوسرے پر تمدنی اور معاشرتی اثرات :

یہ تو اب تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ عرب اسلام سے پہلے دنیا سے بالکل منقطع نہیں ہو گئے تھے، بلکہ دنیا کے دوسرے ملکوں سے ان کا ہمیشہ واسطہ رہا اور دنیا کی مختلف قوموں کے تمدنی اور مذہبی اثرات بھی ان پر پڑے تھے۔ اسی طرح ان ملکوں اور قوموں پر بھی انہوں نے اپنے اثرات ڈالے، جن سے ان کا واسطہ رہا یا جزیرہ عرب میں آباد تھیں۔

یہود ایک قدیم قوم تھی جو دنیا کے ہر خطہ میں آباد تھی۔ خصوصیت سے عراق، ایران، مصر، یونان اور شام کے علاقہ میں ان کی کثیر آبادی تھی، لیکن اس قدامت کے باوجود ان کی قسمت میں زیادہ تر

۱۔ السیر الکبیر۔ جلد ۱۔ ص ۱۸۶ تقریباً ۲۵ ہزار روپے ہوئے۔

۲۔ مثلاً جنگ فجار اور جنگ بعاث وغیرہ

۳۔ مثلاً غزوہ بدر، غزوہ خندق، غزوہ خیبر وغیرہ ۴۔ زرقانی۔ جلد ۲۔ ص ۹ ۵۔ ان قبائل کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

ہجرت ہی مقدر تھی، یا ان کی طبیعت ہی ایسی واقعہ تھی کہ ایک جگہ جم کر نہیں رہ سکتے تھے۔ جو بات بھی ہو، بہر حال ایسا ضرور ہوا کہ وہ جہاں بھی آباد ہوئے وہاں سے انہیں ہجرت ضرور کرنی پڑی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو دنیا کی مختلف قوموں اور ان کے تمدنوں اور تہذیبوں سے واسطہ پڑا۔ کسی کو کچھ دیا اور کسی سے کچھ لیا۔

عرب میں جو یہود آباد تھے، جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ ان کی اکثر آبادی باہر سے اور خصوصیت سے شام و فلسطین کے علاقوں سے ہجرت کر کے آئی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ جب یہاں آئے تو ان ملکوں اور قوموں کے تمدنی اور مذہبی اثرات بھی اپنے ساتھ لائے، جن سے ان کا واسطہ رہ چکا تھا اور چونکہ یہ جزیرہ عرب کے ہر خطہ میں آباد تھے، اس لئے انہوں نے پورے جزیرہ کی عرب آبادی کو اس سے کم و بیش متاثر کیا۔ لیکن یہ اثرات صرف ایک ہی طرف نہیں، ہر دو طرف سے پڑے تھے۔ بلکہ بعض حیثیتوں سے تو عرب کے اثرات ان پر زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر بعض مستشرقین نے یہ رائے قائم کر لی کہ جزیرہ عرب کے یہود دنیا سے بالکل منقطع ہو چکے تھے اور ان میں یہودی خصوصیت باقی نہیں رہ گئی تھی اور بعض نے یہ خیال قائم کر لیا کہ جزیرہ عرب کے یہود باہر سے ہجرت کر کے سرے سے آئے ہی نہیں تھے۔

اب ہم مختصر طور سے یہود کے اثرات کا ذکر کرتے ہیں، جس کے ضمن میں عربوں کے بعض اثرات کا ذکر بھی آئے گا۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ یہود کو عربوں پر مختلف حیثیتوں سے تفوق حاصل تھا، جس کا عرب بھی اعتراف کرتے تھے اور بہت سے معاملات میں انہی کی اقتداء کرتے تھے۔ ابن عباسؓ کے اثر سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں :

”کان هذا الحی من الانصار وهم اهل وثن مع هذا الحی وهم اهل  
الکتاب فکانوا یرون فضلا علیہم فی العلم وکانوا یقتلون فی کثیر من  
فعلہم“ - (ابوداؤد)

”یہ انصار کے قبائل اہل کتاب کے قبائل کے ساتھ آباد تھے۔ انصار ان کو علم و فضل میں اپنے  
سے افضل سمجھتے تھے اور اکثر معاملات زندگی میں ان کی اقتداء کرتے تھے۔“

یہود کے پیشے :

جزیرہ عرب میں جہاں یہود آباد تھے، عموماً ان کے خاص تین پیشے تھے، زراعت، تجارت اور

صنعت و حرفت۔

**رزاعت :** بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ زراعت میں یہود عربوں کے استاد تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عرب یہود کی آمد سے پہلے زراعت کرنا نہیں جانتے تھے۔ اور یہود نے آکر ان کو سکھایا۔ بلکہ انہوں نے زراعت کے نئے نئے طریقے اور اس کے لئے جدید قسم کے آلات عربوں کو بتائے اور بعض نئے قسم کے پودوں اور درختوں سے ان کو آگاہ کیا۔ جن سے پہلے یہاں کے لوگ واقف نہیں تھے۔ اسی طرح یہودیوں کو پرندوں اور جانوروں کے پالنے کا بھی شوق تھا۔

حجاز کے یہود عموماً شام و فلسطین سے آئے تھے۔ جہاں کی زمین زرخیزی اور زراعت کی موثریت کے لحاظ سے ضرب المثل تھی۔ اس لئے وہاں سے آنے والے یہودیوں نے اگر عربوں کو نئے طریقہ زراعت سے آگاہ کیا تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ پھر شام کی سر زمین کو صحیفِ قدیم میں ”تین و زیتون“ کی زمین کہا گیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ اور اسی قسم کے اور دوسرے درخت بھی یہودیوں کے ذریعہ جزیرہ میں آئے ہوں۔

لیکن جانوروں کے پالنے کا شوق تو اس میں دونوں شریک ہیں۔ بلکہ کہنا چاہئے کہ یہودیوں سے کہیں زیادہ عربوں میں تھا۔ اس لئے کہ جزیرہ عرب کی بیشتر آبادی کا مدار زندگی جانوروں کے دودھ ہی پر تھا۔ دوسرے وہاں کی زیادہ تر آبادی خانہ بدوش تھی۔ جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے اور اسباب لے جانے کے لئے بھی جانوروں کی ضرورت ہوتی تھی۔ یہ بات ضرور ہے کہ عرب زیادہ تر نقل و حمل اور دودھ اور غذا کے لئے جانوروں کی پرورش کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ زراعت اور اس کی سیرابی وغیرہ کے لئے جانوروں کی پرورش اور ان کا گونا گوں استعمال عربوں نے یہود سے سیکھا ہو۔

تاریخ الیہود کے مصنف نے ابن ہشام کے حوالے سے لکھا ہے کہ بعض یہود مرغیاں بھی پالتے تھے، مگر مجھے ابن ہشام میں یہ واقعہ نہیں مل سکا۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ یہود کی خصوصیت تھی۔

**تجارت :** ظہور اسلام کے وقت اور اس سے بہت پہلے یہود اور عرب دونوں جزیرہ میں اور جزیرہ سے باہر تجارت کرتے نظر آتے ہیں اور خصوصیت سے قریش تو اس حیثیت سے پورے عرب میں ممتاز تھے۔ اس لئے ان میں سے کسی ایک کو مقدم یا مؤخر کرنا بہت دشوار ہے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ یہود کئی سو برس قبل مسیح سے تجارت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور جہاں بھی وہ رہے، یہ پیشہ ان کے ساتھ رہا۔

۱۔ تاریخ الیہود۔ ص ۱۷-۱۸ ۲۔ ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود ۳۔ فتوح البلدان۔ ص ۶۷-۶۸

۴۔ انجیل اور زیتون، قرآن میں بھی سورہ تین میں ان چیزوں کا تذکرہ کیا ہے۔

جزیرہ عرب میں آئے تو یہاں بھی انہوں نے یہی پیشہ اختیار کیا، جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ دوسرے اپنی سکونت و رہائش کے لئے بھی انہوں نے خاص طور پر جزیرہ کے ان ہی خطوں اور علاقوں کو پسند کیا، جن میں پہلے سے کچھ زرعی و کاروباری صلاحیت موجود تھی۔

بخلاف اس کے عربوں کی عام بستیوں اور آبادیوں کو اس طرح کی کوئی خصوصیت حاصل نہیں تھی۔ ہاں مکہ کو کعبۃ اللہ اور بیت الحرام کی وجہ سے دینی اہمیت و مرکزیت ضرور حاصل تھی اور اسی کی کشش دور دور سے لوگوں کو یہاں کھینچ لاتی تھی اور اس طرح وہ سال کے کچھ مہینوں میں تجارتی منڈی بن جاتا تھا۔ لیکن بذات خود اس میں کوئی زرعی یا تجارتی صلاحیت نہیں تھی اور اسی لئے رب کعبہ نے اس کو قرآن پاک میں وادی "غیر ذمی زرع" سے تعبیر کیا ہے۔

پورے حجاز میں طائف اور مدینہ دو ایسے مقامات تھے، جنہیں تجارتی اور زرعی اہمیت بھی حاصل تھی اور جہاں عربوں کی عددی اکثریت بھی تھی اور یہود اقلیت میں تھے، مگر وہاں کی تجارت و زراعت پر یہودی ہی چھائے ہوئے تھے۔ ان دونوں مقامات کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔

یہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر ہمارا قیاس ہے کہ یہ پیشہ عربوں میں یہودیوں ہی کے ذریعہ آیا تھا۔ تجارتی بازار : عربوں کی ہر مشہور بستی میں چھوٹے بڑے میلے اور بعض جگہ ہفتہ وار بازار لگتے تھے۔ ان کے علاوہ سال میں بعض اور بھی بڑے بڑے بازار اور میلے لگتے تھے، جہاں یہود کی شرکت کی تصریح کم ملتی ہے، مگر وہ ان میں شریک ضرور ہوتے ہوں گے۔ اس لئے کہ جزیرہ عرب کے ۲۰ مشہور شہروں میں سے تقریباً دس گیارہ شہروں میں یہود کا معاشی و اقتصادی غلبہ تھا۔

محمد بن حبیب نے لکھا ہے کہ بحرین اور کومۃ الجندل میں جہاں یہود آباد تھے، دو مشہور میلے لگتے تھے۔<sup>۱</sup> یقیناً ان میلوں میں ان کی موثر شرکت ہوتی ہوگی۔ مدینہ میں ایک بازار سوق نبی قیقاع تو یہود کے مشہور قبیلہ قیقاع ہی کے نام سے مشہور تھا۔ جس کا تذکرہ سیر کی کتابوں میں موجود ہے۔

سامان تجارت : سامان تجارت میں عموماً غلے، کھجوریں، اسلحے اور کپڑے وغیرہ ہوتے تھے۔ جنہیں یہ بیچنے کے لئے باہر لے جاتے تھے، بعض حصوں کے یہود مچھلی کی بھی تجارت کرتے تھے۔ مثلاً مقنا کے یہودیوں سے آنحضرت ﷺ نے جو معاہدہ کیا تھا، اس میں جو چیزیں بطور ٹیکس لینا پائی تھیں، ان میں مچھلیاں بھی تھیں۔<sup>۲</sup>

ظہور اسلام کے وقت جزیرہ سے باہر یہود سے زیادہ عرب اور ان میں بھی خصوصیت سے اہل مکہ ہم کو تجارتی سفر کرتے نظر آتے ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہود جن کا قدیم زمانہ سے عرب سے باہر بھی کاروبار تھا اور جن کا ایک فرد، ابورافع یہودی آخری دور میں بھی بہت زیادہ مشہور تھا، یہاں تک کہ اس کا لقب ہی تاجر الحجاز والشام پڑ گیا تھا۔ ظہور اسلام کے وقت دفعۃً ان کی برآمدی تجارت کیوں کم ہو گئی اور ان کا کاروبار اندرون ملک تک کیوں محدود ہو کر رہ گیا۔

ہم اسی کے ساتھ یہ بھی قابل ذکر امر ہے کہ پورے جزیرہ عرب میں رباعین یعنی سود خوری کا بھی رواج تھا، جس میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سب برابر کے شریک تھے۔ خصوصیت سے اہل طائف سودی کاروبار میں زیادہ مشہور تھے۔ معجم البلدان میں ہے :

”کانوا اصحاب ربا“<sup>۱</sup>۔ ”اہل طائف بڑے سود خوار تھے۔“

مشرکین عرب اگر سودی کاروبار کرتے تھے تو کچھ زیادہ تعجب خیز نہیں تھا، لیکن یہود و نصاریٰ کی سود خوری البتہ حیرت انگیز ہے کہ وہ صاحب شریعت اور اہل کتاب تھے اور قرآن کی تصریح ہے کہ ان کو جہاں اور بہت سی باتوں پر ملامت کی گئی تھی اور ان سے روکا گیا تھا، ان میں ایک سود بھی تھا، مگر وہ باز نہ آئے۔

”وَ أَكْلِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ“

”اور ان کے سود لینے کی وجہ سے (ملامت کی گئی) حالانکہ وہ اس سے روکے گئے تھے۔“

البتہ عربوں کا خیال تھا کہ ربا بھی ایک قسم کی تجارت ہے۔ قرآن میں ہے :

”قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا“

”ان لوگوں نے کہا بیع مثل ربا کے ہے۔“

بہر حال یا تو یہ لعنت یہود کے ذریعہ عربوں میں آئی۔ یا عربوں کے اثر سے یہود اس میں مبتلا ہوئے، دونوں باتوں کا امکان ہے۔

لیکن سورہ مائدہ میں جہاں یہود کے ان مصائب کا جو بہت قدیم زمانہ سے ان میں موجود تھے، تذکرہ ہے۔ ان میں ایک سود خوری بھی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم زمانہ سے وہ اس میں مبتلا تھے۔ اس کے برخلاف عربوں کی تجارت کی تاریخ زیادہ قدیم نہیں ہے۔ اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ اس طریق تجارت کو یہود ہی نے فروغ دیا ہوگا، جس کا ایک ثبوت یہ ہے

کہ ربا کا جتنا عام رواج یہود میں تھا اور اس کی جتنی سخت سے سخت شرمیں وہ مقرر کرتے تھے، عرب اس میں ان سے پیچھے تھے۔

رہن و ارتھان کا طریقہ بھی یہود اور عرب دونوں میں رائج تھا۔ خصوصیت سے مدینہ اور خیبر کے یہودیوں میں یہ بہت عام تھا۔ یہ بھی سود خواری ہی کی ایک شاخ تھی، مگر اس کو بھی وہ ایک قسم کی تجارت سمجھتے تھے۔

**صنعت و حرفت :** صنعت و حرفت کا رواج اگرچہ جزیرہ عرب کے تمام باشندوں میں تھا، مگر یہود اس میں بہت ممتاز تھے اور وہ عموماً کپڑے، اسلحے، سونے اور لوہے کا کام کرتے تھے اور بعض حصوں کے یہودیوں میں لکڑی کی صنعت بھی تھی۔ روئی کی کٹائی اور کپڑے کی بنائی میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی حصہ لیتی تھیں۔ یثرب کے یہودیوں میں تو کپڑے کی صنعت بہت کم تھی، مگر مقنا، دومۃ الجندل اور یمن کے یہودی اس میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔

اسلحہ سازی یہود کا خاص پیشہ تھا۔ یہود جس جگہ بھی آباد تھے، یہ صنعت ان میں موجود تھی۔ مدینہ میں بنو قینقاع اور خیبر کے یہودی اس میں بہت ممتاز تھے۔ اس زمانہ کے ہر قسم کے مروج اسلحے مثلاً تلوار، نیزے، ڈھال، خود اور زرہ وہ تیار کرتے تھے۔ خیبر کے یہود تو شاید منجلیق تک جو اس وقت کا سب سے ترقی یافتہ اسلحہ تھا، تیار کرتے تھے۔ غزوہ خیبر میں انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اسے استعمال بھی کیا تھا۔ کیا عجب ہے کہ مسلمانوں کو منجلیق یہیں سے ہاتھ لگی ہو، جس کو انہوں نے بعد میں طائف وغیرہ کی جنگ میں استعمال کیا۔

اس صنعت کو وجہ سے یہود اپنے کو دفاعی حیثیت سے بہت زیادہ مضبوط اور مامون تصور کرتے تھے اور اس کی وجہ سے ان میں ایک قسم کا غرور و تکبر بھی پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ بنو قینقاع نے آنحضرت ﷺ سے بطور تحدی کے کہا تھا کہ ہم سے مقابلہ ہوگا تو معلوم ہوگا۔

فن تعمیر میں بھی عربوں کے مقابلہ میں یہود زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ مدینہ اور خیبر کے یہودیوں کے بعض مکانات اور قلعوں کے نشانات اب بھی باقی ہیں، جو ان کے ذوق تعمیر کے شہادت دیتے ہیں۔

**عربی ادب میں یہود کا حصہ :**

یہود کی مادری زبان عبرانی تھی، مگر جزیرہ عرب میں آکر ان کی زبان رفتہ رفتہ بالکل عربی ہو گئی تھی۔ ان میں عبرانی زبان مذہبی حیثیت سے اب بھی باقی تھی، جس کو ان کے علماء و احبار جانتے تھے۔

اس میں مذہبی کتابیں تھیں اور اسی زبان میں وہ ان کی تلاوت کرتے تھے، مگر عوام شاید اس قدر عبرانی نہیں جانتے تھے۔

سلسلہ ”لا یعلمون الكتاب الا اعانی“

”ان میں بعض ہیں جو کتاب کا علم نہیں رکھتے، مگر صرف خواہشات۔“

بخلاف اس کے ان کی روزمرہ کی زبان اور ان کی شاعری کی زبان عربی تھی اور اسی میں وہ کاروبار اور معاہدہ صلح و جنگ کرتے تھے۔ یہ ضرور ہے کہ عبرانی زبان کی سینکڑوں ترکیبیں، مذہبی اصطلاحیں اور تمدنی و معاشرتی الفاظ ان کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے، جو ان کے ذریعہ سے عربی زبان میں داخل ہوئے۔ خود قرآن مجید میں ایسے متعدد الفاظ موجود ہیں، جن کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ عبرانی زبان سے عربی میں آئے ہیں۔

مثلاً جر کا لفظ عربی لوب اور خود قرآن میں مستعمل ہے۔ عبرانی میں ابتدا اس کے معنی رفیق (٦٣٣) کے تھے۔ پھر یہ گروہ اور مذہبی فرقہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ اس کے بعد عالم کے معنی میں استعمال ہوا، اور اس وقت عربی زبان میں اسی معنی میں مستعمل ہے۔ اسی طرح نسیئ کے لفظ کے متعلق بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ یہ عبرانی لفظ ہے۔ عبرانی میں الناسی (دن - N) اس شخص کو کہتے ہیں جو مہینوں کو مقدم و موخر کرتا تھا۔ عربی مؤرخین لکھتے ہیں کہ عربوں میں نسیئ کا رواج سب سے پہلے بنو کنانہ میں شروع ہوا<sup>۱</sup>۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ بنو کنانہ میں یہودیت موجود تھی۔ اس لئے ممکن ہے کہ یہ طریقہ انہوں نے یہودیوں سے سیکھا ہو۔ اور پھر عربوں میں اس کو رواج دیا ہو۔ اسی خیال کی تائید مقریزی اور بیرونی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ عمل کبسیہ اہل عرب یہود سے دو سو برس قبل اسلام سیکھا تھا<sup>۲</sup>۔

لفظ اطام کے متعلق بھی بحث ہے کہ یہ خالص عربی لفظ ہے، یا عبرانی۔ اس لفظ کے جتنے عربی مشتقات ہیں، ان سب میں ارتفاع، بلندی، حفاظت اور بند کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں<sup>۳</sup>۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عبرانی سے عربی میں آیا ہے، اس لئے کہ عربی میں اطم تقریباً ان ہی مذکورہ معنوں میں مستعمل ہے۔ ظہور اسلام کے وقت یہ لفظ عام طور پر قلعوں اور اونچے ٹیلوں کے معنی میں بولا جاتا تھا۔ مگر یہود خصوصیت سے اطم کو قلعہ کے علاوہ ان مقامات کے لئے بھی استعمال کرتے تھے، جن میں وہ جمع ہو کر مشورہ کرتے تھے۔ یہ لفظ زیادہ تر شمالی حجاز میں مستعمل تھا۔ عرب کے دوسرے حصوں میں

اس کا استعمال شاید نہیں تھا اور اگر تھا تو بہت کم، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ یہود کے ذریعے یہاں آیا۔ ان وجوہ کی بنا پر اسے عبرانی کہنا زیادہ صحیح ہے۔

امام سیوطی نے قرآن کے ان جملوں کو عبرانی سے ماخوذ بتایا ہے۔  
کفر عنہم سیاتہم اس کے معنی عبرانی میں معانہم ہیں۔ اخلا الی الارض کے معنی عبرانی میں رکن ہیں۔ انا ہدنا الیک کے معنی ثنا الیک ہیں۔

ان الفاظ کو بھی عبرانی الاصل بتایا گیا ہے :

رمز ، مرقوم ، اوآہ ، یم ، حطۃ ، اسباط ، راعنا ، بعیر ، لینۃ ، قیسیس ، ابلیس ، جہنم ، شیطان ۔

ان میں بعض لفظ ایسے ہیں، جن کے ساتھ ایک دینی اصطلاح اور تاریخ وابستہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ان اصطلاحوں اور ان واقعات کی تفصیل سے زیادہ تر یہود ہی واقف تھے۔ اس لئے اہل عرب ان کے متعلق سوالات کرتے ہوں گے اور وہ ان کی تشریح کرتے ہوں گے، جس سے کتنے نئے واقعات اور کتنے تصورات، کتنے جدید الفاظ سے عربی زبان کا دامن مالا مال ہوتا ہوگا۔ اسی بنا پر اہل عرب یہود کے بارے میں کہتے تھے۔

” لکم علم لیس لنا “۔

” تم لوگوں کے پاس علم ہے، جس سے ہم بے بہرہ ہیں۔ “

تحریر کاروانج : اس سلسلہ میں یہ بحث بھی آتی ہے کہ عربی تحریر کاروانج سب سے پہلے کس کے ذریعہ ہوا؟ صاحب فتوح البلدان نے عربی خط پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سب سے پہلے قبیلہ طے کے چند افراد نے عربی خط ایجاد کیا اور اس کے حروف تہجی کی بنیاد انہوں نے سریانی زبان پر رکھی۔ اس کے بعد ان سے اہل انبار نے اور اہل انبار سے اہل حیرہ نے سیکھا۔ پھر اہل حیرہ سے دومۃ الجندل کے حکمران بشر بن عبد الملک نصرانی نے سیکھا اور اسی نے اس کو مکہ میں روانج دیا۔ پھر آگے لکھا ہے کہ قبیلہ طے کے ان ہی افراد سے بنو کلب اور اہل وادی القرئی نے بھی عربی تحریر سیکھی۔

اس بیان سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عربوں ہی کی ایجاد ہے، مگر اس کی ایجاد کا جو زمانہ اس میں بیان کیا گیا ہے، وہ ظہور اسلام کے کچھ ہی پہلے کا ہے۔ حالانکہ عربی خط کی تاریخ اس سے قدیم ہے۔



مجم البلدان کا ایک دوسرا بیان یہ ہے :

”کان الكتاب (الكتابة) بالعربية في الاوس والخزرج قليلا و كان بعض اليهود قد علم كتاب العربية و كان تعلمه الصبيان بالمدينة في الزمن الاول“<sup>۱</sup>۔

”قبیلہ اوس اور خزرج کے لوگ عربی میں لکھنا پڑھنا بہت کم جانتے تھے۔ مدینہ کے بعض یہود نے بہت قدیم زمانہ سے عربی میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا اور اپنے بچوں کو بھی اس کی تعلیم دیتے تھے۔“

اس بیان کو سامنے رکھ کر تاریخ الیہود کے مصنف نے لکھا ہے کہ :

”ان يهود يشرب كانوا اساتذة العرب في تعلم الكتاب العربية“۔

(ص ۲۰)

”یثرب کے یہود عربی تحریر میں عربوں کے استاذ تھے۔“

بلاذری کے بیان سے یہ تو نہیں معلوم ہوتا کہ پورے جزیرہ عرب میں یہود کے ذریعہ عربی تحریر کا رواج ہوا، مگر اتنی بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ شمالی حجاز میں یہود ہی کے ذریعہ اسے فروغ ہوا۔ یہ قرین قیاس بھی ہے۔ اس لئے کہ تحریر کی ترویج و ترقی تمدن و حضارت کے سایہ میں ہوتی ہے اور وہ اہل عرب میں مفقود تھی، بخلاف یہود کے کہ وہ عربوں کے مقابلہ میں زیادہ متمدن تھے۔ پھر ان کو تجارتی کاروبار میں بھی اس کی ضرورت پڑتی رہی ہوگی۔ ظہور اسلام کے وقت مکہ مدینہ میں جو چند پڑھے لکھے لوگ ملتے ہیں، وہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ تمدنی ضروریات نے انہیں لکھنے پڑھنے پر مجبور کیا۔ ورنہ اس سے پہلے یہ چیز ان میں ناپید تھی۔<sup>۲</sup>

شعر و شاعری : شعر و شاعری اہل عرب کے خمیر میں تھی۔ اس کا چرچا ہر محفل اور ہر گھر میں تھا۔ اس کے ذریعہ بڑے بڑے معرکہ سر ہوتے تھے اور اسی کے سہارے قبیلوں اور خاندانوں کی سیادت و قیادت ملتی تھی۔ جزیرہ میں جتنی قومیں آباد تھیں، یہودی، نصرانی یا مجوسی، وہ سب عربوں کے شعر و شاعری سے متاثر ہوئیں اور انہوں نے خود بھی اس میں حصہ لیا اور اس طرح سے عربوں کے بہت سے اخلاق و عادات اور تصورات غیر محسوس طور پر ان میں رواج پا گئے۔

جزیرہ عرب کے یہود میں متعدد خطباء و شعراء پیدا ہوئے۔ ابن سلام نے طبقات الشعراء میں ان کا تذکرہ کیا ہے، مگر ان میں کسی قدیم شاعر کا نام نہیں ہے۔ ان میں بیشتر ظہور اسلام کے وقت موجود تھے، یا اس سے کچھ پہلے گزر چکے تھے، ان کے نام یہ ہیں :

۱۔ سمول بن عادیہ۔ یہ یہود کے صاحب دیوان اور فحول شعراء میں تھا۔ اس کا دیوان الالب شیخو صاحب المنجد نے بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے۔ اس کا زمانہ ظہور اسلام سے کچھ پہلے ہے۔ اس کے لڑکے حضرت رفاعہؓ بھی صحابی ہیں، جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔

۲۔ رافع بن الحقیق۔ قبیلہ بنو نضیر سے اس کا تعلق تھا۔ اس نے اسلام کے خلاف اپنے اشعار میں بہت زہر افشانی کی ہے۔ سیرت اور طبقات کی کتابوں میں اس کے بہت سے اشعار موجود ہیں۔

۳۔ کعب بن اشرف۔ یہود مدینہ کا سب سے مشہور شاعر اور ان کا سرگروہ تھا۔ اس کو شاعری پر پوری قدرت تھی۔ اسلام سے اس کو طبعی بغض تھا۔ اس لئے یہ اپنے اشعار کے ذریعہ اسلام کے خلاف خوب زہر اُگلتا تھا۔ مقتولین بدر کا مرثیہ لکھ کر اس نے قریش سے خراج تحسین وصول کیا۔ ادب و سیرت کی کتابوں میں اس کے طرائق اور دوسرے اشعار کثرت سے ملتے ہیں۔

ان کے علاوہ شریح بن عمران، شعبہ بن غریض، ابوقیس بن رفاعہ، ابوالذیال، درہم بن زید وغیرہ یہودی شعراء کا تذکرہ بھی ابن اسلام نے کیا ہے۔ بعض یہودی شعراء کا تذکرہ اس کتاب میں بھی موجود ہے۔ اغانی میں ایک یہودی شاعر کا تذکرہ موجود ہے۔ جس میں یہودی مقتولین کا مرثیہ کہا تھا۔ اسی طرح صاحب تاریخ انجیس نے ایک خاتون شاعرہ عصماء کا تذکرہ کیا ہے۔

طوالت کے خیال سے ان شعراء کے اشعار نقل نہیں کئے گئے۔ لیکن ان کے اشعار کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عربی شاعری کی عام خصوصیات ان کی شاعری میں بھی بڑی حد تک پائی جاتی ہیں۔ خصوصیت سے سمول اور کعب اس حیثیت سے بہت زیادہ ممتاز ہیں۔

شعراء یہود کی شاعری اس حیثیت سے عام عرب شعراء سے ممتاز ہے کہ ان کے اشعار میں مذہبی اصطلاحیں، مذہبی تصورات، انبیاء اور کتب مقدسہ کے نام، خدا و آخرت کے تذکرے کثرت سے ملتے ہیں، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے بہت سے تمدنی اور مذہبی تصورات شاعری کے ذریعہ بھی عربوں میں آگئے ہوں گے۔

اجتماعی ادارے : عربی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض مقامات پر یہود کے اجتماعی ادارے بھی قائم تھے۔ خود مدینہ میں بیت المدارس کے نام سے ان کا ایک ادارہ تھا، جس میں ان کے احبار اور صاحب امر یکجا ہو کر آپس میں صلاح و مشورہ کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ مراسم عبادت بھی وہ یہیں ادا کرتے ہوں

۱۔ اس کے یہودی یا نصرانی ہونے کی بحث کتاب میں موجود ہے۔ اس لئے ہم یہاں نظر انداز کرتے ہیں۔

اور یہیں پر ان کی مذہبی کتابیں بھی محفوظ رہتی ہوں۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کئی بار بغرض تبلیغ یہاں تشریف لے گئے تھے۔ خصوصیت سے حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ اکثر مدارس میں جاتے رہتے تھے، جس کی بنا پر یہود ان سے کہتے تھے کہ ہم کو آپ سے بہت انس ہے۔

اس کے علاوہ ان کے قلعے بھی اجتماعی کاموں میں استعمال کئے جاتے تھے۔ خیبر میں ان کے فوجی اور مالی دونوں الگ الگ ادارے تھے اور ان کے علیحدہ علیحدہ ذمہ دار تھے۔

مذہبی اثرات : اوپر ذکر آچکا ہے کہ اہل عرب یہود کو علمی اور مذہبی حیثیت سے ممتاز سمجھتے تھے اور بہت سے امور میں ان کی اقتداء بھی کرتے تھے۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ادب و شاعری کے ذریعہ ان کی بہت سی مذہبی اصطلاحیں، الفاظ اور تصورات عربی زبان میں داخل ہو گئے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت سلمہؓ نے ظہور اسلام سے قبل کا ایک واقعہ جو قابل ذکر ہے۔ بیان کیا ہے، فرماتے ہیں :

”میرے پڑوس میں قبیلہ بنو اشہل کا ایک یہودی رہتا تھا۔ اس نے ایک دن تمام بنو اشہل کو جمع کیا اور ان کے سامنے قیامت، بعث بعد الموت، حساب کتاب، میزان، جنت اور دوزخ وغیرہ کے متعلق ایک وعظ کہا اور آخر میں کہا کہ یہ اہل شرک اور بت پرست سے لوگ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ اس پر حاضرین نے کہا کہ تم کیا بگ رہے ہو؟ کیا مرنے کے بعد ہم لوگ پھر زندہ کئے جائیں گے اور ہمارے اعمال کا محاسبہ ہوگا؟ یہودی نے پھر مجمع کو اس کے بارے میں سمجھایا۔ مجمع نے اس سے دوبارہ مطالبہ کیا کہ وہ اس کی کوئی دلیل اور نشانی بتائے۔ اس نے کہا کہ اس زمین سے ایک نبی پیدا ہوں گے اور وہ اس کے بارے میں بتائیں گے“۔

قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے کہ اہل عرب عام طور پر آخرت اور بعث بعد الموت کے قائل نہیں تھے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ اس کے قائل تو نہیں تھے لیکن یہود کے ذریعہ ان سے آگاہ ضرور ہو گئے تھے۔

سیر کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہود تین وقت کی نماز پڑھتے تھے۔ ابن الہیبان یہودی عالم جس کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے۔ اس کے متعلق کتابوں میں ہے کہ وہ پانچ وقت کی نماز پڑھتا تھا۔

نماز کے اعلان کے لئے وہ بوق بجاتے تھے، وہ روزے بھی رکھتے تھے۔

۱۔ روض الانف۔ جلد ۳۔ ص ۳۸ ۲۔ تفسیر طبری۔ جلد ۱۔ ص ۳۲۶ ۳۔ ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود ۴۔ ایضاً ۵۔ تاریخ الیہود۔ ص ۸۷ ۶۔ سینگ کی طرح کی کوئی چیز ہوتی ہے ۷۔ عام کتب حدیث

ظاہر ہے یہود کے ان مذہبی مراسم کو عرب اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہوں گے، ان میں اس کا چرچا رہتا ہوگا اور اس کا اثر بھی ان پر پڑتا رہا ہوگا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جہاں جتنے زیادہ یہود آباد تھے، وہاں اسی قدر ان کے اثرات بھی عربوں پر نمایاں تھے۔ مثلاً مدینہ کے عرب یہود رام و رواج اور مذہبی امور سے سب سے زیادہ واقف اور متاثر نظر آتے ہیں اور غالباً اسی تاثر کا نتیجہ تھا کہ انصار نے بہت آسانی سے اسلام قبول کر لیا۔ اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کی حقانیت سے وہ پہلے سے آگاہ ہو چکے تھے۔

سوال یہ ہے کہ عقائد کے لحاظ سے اسلام سے اس درجہ قریب ہونے کے باوجود یہودیوں نے اسلام کے قبول کرنے میں کیوں تاخیر کی اور کیوں لیت و لعل سے کام لیا۔ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ یہود کا صالح طبقہ آپ ﷺ کی نبوت اور اسلام کی حقانیت کا قائل اور اس کی قبولیت کی طرف مائل ضرور تھا، لیکن ان کے کچھ موانع تھے۔ جن کی وجہ سے وہ اس سعادت ابدی سے محروم رہے۔ پھر بھی ان میں جو صاحب عزم اور صاحب ہمت تھے اور ان موانع کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتے تھے، وہ قبول اسلام سے باز بھی نہیں رہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

قبائلی نظام : اوپر یہودیوں کے علمی و تمدنی اثرات کی جو تفصیل پیش کی گئی ہے، اس سے یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہود عربوں کے مقابلہ میں زیادہ متمدن اور صاحب علم تھے، مگر اس کے ساتھ جب ہم ان کی معاشرتی زندگی پر غور کرتے ہیں تو وہ عربوں سے کچھ مختلف نظر نہیں آتے۔ عربوں کی طرح وہ بھی مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر قبیلہ کا ایک جدا سردار اور علیحدہ نظام تھا اور صلح و جنگ کے مواقع پر وہ اپنی قبائلی مصلحتوں کے تحت ایک دوسرے سے معاملہ کرتے تھے۔ اسی کا اثر تھا کہ متعدد جاہلی اور اسلامی لڑائیوں میں وہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں یا ایک دوسرے کے خلاف مدد کرتے نظر آتے ہیں۔ تفصیل آگے آئے گی۔ اسی طرح یہود کا رہن سہن، معاشرت اور وضع و لباس وغیرہ بھی تقریباً وہی تھا جو عربوں کا تھا۔ ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ عربوں کی قبائلی زندگی کا ان پر اچھا خاصا اثر پڑا تھا۔

یہود کی دینی اور اخلاقی حالت :

قرآن مجید نے یہود کی دینی حالت اور اخلاقی معائب کا جو نقشہ کھینچا ہے، اس میں دنیا کے تقریباً تمام یہود مبتلا تھے۔ مگر ہمارا موضوع بحث صرف جزیرہ عرب کے یہود ہیں۔ اس لئے قرآن مجید نے ان کے جن معائب کی نشان دہی کی ہے، ہم اس کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

دینی گمراہیاں : تمام انبیاء کرام کی تعلیم میں یہ بات مشترک رہی ہے کہ عزت و شرافت اور آخرت کی فلاح و سعادت کا مدار اور خدا کے نزدیک محبوبیت اور مقبولیت کا معیار ایمان و عمل ہے نہ کہ نسل و ذات۔ مگر یہودیوں کی ایک بنیادی غلطی اور گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے شرافت و نجابت کا معیار ہی سرے سے بدل دیا۔ اس کا مدار ایمان و عمل کے بجائے نسل و ذات پر رکھا۔ ان کے نزدیک یہودی گھرانے میں پیدا ہونا ہی دنیا کا سب سے بڑا شرف اور نجات آخرت کے لئے کافی تھا۔ کہتے تھے ، کہ

”نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاءُهُ“۔ (مائدہ)

”ہم اللہ کے لڑکے اور اس کے محبوب ہیں۔“

اور ہم سمجھتے تھے ، کہ

”لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً“۔ (بقرہ)

”ہم دوزخ میں چند دن کے لئے ڈالے جائیں گے۔“

ان کے بارے میں نبی کو خطاب کر کے فرمایا گیا :

”قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ

فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ“۔ (بقرہ)

”آپ ﷺ کہہ دیجئے ، کہ اگر تمہارے لئے (اے یہود) آخرت کی فلاح مخصوص ہے تو

پھر موت کی تمنا کر کے دکھلاؤ۔ اگر تم سچے ہو۔“

دوسری جگہ قرآن مجید نے ان کو خطاب کر کے فرمایا ہے :

”قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ

فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ“۔ (جمہ)

”آپ فرما دیجئے کہ اے یہود! اگر تم کو زعم ہے کہ تم اللہ کے محبوب ہو، تو موت کی تمنا

کرو، اگر تم سچے ہو۔“

اسی غلط تصور کا نتیجہ تھا کہ ان کے نزدیک کسی بد عقیدگی، بد معاملگی اور بد اخلاقی کی کوئی

اہمیت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ یہودیت کی سند مل جانے کے بعد وہ سمجھتے تھے کہ ان کی کوئی برائی برائی نہیں

رہ جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں وہ تمام برائیاں گھس آئیں، جن کا کم از کم ایک صاحب شریعت قوم میں

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس سلسلہ میں متعدد یہود مدینہ کا نام بھی لیا ہے۔ طبری میں ان کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ

مدینہ تشریف لائے تو یہود میں عام طور پر یہ خیال تھا۔

تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔ عقائد میں سب سے اہم اور اساسی چیز عقیدہ توحید ہے۔ اسی کی صحت اور اسی میں اخلاص کی بنیاد پر سارے دین کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ اگر اس میں کہیں سے کوئی نقص اور کمی آجاتی ہے تو پھر دین کمزور اور اس کے دوسرے اقدار بالکل بے رُوح ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم یہی رہی : کہ

”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ“<sup>۱</sup>

”میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو تم میری ہی عبادت کرو۔“

یہود ایک صاحب شریعت قوم تھی۔ جس کو حضرت موسیٰ کے ذریعہ پہلے ہی دن یہ سبق

دیا گیا تھا : کہ

”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي“ (طہ)

”میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو تم میری ہی عبادت کرو اور میری ہی یاد کے لئے نماز

پڑھا کرو۔“

مگر یہود کی تاریخ بتاتی ہے کہ انہوں نے ہمیشہ عقیدہ توحید میں رخنہ اندازی کی اور اس پشمہ صافی کو کفر و شرک اور فسق و فجور سے گدلا کرنے کی برابر کوشش کی۔ جزیرہ عرب کے یہود بھی اس جرم میں دنیا کے دوسرے یہود سے پیچھے نہیں تھے۔ قرآن مجید تو واضح طور پر ان پر کفر و شرک کے ارتکاب کا الزام عائد کرتا ہے۔

”لَعْنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ“<sup>۱</sup> (نساء)

”ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کی۔“

سورہ نساء کے آخر میں ان کے بارے میں وبکفرہم کے الفاظ بار بار دہرائے گئے ہیں۔ گویا کفر، کفر باللہ نہ ہو۔ مگر کفر باحکام اللہ تو ضرور تھا۔ جیسا کہ ایک جگہ قرآن مجید نے ان کے بارے میں ”وَ أَكْثَرَهُمُ الْفٰسِقُونَ“<sup>۲</sup> اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔ اسی بنا پر قرآن مجید ان سے کہتا ہے : کہ

”تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ“ (آل عمران)

”(اے اہل کتاب) آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر

ہے۔ یہ کہ بجز اللہ کے کسی اور کی عبادت نہ کریں۔“

وہ شرک میں بھی مبتلا تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ وہ عزیر کو خدا کو بیٹا کہتے تھے۔

”وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ“

”اور یہود نے کہا کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں۔“

انہوں نے اپنے علماء اور احبار کو وہ مرتبہ اور درجہ دے دیا تھا جو صرف اللہ ہی کے لئے

مخصوص ہے۔

”اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ“ (توبہ)

”انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ کا اپنا رب بنا رکھا ہے۔“

یہ آیت یہود اور انصار دونوں کو بارے میں ہے۔ انصاری کے سوء اعتقاد کے بارے

میں حضرت عدی بن حاتم کی روایت حدیث کی تمام کتابوں میں مذکور ہے۔ یہود سے متعلق اس

آیت کی تفسیر میں طبری میں یہ روایت ہے : کہ

”قال الربيع قلت لابي العالیه كيف كانت الربوبية في بني اسرائيل

قال ما امرونا ان نتمرنا فانهمونا عنه انتهيينا<sup>۱</sup> لقولهم وهم يجدون في

كتاب الله ما امروا به وما نهوا عنه فاستنصحو الرجال“<sup>۲</sup>

”ربیع نے ابی العالیہ سے پوچھا کہ بنو اسرائیل نے کس طرح سے اپنے احبار کو ارباب

بنالیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ جس چیز کا وہ احبار حکم دیتے تھے، اس کو ہم کرتے تھے اور جس

بات سے وہ روکتے تھے، ہم رک جاتے تھے۔ یہ سب ان کے کہنے کی وجہ سے کرتے تھے۔

حالانکہ وہ باتیں کتاب میں موجود ہوتی تھیں۔ چنانچہ اس طرح انہوں نے احبار و علماء کے

اقوال و افعال کو اختیار کر لیا اور کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا۔“

اس کفر و طغیان نے ان کے قلوب کو اتنا سخت اور ان کے ذہن و دماغ کو اس قدر ماؤف

کر دیا کہ وہ خدائے قدوس کے بارے میں گستاخانہ اور طنز آمیز الفاظ استعمال کرنے لگے تھے۔

۱ بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ صحف قدیم میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور نہ اس وقت یہود کا یہ عقیدہ ہے۔ یہ بحث

طویل ہے۔ اس لئے ہم نظر انداز کرتے ہیں۔ مختصراً اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ یہودیوں میں یہ خیال عیسائیوں کے اثر اور ان

کی ضد سے پیدا ہوا ہے اور عرب یہودیوں میں ظہور اسلام کے وقت یہ عقیدہ تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ نے متعدد یہود کا نام

بھی لیا ہے۔ مثلاً فنحاص، سلام بن مشکم وغیرہ۔ پھر ان کے اس قول نحن ابناء الله واحباءه اور اتخذوا احبارهم

وغیرہ کو سامنے رکھا جائے تو اس میں کوئی تعجب باقی نہیں رہ جاتا۔

۲ اس انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو العالیہ بھی اہل کتاب میں تھے۔ یہ غلام تھے۔ اس لئے ان کے اہل کتاب ہونے

” وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ “

” یہود کہتے تھے کہ اللہ کا ہاتھ تنگ ہو گیا ہے۔“

۔۔ یہی نہیں بلکہ وہ کہتے تھے :

” إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاهُ “

” اللہ فقیر اور ہم غنی ہیں۔“

کتاب الہی (توراة) کے بارے میں بھی ان کا عقیدہ کچھ اچھا نہیں تھا۔ وہ کتاب کی تاویل و تفسیر اپنی خواہشات اور دنیاوی اغراض کے تحت کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے :

” يُحَرِّفُونَ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا

مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لَيَسْتَرُوا بِهِ ثُمَّ نَمَّا قَلِيلًا “ (بقرہ)

” پھر اس کو بدل ڈالتے تھے۔ اس کے سمجھنے کے بعد، اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں

کہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ کچھ روپے پیسے حاصل کریں۔“

جب اس معنوی تحریف کے کام نہ چلتا تو کلام الہی کو چھپا دیتے، (ماندہ)۔ اگر ضرورت پڑتی تو لفظی تحریف بھی کر ڈالتے۔

” يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ “ (ماندہ)

” کلام الہی کا اس کے موقع و محل سے بدل دیتے ہیں۔“

” يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ “ (ماندہ)

” وہ کلام الہی کو اس کے موقع سے بدلتے رہتے ہیں۔“

یہ تو پڑھے لکھے یہودی کا حال تھا، جو اپنی ہر خواہش اور غرض کی تکمیل کے لئے کتاب اللہ کا آلہ کار بناتے تھے اور اس کی من مانی تفسیریں کرتے تھے، لیکن ان کے عوام جو اس اسلحہ کا استعمال نہیں جانتے تھے، وہ صرف اپنی خواہشوں اور تمناؤں ہی کو آخری سند سمجھتے تھے۔

” وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيً “ (بقہ ۱۰)

” اور ان میں بہت سے ناخواندہ ہیں، جو کتابی علم نہیں رکھتے، لیکن دل خوش کن کی باتیں۔“

ختم رسل ﷺ کی بعثت کے بارے میں تورات میں جو پیش گوئیاں اور بشارتیں تھیں اور جن کو پڑھ کر متعدد صالح الفطرت یہود حلقہ بگوش اسلام ہوئے، ان کو انہوں نے چھپانے کی کوشش کی۔



اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ رجم کے متعلق تورات کے حکم کو بھی انہوں نے پوشیدہ رکھنا چاہا۔ مگر بعض حق پرست علمائے یہود نے اسے آپ پر ظاہر کر دیا اور آپ نے اس کے مطابق عمل کیا۔

(بخاری و مسلم)

انبیاء و رسل کے ساتھ بھی انہوں نے ہمیشہ طغیان و سرکشی ہی کی روش اختیار کی، یہاں تک کہ ان نفوس قدسیہ میں سے بعض کو انہوں نے قتل کر ڈالا۔ اسی وجہ سے حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰؑ نے ان پر لعنت کی۔ (مائدہ)

جزیرہ عرب کے یہود بھی اس بارے میں اپنے پیشروؤں سے کچھ مختلف نہیں تھے۔ وہ حضرت ابراہیم کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ یہودی تھے (آل عمران)۔ قرآن نے ان کے اس خیال کی تردید کی (آل عمران)۔ نبوت و رسالت صرف یہود کے لئے مخصوص سمجھتے تھے (جمہ)۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھی انہوں نے وہ سب کچھ کیا، جو ان کے پیش روؤں نے اپنے وقت کے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کیا، تفصیل آگے آتی ہے۔

فرشتوں کے متعلق ان کے خیالات عربوں سے بالکل مختلف تھے۔ عرب ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے اور یہ ان سے دشمنی و عداوت رکھتے تھے۔ خصوصیت سے حضرت جبرائیل کے بارے میں وہ کہتے تھے کہ یہ ان کا قدیم دشمن ہے۔ قرآن نے ان کے اس خیال کی شدت سے تردید کی۔<sup>۱</sup>

مشرکانہ اوہام و خرافات جادو گنڈا، اور عملیات وغیرہ پر ان کا اعتقاد تھا۔ لبید، عاصم وغیرہ بہت سے یہودی عامل تھے، جو کنگھیوں اور بالوں میں منتر پڑھ کر پھونکتے تھے۔<sup>۲</sup> یہ ان کے دینی مصائب کا ایک مختصر خاکہ ہے۔ جن میں وہ دور رسالت ﷺ تک مبتلا تھے۔ اب ان کے اخلاق و معاملات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

**اخلاق و معاملات :** اخلاق و معاملات کے اعتبار سے جزیرہ عرب کے یہود نہایت ہی گرے ہوئے تھے۔ یہ اخلاقی گراؤ ان ہی تک محدود نہیں تھی، بلکہ اس میں ہر جگہ کے یہود برابر کے شریک تھے۔ ان کے اخلاق و اعمال حد درجہ متبدل، رکیک اور قابل نفیر تھے۔ جن کا انسانیت، شرافت اور فضائل اخلاق سے کوئی دور کا بھی تعلق باقی نہیں رہ گیا تھا۔ سورہ بقرہ اور آل عمران میں خاص طور سے ان کے ایک ایک عیب کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ذیل کی سطروں میں ان کے چند بنیادی عیوب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ اس سلسلہ میں طبری نے آنحضرت ﷺ اور حضرت عمرؓ سے یہود کی گفتگو کو نقل کیا ہے۔ جلد ۱۔ ص ۳۲۷

۲۔ صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ کتاب الطب۔

نفاق : یہود حجاز جن اخلاقی کمزوریوں کا شکار تھے۔ ان میں سب سے اہم منافقت ہے۔ یہ روح انسانی کے لئے ایسا روگ ہے، جو انسان کی تمام اخلاقی خوبیوں اور فطری صلاحیتوں کو ختم کر دیتا ہے۔ جس فرد یا جماعت میں یہ مرض پیدا ہو جائے، اس سے کسی خیر کی امید نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ یہود حجاز کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان میں بھی نفاق نے اچھی طرح گھر کر لیا تھا۔ انھوں نے اسلام کے بارے میں مسلسل نفاق کا ثبوت دیا اور ان کی وجہ سے مدینہ منورہ میں ایک ایسا گروہ تیار ہو گیا تھا جو مرتے دم تک اس روگ میں مبتلا رہا اور اسلام اور مسلمانوں کو نقصان اور اذیت پہنچاتا رہا۔ قرآن کہتا ہے :

”وَإِذَا لَقَوْكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُؤْتُوا بغيظِكُمْ“۔ (آل عمران)

”وہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب تم سے جدا ہوتے ہیں تو تم پر اپنی اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں مارے غصہ کے۔ آپ کہہ دیجئے کہ مر رہو اپنے غصہ میں۔“

سورۃ بقرہ (ع-۸) میں اسی طرح کی ایک آیت موجود ہے۔ ”دوسروں کو بھی اس نفاق

پر ابھارتے تھے۔“

”وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَيَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَجَهَ النَّهَارِ وَكَفَرُوا وَآخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ“۔ (آل عمران)

”بعض اہل کتاب نے کہا کہ ایمان لے آؤ اس پر جو مسلمانوں پر نازل ہوا، (یعنی قرآن) اور صبح کے وقت اور شام تک اس سے انکار کر دو۔ شاید کہ وہ پھر جائیں۔“

آنحضرت ﷺ اور اسلام کے ساتھ انھوں نے مستقلاً جو منافقانہ طرز عمل اختیار کر رکھا تھا، اس کی پوری تصویر ان آیتوں میں آگئی ہے۔ وہ مسلمانوں ہی کے ساتھ نفاق نہیں برتتے تھے، بلکہ اس عادت بد کی وجہ سے اپنوں تک سے منافقانہ پیش آتے تھے اور ایک دوسرے کو دھوکا اور فریب دیتے تھے۔ غزوات کے سلسلہ میں متعدد مواقع پر انھوں نے خود ایک دوسرے کو دھوکا دیا۔<sup>۱</sup>

حرام خوری : حرام خوری بھی ان کا شاید قومی خاصہ ہو گیا تھا۔

”اَكْلُونَ لِلشُّحِّ“۔ (مائدہ) ”یہ بڑے حرام کھانے والے ہیں۔“

سورہ مائدہ میں ان کی حرام خوری کو متعدد بار دہرایا گیا ہے۔

۱۔ مثلاً غزوہ بنصر اور غزوہ خندق وغیرہ کے مواقع پر۔

ان کے سودی کاروبار کا ذکر آچکا ہے۔ رشوت ستانی اور ناجائز طریقہ پر شکم پری کے بھی یہ عادی ہو گئے تھے۔

”وَ أَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ“۔ (نساء)

”اور ان کے ناحق طریقہ سے مال کھانے کی وجہ سے“۔

دوسروں کا حق مارنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھا جاتے تھے۔

”إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا“۔

”یقیناً جو لوگ حقیر رقم لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو انہوں نے اللہ سے کیا ہے اور

بمقابلہ اپنے قسموں کے“۔

اس سلسلہ میں حضرت اشعث<sup>ؓ</sup> اور ایک یہودی کا واقعہ تفسیروں میں ملتا ہے۔ ان کے علماء

واجباً بھی دوسروں کا مال ہڑپ کر لیتے تھے۔ (توبہ)

حرص و طمع : یہ مالدار اور خوش حال تھے، مگر ان کی حرص و طمع کا یہ حال تھا کہ دو دو چار چار روپے کے

لئے معصوم بچوں کو ہلاک کر ڈالتے تھے<sup>۱</sup>۔ سودی قرضوں میں بچوں اور عورتوں کو رہن رکھ لیتے تھے<sup>۲</sup>۔

ان کے پاس سونے چاندی کا ڈھیر تھا، مگر راہ حق میں ایک پیسہ بھی نہیں خرچ کر سکتے تھے۔

”وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا ينفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ“۔ (توبہ)

” (حرص کی وجہ سے) جو لوگ سونا چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں

خرچ نہیں کرتے“۔

”أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذَا أَلَا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا“۔ (نساء)

”کیا ان کے پاس سلطنت کا کوئی حصہ ہے، اگر ہوتا تو وہ ایک ذرہ برابر اس میں سے

دوسروں کو نہ دیتے“۔

خیانت : خیانت حرص و طمع ہی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ ان میں یہ عیب بھی موجود تھا۔

”وَمِنْهُمْ مَنْ إِن تَأْمَنَهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا ذُمتَ عَلَيْهِ فَإِنَّمَا“۔

(آل عمران)

”ان میں بعض ہیں کہ تم اگر ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو تم کو وہ ادا نہ

کریں گے، جب تک تم ان کے سر پر سوار نہ ہو جاؤ“۔

پھر اس خیانت کو اپنے لئے جائز اور اپنا پیدائشی حق سمجھتے تھے۔

”قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ“ - (آل عمران)

” (یہ خیانت) اس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ غیر اہل کتاب (کے مال) کے بارے میں ہم پر کوئی جرم نہیں۔“

**بغض و حسد :** بغض و حسد کا جذبہ ایک بدترین جذبہ ہے۔ اس کی موجودگی میں کبھی حق و انصاف کا جذبہ آدمی کے دل میں پرورش نہیں پاتا۔ جس کے اندر یہ جذبہ موجود ہوتا ہے، اس کو دوسروں کی خوبیاں اور بھلائیاں نظر ہی نہیں آتیں، یا اگر نظر آتی ہیں تو وہ ان کی طرف سے صرف نظر کر لیتا ہے۔ اگر کسی کو کوئی شرف اور فضل حاصل ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کو انتہائی تکلیف ہوتی ہے۔ یہود کی زندگی اس بُرے جذبہ کا مکمل نمونہ تھی۔

”أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ“ - (نساء)

”کیا دوسرے آدمیوں سے ان چیزوں پر جلتے ہیں، جنہیں اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا کی ہیں۔“

”هَآءَ أَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ“ - (آل عمران)

”ہاں تم ایسے ہو کہ ان لوگوں سے محبت رکھتے ہو اور یہ تم سے قطعاً محبت نہیں رکھتے۔“

قرآن نے ان کے اسی بغض و حسد کی بنا پر فرمایا : کہ

”مُتَوَابِعِينَكُمْ“ - ”اپنے غصے سے مر رہو۔“

**دروغ گوئی اور بد عہدی :** دروغ بد عہدی اور جھوٹی قسمیں کھانا ان کا شیوہ تھا۔

”سَمْعُونَ لِلْكَذِبِ“ - (مائدہ)

”یہ لوگ غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں۔“

”اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً“ - (مجادلہ)

”انہوں نے اپنی قسموں کا ڈھال بنا رکھا ہے۔“

عہد نبوی میں ایک دروغ گوئی اور بد عہدی کی بے شمار مثالیں ملتے ہیں۔ معاہدہ کے ذکر میں اس کی تفصیل آئے گی۔

اسی طرح وہ فواحش اور بے حیائی سے بھی باز نہیں رہتے تھے، عرب عورتوں کو چھیڑا کرتے تھے اور ان سے کھلا ہوا مذاق کرتے تھے۔ کعب بن اشرف ان کا مشہور شاعر تھا۔ اہل حدیث نام تھا۔

ایک مرتبہ ایک انصاری نے اس سے قرض مانگا تو اس نے ان سے برجستہ کہا اس کے بدلے اپنی بیوی کو میرے یہاں گزوی رکھ دو۔ اس کی دنائت اور اس کا سفلہ پن اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ازواج مطہرات اور صحابیات کا نام لے کر تشبیہ کرتا تھا۔<sup>۱</sup>

ایک بُرائی ان میں یہ بھی تھی کہ اگر کوئی شریف و معزز آدمی زنا کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر کوئی معمولی اور کم رتبہ آدمی اس کا ارتکاب کرتا تو اس کو سزا دیتے۔<sup>۲</sup>

ان میں خود غرضی اور قساوت قلبی بھی حد درجہ تھی، جس کا مظاہرہ دن رات ہوتا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے یہودی بھائیوں کے گھر سے نکال دیتے۔ اسی خود غرضی کی وجہ سے وہ آپس میں برابر لڑتے رہتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کے خلاف اپنے دشمنوں تک کو مدد دیتے تھے۔<sup>۳</sup>

قرآن نے ان کے معائب کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے :

”تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِبُونَ فَرِيقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ“۔ (بقر)

”تم ایک دوسرے سے قتل قتال بھی کرتے ہو اور ایک دوسرے کو گھروں سے نکال دیتے ہو۔“

”نَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى“۔ (حشر)

”تم ان کو متفق خیال کرتے ہو، حالانکہ ان کے دل آپس میں متفق نہیں ہیں۔“

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت مسند احمد میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جاہلیت میں یہود دو گروہ میں بٹ گئے تھے۔ ان میں ایک غالب تھا اور دوسرا مغلوب۔ جب غالب گروہ کا کوئی آدمی قتل کیا جاتا تو اس کی دیت مغلوب کو زیادہ دینی پڑتی اور اگر مغلوب کا کوئی آدمی قتل ہو جاتا تو اس کی دیت کم ملتی۔ جاہلیت میں تو مغلوب گروہ اس ظلم کو برداشت کرتا رہا، مگر رحمت عالم ﷺ کی بعثت کے بعد ایک بار جب ایسا واقعہ پیش آیا تو اس نے زیادہ دیت دینے سے انکار کر دیا اور غالب گروہ کے پاس کہلا بھیجا کہ اب بنی موعود ﷺ کی آمد کے بعد یہ ظلم و ستم سہنے کے لئے تیار نہیں۔<sup>۴</sup>

پھر ان تمام اخلاقی جرائم پر وہ خوش ہوتے اور چاہتے تھے کہ جو خوبیاں ان میں نہیں ہیں ان پر ان کی تعریف و تحسین کی جائے۔

۱۔ وہ اشعار جن میں حسن و عشق کے جذبات ظاہر کئے جائیں۔

۲۔ صحیح مسلم۔ باب رجم یہود ۳۔ اوپر ذکر آچکا ہے

۴۔ طبقات الشعراء۔ ص ۱۱۰

۵۔ مسند۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۶

”الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيَحْزِنُونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا“

(آل عمران)

”یہ لوگ اپنے اخلاق و کردار پر خوش ہیں اور جو کام انہوں نے نہیں کیا اس پر چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی ہو۔“

ان کے دینی اور اخلاقی انحطاط کا یہ بہت مجمل خاکہ ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس قوم میں اتنا زیادہ دینی انحطاط اور اتنے زیادہ ذمائم اخلاق ہوں، اس کی موجودگی میں کوئی صالح معاشرہ اور ہر سکون ماحول کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جب تک یہودیوں کا معاشی، اقتصادی، سیاسی تغلب اور ان کا زور باقی رہا، پورے حجاز اور خصوصیت سے مدینہ سکون و اطمینان کی فضا پیدا نہ سکی۔ مگر جوں جوں ان کا زور ختم ہوتا گیا، امن و سلامتی کی فضا پیدا ہوتی گئی۔ تا آنکہ پورا حجاز ریشہ دوانیوں اور فتنہ انگیزیوں سے پاک و صاف ہو گیا۔

ایسے معائب، مثالب اور ذمائم اخلاق میں گھرے ہونے پر بھی اس بد باطن اور کج فطرت قوم کے جتنے افراد بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، وہ اسلام کی بڑی کامیابی ہے۔ ورنہ ایسا دین جس کے قبول کرنے میں کوئی جبر و سختی نہ ہو۔ اس میں ایسی تیرہ بخت اور دون فطرت قوم کے ایک دو فرد کا داخل ہونا بھی درحقیقت اسلام کا ایک معجزہ ہے۔

بعثت نبوی کے بعد یہود اور مسلمانوں کے

اجتماعی اور سیاسی تعلقات کی نوعیت :

بعثت نبوی سے قبل یہودیوں کے سیاسی، تمدن اثرات کا جائزہ لینے اور ان کی اخلاقی اور دینی حالت کا تذکرہ کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ظہور اسلام کے بعد اور مسلمانوں میں باہم جو سیاسی و اجتماعی تعلقات پیدا ہوئے اور اس سے جو فوائد اور مضار منج ہوئے اس پر بھی ایک نظر ڈالی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت مکہ میں ہوئی اور ذکر اوپر آچکا ہے کہ مکہ میں یہود نہیں تھے۔ اس لئے مکی زندگی میں براہ راست ان سے کوئی سیاسی و اجتماعی تعلق نہیں پیدا ہوا۔ لیکن دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں جو ابتدائی سورتیں نازل ہوئیں، ان میں حسب ضرورت اگلے انبیاء خصوصاً موسیٰ کا ذکر ملتا ہے۔

۱۔ لا اکسراہ فی الدین دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ چنانچہ مدینہ سے یہودی قبائل کے اخراج کے بعد متعدد یہودی موجود تھے، جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ لیکن ان سے کوئی تعارض نہیں کیا گیا۔ بعض کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے کہ حضرت صفیہؓ نے اپنی ایک جائداد کے متعلق اپنے یہودی رشتہ داروں کا وصیت کی تھی۔

مثلاً سورہ مزمل میں جو بالکل ابتدائی سورتوں میں ہے، حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا ذکر ملتا ہے۔ پھر سورہ اعلیٰ میں صحف موسیٰؑ کا تذکرہ بھی آتا ہے۔ اسی طرح اس کے بعد نازل ہونے والی سورتوں مثلاً سورہ قمر، سورہ بروج وغیرہ میں بھی حضرت موسیٰؑ کی کامیابی اور فرعون کے بُرے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

غرض مکہ کے ابتدائی سالوں میں براہ راست یہود قرآن نے خطاب نہیں کیا، محض دعوت و تبلیغ کے نقطہ نظر سے اس نے ان مشہور واقعات کی طرف اشارہ کر دیا۔ جس سے اہل عرب مکہ واقف تھے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔

مکی سورتوں میں سب سے پہلے سورہ اعراف میں ذرا تفصیل سے ”بنی اسرائیل“ کے نام سے ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ جس میں متعدد انعامات الہی کو گنایا گیا ہے اور ان کی بار بار ناشکری و احسان ناشناسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی سورہ میں یہ بھی ذکر آیا ہے کہ تورات میں آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی موجود ہے۔

ان واقعات کی تفصیل اس سورہ کے رکوع ۱۲ سے ۱۸ تک میں موجود ہے، اگر ان سے ان آیتوں کا نکال دیا جائے جن کو تفسیرین مدنی بتاتے ہیں تب بھی یہود کی ابتدائی تاریخ کا خلاصہ مکہ میں نازل ہو چکا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ قرآن میں بنی اسرائیل کا تذکرہ وسیع ہوتا جاتا رہا تھا۔

اب رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور دعوت کو کئی برس گزر چکے تھے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء اہل مکہ نے قرآن کے بیان کردہ واقعات خصوصاً وہ جو یہود سے متعلق تھے، ان کی طرف کچھ زیادہ دھیان نہیں دیا۔ لیکن جب قرآن نے بار بار ان کا اعادہ کیا تو ان کی تردید کا خیال پیدا ہوا ہوگا۔ مدینہ اور خیبر کے یہودیوں سے ان کے قدیم تعلقات تھے۔ اس لئے انہوں نے ان سے یا طائف اور بنو کنانہ کے یہود سے جو ان کے قریب ہی رہتے تھے، ان واقعات کی صداقت اور عدم صداقت اور آپ ﷺ کی نبوت کے بارے میں سوالات کرتے رہے ہوں گے۔

۱۔ ابن جریج قتادہ وغیرہ سے مروی ہے کہ اس سورہ میں یہ آیت الذین يتبعون الرسول الامی الذی یجدون مکتوباً (الایۃ) ان یہود کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اس سے پہلی والی آیت کے بارے میں تقویٰ اور زکوٰۃ کا ذکر ہے، کہا تھا کہ ہم بھی تو تقویٰ کے حامل ہیں اور زکوٰۃ نکالتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب براہ راست بھی یہود بحث مباحثہ کرنے لگے تھے۔ مگر اس کے علاوہ دوسری کوئی شہادت ہم کو نہیں ملی، جس سے مکہ میں براہ راست ان سے سوال و جواب کی تائید ہوتی ہو۔ اس لئے حاشیہ میں اس کا ذکر ہے۔

جیسا کہ مفسرین اور بعض محدثین نے لکھا ہے کہ روح، اصحاب کہف اور ذوالقرنین وغیرہ کے بارے میں جو آیات نازل ہوئیں، وہ درحقیقت کفار عرب کے ان سوالات کے جوابات ہیں جو انہوں نے یہود سے پوچھ کر آنحضرت ﷺ سے ان کے متعلق کئے تھے۔ اصحاب کہف کے متعلق تو حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ خود یہود مدینہ نے اہل مکہ سے کہا تھا کہ محمد (ﷺ) سے ان کے بارے میں سوال کرو، اگر وہ نبی ہوں گے تو جواب دیں گے۔<sup>۱</sup>

لیکن اب تک یعنی سورہ بنی اسرائیل کے نزول تک جو کچھ ان کے بارے میں کہا گیا یا تو عرب کو براہ راست خطاب کر کے کہا گیا یا پھر غائب کے صیغہ سے کہا گیا۔ خود یہودیوں کو براہ راست خطاب نہیں کیا گیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج سے پہلے تک یہود سے براہ راست تعلق میں پیدا ہوا تھا۔ سورہ اسراء کے بعد سورہ یونس کا نزول ہوتا ہے۔ اس میں بھی یہود کی کچھلی تاریخ و دہرایا گیا اور مزید یہ بتایا گیا کہ انہوں نے دین کے بارے میں علم الہی آجانے کے بعد بھی تلافی کیا۔ پھر آنحضرت ﷺ کے واسطے سے ان قرآنی قصوں میں شک کرنے والوں کو خطاب کر کے ارشاد ہوا۔

”فسئل الذین یقرؤن الکتب من قبلک“۔ (یونس)

”تو آپ ان لوگوں سے دریافت کیجئے جو آپ سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں کو پڑھتے ہیں“۔ (یعنی تورات و انجیل)

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ یہود میں اس وقت ایسے صالح الفطرت لے موجود تھے جو اظہار حق کر سکتے تھے اور دوسری یہ کہ اب ان میں اور مسلمانوں میں براہ راست ال و جواب کے امکانات پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن ان امکانات کے لئے قرآن کی اندرونی شہادت ریح نزول قرآن اور بعض واقعات کی ترتیب کے علاوہ کوئی خارجی ثبوت نہیں ملتا۔ اس لئے سلسلہ میں جو کچھ بھی لکھا جائے گا۔ اس میں غلطی کا امکان ہے، مگر عاجز قرآن و سیرت کے

روح کے سلسلہ میں عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال مدینہ میں کیا گیا تھا۔ مگر ری میں ابن عباس سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے یہود سے کہا ہم کو کچھ ایسی باتیں بتاؤ جن کے متعلق ہم محمد (ﷺ) سے سوال کریں۔ اس کے جواب میں یہود نے ان سے کہا کہ روح کے بارے میں ان سے سوال کرو! فتح الباری جلد ۸ ص ۳۰۳) اصحاب کہف کے سلسلہ میں طبری میں حضرت عباس سے مروی ہے کہ خود یہود نے اہل مکہ سے ان دنوں کے بارے میں سوالات کرنے کے لئے کہا تھا۔ بہر نوع دونوں باتیں بیک وقت ممکن ہیں۔ اس میں کوئی تضاد نہیں۔ سیر کی کتابوں میں تذکرہ آتا ہے کہ قریش نے ایک وفد بھی یہود مدینہ کے پاس آپ ﷺ کی نبوت کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ ممکن ہے یہ اسی وقت کا واقعہ ہو۔



مطالعہ سے اپنی حد تک جو کچھ بھی اخذ کر سکا، اس پر اسے وثوق ہے۔ اس لئے اسے پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

صحیح روایتوں کے مطابق معراج کا واقعہ ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے پیش آیا۔ ظاہر ہے کہ سورہ اسراء (یعنی بنی اسرائیل) اس کے بعد ہی نازل ہوئی۔ اور سورہ یونس جس میں اوپر والی آیت مذکور ہے، سورہ اسراء کے بعد نازل ہوئی۔

اہل مدینہ کے متعلق تمام ارباب سیر لکھتے ہیں کہ ہجرت سے تین سال پہلے یعنی ۱۰ھ میں ان کے چھ آدمیوں نے اسلام قبول کیا، جو نزول سورہ اسراء سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ میں جا کر خاموش نہیں بیٹھے ہوں گے۔ اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچایا ہوگا۔ عام طور سے ان کے اسلام کا چرچا ہوا ہوگا۔ عام اہل مدینہ، جس میں یہود بھی تھے، اس جانا بھی ہوگا۔ ہمارے نزدیک اس کا اثر تھا کہ دوسرے سال ۱۱ھ میں یہ تعداد گنی ہوگئی۔ اور ۱۲ آدمیوں نے آ کر آنحضرت ﷺ سے بیعت کی اور خواہش ظاہر کی کہ ہمارے ساتھ کسی کو کر دیا جائے، جو رہ کر ہم کو اسلام کی تعلیم دے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ مدینہ پہنچے تو گھر گھر جا کر اسلام کا پیغام پہنایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی مسلمانوں کی تعداد پہلے سے کئی گنا زیادہ ہوگئی۔

یہود جو مدینہ میں ہر طرف پھیلے ہوئے تھے، جن سے انصار کا دن رات کا تعلق تھا خود بھی ایک مذہب اور شریعت کے حامل تھے۔ ان کی حیثیت کی بنا پر آنحضرت ﷺ کے بارے میں اہل مکہ بغرض تحقیق ان کے پاس آ بھی چکے تھے۔ انہوں نے اس نئے دین کے بارے میں اگر انصار سے سوال و جواب اور بحث و مباحثہ شروع کر دیا ہو تو کوئی تعجب نہیں، اور بعض روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی نبوت کے منتظر تھے۔<sup>۱</sup> جیسا کہ کتب سیر میں ہے کہ آپ نے اہل مدینہ کے سامنے عقبہ میں سب سے پہلے اسلام پیش کیا تو وہ یہ کہہ کر اسلام لائے کہ ایسا نہ کہ یہود ہم سے اس فضل میں سبقت لے جائیں۔<sup>۲</sup>

ان وجوہ کی بنا پر عاجز کا خیال ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے جو مومنین اہل کتاب کا نام لیا ہے، وہ صحیح نہیں۔<sup>۳</sup> اور نہ یہ صحیح ہے کہ مکہ میں بھی یہود تھے۔<sup>۴</sup> بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ

۱۔ بعض مفسرین نے اس سلسلہ میں عبد اللہ بن سلام وغیرہ کا نام لیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے اس کی تردید کی ہے۔

۲۔ اس کتاب میں متعدد جگہ اس کا ثبوت ملے گا۔ ۳۔ سیرۃ النبی۔ جلد ۱۔ ص ۱۶۲ بحوالہ زر قانی اور ابن سعد۔

۴۔ جیسا کہ اس سلسلہ میں مفسرین نے عبد اللہ بن سلام اور تمیم داری کا نام لیا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ سورت اور پھر یہ آیت گلی ہے اس لئے اس سے ان کو مراد لینا صحیح نہیں ہو سکتا۔ ۵۔ بعض مستشرقین کا یہی خیال ہے۔ اس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔

ہجرت سے پہلے ہی انصار مدینہ اور یہود کے درمیان اسلام کے بارے میں گفتگو اور بحث مباحثہ کا آغاز ہو چکا تھا اور انہوں نے ان کی کچھ نہ کچھ مخالفت بھی شروع کر دی تھی۔ جیسا کہ آیت کے سیاق و سباق سے بھی پتہ چلتا ہے۔ ان ہی تعلقات کی بنا پر آیت میں کہا جا رہا ہے کہ آپ ان لوگوں سے (مسلمانوں کے ذریعہ) تحقیق کر لیجئے جو کتاب عالم ہیں۔

۱۔ بیان مذکورہ بالا سے واضح ہوا ہوگا کہ ابتداً اسلام کے مقابلہ میں یہود کا رویہ معاندانہ نہیں تھا بلکہ بڑی حد تک وہ اسلام کی صداقت کے معترف بھی تھے۔ مگر جوں جوں اسلام کی تعلیمات سے واقف ہوتے گئے ان کی مخالفت اور دشمنی بڑھتی گئی۔ سورہ یونس کے بعد ہود اور حم، سجدہ وغیرہ سورتیں نازل ہوئیں، جن میں ان کے متعلق بار بار یہ بات دہرائی گئی کہ یہ جان بوجھ کر قرآن کا انکار کر رہے ہیں۔

ان سورتوں کے بعد سورہ عاشیہ کا نزول ہوا۔ اس میں بھی قریب قریب وہی بات دہرائی گئی، پھر سورہ صافات نازل ہوئی، جس میں ان کی کتاب تورات کو اماناً و رحمۃ کے الفاظ سے یاد کیا گیا اور قرآن کو اس کا حریف نہیں بلکہ موید قرار دیا گیا۔ پھر سورہ انبیاء اتری، اس کو ”الفرقان اور ضیا“ کہا گیا، لیکن اس ترہیب و ترغیب کے باوجود یہود کی روش میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں وہ اور زیادہ سخت ہو گئے اور اہل مکہ کو جیسا کہ قرآن میں ہے پہلے سے زیادہ اسلام کے خلاف اُکسانے اور اعتراض کے لئے ابھارنے لگے۔ چنانچہ سورہ انعام میں کھانے پینے سے متعلق محرکات کے سلسلہ میں ان کے اعتراضات کا جواب ذرا سخت انداز سے اور خاص طور سے ان کی طرف اشارہ کر کے دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

”وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ“

”اور یہودیوں پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے۔“

سورہ نحل میں مکرر ارشاد ہے :

”وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ“

”اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں، جن کا بیان ہم اس سے قبل آپ سے

کر چکے ہیں۔“

ان دونوں آیتوں میں ”الَّذِينَ هَدُوا“ کے الفاظ خاص طور سے قابل غور ہیں اس سے پہلے ان الفاظ کے ساتھ ان کو یاد نہیں کیا گیا تھا۔ پھر دونوں آیتوں کے آخر میں کہا گیا۔

”ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَغْيِهِمْ“ (انعام)

”ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی تھی“۔

”وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ“ (نحل)

”ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی، لیکن وہ خود اپنے اوپر زیادتی کرتے تھے“۔

یہود اور مسلمانوں کے درمیان تعلقات کا جو ارتقاء قرآن کی آیات سے دکھایا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی چند حق پسند اور صالح فطرت افراد کے علاوہ پوری قوم یہود میں رفتہ رفتہ اسلام و شارع اسلام ﷺ اور مسلمانوں کی مخالفت کا جذبہ پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا اور اس مخالفت کا اظہار بھی کبھی اہل مکہ کے ذریعے ہوتا اور کبھی اہل مدینہ کے ذریعے، جن سے ان کا دن رات کا سابقہ تھا، مگر ابھی تک یہ مخالفت صرف ذہنی اور زبانی تھی۔

ہجرت کے بعد : یہود کا یہ حال تھا کہ آفتاب اسلام کی کرنیں اُفقِ مدینہ پر چمکیں یعنی ختمِ رسل ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف فرما ہوئے، یہود کے بعض صالح اور سلیم الفطرت افراد مثلاً عبداللہ بن سلام اور مامون بن یامین وغیرہ جن کو تورات کی پیشین گوئی علماء و احبار کی بار بار یاد دہانی اور انصار کی مکہ میں آمد رفت کے ذریعے آپ کی بعثت کا علم ہو چکا تھا۔ بڑی بے چینی سے آپ کی ہجرت اور مدینہ میں آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ جونہی آپ ﷺ جلوہ فرمائے مدینہ ہوئے، وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ان کے ساتھ بعض اور افراد نے بھی آپ کی نبوت کی صداقت کو تسلیم کیا۔ مگر ان کی تیرہ سختی نے نور حق کو ان کے تاریک قلوب تک پہنچنے نہیں دیا اور مسلمان نہ ہو سکے۔

۱۔ اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

۲۔ ابن ابیہان نے خاص طور پر ان کو جمع کر کے اس پیشین گوئی کو یاد دلایا تھا۔ کتاب میں حضرت اسید کے حالات میں یہ پورا قصہ مذکور ہے۔ انصار کے سامنے آپ ﷺ نے پہلی بار اسلام پیش کیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا ایسا نہ ہو کہ اس فضل میں یہود ہم سے سبقت لے جائیں اور ہم رہ جائیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہود جانتے تھے کہ خاکِ بطحا سے وہ نبی عنقریب مبعوث ہونے والا ہے، جس کی بشارت حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کی دو تھی۔ ابھی اوپر حضرت سلمہ کی روایت گزری ہے، جس میں ایک یہودی عالم نے یہود کے پورے مجمع میں آپ ﷺ کے مبعوث ہونے کا اعلان کیا تھا۔

۳۔ مثلاً ابویاسر بن اخطب نے جب قرآن کی آیتیں سنیں تو اپنے قبیلہ کے پاس آیا اور کہا کہ ہم جس نبی کا انتظار کر رہے تھے وہ آگئے۔ ان کی اطاعت کرو۔ مگر اس کے بھائی حمی بن اخطب نے اس کی مخالفت کی، چونکہ یہ قبیلہ کا سردار تھا، اس لئے پوری قوم اس کی ہم آہنگ ہو گئی (فتح الباری۔ جلد ۸۔ ص ۲۱۲)۔ اس سلسلہ میں بعض واقعات کا تذکرہ آگے آئے گا۔

عبداللہ بن سلام اور ابن یامین کے اسلام لانے کا یہود پر بجائے اچھا اثر پڑنے کے اور اُلٹا اثر پڑا، اور انھوں نے اس اقدام حق پر ان کو حد درجہ مطعون اور لعنت ملامت کی۔

سروردو عالم ﷺ کو ہجرت سے پہلے مکہ ہی میں یہود کی مخالفت اور دشمنی کا علم ہو چکا تھا۔ مدینہ آنے کے بعد اس کا عینی مشاہدہ بھی ہوا۔ اس لئے آپ ﷺ نے مسجد نبوی اور کاشانہ نبوت کی تعمیر کے بعد ہی پہلا جو کام کیا وہ انصار اور یہود مدینہ کے ایک ایک قبیلہ سے معاہدہ امن و صلح تھا۔ تاکہ یہود کی مخالفت اور زیادہ آگے بڑھنے نہ پائے اور آپ کے اور مسلمانوں کے بارے میں ان کو جو غلط فہمی ہو گئی ہے اس کا ازالہ ہو جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے قبائل یہود سے صرف معاہدہ امن و صلح ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ نے اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام نے ان کے ساتھ اپنا رویہ نہایت مصالحانہ خیر خواہانہ اور روادارانہ رکھا۔

آپ ﷺ بہ نفس نفیس ان کے مریضوں کی عیادت کرتے تھے۔ ان کے جنازے میں جاتے تھے تو آپ ﷺ اترا مانا کھڑے ہو جاتے تھے۔ آپ ﷺ کی مجلس میں ان کو چھینک آتی تو آپ دعائیہ کلمات ارشاد فرماتے۔ جب تک کسی مسئلہ میں قرآن کا صریح حکم نازل نہ ہو جاتا، آپ ﷺ تورات کے حکم پر عمل فرماتے اور اس میں یہود سے مشورہ کرتے تھے۔ آپ ﷺ خود اور صحابہ ان ہی کی اتباع میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ یہود آپ ﷺ سے اور مسلمانوں سے بحث مباحثہ کرتے۔ مگر آپ ﷺ کبھی ناگواری کا اظہار نہ فرماتے۔

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی اور چند یہودیوں میں باہم اس بات پر کہ حضرت موسیٰ افضل ہیں یا حضور انور ﷺ، سخت گفتگو ہو گئی۔ یہود خدمت نبوی میں شکایت لے کر آئے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا، مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت یونس کا ذکر آیا تو اس وقت بھی آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ مجھے ان پر فضیلت نہ دو۔

ایک طرف یہ لطف و کرم اور اخلاق کی و محبت کی بارش تھی کہ بچہ بچہ اس سے سیراب تھا۔ دوسری طرف یہود کا طرز عمل یہ تھا کہ آپ ﷺ کی مجلسوں میں آتے تو السلام علیکم کے بجائے السلام علیکم (تم پر موت آئے) کہتے۔ آپ کی توہین کے لئے راعنا کا لفظ استعمال کرتے۔ آپ ﷺ سے

۱۔ ترمذی شریف۔ باب اذا اعطس الیہود۔

۲۔ راعنا کے معنی ہیں میری رعایت کیجئے۔ مگر یہود اس کو زبان دابا کر راعنا کہتے تھے، جس کے معنی عربی میں ہمارے چرواہے کے ہیں۔ ان کی اس روش کو دیکھ کر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی کہ تم راعنا کے بجائے ”انظرتا“ کا لفظ استعمال کرو، تاکہ ان کو آپ کی اہانت کا موقع نہ ملے۔

اور مسلمانوں سے خواہ مخواہ بحث و مباحثہ کرتے۔ آپ ﷺ کی شان میں گستاخیاں اور آپ ﷺ کی بنوت کی تکذیب کرتے۔ مسلمانوں کو طرح طرح سے ستانے کی کوشش کرتے۔ ان سے بدکلامیاں کرتے۔ لیکن ان کی مسلسل ایذا رسانیوں، گستاخوں، شرارتوں، ریشہ دوانیوں، فتنہ آرائیوں اور شرانگیزیوں کے باوجود مسلمانوں کے ہاتھ سے صبر و تحمل کا دامن کبھی نہیں چھوٹا اور ہمیشہ ان کے مقابلے میں وہ حلم و بردباری اور صبر و ضبط اور اسلام کے اعلیٰ اخلاق کا اظہار کرتے رہے، اور انہوں نے اس کا خاص طور سے خیال رکھا۔ ان کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہو، جو صلح و امن کے لئے مضر اور اس معاہدہ کے خلاف ہو، جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ہو چکا تھا۔ چنانچہ قرآن یہود کے اس طرز عمل کے بارے میں مسلمانوں کو ہدایت دیتا ہے :

”وَلِتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا إِذَا كَثِيرَةً وَإِنْ

تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ“ (آل عمران)

”اور تم بہت سی دلائل آزاری کی باتیں اہل کتاب (یہود) اور مشرکین سے سنے گے تو تم اگر ان

پر صبر کرو گے اور تقویٰ کا طرز عمل اختیار کرو گے تو یہ عزیمت کا کام ہوگا۔“

شروع سے یہود کے ساتھ مسلمانوں کا جو محبت آمیز برتاؤ تھا اور جس رفیق ولینت اور حسن سلوک کے ساتھ وہ ان سے پیش آرہے تھے، اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ مسلمانوں سے قریب ہوتے، ان کی دعوت کو قبول کرتے، ان کے معاون و مددگار بنتے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان سب کے باوجود وہ اسلام سے بیزار اور مسلمانوں سے دن بدن دور ہوتے جا رہے تھے۔ اس کے اسباب اور موانع کیا تھے، اس کو ہم ذرا تفصیل سے یہاں لکھتے ہیں۔

۱۔ یہود میں متعدد طبقے اور ان سے ہر ایک کا بعثت نبوی کے متعلق الگ الگ نظریہ اور خیال تھا۔ (الف) ایک طبقہ تو یہ سمجھتا تھا کہ حضرت موسیٰ کی بعثت اور تورات کے نزول کے بعد اب کسی کی بعثت یا کسی کتاب الہی کا نزول نہیں ہوگا۔ لیکن یہ بہت محدود تھا۔ اس خیال کے یہود عرب میں زیادہ نہ تھے۔

(ب) دوسرے کا خیال یہ تھا کہ ایک اور نبی کی بعثت تو ہونے والی ہے، مگر وہ بنی اسرائیل سے ہوگا اور اگر بنی اسرائیل سے نہ بھی ہو تو ہر معاملہ میں کم از کم ان کی تائید ضرور کرے گا۔ چنانچہ انہوں نے بارہا آپ ﷺ کے سامنے اس کا اظہار کیا۔

حدیث کی کتابوں میں ہے کہ ایک بار دو یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ سے چند سوالات کئے۔ آپ ﷺ نے جواب دیا، تو کہا کہ بے شک آپ نبی ہیں۔ ارشاد ہوا کہ پھر میرے اتباع سے کیوں گریز کرتے ہو۔ کہا حضرت داؤد نے دعا کی تھی کہ نبوت ان ہی کی اولاد (بنی اسرائیل) میں رہے گی۔ اگر ہم آپ کا اتباع کریں گے تو یہود ہم کو قتل کر دیں گے۔

اس خیال کے یہود بکثرت تھے اور یہی مخالفت میں پیش پیش تھے۔

(ج) تیسرا گروہ وہ تھا جو نہ نبوت کو حضرت موسیٰؑ پر ختم سمجھتا تھا اور نہ اس کو بنی اسرائیل میں محدود، بلکہ وہ انبیاء کی اصل پیش گوئی اور تورات کے بیان کے مطابق یہ سمجھتا تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے، خواہ وہ عرب میں ہو یا عجم میں۔ یہی یہود کا اعتدال گروہ تھا اور یہی آپ ﷺ کی بعثت کا منتظر تھا اور اسی کے بعض افراد نے اسلام قبول کیا۔ مگر بعض ذاتی مصالح کے تحت بیشتر افراد نے دوسرے گروہ کے راستہ اختیار کیا اور ان کے ساتھ رہے اور دولت، ایمانی سے محروم رہے۔

۲۔ عام طور پر یہود یہ سمجھتے تھے کہ جو نبی بھی آئے گا، ان کے ہر خیال اور ان کی زندگی کے ہر معاملہ میں ان کی تائید کرے گا۔ لیکن جب ان کی یہ توقع پوری ہوتی ہوئی نظر نہیں آئی تو انہوں نے مخالفت شروع کر دی۔

حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں یہود جو غلط اور فاسد عقیدہ رکھتے تھے، قرآن نے ابتدائے نزول ہی میں اس کا ابطال کیا اور حضرت عیسیٰؑ کو راست باز اور ان کو مجرم ٹھہرایا۔ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق بھی ان کی دینی کتابوں میں ایسی بے سرو پابا تمیں اور ان کے درمیان ایسے قصے عام طور پر مشہور تھے، جن سے ان کے دامنِ عفت پر نعوذ باللہ من ذالک داغ ہی نہیں آتا تھا، بلکہ ان کے فساد عقیدہ کا بھی پتہ چلتا تھا۔ قرآن نے اس طرح کے قصوں اور افسانوں کی بھی تردید کی اور انبیاء کی عصمت و عفت کی شہادتیں پیش کیں۔

سورہ انعام سورہ مریم، سورہ صافات میں ایک ایک کا نام لے کر کسی کو **صِدِّيقًا نَبِيًّا** کسی کو **كَانَ مِنَ الْمُخْلِصِينَ** وغیر کہا اور سورہ انعام میں تمام مشہور انبیاء کے ذکر کے بعد کہا **كُلٌّ مِنَ الصَّالِحِينَ**، سب کے سب صالح اور نیکو کار تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خصوصیت کے ساتھ

۱۔ مسند طحاوی۔ جلد ۵۔ ص ۱۶ نسائی باب تحریم الدم۔

۲۔ تفسیر و سیرت میں یہود کے بارے میں بظاہر مختلف و متضاد روایتیں ملتی ہیں۔ اس لئے مطالعہ کرنے والوں کے لئے پریشانی اور انتشار خیال کا باعث بن جاتی ہیں۔ لیکن اگر یہ تقسیم پیش نظر رہے تو انشاء اللہ ان روایتوں میں کوئی تضاد نظر نہ آئے گا۔

انہوں نے بہت زیادہ متہم کیا تھا اور عجیب و غریب واقعات بلکہ کفر و شرک تک کو ان کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ قرآن نے سورہ نخل، پھر سورہ بقرہ میں اس کی تردید کی اور ان کو ان چیزوں سے منزہ قرار دیا۔ اسی طرح دوسرے واقعات و قصص و حکایات کو بھی قرآن نے رد کیا ظاہر ہے کہ یہ ساری باتیں یہود کی توقعات کے خلاف تھیں، اس لئے ان کا برا فروختہ ہونا بالکل طبعی تھا اور وہ برا فروختہ ہوئے۔

۳۔ یہود جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ ہر طرح کے اخلاق ذمیدار اور معائب سنیہ میں مبتلا تھے، مگر اس کے باوجود اہل عرب میں عزت و شرف کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اس لئے وہ اپنی موجودہ اخلاقی حالت و روش پر مطمئن ہی نہیں تھے بلکہ دینی حیثیت سے اس کو اپنے لئے جائز بھی سمجھتے تھے، جیسا کہ اہل کتاب کے اموال کے بارے میں انہوں نے اپنے خیال کا اظہار کیا تھا۔ (آل عمران)

اسلام اس کے برخلاف مکارم اخلاق، فضائل و محاسن کی تعلیم دیتا تھا، جس کے فروغ کا لازمی نتیجہ یہودیوں کے موجودہ حالت کا زوال تھا۔ خصوصیت سے ان کی اقتصادی زندگی تو قطعی موت تھی اور چونکہ وہ اپنی روش کو بدل نہیں سکتے تھے اس لئے انہوں نے مہر ہدایت ہی پر خاک ڈالنی شروع کر دی۔ چنانچہ یہود کے جس طبقہ اور قبیلہ میں جتنی بھی اخلاقی کمزوریاں زیادہ تھیں، اتنا ہی وہ اسلام کی دشمنی میں پیش پیش تھا۔

۴۔ یہود نے شرف و نجابت کا مدار ایمان و عمل کے بجائے نسل و ذات پر رکھا تھا۔ اسلام آیا تو اس نے شرف و عزت، نجابت و بخشائش کا مدار ایمان و عمل قرار دیا۔ اس نے یہ اصول بتایا۔

”وَمَا تَقْدِمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ وَأَعْظَمُ  
أَجْرًا“<sup>۱</sup>۔ (مزل-۲)

”اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے بھیج دو گے اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور  
ثواب میں بڑا پاؤ گے۔“

شرف و عزت کا یہ معیار قرار دیا۔

”إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَى“۔ (حجرات-۲)

”تم سب میں بڑا شریف ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔“

چونکہ قرآن کے ان اعلیٰ اخلاقی اصولوں سے ان کے مزعومہ شرف و عزت کے قلعہ کی دیواریں مسمار ہو رہی تھیں، اس لئے وہ چراغ پا ہو گئے۔

۵۔ اسلام سے پہلے اہل عرب عام طور سے علمی اور دینی اعتبار سے بالکل بے مایہ تھے اور یہودیوں میں علم بھی تھا اور مذہب بھی۔ اس لئے وہ قدرتی طور پر عربوں کو اپنے سے کمتر، حقیر اور بے مایا سمجھتے تھے۔ خود عربوں کو بھی ان کی برتری کا اعتراف تھا۔ ان میں اسلام آیا اور انہوں نے اس کی تعلیمات کو قبول کیا تو ان کی دینی اور علمی بے مائے گی دور ہونے لگی اور ان کا احساس برتری خود بخود بیدار ہونے لگا۔

قاعدہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی شرف و فضل کی حامل ہوتی ہے تو طبعاً کسی دوسری قوم کو اس کا شریک بننا پسند نہیں کرتی چاہے اس کی عزت و شرف کی خصوصیات کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی اس میں باقی رہ گیا ہو۔ اس بنا پر یہود اپنے فضل و شرف میں عربوں کو شریک اور اپنے اوصاف و خصوصیات ان کی طرف منتقل ہوتے ہوئے کیسے دیکھ سکتے تھے۔

۶۔ ظہور اسلام سے پہلے عربوں میں آپس میں نہ کوئی وحدت تھی نہ اخوت۔ بلکہ ہر طرف اختلاف، انتشار اور ظلم و ستم کا دور دورہ تھا۔ وہ بے شمار قبیلوں میں خاندان میں بٹے ہوئے تھے۔ جب اسلام آیا تو اس نے ان چیزوں کو مٹایا۔ اس نے اختلاف کو اتحاد سے، انتشار کو وحدت سے بدلا۔ ظلم و ستم کے بجائے اخوت و مساوات کی تعلیم دی۔ جس کی وجہ سے عربوں میں اخوت و مساوات اور اتحاد و اتفاق کی نئی روح دوڑنے لگی۔ پھر مدینہ پہنچ کر آپ نے اس کا علمی نمونہ پیش کیا کہ انصار کے ان قبائل کو جو برسوں سے آپس میں لڑتے آرہے تھے، ان کو شیر و شکر کر دیا۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر مہاجرین اور انصار میں آپ ﷺ نے مواخات یعنی بھائی چارہ کر دیا۔ انصار کے قبائل سے اہل مکہ اور اہل مدینہ میں صدیوں سے اختلاف چلا آ رہا تھا اور یہود اس سے برابر فائدہ اٹھاتے رہتے تھے، اس لئے ان کو متحد و متفق ہوتے اور گلے ملتے یہ کیسے دیکھ سکتے تھے۔

پھر اسی اخوت و مساوات کی فضا سے عربوں ہی کو فائدہ نہیں پہنچا، بلکہ خود یہود مدینہ میں ضعیف اور کمزور طبقہ تھا، اس کے دلوں میں بھی نئے نئے حوصلے اور انقلابی عزائم کروٹ لینے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہود مدینہ دو طبقوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک غالب اور مضبوط تھا۔ دوسرا مغلوب اور مقہور۔

غالب طبقہ ان غریب یہودیوں پر ہمیشہ ظلم و ستم کرتا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر غالب گروہ کا کوئی آدمی مغلوب گروہ کے ہاتھوں مارا جاتا تو ان کو سووق دیت دینی پڑتی اور اگر اس کے برعکس ہوتا تو وہ ان کو صرف پچاس ووق دیت دیتے۔ یہ ظلم و ستم کا بازار اسی طرح گرم تھا کہ آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ



تشریف لائے۔ آپ ﷺ کی آمد کے بعد ایک بار اسی طرح کا ایک معاملہ پیش آیا تو مغلوب گروہ نے دیت دینے سے انکار کیا، اور غالب گروہ کے پاس کہلا بھیجا : کہ

” انا انما اعطينا کم هذا ضیماً منکم و فرقا منکم فاما اذا قدم محمد

فلا نعطیکم ذلک “ - (مسند احمد - جلد ۱ - ص ۲۳۶)

” ہم اب تک زیادہ دیت صرف تمہارے ظلم اور خوف کی وجہ سے دیتے رہے ہیں۔

اب جبکہ محمد (ﷺ) کے آنے کے بعد (ظلم و زیادتی کا خوف نہیں ہے) تو ہم زیادہ دیت

نہیں دے سکتے۔“

ظاہر ہے کہ یہ چیزیں یہود کے لئے کس قدر سوہانِ رُوح ہوئی ہوں گی۔

۷۔ یہود کی مخالفت کے اسباب میں ایک سبب تحویل قبلہ بھی ہے۔ جب تک مسلمانوں کا قبلہ

بیت المقدس تھا۔ عام عربوں اور مسلمانوں میں اس کی وجہ سے ان کی ایک عظمت باقی تھی، مگر جب

تحویل کعبہ ہوا تو ان کی اس عظمت کو ایک اور دھکا لگا۔ ان کی مخالفت پہلے ہی سے کیا کچھ کم تھی۔ اب اس

میں اور اضافہ ہو گیا۔ پہلے وہ یہ کہہ کر لوگوں کے سامنے اسلام کی اہمیت کم کرتے تھے کہ محمد (ﷺ) تو

ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔

اب وہ یہ کہہ کر مخالفت کرنے لگے کہ یہ نبی عجیب دین لے کر آئے ہیں کہ جن کا قبلہ بھی بدلتا

رہتا ہے اور پھر یہ کہتے کہ جو لوگ اس سے پہلے والے قبلہ کی طرف رخ کر کے عبادت کر چکے ہیں خواہ وہ

زندہ ہوں یا مردہ ان کی تمام عبادتیں اکارت گئیں۔ چنانچہ ان کے کہنے سننے کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑا۔

اس لئے قرآن نے ان کے تمام اعتراضات کا جواب دیا۔ سورہ بقرہ (رکوع ۱۷-۱۸) میں اس کی پوری

تفصیل موجود ہے۔

اس تحویل قبلہ کا اثر ان پر اس قدر پڑا کہ جو اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ مثلاً

کعب بن اشرف، رفاعہ بن قیس اور قروم بن عمرو وغیرہ آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ یا محمد (ﷺ)

یہ کیا بات ہے کہ تم نے قبلہ تبدیل کر دیا۔ اگر پہلے قبلہ کی طرف پھر لوٹ جاؤ تو ہم تمہاری تصدیق اور

اتباع کریں گے۔

ظاہر ہے کہ یہ بات انہوں نے کسی اخلاص کی بنا پر نہیں کہی تھی، نہ یہ منشاء تھا کہ وہ دین اسلام

کو قبول ہی کر لیں گے۔ بلکہ اس تحویل قبلہ سے ان کے وقار اور ان کی دینی عظمت کو جو دھکا لگا تھا،

چاہتے تھے کہ اس طرح اس کو سنبھال لیں اور پھر ان کو یہ بھی خیال تھا کہ اگر وہ دوبارہ بیت المقدس کو قبلہ بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے تو عام عربوں اور کمزور مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کا ان کو موقع مل جائے گا۔

۸۔ ان موانع کے باوجود جو نیک فطرت اور حق پسند افراد تھے، وہ اسلام کی حقانیت کے قائل بلکہ اس کے قبول کر لینے کی طرف بھی مائل تھے۔ مگر چونکہ عام یہودی آبادی اس کی مخالف تھی اس لئے وہ ان کے خوف سے قدم آگے نہیں بڑھا سکے۔ اس سلسلہ میں احادیث و سیر میں متعدد واقعات ملتے ہیں۔

مسند طیالسی اور نسائی میں ہے کہ کچھ یہود آپ ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے تسع بینات<sup>۱</sup> کے متعلق سوال کیا۔ ارشاد ہوا کہ شرک نہ کر، آپس میں قتل و خونریزی نہ کرو، چوری اور زنا سے پرہیز کرو اور سود خواری سے باز آ جاؤ۔ پاکباز عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ، بزدلی نہ دکھاؤ، کسی کمزور بے قصور کو ناحق کوئی الزام رکھ کر قتل کرنے یا اس کے مال کے لینے کی کوشش نہ کرو۔ آپ ﷺ جب یہ سب کچھ ارشاد فرما چکے تو انہوں نے آپ ﷺ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور پکارا اٹھے :

”نَشْهَدُ اَنَّكَ نَبِيٌّ“

”ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ (ﷺ) بے شک نبی ہیں۔“

آپ ﷺ نے فرمایا جب تمہیں میری نبوت تسلیم ہے تو میرا اتباع کرنے میں کیا چیز مانع ہے۔ انہوں نے کہا :

”انا نخشى تبعناك ان يقتلنا اليهود“۔ (مسند طیالسی۔ ص ۱۶۰ جزہ ونسائی)

”ہم کو ڈر ہے کہ ہم نے آپ (ﷺ) کا اتباع کیا تو ہمیں یہودی مار ڈالیں گے۔“

اسی طرح کعب بن اشرف جو بڑا مالدار یہودی تھا۔ اس کے متعلق زرقانی میں ہے کہ اس کے یہاں سے تمام یہودی علماء و احبار کو وظیفے ملتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد جب وہ ایک بار اس کے پاس اپنے وظائف لینے آئے تو اس نے کہا کہ اس شخص محمد (ﷺ) کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا کہ

۱۔ قرآن میں ہے کہ ”وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسَى بِسَعِ اَيَاتِ بَيِّنَاتٍ“ اس روایت میں اسی طرف اشارہ ہے۔ تسع آیات کیا ہیں، اس میں اختلاف ہے۔

۲۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ تمام عیوب ان میں موجود تھے۔

”ہو الذی کنا ننتظر“

”یہ وہی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے۔“

چونکہ یہ جواب اس کی توقع کے خلاف تھا، اس لئے یہ کہہ کر کہ میرے پاس مال میں اور بہت سے لوگوں کے حقوق ہیں، وظیفہ دینے ہے انکار کر دیا۔ علماء و احبار یہاں سے لوٹے تو ان کو اپنے اظہار حق پر بڑا رنج ہوا۔ دوبارہ واپس آئے اور کعب سے عرض کیا کہ ہم نے عجلت میں جواب دے دیے۔ بعد میں جب ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ جواب میں غلطی کی۔ یہ محمد (ﷺ) وہ مُنْتَظَر نبی نہیں ہیں۔ اس کے بعد کعب نے ان کے وظائف جاری کر دیئے اور یہ اعلان کر دیا کہ

”لکل من تابعهم من الاحبار شینا من مالہ“۔ (جلد ۲، ص ۹-۱۰)

”جو علمائے یہود (آپ کی نبوت کی تکذیب میں) ان حبار کا اتباع کریں ان کو بھی کچھ نہ کچھ وظیفہ ملے گا۔“

اوپر جو اسباب و موانع بیان کئے گئے ہیں، ان سے یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہود کی مخالفت اور اسلام دشمنی کسی حقانیت اور کسی ٹھوس بنیاد پر نہیں تھی، بلکہ اس میں صرف ان کی نفسانیت خود غرضی اور دنیاوی مصلحتیں کام کر رہی تھیں اور اس کو چھپانے کے لئے وہ مذہب کی آڑ لے رہے تھے۔

یہود سے معاہدہ : اوپر ان کے اور مسلمانوں کے تعلقات کے سلسلہ میں ہم معاہدہ کا ذکر کر رہے تھے کہ ضمناً ان اسباب و موانع کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوا، جن کی وجہ سے یہود اسلام کی طرف بڑھنے کے بجائے اس سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ اب پھر اس سلسلہ بحث کو ہم شروع کرتے ہیں۔ معاہدہ انصار اور یہود دونوں سے ہوا تھا، جو حصہ یہود سے متعلق ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے :

۱۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

۳۔ یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔

۴۔ قریش اور ان کے حلیف قبائل کو کوئی امان نہ دے گا۔

۵۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا۔ مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

۶۔ مدینہ پر کوئی حملہ کرے گا تو دونوں فریق مل کر مقابلہ کریں گے۔

۷۔ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آ رہا تھا، وہ بدستور قائم رہے گا۔

۸۔ یہود اور انصار میں اگر کوئی اختلاف ہوگا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

یہ آخری دفعہ انصار اور یہود دونوں کے معاہدات میں موجود ہے۔ یہ معاہدہ ۷۳ دفعات پر مشتمل ہے، جن میں تقریباً بائیس دفعات یہود کے متعلق ہیں۔ جس کا خلاصہ یہاں بیان کر دیا گیا ہے۔ یہود کے معاہدہ میں یہ بات کئی بار دہرائی گئی ہے کہ جو کوئی شخص یا قبیلہ عہد شکنی یا ظلم کرے گا اس کو وبال اٹھانا پڑے گا۔

اس معاہدہ کے سلسلہ میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ یہ کس سنہ میں ہوا اور دوسری یہ کہ اس میں یہود کے مشہور قبائل مثلاً بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع کا ذکر کیوں نہیں ہے؟ تمام ارباب سیر معاہدہ کا ذکر ہجرت کے پہلے سال کے سلسلہ میں کرتے ہیں۔ لیکن حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب ”عہد نبوی میں نظام حکمرانی“ کے صفحہ ۸۵-۸۶ میں یہود کے معاہدہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ غزوہ بدر کے بعد یعنی ۳ھ میں مرتب ہوا۔ اس پر انہوں نے علمی طور پر کچھ دلائل بھی دیئے ہیں، مگر عاجز کو ڈاکٹر صاحب موصوف کے رائے سے اختلاف ہے اور اس کے لئے اس کے پاس دلائل بھی ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ معاہدہ کا انعقاد اگر غزوہ بدر تسلیم کیا جائے تو پھر بنو قینقاع کے زمانہ اخراج کے کچھ آگے بڑھانا پڑے گا۔ اس لئے کہ ۲ھ کے رمضان میں غزوہ بدر پیش آتا ہے اور شوال کے مہینہ میں بنو قینقاع کا اخراج عمل میں آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان سے معاہدہ کرنے اور ان کے اخراج میں اتنا کم فصل کسی طرح قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔

اس معاہدہ میں یہود کے کسی مشہور قبیلہ کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ زیادہ تر ان ذیلی قبائل کا ذکر ہے جو جدید الیہود یہ تھے۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ یا تو ان سے اس سے الگ کوئی دوسرا معاہدہ ہوا، یا پھر ان قبائل میں سے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ معاہدہ ہوا۔

یہ بات اس لئے اور بھی قرین قیاس ہے کہ اس معاہدہ میں دس یہودی قبائل کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کا ہر قبیلہ اپنی ایک علیحدہ وحدت اور جداگانہ حیثیت کے ساتھ شریک ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان میں سے کسی قبیلہ نے مسلمانوں سے جنگ کی تو دوسرے خاموش رہے، بلکہ مواقع پر تو انہوں نے اپنے ہم مذہبوں کے علی الرغم مسلمانوں کی مدد بھی کی۔ اگر یہ تمام قبائل کا یہ متحدہ معاہدہ ہوتا تو کسی ایک سے جنگ چھڑ جانے پر دوسرے خاموش نہ رہتے۔

یہود مدینہ کا نقض معاہدہ جنگ اور ان کا خاتمہ :

اب تک ان کی جو روش تھی، اس سے مسلمانوں کو ہر وقت یہ خطرہ لاحق تھا کہ معلوم نہیں کس وقت وہ نقض عہد کر کے ان پر حملہ کر دیں۔ اسی خطرہ کی وجہ سے جب تک یہود مدینہ میں رہے، آپ ﷺ جب کسی غزوہ میں مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو مدینہ کی حفاظت کا پورا انتظام فرما جاتے۔ یہی نہیں، بلکہ آہستہ آہستہ وہ معاہدہ کی ان رعایتوں کو بھی ختم کرتے جاتے تھے۔ جن کا مرعی رکھنا ان کے لئے ضروری تھا۔

غزوہ بدر میں معاہدہ کی رو سے ان کو مسلمانوں کی مدد کرنی چاہئے تھی۔ مگر انہوں نے کوئی مدد نہیں کی۔ پھر بھی ان کو اس پر کوئی شرمندگی ہوئی اور نہ ان کے طرز عمل میں کوئی فرق آیا، بلکہ بنو قینقاع نے تو غزوہ بدر کے فوراً بعد ہی نقض معاہدہ کا اعلان کر دیا اور اس کا مظاہرہ بھی شروع کر دیا، یعنی یہ کہ ایک مسلمان عورت کی کھلے بازار انہوں نے بے حرمتی کی۔

لیکن آپ ﷺ نے نقض معاہدہ اور اس واقعہ کے بعد بھی ان کے خلاف جارحانہ اقدام نہیں کیا۔ بلکہ اتمام حجت کے طور پر ان کو جمع کر کے سمجھانے کی کوشش کی اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، لیکن وہ کسی طرح نہ مانے اور انکار و جحود پر قائم رہے تو آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش کی طرح عذاب الہی تم کو بھی پالے۔ انہوں نے کہا، ہم قریش نہیں ہیں، ہم سے جنگ ہوگی تو معلوم ہوگا۔ چونکہ اس افہام و تفہیم کے بعد اب مزید مہلت کا موقع باقی نہیں رہ گیا تھا اس لئے مسلمانوں نے ان کے مکانوں کا محاصرہ کر لیا۔ آخر کار انہوں نے مدینہ چھوڑ دینے پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور وہاں سے وادی القریٰ، پھر کچھ دنوں بعد شام چلے گئے۔<sup>۱</sup>

اس قبیلہ کے بعض افراد کا اس کے بعد بھی مدینہ میں پتہ چلتا ہے۔ ممکن ہے جن لوگوں نے معافی مانگ لی ہو، ان کو رہنے کی اجازت مل گئی ہو۔

بنو قینقاع کے اخراج کے بعد بھی یہود کے دوسرے قبائل کو کوئی عبرت حاصل نہیں ہوئی اور نہ کوئی اپنی روش میں کوئی تبدیلی پیدا کی، بلکہ اب پہلے سے بھی زیادہ انہوں نے اسلام کے خلاف ریشہ دو انیاں شروع کر دیں۔ خفیہ ساز باز کی، قریش کو درپردہ مدد دی۔ آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش کی۔ غرض معاہدہ کی ایک ایک دفعہ کو انہوں نے عملاً توڑ ڈالا، تو ان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا اور

۱۔ غزوہ بدر کے بعد فوراً نقض معاہدہ کی وجہ سے اس کے کچھ کچھ میں نہیں آئی کہ انہوں نے سمجھا کہ مسلمان اس وقت کمزور ہیں۔ اگر ان پر حملہ کر دیا جائے تو باسانی ختم ہو سکتے ہیں۔ ۲۔ واقعی۔ ص ۱۸۰، ۲۶۲

ان کو اس کی سزا بھگتنی پڑی۔ اس لئے کہ معاہدہ میں بار بار یہ بات دہرائی گئی تھی کہ جو ظلم یا نقض معاہدہ کرے گا اس کو اس کا وبال اٹھانا پڑے گا۔ یعنی ۴ھ میں بنو نضیر کا مدینہ سے اخراج ہوا اور ۵ھ میں بنو قریظہ استیصال کیا گیا۔

ہم نے یہاں قصداً بہت اختصار سے کام لیا ہے۔ اس لئے کہ اس مختصر مقدمہ میں ان واقعات کی پوری تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ حالانکہ اس سلسلہ میں عاجز کے مطالعہ میں بعض ایسی چیزیں بھی آئی ہیں، جو سیرت کی متداول کتابوں میں نہیں ملتیں، مگر یہاں ان کے تذکرہ کا بھی موقع نہیں ہے۔

۴ھ میں بنو نضیر کے اخراج کے بعد مدینہ کی داخلی فضا بڑی حد تک پرسکون ہو گئی، مگر مدینہ کے باہر کی فضا مسلمانوں کے حق میں پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گئی۔ یہود مدینہ سے نکلے تو بنو قریظہ ع تو وادی القرئی ہوتے ہوئے شام چلے گئے، مگر بنو نضیر خیبر میں قیام پذیر ہو گئے۔ خیبر مدینہ کے بعد یہود کا دوسرا بڑا امرکز تھا۔

یہاں پہنچ کر وہ خاموش نہیں بیٹھے بلکہ اپنی ریشہ دوانیاں برابر جاری رکھیں۔ انہوں نے خیبر کی یہود اور آس پاس کے تمام عرب قبائل کو مدینہ پر حملہ کے لئے تیار کیا۔ ان کا ایک وفد قریش کے پاس بھی گیا۔ اس وفد کا سرکردہ حی بن اخطب تھا۔ اس سے اور قریش سے جو گفتگو ہوئی اسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں، تاکہ ان کی ریشہ دوانیوں کا پورا اندازہ ہو جائے۔

قریش : بنو نضیر کے لوگ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟

حی بن اخطب : ”کر کھم بین خیر والمدينة یتردّون حتی تاتوہم فیسروا معہم الی محمد الی محمد واصحابہ“۔

ترجمہ : ”میں نے ان کو خیبر اور مدینہ کے درمیان چھوڑ دیا ہے۔ وہ گشت کر رہے ہیں اور تمہاری آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ تم ان کو محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب پر حملہ میں اپنے ساتھ پاؤ گے۔“

قریش : بنی قریظہ کا کیا حال ہے؟

حی بن اخطب : ”اقاموا بالمدينة مکرا بمجد حتی تاتوہم فیملوا معکم“۔

ترجمہ : ”بنو قریظہ مدینہ میں محمد (ﷺ) کو دھوکا دینے کی غرض سے مقیم ہیں۔ جب تم مدینہ پہنچو گے تو وہ تمہارے ساتھ حملہ کر دیں گے۔“

اس سے دو باتوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ایک یہ کہ ان کی سازش کا جال کتنی دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ دوسری یہ کہ بنو نضیر کے اخراج کے وقت بنو قریظہ جو خاموش تھے تو درحقیقت اس میں ان کی ایک سیاسی چال اور سازش پوشیدہ تھی، جو غزوہ خندق کی صورت میں ظاہر ہوئی، جس میں حجاز کے تمام مشہور قبائل شریک تھے۔ لیکن نصرت خداوندی اور مسلمانوں کے حسن تدبیر سے ان کو زبردست شکست ہوئی۔

بنو قریظہ جس مقصد سے اب تک مدینہ میں رُکے ہوئے تھے۔ اس کا اس موقع پر انہوں نے درپردہ اظہار بھی کیا تھا، مگر ناکامی کے آثار دیکھ کر وہ کھل کر سامنے نہیں آئے۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی درپردہ کبادیوں اور فساد انگیزیوں کا چونکہ علم ہو چکا تھا، اس لئے خندق کے فوراً بعد مدینہ سے ان کا بالکل استیصال کر دیا گیا۔

یہود خیبر سے جنگ :

غزوہ خندق عبرتناک شکست اور بنو قریظہ کی شدید ناکامی کے بعد بھی یہود کو تنبیہ نہیں ہوئی اور وہ دوبارہ خیبر اور اس کے آس پاس کے قبائل میں جنگ کی آگ بھڑکانے کی فکر میں لگ گئے۔ اس وقت یہود خیبر کا سردار اسیر بن رزام تھا۔ اس نے تمام عرب قبائل میں دورہ کیا اور مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے ان کو ابھارا۔ یہود کے سامنے تقریر کی کہ ہمارے چشموں نے محمد (ﷺ) کے مقابلے کے لئے جو تدبیریں اختیار کیں، وہ غلط تھیں۔ صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمد (ﷺ) کے مرکز حکومت پر حملہ کیا جائے اور میں یہی طریقہ اختیار کروں گا۔

امام سرخسی کے ایک بیان سے پتہ چلتا ہے کہ یہود خیبر اور اہل مکہ کے درمیان بھی ایک خفیہ معاہدہ ہوا تھا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں :

”لما كان بين اهل مكة واهل خيبر من المواخاة على ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا توجه الى احد الفريقين اغار الفريق الآخر“۔

”اہل مکہ اور اہل خیبر (یہود) کے درمیان یہ معاہدہ تھا اگر رسول اللہ ﷺ دونوں میں سے کسی فریق پر حملہ کریں تو دوسرا فریق اس کی جنگی مدد کرے گا۔“

ایک طرف یہود کے مکرو فریب کا یہ جال بچھا ہوا تھا۔ دوسری طرف خود اہل غزوہ خندق کی ذلت انگیز شکست کے بعد انتقام کی تیاریاں کر رہے تھے۔ جس کی اطلاعیں برابر بارگاہ رسالت ﷺ میں

پہنچتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے بیک وقت دونوں دشمنوں سے مقابلہ کرنا آسان نہ تھا۔ دوسرے اس وقت اہل مکہ سے کہیں زیادہ اہل خیبر کی طرف سے حملہ کا خطرہ تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے تو اہل مکہ سے حدیبیہ میں صلح کر لی تھی تاکہ دشمن کا ایک بازو بے کار ہو جائے۔ امام سرحسی لکھتے ہیں :

” فواد ع اهل مكة حتى يا من جانبهم “<sup>۱</sup>۔

” اہل مکہ سے آپ نے معاہدہ صلح کر لیا۔ جس سے آپ کو غنیم کے ایک گروہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ “

اور اہل خیبر کے خلاف جارحانہ اقدام کر دیا۔ چونکہ یہ معرکہ مختلف حیثیتوں سے بہت سخت تھا، اس لئے آپ نے مدینہ میں یہ اعلان فرمادیا : کہ

” لا یخرجن معنا الا راغب الجهاد “

” صرف وہی لوگ ساتھ چلیں جن کی نیت جہاد کی ہو۔ “

اس کے دو مقصود تھے۔ ایک یہ کہ بزدل، غنیمت کے حریص اور منافقین نہ جانے پائیں اور دوسرا یہ کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اقدام ملک گیری کے لئے نہیں، بلکہ اعلاء کلمۃ اللہ اور حفاظت خود اختیاری کے لئے ہے۔

مسلمان مدینہ سے خیبر کے لئے روانہ ہوئے تو یہود کے بعض قبیلوں نے راستہ میں ان سے چھیڑ چھاڑ کرنی چاہی، مگر مسلمان ان تمام موانع سے بچتے ہوئے خیبر پہنچ گئے۔

اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ خیبر کے یہود نہایت مالدار اور جنگی حیثیت سے نہایت مضبوط تھے۔ ان کے پاس متعدد نہایت مضبوط اور مستحکم قلعے تھے۔ جن میں یعقوبی کے بیان کے مطابق بیس ہزار مسلح سپاہی موجود تھے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو اتنا سخت کوئی معرکہ پیش نہیں آیا تھا۔ تقریباً تین ہفتہ تک مسلسل جنگ ہوتی رہی۔ مسلمانوں کو بہت سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ یہود قلعہ بند ہو کر لڑ رہے تھے، پھر ان کے پاس منجیقیں تھیں، جنہیں وہ اس موقع پر استعمال کر رہے تھے، لیکن آخر کار یہود یہ تمام قلعے جن پر ان کو ناز تھا، یکے بعد دیگرے فتح ہو گئے اور ان کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔

خیبر کے یہود کی گذشتہ ریشہ دوانیاں تو ایسی تھیں کہ وہ کسی رعایت اور مروت کے مستحق نہیں تھے، مگر رحمت عالم ﷺ نے نہ صرف یہ کہ ان کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی بلکہ ان کے ساتھ بہت خیر خواہانہ اور فیاضانہ سلوک کیا۔ ان کے قلعے، مکانات، باغات سب واپس کر دیئے۔



ان کی زمینیں ان کے پاس رہنے دیں اور طے کیا کہ ان میں جو پیداوار ہوگی اس کا نصف حصہ وہ برابر حضور ﷺ کو دیتے رہیں گے۔

اس ضمن میں دو ایک واقعے قابل ذکر ہیں۔ اثنائے جنگ میں یہودیوں کا ایک چرواہا جس کے ساتھ جانوروں کا ریوڑ بھی تھا، آ کر مسلمان ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ جاؤ، جانوروں کو ان کے مالک کے پاس پہنچا آؤ۔

دوران جنگ میں تورات کے کچھ نسخے مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے تھے، وہ ان کو واپس کر دیئے گئے۔<sup>۱</sup>

یہاں تک رعایت کی گئی کہ خیبر میں کوئی مسلمان امیر تک مقرر نہیں کیا گیا۔ بلکہ مسلمان تحصیلدار سال بسال وہاں جاتے تھے اور غلہ وصول کرتے تھے۔ وہ غلہ کی وصولی میں اس قدر عدل و انصاف برتتے تھے کہ غلہ کو دو حصوں میں برابر تقسیم کر دیتے تھے اور یہودیوں سے کہتے تھے کہ ان میں سے جو چاہو لے لو۔ یہ دیکھ کر یہود کہتے کہ اسی عدل و انصاف کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں۔<sup>۲</sup>

اس موقع پر ایک طویل بحث یہود کے خیبر چھوڑنے کی بھی ہے، مگر ہم اس کو خوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔

حجاز کے دوسرے حصوں کے یہود جنگ خیبر کے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے جو ان کے ہم مذہبوں کی صورت میں برآمد ہوا۔ ان کی شکست اور سقوط خیبر کے بعد ہمیشہ کے لئے حجاز سے یہود کا سیاسی اور جنگی زور ختم ہو گیا۔ امام سرخسی لکھتے ہیں :

” ان اليهود بالحجاز كانوا ينظرون ما يؤل اليه حال النبي صلى الله عليه وسلم مع اهل خيبر فقد كانوا عز اليهود بالحجاز فلما صاروا مقهورين ذلت سائر اليهود وانقادوا“

” حجاز کے تمام یہود اہل خیبر اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان جنگ تھی اس کے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے۔ اس لئے کہ خیبر کے یہود حجاز کے یہودیوں میں سب سے زیادہ غالب، معزز اور صاحب اثر تھے، جب وہ مغلوب ہو گئے تو سارے یہودی منقاد و مطیع ہو گئے۔“

چنانچہ اس کے بعد ہی فدک، تیما، وادی القرئی اور بنو عذرہ کے یہودیوں نے یکے بعد دیگرے اطاعت قبول کر کے صلح کر لی۔

حجاز سے باہر مقناہ جرباء، اذرح وغیرہ میں جو یہود تھے، ان میں سے بیشتر نے ۸ھ کے درمیان اطاعت قبول کی۔ غرض یہ ہے کہ خیبر کی شکست کے بعد یہود کی قوت و عزت کا خاتمہ ہو گیا اور پھر ان کے مسلمانوں کے درمیان کوئی اور جنگ نہیں ہوئی۔

ابھی یہود بعد از اسلام کی تاریخ کے بہت سے گوشے، مثلاً اسلامی علوم و فنون کی ترقی و خدمت میں انہوں نے کیا حصہ لیا۔ اس کے کیا مفید و مضر اثرات مرتب ہوئے۔ مسلمانوں کے تمدن و معاشرت پر انہوں نے کیا اثر ڈالا اور اسلامی تمدن و معاشرت کے انہوں نے کیا اثرات قبول کئے وغیرہ تشہد تفصیل ہیں۔ لیکن ہم کو ناظرین کتاب کی و اماندگی نظر کا احساس ہے۔ اس لئے اس موضوع کو کسی اور فرصت کے لئے اٹھار کھتے ہیں اور نصاریٰ کی تاریخ کی طرف توجہ کرتے ہیں، جو مقدمہ کا دوسرا اہم حصہ ہے۔





## نصاری

اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ عربوں سے دوسری قوموں کے جو تین بڑے ذریعے تھے ان میں ایک عیسائیت بھی تھی۔ جزیرہ عرب میں اس کی ابتداء کب اور کس طرح ہوئی۔ اس کو سب سے پہلے عرب کے کن قبائل قبول کیا۔ صحیح طور سے ان کی نشان دہی مشکل ہے۔ تاہم عرب کے نصاریٰ کی تاریخ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہود کے برخلاف جزیرہ میں ان کی آمد اور عیسائیت کی ترویج و ترقی کے اسباب زیادہ تر سیاسی اور کسی حد تک تبلیغی اور تجارتی تھے۔ یہود یا تو یہاں ہجرت کر کے آئے تھے، یا تجارت کی غرض سے آئے اور پھر یہاں آکر آباد ہو گئے۔ جس کی وجہ سے یہودیت کو فروغ ہوا۔

اس کے برعکس یہاں عیسائیت کی ابتدا اور اس کی اشاعت زیادہ تر حکومت کے سایہ میں ہوئی۔ تجارتی آمد رفت سے بھی کسی قدر اس میں مدد ملی اور عیسائیت مشزیوں اور پادریوں نے بھی اس کی اشاعت میں حصہ لیا۔ مگر یہ سب حکومت کے کارندے تھے۔ تاریخ سے یہ بالکل پتہ نہیں چلتا کہ خود عیسائیوں کا کوئی طبقہ یا قبیلہ کہیں باہر سے ہجرت کر کے جزیرہ میں آیا ہو، اور یہاں بس گیا ہو۔ اس لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ عرب میں جو عیسائی تھے وہ سب خالص عربی النسل تھے۔

عرب کے پڑوس میں روم و حبشہ و عیسائی حکومتیں قائم تھیں۔ جن کے اثرات سے یہاں عیسائیت فروغ ہوا۔ اس لئے پہلے ان کے اور عربوں کے تعلقات پر ایک سرسری نظر ڈالینی چاہئے۔

### رومیوں اور عربوں کے قدیم تعلقات :

قدیم زمانہ سے عربوں کی تجارت تقریباً تمام قریب و بعید ملکوں میں تھی۔ چین، ہندوستان اور افریقہ اور یورپ تک عرب اپنا مال تجارت لے جاتے تھے۔ خصوصیت سے ایشیائے کوچک اور رومیوں کے تعلقات کے ذریعہ تو عرب تاجر ہی تھے<sup>۱</sup>۔ لیبان نے لکھا ہے کہ ۳<sup>۲</sup> صدی قبل مسیح سے پہلے رومیوں اور عربوں کے تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔ مگر رومی و یونانی مورخین اس سے بہت کم واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسالے، عطریات، ملبوسات اور جوہرات وغیرہ کی قسم کی جو ہندوستان و چین سے

۱ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو عیسائی اور نصرانی دونوں کہتے ہیں۔ نصاریٰ اسی نصرانی کی جمع ہے۔ جب حضرت عیسیٰ کے نام کی طرف ان کی نسبت ہوتی ہے تو عیسائی کہے جاتے ہیں اور جب آپ کے وطن ناصرہ کی طرف نسبت ہوتی ہے تو نصرانی کہلائے جاتے ہیں۔  
۲ تمدن عرب۔ ص ۸۵

آتی تھیں اور عربوں کے ذریعہ دوسرے ممالک کو جاتی تھیں، وہ عرب ہی کی پیداوار اور حاصلات سمجھتے تھے۔ اسی لالچ میں رومیوں نے کئی بار جزیرہ بحر کو فتح کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوئے<sup>۱</sup>۔ عربوں اور رومیوں کے یہ تعلقات اس وقت تھے جب رومی صرف رومی تھے، عیسائی نہیں ہوئے تھے۔ لیکن ان کے عیسائی ہو جانے کے بعد ان میں اور عربوں میں جو تعلقات پیدا ہوئے اس کی تفصیل یہ ہے :

### رومی عیسائیوں سے تعلقات :

قدیم زمانہ میں یمن کے متعدد عربی قبیلے، ترک وطن کر کے دمشق و کوفہ میں آباد ہو گئے تھے۔ سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں ان قبائل نے یہاں اپنی متعدد نوآبادیاں اور قبائلی ریاستیں قائم کر لی تھیں۔ ایک طرف اگر ایرانی سرحد کے قریب حیرہ (کوفہ) میں ان کی ایک ریاست تھی تو دوسری طرف دمشق میں رومی اور عربی سرحد پر قبیلہ سلج جن کو ضجاعمہ اور ضجاعم بھی کہتے ہیں۔ ان کی نوآبادی قائم تھی۔ ان کے علاوہ سرحدی علاقہ میں اور بھی متعدد قبائل آباد تھے۔

عربوں کو ایرانیوں اور رومیوں دونوں سے نفرت تھی اور پھر معاشی حیثیت سے بھی مطمئن نہیں تھے۔ اس لئے اپنے ملحقہ رومی اور ایرانی علاقوں میں برابر لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ رومیوں اور ایرانیوں میں صدیوں سے سیاسی چشمک تھی۔ اس لئے دونوں کچھ تو اپنے سیاسی مصالح اور دوسرے عربوں کی آئے دن کی غارتگری اور لوٹ مار کی وجہ سے ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ جس میں دونوں کا کامیابی ہوئی۔ ایک طرف اگر ایرانیوں نے آہستہ آہستہ حیرہ کو اپنا ہمنوا بنا لیا<sup>۲</sup>۔ تو دوسری طرف رومی دمشق کے عربی قبائل کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور وہاں اپنی ایک باجگزار ریاست بنالی<sup>۳</sup>۔

دمشق میں پہلے قبیلہ ضجعم جو یہاں کا سب سے طاقتور قبیلہ تھا، باجگزار حکومت قائم ہوئی۔ سد مارب کے ٹوٹنے کے بعد قبیلہ غسان جب یمن سے ہجرت کر کے دمشق آیا تو ضجعمیوں نے رومی سلطنت کی طرف سے ان پر فی کس ڈیڑھ دینار سالانہ ٹیکس مقرر کیا۔ پہلے تو اس کے ادا کرنے میں انہوں نے پس و پیش کیا، مگر پھر راضی ہو گئے اور کچھ دنوں تک ٹیکس دیتے رہے، پھر اس کے دینے سے انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں میں جنگ ہوئی۔ جس میں ضجعمیوں کو شکست ہوئی اور ان نے یہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔ جس کا سردار یا حکمران ثعلبہ تھا۔

غسانیا چونکہ رومیوں کے ٹیکس سے عاجز آ کر لڑائی پر اتر آئے تھے۔ اس لئے غالباً رومی حکومت کو خطرہ پیدا ہوا ہوگا کہ کہیں یہ ایرانیوں سے نمل جائیں۔ اس لئے انہوں نے غسانیا سردار ثعلبہ کے پاس پیام بھیجا کہ ”تم بڑے بہادر لوگ ہو، تم نے عرب کے سب سے طاقتور کوشکست دے دی۔ اس لئے صحیح جمیوں کی جگہ تمہیں حاکم مقرر کیا جاتا ہے۔ تم پر کوئی حملہ آور ہوگا تو رومی حکومت چالیس ہزار فوج سے تمہاری مدد کرے گی اور اگر ہم پر کوئی حملہ آور ہو تو تم لوگ بیس ہزار مسلح فوج سے ہماری مدد کرو گے۔ اسی کے ساتھ ہمارے اور ایرانیوں کے باہمی معاملات میں تمہیں کوئی دخل نہ ہوگا۔ چنانچہ طرفین میں یہ معاہدہ ہو گیا اور غسانیا کی حکومت یہاں قائم ہو گئی۔“

غسانیا حکومت کس صدی میں قائم ہوئی؟ مختلف فیہ ہے۔ عام مورخین اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مرتبین کے بیان کے مطابق یہ چھٹی صدی عیسوی کا ابتدائی واقعہ ہے۔ مگر صاحب کتاب الحجر کا بیان ہے کہ غسانیا حکومت کی ابتدا تیسری صدی کے ابتدائی سالوں میں ہوئی۔ محمد بن حبیب نے لکھا ہے کہ غسانیا سے جس رومی شہنشاہ نے معاہدہ کیا تھا اس کا نام دی قیوس (DECIUS) تھا۔ جس کی وفات ۲۵۱ء میں ہوئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ غسانیا کی آمد اس سے پہلے ہوئی ہوگی۔ غرض غسانیا نے ہمیشہ عربی حمیت و وفاداری کی لاج رکھی اور سخت سے سخت وقت میں بھی رومیوں کا ساتھ نہیں چھوڑا اور ان کے دمساز رہے، یہاں تک کہ ان کے اثر سے خود بھی عیسائی ہو گئے۔“

عربوں کی یہی سرحدی ریاست جزیرہ عرب میں عیسائیت کا سوغات لائی اور پورے جزیرہ عرب میں اس کو لے جا کر تقسیم کیا۔ اس کے بعد رومیوں کے اثرات بتدریج بڑھتے گئے، یعنی ان کی اسی حکمران داری کے سایہ میں ان کا تمدن، ان کا علم اور مذہب بھی آیا۔ جس سے عربوں کے دل و دماغ اثر پذیر ہونے لگے۔

چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں سرحدی عربوں کی متعدد چھوت چھوٹی قبائلی ریاستیں پورے طور پر رومیوں کے سیاسی اثر کے ماتحت آ گئیں اور متعدد قبائل نے عیسائیت قبول کر لی۔ ان کے یہ تمدنی اور علمی اور مذہبی اثرات صرف سرحدی مقام و قبائل ہی تک محدود نہیں رہے، بلکہ انہوں نے اس کو شمالی حجاز کے مرکزی شہروں مکہ، یثرب اور وادی القریٰ تک پھیلانے کی کوشش کی۔

۱۔ کتاب الحجر (ص ۱ و ۳) کی تاریخ جتنی آ جا کر ہے اتنی ہی غسانیا کی تاریخ اُلجھی ہوئی ہے۔ یہ بیان ہم نے ڈاکٹر حمید اللہ کے اتباع میں کتاب الحجر سے لیا ہے، جو بہت واضح ہے اور جس سے غسانیا کی تاریخ پر پوری روشنی پڑتی ہے۔

۲۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ محمد بن حبیب کے اس بیان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اب تک یہ خیال تھا کہ ۵۱۸ء کا واقعہ ہے۔ ساسی زندگی ص ۲۶۵ ۳۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام بحوالہ ساسی زندگی۔

کعبہ کی وجہ سے مکہ کو مذہبی تقدس حاصل تھا اور اس کی تولیت پورے عرب کی سیادت کے ہم معنی تھی۔ اس لئے ہر زمانہ میں ہر طاقتور قبیلہ نے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ پہلے جب ہم اس پر قابض تھے۔ اس کے بعد خزاعہ قابض ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کے پردادا کے دادا قصی نے خزائی سردار حلیل جو اس وقت کعبہ کا متولی تھا، اس کی لڑکی سے شادی کر لی، قصی نہایت ہوش مند اور صاحب صلاحیت تھے۔ اس لئے حلیل جب مرنے لگا تو کعبہ کی تولیت کے لئے ان سے وصیت کر گیا۔ لیکن بنو خزاعہ نے اس کے مرنے کے بعد قصی کو متولی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اور جنگ تک نوبت پہنچ گئی اور قصی کامیاب ہو گئے۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے : کہ

”اعانہ قیصر علیہا“ - (ص ۲۷۹)

”قیصر روم نے اس اقتدار کے حصول میں قصی کو مدد دی۔“

بعثت نبوی سے دو سو برس پہلے یثرب میں ایک مرتبہ یہودیوں اور اوس و خزرج میں جنگ ہوئی تو غسانوں نے ان قبیلوں کی مدد کی تھی<sup>۱</sup>۔ ظاہر ہے کہ رومیوں اور غسانوں کی قصی اور اوس و خزرج کے ساتھ یہ ہمدردی اور امداد و اعانت یونہی نہیں تھی، بلکہ اس میں ان کی ایک سیاسی غرض پوشیدہ تھی۔ یعنی وہ چاہتے تھے کہ سرحدی مقامات کی طرح جزیرہ کے اندرونی مقامات خصوصیت سے حجاز میں بھی ان کا کچھ نہ کچھ عمل دخل ہو جائے اور وہ اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

### اہل حبشہ اور عربوں کے تعلقات :

سرحدی مقامات اور شمالی حجاز میں عیسائی اثرات رومی حکومت یا اس کے زیر اثر سرحدی ریاستوں کے ذریعہ پھیلے۔ مگر جزیرہ کے جنوبی حصہ یعنی یمن اور اس سے ملحقہ علاقوں میں عیسائیت کے فروغ کا سب سے بڑا ذریعہ حبشہ کی عیسائی حکومت تھی۔ اس لئے اس کے اور عربوں کے قدیم تعلقات پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہئے۔

بعض مستشرقین حبشہ (ابی سینیا) کے صوبہ امہرہ کا تعلق یمن کے قدیم قبیلہ مہرہ سے ثابت کیا ہے<sup>۲</sup>۔ ابن خلدون نے مہرہ کے متعلق تو نہیں مگر اس سلسلہ کی دوسری شاخوں کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مصر و حبشہ تک پھیل گئے تھے<sup>۳</sup>۔ ممکن ہے اسی تعلق کی بنا پر مستشرقین نے یہ رائے قائم کر لی ہو۔

اگر ابن خلدون اور مستشرقین کے بیان کو تسلیم کر لیا جائے تو تیسری صدی عیسوی سے پہلے عربوں اور اہل حبشہ میں تعلقات قائم ہو چکے تھے۔

یمن میں عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز نجران تھا۔ پانچویں صدی عیسوی سے پہلے یہاں عیسائیت آچکی تھی۔ اس وقت یہاں حمیری حکومت تھی۔ جس کے فرمانروا عموماً یہودی تھے۔ آخری فرمانروا ذونواس تو غالی یہودی تھا۔ یمن کی اس حمیری حکومت اور حبشہ کی عیسائی حکومت میں برسوں کشمکش تھی۔ یمن میں عیسائیت کے فروغ سے حمیری حکومت اپنے لئے خطرہ محسوس کر رہی تھی۔ اس لئے وہ اس ملک میں اس کے خاتمہ کی فکر میں تھی۔

اسی اثناء میں ایک اتفاقی واقعہ پیش آ گیا کہ دو یہودی نجران میں قتل کر دیئے گئے، ذونواس کا اس کی اطلاع ہوئی تو اس کو ایک بہانہ ہاتھ آ گیا۔ پوری ایک فوج کے ساتھ نجران گیا اور عیسائیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ قرآن کی اس آیت ”فَقَتَلَ أَصْحَابَ الْأَخْذُودِ“ میں ذونواس کے اسی حملہ اور قتل عام کی طرف اشارہ ہے۔

جو نجرانی عیسائی قتل ہونے سے بچ گئے۔ وہ حبشہ کے عیسائی بادشاہ کے دربار میں فریاد لے کر پہنچے اور اس کے سامنے انجیل مقدس کی جلی ہوئی جلدیں پیش کیں۔ غالباً وہ تنہا یمنی حکومت سے ان مظالم کا انتقام نہیں لے سکتا تھا، اس لئے اس نے قیصر روم سے مدد چاہی۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ خود نجران کے فریادی ہی قیصر روم کے پاس گئے تھے۔ بہت ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ حبشہ گئے ہوں اور کچھ روم، اور مدد کی خواستگار ہوئے ہوں۔

بہر حال قیصر متاثر ہوا، اور کئی سو کشتیاں تیار کرا کے حبشہ روانہ کیں۔ خود نجاشی شاہ حبشہ نے بھی سات سو کشتیاں تیار کرائیں اور ان پر ایک لاکھ یا اس سے زیادہ فوج سوار ہوئی اور یہ فوج ان ہی کشتیوں کے ذریعہ آبنائے باب المندب کو عبور کر کے یمن کے ساحل پر اتر گئی اور یمن پر حملہ کر دیا۔ جس میں ابتداً ان کو شکست اٹھانی پڑی۔ فوراً ہی حبشہ سے کمک آگئی اور اس نے حمیری حکومت کو شکست دے دی۔ ان کے فرمانروا ذونواس نے خودکشی کر لی۔

یہ واقعہ ۳۹۶ء کا ہے۔ ذونواس کی شکست و خودکشی کے بعد پورا یمن حبشہ کی عیسائی حکومت کے تحت آ گیا اور اس کے زیر سایہ عیسائیت کو یہاں بڑا فروغ ہوا اور تقریباً سو برس تک اس کا زور قائم رہا۔

۱۔ اس لئے کہ جن قبائل کا ذکر ابن خلدون نے کیا ہے، وہ مارب ٹوٹنے سے پہلے یمن سے باہر جا چکے تھے اور سد مارب کے متعلق اوپر ثابت ہو چکا ہے۔ یہ واقعہ تیسری صدی کی ابتدا میں پیش آیا۔ ۲۔ اس آیت کی تفسیر و تشریح یہود کے ذکر میں آچکے ہے۔



اس کے بعد ایرانیوں کا قبضہ ہوا۔ جس سے عیسائیت کا زور تو گھٹ ضرور گیا، مگر ختم نہیں ہوا۔ ہم نے اوپر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جزیرہ بحر میں عیسائیت کو فروغ ہمیشہ حکومت کے زیرِ سایہ، یا عیسائیوں کے سیاسی تغلب کے تحت ہوا ہے۔ اس واقعات سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ یمن پر حبشہ کے تسلط کے بعد اس طرف سے برابر گورنروں ہاں جاتے تھے۔ یمن میں حبشہ کی حکومت کا ایک عیسائی گورنر ابرہہ گذرا ہے۔ جو بڑا مذہبی تھا اور جس نے وہاں تاریخی و تمدنی کارنامے انجام دیئے ہیں، جن کی وجہ سے اس کا نام اب تک زندہ ہے۔ مثلاً سد مارب کی مرمت اور متعدد گرجوں کی تعمیر وغیرہ۔

### اصحاب الفیل :

اسی ابرہہ کے زمانے کا ایک واقعہ کعبہ کے انہدام کی غرض سے خود اس کی سرکردگی میں اصحاب فیل کی مکہ پر چڑھائی کا بھی ہے۔ جس کا عربوں سے بڑا گہرا تعلق ہے، اور قرآن میں اس کا ذکر آ جانے کی وجہ سے اس کو بڑی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ اس حملہ کے مفسرین نے متعدد اسباب بیان کئے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔ کہ

ابرہہ نے یمن کے دار السلطنت صنعاء میں ایک کلیسا تعمیر کرایا اور شاہ حبشہ کو لکھا کہ اس کلیسا کی تعمیر سے میرا مقصد یہ ہے کہ کعبہ کے بجائے لوگ یہاں آئیں اور اس کو کعبہ بنائیں۔ کسی طرح عربوں کو اس کا علم ہو گیا اور اس کا خط ان کے ہاتھ لگ گیا، جس سے ان کو بڑا اشتعال پیدا ہوا اور ایک شخص نے صنعاء جا کر کلیسا کو گندا کر دیا۔ ابرہہ نے اس پر کعبہ کے انہدام کا فیصلہ کیا اور مکہ پر حملہ کر دیا۔ دوسرا یہ کہ کچھ عربوں کی غلطی کی وجہ سے کلیسا میں آگ لگ گئی۔ جس سے مشتعل ہو کر ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کر دی۔

امام طبری نے لکھا ہے کہ ابرہہ کے یہاں سے بہت سے عربوں کو وظیفہ اور روزیہ ملتا تھا۔ ایک مرتبہ خزاعہ کے چند افراد اس کے دربار میں آئے۔ جن میں محمد بن الخزاعی اور اس کا بھائی قیس بھی تھا۔ ابرہہ نے ان سے کہا کہ میں یہاں ایک کلیسا بنوایا ہے اور چاہتا ہوں کہ تم تمام قبائل میں گھوم گھوم کر اعلان کر دو کہ وہ یمن کے اس کعبہ کے حج کے لئے آئیں۔ یہ دونوں اس مہم پر روانہ ہو گئے۔ جب یہ قبیلہ بنو کنانہ میں پہنچے تو اس کے چند افراد نے انہیں قتل کر دیا۔ اس پر ابرہہ نے حملہ کی تیاری شروع کر دی۔

۱۔ عموماً ان ضمنی باتوں کو جو اصلی سبب کے ضمن میں پیش آئیں، حملہ کا سبب بنا دیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان واقعات کے پڑھنے والے کو تشویش ہوتی ہے۔ لیکن اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو کلیسا میں گندگی کرنے، آگ لگ جانے یا خزاعی سردار کے قتل کے واقعات درحقیقت حملہ کا سبب نہیں۔ بلکہ اس کا بہانہ بن گئے۔ اصلی سبب سیاسی اور مذہبی تغلب تھا۔ جیسا کہ نجران پر حملہ کرنے کے ذوق اس نے یہودیوں کے قتل کو بہانہ بنا لیا تھا، حالانکہ اپنے سیاسی مصالح کے تحت وہ پہلے سے اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

بات یہ ہے کہ کعبہ کی وجہ سے رومیوں کو قدیم زمانے سے حجاز اور خصوصیت سے اس کے مرکزی شہر مکہ پر قبضہ کرنے کی خواہش تھی اور اس کے لئے انہوں نے کئی بار کوشش بھی کی مگر ناکام رہے۔ اس کے بعد انہوں نے غیر جنگی طریقہ اختیار کیا۔ یعنی اقتصادی و سیاسی مراعات و فوائد کے نام سے انہوں نے عربوں کی استمالت شروع کر دی۔

اوپر یہ آچکا ہے کہ قصی کو قیصر نے مکہ پر قبضہ کرنے میں مدد دی اور ان کے حوصلہ مند پوتوں کو رومیوں اور حبشیوں نے اپنے اپنے ملکوں میں تجارت اور آمد رفت کی سہولتیں فراہم کیں۔ ہاشم کے چار لڑکے تھے۔ ہاشم، عبد شمس، نوفل، المطلب۔ ان میں ہر ایک نے جزیرہ عرب کے قریب کے ملکوں سے تعلقات پیدا کئے اور ان ممالک میں تجارتی سہولتیں حاصل کیں۔

عبد شمس نے قیصر روم اور شاہ غسان سے، نوفل نے شاہ ایران سے، مطلب نے یمن کے حمیری بادشاہ سے اور ہاشم نے نجاشی شاہ حبشہ سے ملاقات کی۔ ابن سعد میں ہے کہ قیصر روم نے تو ان کے لئے نجاشی کے نام ایک سفارشی خط بھی لکھا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر سختی اور جبر سے ان پر قابو نہیں پایا جاسکتا تو اسی ذریعہ سے ان پر اپنا سیاسی و مذہبی اقتدار قائم کیا جائے اور سرحد پر اس کا کامیاب تجربہ ان کو ہو بھی چکا تھا۔ مگر حجازی عرب ان سے کہیں زیادہ ہوش مند نکلے اور ان کی ہوس اقتدار پوری نہ ہو سکی۔

جب حبشہ پر رومیوں کا اقتدار ہوا اور حبشہ کے ذریعے یمن قبضہ میں آیا تو ان کے دل میں حجاز کر سہ کر لینے کی پھر خواہش پیدا ہوئی تو تعجب نہیں اور کیا عجب ہے کہ اپنی اسی دیرینہ آرزو کی تکمیل ہی کی غرض سے انہوں نے یمن کو فتح کرنے میں حبشہ کی مدد کی ہو۔

۱۔ محمد بن حبیب ایلاف کے معنی العہود یعنی پردانے لکھے ہیں۔ کتاب الحجر۔ ص ۱۶۲، اس واقعہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے یعقوبی۔ جلد ۱۔ ص ۱۲۸، ابن سعد۔ جلد ۱۔ ص ۴۳۔ ۴۵، بعض مفسرین نے سورۃ ایلاف کی تفسیر میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

لیکن اس راہ میں سب سے بڑی جو چیز حائل تھی وہ کعبہ کا تقدس اور اس کی وجہ سے مکہ اور اہل مکہ کی مرکزیت تھی۔ اس کو ختم کرنے کے لئے ابرہہ نے دو کلیدہ بنوائے۔ ایک صنعاً میں اور دوسرا نجران میں، اور سارے عرب قبائل میں ان کی زیارت کے لئے فود بھیجے۔ مگر اس کو ان تمام کوششوں میں سخت ناکامی ہوئی۔ نہ کعبہ کی تقدیس کو وہ صدمہ پہنچا سکا اور نہ ہو مکہ کی مرکزیت و اہل مکہ کی مرجعیت کا خاتمہ کر سکا۔ اس بنا پر اس کی آتش غضب بھڑک اٹھی ہوگی۔ اسی اثنا میں کلیسا میں نجاست ڈالنے اور آگ لگنے کے واقعات پیش آگئے ہوں گے جن کو اس نے اپنے حملہ کا بہانہ بنا لیا۔ جیسا کہ آجکل کی حکومتیں ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لئے اس طرح کے بہانوں کی تلاش میں رہتی ہیں۔

اس حملہ میں ابرہہ کو سخت ناکامی ہوئی۔ یہ واقعہ ۵۷ھ میں ہوا۔ اسی سال رحمت عالم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

جسٹہ اور عربوں کے تعلقات میں تجارتی کاروبار اور ایک دوسرے کے ملک میں آمد و رفت کو بھی دخل تھا۔ جس کا سلسلہ قدیم زمانہ سے قائم تھا۔ عرب تاجر اپنے ملک سے چمڑے، گوند، لوبان اور اونی کپڑے لے جاتے تھے اور وہاں سے غلہ لاتے تھے۔

بعثت نبوی کے وقت رومیوں اور حجازی عربوں کے تعلقات کشیدہ نظر آتے ہیں، اور ان کا میلان رومیوں سے زیادہ ایرانیوں کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ قریشی تاجروں کو رومیوں کے مقبوضات میں جو سہولتیں حاصل تھیں وہ غالباً ختم ہو گئی تھیں۔ بلکہ رومی ان پر بڑے سخت ٹیکس عائد کرنے لگے تھے۔ ہمارا قیاس ہے کہ رومیوں کی کشیدگی کا سبب تو حجاز میں ان کی سیاسی ناکامی ہوگی اور ان کی طرف سے عربوں کی رنجش اور کدورت کا سبب ابرہہ کا حملہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حجاز کے علاوہ دوسرے حصہ کے عربوں اور رومیوں میں اب بھی تعلقات ویسے ہی قائم تھے۔ ایرانیوں کی طرف ان کے میلان کی کوئی وجہ بظاہر سمجھ میں نہیں آئی۔ بجز اس کے کہ وہ بھی بت پرست تھے اور عرب بھی!۔

غرض ظہور اسلام کے وقت عام طور پر مشرکین حجاز رومیوں کو ناپسند اور ایرانیوں کو پسند کرتے تھے۔ چنانچہ بعثت نبوی کے کئی سال بعد رومیوں اور ایرانیوں میں ایک زبردست جنگ ہوئی، جس میں

۱۔ عام مفسرین یہی وجہ بتاتے ہیں۔ لیکن اگر یہی وجہ تسلیم کر لی جائے تو جسٹہ سے بھی ان کے تعلقات کشیدہ ہونے چاہئیں، مگر ایسا نہیں تھا۔ بلکہ جسٹہ کی حکومت سے اہل مکہ کے تعلقات ظہور اسلام کے وقت بالکل استوار تھے۔ ممکن ہے کہ اس میں نجاشی کی طبی نیکی و شرافت کو بھی دخل ہو۔

رومیوں کو بڑی سخت شکست ہوئی۔ اس شکست سے اہل مکہ بہت خوش ہوئے مگر مسلمانوں کو اس سے بڑا رنج ہوا۔ جس کی وجہ سے سورہ روم میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

”الْمَ غَلَبَتِ الرُّومَ فِي ادْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي

بَضْعِ سَنِينَ“

”اہل روم مغلوب ہو گئے۔ ایک قریب کے ملک میں اور اس کے بعد عنقریب چند برسوں

میں پھر غالب ہوں گے۔“

چنانچہ قرآن کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی، یعنی یہ کہ چند برس کے بعد پھر رومیوں اور ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ آپ ﷺ اس وقت مدینہ میں جلوہ فرماتے اور عین غزوہ بدر کے روز یہ خوشخبری مسلمانوں کو ملی۔

مختصر یہ کہ ان ہی قدیم و جدید تعلقات کی بنا پر جزیرہ عرب کے تقریباً ہر حصہ میں عیسائیت پھیل گئی۔ اب ہم ان مقامات اور قبائل کا نام بنا کر ذکر کرتے ہیں، جن میں ظہور اسلام کے وقت عیسائیت موجود تھی۔

**بحران :** بحران یمن میں ایک مشہور مقام تھا۔ یہ اپنی زر خیزی و شادابی اور صنعت و حرفت اور تجارت کی وجہ سے پورے یمن میں مشہور تھا۔ سب سے پہلے یہاں کون لوگ آباد ہوئے، اس میں اختلاف ہے۔ تاہم یہ مسلم ہے کہ بنو اسماعیل یہاں قدیم زمانہ سے آباد تھے۔ اس کے بعد یہاں یہودیت اور پھر عیسائیت پھیلی۔ عیسائیت کی ابتدا کب ہوئی، اس کا صحیح تعین مشکل ہے۔ مجسم البلدان میں ہے کہ فی مینون ایک نصرانی عابد تھا۔ اسی کے ذریعے یہاں عیسائیت کی ابتدا ہوئی۔ لیکن اس سے سنہ کا تعین نہیں ہوتا۔

۱۔ یورپین مورخین متفقہ لکھتے ہیں کہ روم زوال و انحطاط کی آخری حد تک پہنچ چکا تھا اور ایرانیوں سے شکست کھانے کے بعد اس کی رہی سہی قوت بھی ختم ہو گئی تھی۔ ایسی حالت میں قرآن کا چند سال میں دوبارہ غالب آنے کی پیشین گوئی کرنا اور پھر اس کا پورا ہونا تو آن کا کھلا معجزہ ہے۔

اس سلسلہ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جب ایرانیوں کو فتح ہوتی تو اہل مکہ خوش ہوتے مگر مسلمانوں کو اس بنا پر کہ یہ اہل کتاب ہیں، اس سے رنج ہوتا۔ ۱۱۳ء میں بعثت بنوی کے چھ برس بعد رومیوں کو سخت ہزیمت ہوئی اور قیصر روم کو قسطنطنیہ میں پناہ لینا پڑی۔ مشرکین عرب کو ایرانیوں کی اس فتح کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ بعض مشرکین نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں پر فتح پائی ہے۔ کل ہم بھی تمہیں اسی طرح منادیں گے۔ قرآن نے اسباب ظاہری کے خلاف یہ پیشین گوئی کی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس بنا پر مشرکین مکہ سے یہ شرط لگائی کہ اگر نو برس کے اندر رومی دوبارہ ایرانیوں پر فتوحات نہ ہوئے تو میں تم کو سو اڈنٹ دوں گا، اور اگر کامیاب ہوں تو تم لوگ مجھے اتنے ہی اڈنٹ دو گے۔ چنانچہ ۷ برس کے اندر رومیوں نے فتح پائی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے سو اڈنٹ لئے۔ (طبری تفسیر سورہ روم)

البتہ اوپر یمن کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس سے سنہ کا تو نہیں مگر زمانہ کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ یعنی یہ کہ اس کی ابتدا بعثت نبویؐ سے ایک صدی پہلے ہو چکی تھی۔

سیاسی اور اقتصادی اہمیت کی بنا پر یمن ہمیشہ سیاسی تغیرات و انقلابات کا آماجگاہ رہا۔ نجران چونکہ اس کا ایک حصہ تھا، اس لئے لازمی طور پر اس کا اثر اس پر بھی پڑتا تھا۔ حمیری حکومت کے زمانہ میں یہاں یہودیت کو فروغ ہوا۔ یمن میں عیسائی حکومت قائم ہوئی تو نجران عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ یہاں ایک بہت بڑا کلیسا تھا، جس کو عبد امان نے بنوایا تھا اور جو ”کعبہ نجران“ کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی تعمیر کا بھی وہی مقصد تھا جو صنعا میں ابرہہ کے تعمیر کردہ کلیسا کا تھا۔

اسلام کے ظہور کے وقت نجران میں ایک چھوٹی سی عیسائی ریاست قائم تھی، جس کا یمن کی مرکزی حکومت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بلکہ وہ براہ راست قیصر روم کے ماتحت تھی۔ اس کا نظم تین شعبوں میں منقسم تھا اور ان میں سے ہر ایک کا علیحدہ ذمہ دار تھا۔ خارجی اور جنگی امور جس سے متعلق ہوتے اس کو سید کہتے تھے۔ دنیاوی داخلی امور جس کے سپرد ہوتے اس کو عاقب، اور دینی امور کا جو ذمہ دار ہوتا اس کو اسقف کہتے تھے۔ ان عہدیداروں کا تقرر خود قیصر کرتا تھا۔

اس وقت سید کے عہدے پر ابو حارثہ نامی ایک شخص قابض تھا۔ جس کا نسب تعلق بکر بن دائل سے تھا۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ عربوں میں سے جب کوئی آدمی نصرانیت قبول کر لیتا تھا تو قیصر کو اس سے بڑی خوشی ہوتی تھی۔ چنانچہ جب ابو حارثہ نے نصرانیت قبول کی تو وہ اس قدر خوش ہوا کہ اس کے سامنے مال و دولت کا ایک ڈھیر لگا دیا اور غالباً اسی وقت یہ عہدہ پر سرفراز کیا گیا۔

یہ عہدہ میں ساٹھ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد نجران سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا، جس میں اس ریاست کے تینوں ذمہ دار عہدیدار بھی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اسلام کی دعوت ان کے سامنے پیش کی۔ مگر انہوں نے قبول نہیں کی۔

سالانہ ٹیکس کی ادائے گی کے وعدہ پر آپ ﷺ نے ان سے مصلحت کر لی اور ان سے ایک معاہدہ ہو گیا۔ مگر واپسی میں اس وفد کے دو ارکان ابو حارثہ اسقف نجران اور اس کے بھائی کرز بن علقمہ میں کچھ ایسی باتیں ہو گئیں کہ راستہ ہی سے ابن علقمہ مدینہ واپس آئے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ان کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔ ان کے علاوہ نجران کے اور افراد نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ان کا بھی ذکر اس کتاب میں ہے۔

نجران کی اہمیت کی وجہ سے اس کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دومہ الجندل، بحرین، معان، ایلہ، اذرح، جربا، مقنا، عمان وغیرہ میں بھی عیسائیت موجود تھی، جن میں سے اکثر کی جغرافیائی اور تاریخی حیثیت کا ذکر یہود کے سلسلے میں آچکا ہے۔ ان میں سے بعض ماتحت عیسائی حکومتیں بھی قائم تھیں۔ ان مقامات کے علاوہ جزیرہ عرب کی تقریباً تمام مشہور بستیوں میں عیسائی موجود تھے۔ مثلاً مکہ، طائف، مدینہ اور وادی القرئی وغیرہ۔ وادی القرئی میں تو ان کے متعدد گرجے بھی تھے۔ (نجر الاسلام۔ ص ۲۹)

جن قبائل میں عیسائیت فروغ پا چکی تھی یا پارہی تھی۔ ان کے نام یہ ہیں :

**قبیلہ غسان :** یہ یمنی قبیلہ ہے۔ سد مارب کے ٹوٹنے کے بعد جزیرہ عرب کے شمال مغربی سرحدی مقام پر آباد ہو گیا تھا۔ مزید تفصیل آچکی ہے۔

**بنو تغلب :** مشہور عدنانی قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ ہے۔ اسی کے قریب عرب کا ایک مشہور قبیلہ بکر بھی آباد تھا۔ بکر و تغلب کی لڑائی، عرب جاہلیت تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے۔

یہ قبیلہ جزیرہ عرب کے شمال مشرق میں اس تجارتی راستہ پر آباد تھا جو عرب سے عراق کو جاتا ہے۔ یہ مقام اپنے جائے وقوع اور تجارتی اعتبار سے بہت اہم تھا اور ایران کی سرحد کے قریب پڑتا تھا۔ بہت ممکن ہے اسی وجہ سے نصرانیوں نے اس کو اپنانے اور زیر اثر لانے کی کوشش کی ہو۔ بہر حال اس میں عیسائیت موجود تھی۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہاں عیسائیت کی ابتدا کب ہوئی۔ ارباب سیر و طبقات صرف اتنا لکھتے ہیں کہ یہ قبیلہ نصرانی ہو گیا تھا۔ اسد الغابہ میں ہے :

”ان کثیراً من العرب قد تنصر کتغلب“<sup>۱</sup>۔

”بہت سے عرب قبائل نے نصرانیت قبول کر لی تھی۔ ان میں بنو تغلب کا قبیلہ بھی تھا۔“

ابن قتیبہ اور یعقوبی<sup>۲</sup> وغیرہ نے بھی اس کے نصرانی ہونے کی توثیق کی ہے۔ اس قبیلہ کے متعدد افراد شرف بہ اسلام ہوئے۔ جن کے تذکرے اس کتاب میں موجود ہیں۔

ظہور اسلام سے بعد نبوی اور عہد صدیقی میں اس قبیلہ کا ذکر بہت کم بلکہ بالکل نہیں ملتا۔ البتہ ابن قتیبہ کے بیان سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عہد فاروقی تک یہ لوگ مذہب نصرانیت پر قائم رہے۔ حضرت عمرؓ نے اس بنا پر ان پر جزیہ عائد کرنا چاہا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ زرعد بن نیمان بارگاہ خلافت میں آئے اور عرض کیا کہ یہ عرب ہیں۔ اس لئے ان کو جزیہ دینا گوارا نہیں ہے۔ دوسرے شجاع

اور طاقتور ہیں۔ ان کو دشمنوں کے ہاتھ نہ جانے دیں (یعنی اگر آپ جزیرہ لگائیں گے تو یہ رومیوں سے مل جائیں گے)۔ بلکہ ان پر زیادہ سے زیادہ صدقہ دوگنا کر دیں اور ارشاد فرمائیں کہ آئندہ اپنی اولاد کو نصرانی نہ بنائیں! چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے زرعہ کے حسب مشورہ اسی پر عمل کیا۔

**بنو کلب :** یہ قبیلہ بھی نصرانی تھا اور دومۃ الجندل کا عیسائی حاکم اکیدر تھا۔ اس میں متعدد ایسے قبائل تھے جو بڑے اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ قبیلہ کلب خاص طور سے بہت ممتاز اور حکومت کا حریف تھا۔ اس کا اثر تبوک تک پھیلا ہوا تھا۔ ظہور اسلام کے وقت اس قبیلہ کے سردار صبیغ تھے، جو حضرت عبدالرحمن بن عوف کی کوششوں سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے اور اپنی صاحبزادی تماضر کو حضرت عبدالرحمن بن عوف کے حبلہ عقد میں دے دیا تھا۔ ان کے اور ان کی صاحبزادی کے حالات اس کتاب کے آئندہ صفحات میں درج ہیں۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بنو کلب کی ایک کثیر تعداد اس وقت بھی (یعنی آٹھویں صدی ہجری میں) خلیج قسطنطنیہ کے ساحل پر آباد ہے۔ اس میں سے کچھ مسلمان ہیں اور کچھ عیسائی۔<sup>۱</sup>

**قضاء :** پورے قبیلہ میں تو نہیں مگر اس کے بعض خاندانوں میں نصرانیت تھی۔ یہ ججاز و شام کے تجارتی راستہ پر تبوک کے قریب آباد تھا۔ کثرت تعداد اور فوجی قوت کی وجہ سے اس کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور جس مقام پر آباد تھا وہ مقام بھی جغرافیائی حیثیت سے بڑا اہم تھا۔ یہ قبیلہ رومیوں کے زیر اثر تھا۔

اسی طرح بنو تمیم کے بعض افراد نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ عرب کا مشہور اور جرم مسلّمہ کا صدر نشین شاعر امرء القیس اسی قبیلہ سے تھا۔ جس کی بنا پر بعض عیسائی مستشرقین نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ عیسائی تھا۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ البتہ اس کے خاندان کے بعض افراد نصرانی ضرور تھے۔

**ربیعہ :** جس کی ایک شاخ بنو تغلب تھی، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس کے بعض دوسرے خاندانوں میں بھی نصرانیت تھی۔<sup>۲</sup>

اسی طرح یمن کے مشہور قبیلہ طے میں بھی نصرانیت کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت عدی بن حاتم اور ان کی ایک بہن کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے۔ یہ دونوں اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور عیسائی تھے۔

۱ ابن قتیبہ - ص ۲۳۹ ۲ ابن خلدون - جلد ۲ - ص ۲۳۹ ۳ ایضاً

۴ معارف ابن قتیبہ - ص ۲۶۶ و تہذیب الاسماء - جلد ۲ - ص ۲۹۳

قبیلہ عبدالقیس : جو عمان کے قریب آباد تھا۔ اس میں بھی نصرانیت موجود تھی۔ حضرت جارودؓ جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے، اسی قبیلہ سے تھے۔

ان کے علاوہ تنوع، لحم، مذحج، بہرا، سلح وغیرہ قبائل نے بھی نصرانیت قبول کر لی تھی، اور ان میں سے بیشتر رومیوں کے زیر اثر تھے۔ جنگ موثہ میں یہ سب کے سب رومیوں کی حمایت میں مسلمانوں کے خلاف صف آرا تھے۔ ان میں سے بیشتر کو قیصر روم کی طرف سے سالانہ پندرہ سیر سونا بطور وظیفہ ملتا تھا۔

اس تفصیل سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ پورے جزیرہ میں نصرانیت کی ترقی و فروغ کے لئے عیسائی حکومتوں نے کتنا سبب جال بچھا رکھا تھا۔ اس کے لئے کیا کیا تدبیریں وہ اختیار کر رہی تھیں اور کتنی رشوتیں دے رہی تھیں اور یہ سلسلہ برسوں سے نہیں صدیوں سے جاری تھا۔ لیکن ان تمام کوششوں اور تدبیروں کے باوجود کم سے کم حجاز میں تو عیسائیت کا اثر برائے نام ہی پیدا ہو سکا۔ جس سے قبضہ میں لانے اور اپنا اثر قائم کرنے کے لئے انہوں نے کیا کیا جتن نہ کر ڈالے تھے۔

اس مقابلہ میں اسلام نے پورے جزیرہ میں چند برسوں میں عظیم الشان اور حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا۔ جس نے چشم زون میں پورے عرب کی کایا پلٹ دی۔ اس کے لئے نہ تو یہ سیاسی چال چلی، نہ کوئی اقتصادی دباؤ ڈالا گیا اور نہ جبر و زور سے کام لیا گیا۔ بلکہ اس کی دعوت، تبلیغ اور اعلیٰ اخلاقی تعلیمات اور پھر اس کے مظاہر سے سارا عرب مسحور اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

حیرہ : عیسائیت کے مذہبی اثرات جزیرہ عرب کے اندرونی مرکزی مقامات کے علاوہ ایک سرحدی مقام حیرہ میں بھی کچھ نہ کچھ موجود تھے۔ حالانکہ وہ ایرانیوں کے باجگزار ریاست تھی۔ جہاں قبیلہ لحم کی حکومت تھی۔

لحم کے متعلق اوپر آچکا ہے کہ اس میں نصرانیت تھی۔ اس کے حکمران نعمان کے متعلق لکھا ہے کہ عدی بن زید ایک نصرانی شاعر نے اس کو ایک دن نصیحت کی۔ اس نصیحت کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے فوراً نصرانیت قبول کر لی اور تخت و تاج کو خیر باد کہہ دیا۔ اسی طرح نعمان خامس کی بیوی بھی عیسائی ہو گئی تھی، اس کا نام ہمد تھا۔ اس نے اپنے نام سے ایک کلیسا ”دی ہند“ بنوایا تھا۔



طبری نے لکھا ہے کہ یہ ہمارے زمانے تک (یعنی تیسری صدی ہجری تک) موجود تھا۔ اس کے علاوہ حیرہ میں اور بھی متعدد گرجے تھے۔ خصوصیت سے ”دیرحظلمہ“ بہت مشہور تھا۔ جس کو حیرہ کے ایک حکمران ایاس بن قبیصہ کے چچا حظلہ نے بنوایا تھا۔

حیرہ کا ذکر یہاں اس لئے کیا گیا کہ یہ جزیرہ کا سرحدی مقام تھا۔ جہاں عرب آباد تھے۔ اور وہی حکمران بھی تھے۔ پورے عرب میں غالباً حیرہ ہی ایک ایسا مقام تھا، جہاں عیسائیت نے کسی مادی سہارے اور حکومت کی پشت پناہی کے کسی قدر رواج پایا۔

عیسائیوں اور عربوں کے سیاسی تعلقات اور مذہبی اثرات کے نتائج :

اوپر جو تفصیل کی گئی ہے اس سے جزیرہ عرب میں عیسائیوں کے سیاسی اور مذہبی اثرات کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ لیکن اس کا ایک پہلو اب بھی تشریح تفصیل ہے۔ وہ یہ ہے کہ عربوں کے ذہن و دماغ و تمدن پر اس کا مجموعی اثر کیا مرتب ہوا؟ یہاں مختصر اس پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

نصرانیت کے فروغ سے جاہلی عربوں کے تمدن اور ان کے ذہن و دماغ میں جو تغیر ہوا، اس کی پوری نشان دہی تو مشکل ہے تاہم ان کی تاریخ کے قدیم واقعات، ان کے علوم و فنون اور ادب و شاعری کے جو نمونے اب تک محفوظ رہ گئے ہیں، ان کے کچھ نہ کچھ عکاسی ضرور ہوتی ہے۔

ثقافتی و تمدنی اثرات :

اوپر قصی کے مکہ پر قابض ہونے کا ذکر آچکا ہے۔ قصی سے پہلے غالباً یہاں کوئی نظم و نسق اور کسی قسم کی سیاسی وحدت نہ تھی۔ مگر انہوں نے مکہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس کو ایک چھوٹی سی باقاعدہ ریاست میں تبدیل کر دیا۔ جس کے متعدد شعبے اور عہدے تھے اور جن میں سے اکثر ظہور اسلام تک باقی تھے۔ اس مختصر سی ریاست کا سیکریٹریٹ یا مرکزی دفتر دارالندوہ تھا۔ جہاں ریاست سے متعلق جملہ مہمات امور طے ہوتے تھے۔

قصی کا یہ نظام حکومت خود ساختہ نہیں، بلکہ بڑی حد تک ان تعلقات کا رہن منت معلوم ہوتا ہے، جو ان کے اور رومیوں کے درمیان قائم ہو چکے تھے۔ اس نظام حکومت کے بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب لکھتے ہیں :

”اہل شہر پر سالانہ ٹیکس اندازی وغیرہ فینقی اور اس سے زیادہ یونانی شہری مملکتوں سے ملے

کی شہری مملکت غیر مشابہت رکھتی ہے۔“ (سیاسی زندگی - ص ۲۵۹)

ظہور اسلام سے پہلے عربوں کے سماجی نظام اور آس پاس کے ملکوں اور قوموں سے ان کے تجارتی اور سفارتی تعلقات کے جو واقعات و حالات تاریخوں میں محفوظ ہیں وہ بھی نصرانیوں کے تمدنی اثرات کی غمازی کرتے ہیں۔

**علمی اثرات :** نصرانیت یونان و اسکندریہ میں پروان چڑھی تھی۔ اس لئے وہ جہاں بھی گئی اپنے ساتھ وہاں کے علوم و فنون مثلاً نجوم اور مابعد الطبیعیات افکار بھی لیتی گئی۔ نصرانیت کو ان علوم کی اور خصوصیت سے فلسفہ اور نجوم کی مذہبی حیثیت سے بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ عیسائیوں کے علماء اور مذہبی پیشوا، مذہبی حیثیت سے زیادہ فلسفی ہوتے تھے۔ اس لئے کہ نصرانی ثقافت اور مذہب کی اشاعت میں ان کو ان علوم سے بہت کافی مدد ملتی تھی۔ ظاہر ہے کہ عرب میں اس کے قدم آئے ہوں گے تو یہ علوم بھی اس کے ساتھ لگے لپٹے آئے ہوں گے۔

خیال ہوتا ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے عربوں میں علم نجوم، طب اور مابعد الطبیعیاتی تصورات و افکار کے جو اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ اس کے فروغ میں نصرانیت کو ضرور دخل تھا۔ اس خیال کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ عہد اسلام کے بعد یونانی علوم و فنون جو سریا، عربی میں ہوا، وہ زیادہ تر نصرانی ہی علماء و مترجمین کی سرکردگی میں ہوا۔ خصوصیت سے فلسفہ و طب کا شعبہ تو کئی صدی تک ان ہی کے زیر اثر رہا۔

**ادب و شعر :** عربی ادب و شاعری میں بے شمار ایسے الفاظ، جملے، ترکیبیں اور خیالات ملتے ہیں جو نصرانیت کے اثر کا بین ثبوت ہیں۔

جاہلی ادب و شعر کا اگر ہم لغوی جائزہ لیں تو زمین کی پستی و بلندی، پہاڑ کے نشیب و فراز، راستوں کی فراخی و تنگی، صحرا کی خشکی و ویرانی کے لئے سینکڑوں ہزاروں الفاظ مل جائیں گے، جن سے ان مناظر و کیفیات کا پورا نقشہ کھینچ جاتا ہے۔ لیکن اگر آپ سمندر اور اس کے متعلقات کے الفاظ کے لئے عربی لغت کھنگالیں تو مشکل سے چند الفاظ ملیں گے۔ ان بھی خالص عربی تو بہت کم ہوں گے۔

اُونٹ، تلوار، اور سانپ کے نام اور ان کے متعلقات کے لئے عربی لغت کا دامن تو بڑا وسیع ہے، لیکن کشتی، کشتی رانی، سمندری سفر اور اس کے لوازم ضروریات کے لئے مشکل سے دس بیس الفاظ ملیں گے، اور جو ہوں گے وہ دوسری زبانوں سے مستعار ہوں گے۔ یہ تو محسوسات کا حال ہے۔ لیکن معنوی کیفیات کا حال اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ خوشی و مسرت، لہو و لعب، عیش و تنعم کے حالات و جذبات کے اظہار کے لئے عربی لغت میں الفاظ کی اتنی بہتات نہیں ہے، جتنی بہتات فقر و فاقہ، حزن و ملال اور قتل و خونریزی کے الفاظ و محاورات کی ہے۔

غرض یہ ہے کہ عربی ادب و شاعری کا نشوونما جس سر زمین میں ہوا، اس میں اس کے اثرات زیادہ نمایاں ہیں۔ لیکن جوں جوں عربوں کا اختلاط ان قوموں سے بڑھتا گیا جو علم و تمدن میں ان سے ترقی یافتہ تھیں تو ان کے ادب و شعر میں بھی ان کے آثار نمایاں ہوتے چلے گئے اور ظاہر کے کہ عربوں کو سب سے زیادہ جن ترقی یافتہ قوموں سے اختلاط کا موقع ملا، ان میں ایرانی، یہودی اور نصرانی سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔

ایرانیوں کے اثرات کی بحث تو ہمارے موضوع سے خارج ہے اور یہودیوں کے اثرات کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اب چند سطریں نصرانیوں کے اثرات پر لکھی جاتی ہیں۔

غسانی گونسلأ عرب تھے۔ مگر رومیوں سے صدیوں کے تعلقات کے وجہ سے بہت زیادہ گھل مل گئے تھے اور ان کا علم و تمدن کا اتنا گہرا اثر قبول کیا تھا کہ ظہور اسلام کے وقت وہ عرب سے زیادہ رومی معلوم ہوتے تھے۔ مگر اس کے باوجود بھی ان کا تعلق جزیرہ عرب سے منقطع نہیں ہوا تھا، اس لئے اس دو گونہ تعلق کی وجہ سے نصرانی علم و تمدن کے عرب میں فروغ پانے کا بہت بڑا ذریعہ بن گئے۔

جزیرہ کے ہر حصہ کے عربی شعراء اپنے ان عیسائیوں کے پاس جاتے تھے، ان کو اپنا کلام سُناتے تھے۔ انعام و اکرام حاصل کرتے تھے اور ان کے عیش و تنعم سے متاثر ہوتے تھے۔ نابغذ بیانی، اُشی، المرش الاکبر اور علقمہ النخل جیسے مشہور روزگار و صاحب کمال شعراء غسانیوں کے دربار میں گئے اور ان سے خراج عقیدت وصول کیا۔ ان ہی کے بارے میں حضرت حسانؓ نے جاہلیت کے زمانہ میں کہا تھا:

لله در عصابة نادمتهم يوماً بجلق في الزمان الاول

خود حضرت حسانؓ کو غسانیوں نے ایک دعوت میں جو وہاں کے حکمران جبلة بن اسہم کے اہتمام میں ہوئی تھی مدعو کیا تھا۔ جب وہ وہاں سے واپس آئے تو لوگوں سے کہا کہ نہ میری آنکھوں نے ایسا منظر اس سے پہلے دیکھا اور نہ میرے کانوں نے سُنا تھا۔ پھر انہوں نے اس مجلس کی ایک ایک چیز کی شاعرانہ زبان میں تعریف کی۔ اس سے غسانیوں کے تمدن و تہذیب کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ان کے متعلق لاتعداد قصص و امثال اور ان کے عیش و تنعم و عمران کے سینکڑوں واقعات عربی ادب و شاعری میں ملیں گے۔

نصرانی اور ان سے متاثر شعراء کے کلام پر آپ نظر ڈالیں گے تو آپ کو اس اثر کی بہت سی مثالیں ملیں گی۔

امیہ بن الصلت نے سب سے پہلے باسمک اللہم کے لفظ سے عربوں کو روشناس کیا۔ اسی طرح ابا بعد کو سب سے پہلے قس بن مسعدہ نے استعمال کیا۔ امیہ صحیف قدیم کا عالم تھا وہ اپنے اشعار میں ایسے بہت سے الفاظ استعمال کرتا تھا۔ جو اس سے پہلے عربی زبان میں رائج نہیں تھے۔ مثلاً ”قمر و ساہور“، ”یُسَلُّ و یغمد“۔ اسی طرح اللہ کے لئے ”سلیط“ اور تفرور وغیرہ کے الفاظ اس نے استعمال کئے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن میں عبرانی، سریانی، رومی اور حبشی زبان کے متعدد الفاظ اور ترکیبیں استعمال ہوئی ہیں۔ عبرانی الفاظ کی تفصیل تو یہود دیت کی تاریخ کے سلسلہ میں اوپر آچکی ہے کہ یہ زبان زیادہ تر یہود ہی سے مخصوص تھی، مگر نصرانیوں میں ان کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں رائج تھیں۔ مثلاً سریانی، رومی، حبشی وغیرہ۔ ان زبانوں کے جو الفاظ اور فقرے قرآن پاک میں آئے ہیں وہ یہ ہیں :

سریانی الفاظ : فردوس ، طہ ، طور ، ہیت لک ، ولات حین مناص میں ولات ، رَبَّانِیُّونَ ، رَبِّیُّونَ ، رَہو ، الیم ، صلوات ، (کنالیس) قنطار۔ ان کے علاوہ متعدد الفاظ ایسے ہیں جو اشتقاق کے لحاظ سے تو عربی ہیں، مگر ان کے بہت سے معانی سریانی سے آئے ہیں ، مثلاً قیوم ، اسفار ، آذر ، قمل ، سُجَّدُ وغیرہ ۔

رومی الفاظ : قسطاس رقیم ، طفق اور قسطاس وغیرہ ۔

حبشی الفاظ : جبت ، طاغوت ، حوب ، طوب ، طوبی ، سکر ، سجل ، مشکوٰۃ ، منساۃ ، اس کے علاوہ اور بھی متعدد الفاظ کو حبشی بتایا گیا ہے۔

یہ ساری تفصیل امام سیوطی کی کتاب المتوکلّی اور ابن درید کی کتاب الاشتقاق میں ملے گی۔ ابھی بعث نبوی کے بعد مسلمانوں اور نصرانیوں کے اجتماعی اور سیاسی تعلقات ان کی اخلاقی اور دینی حالت، قرآن و حدیث کی روشنی میں مومنین اہل کتاب کے فضائل و مناقب وغیرہ کی تفصیل باقی تھی، مگر مجبوراً یہ سلسلہ ختم کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ۵۱ء ختم ہو رہا ہے اور حسب تجویز سال کے اندر اندر اس کتاب کا شائع ہو جانا ضروری ہے اور ابھی کتاب کے نقشے اور ضمیمہ کی طباعت بھی باقی ہے۔ اب اگر چند صفحے اور بڑھائے گئے تو کتاب اس سال شائع نہ ہو سکے گی۔

آخر میں اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ اگر مقدمہ یا نفس کتاب میں کوئی تاریخی غلطی یا میرے ان قیاسات میں جو میں نے واقعات کی روشنی میں کئے ہیں، کوئی تضاد نظر آئے تو راقم السطور کو اس سے مطلع فرما کر ممنون احسان فرمائیں گے۔

اس میں غلطی اور ترمیم و اضافہ کا اس لئے اور زیادہ امکان ہے کہ اس سے پہلے اس نفس پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ بلکہ یہ نقش اول ہے۔ جس کو ایک نومشوق طالب علم نے اپنی کم سواد اور علمی بے بضاعتی کے باوجود صفحہ قرطاس پر ثبت کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ کتاب صرف ایک دینی خدمت اور ایک علمی کمی کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔ خدائے قدوس سے دعا ہے کہ اسے قبول اور اس کی جزاء آخرت میں عطا فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ط

خادم

مجیب اللہ ندوی

شبلی منزل، اعظم گڑھ

۱۶۔ صفر ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۷۔ نومبر ۱۹۵۱ء

ذات الحج والعمرة

## الصحابة

(الف)

### (۱) حضرت ابرہہؓ

نام و نسب : ابرہہ نام ہے۔ شام<sup>۱</sup> یا حبشہ کے رہنے والے اور مذہباً عیسائی تھے۔ نام و نسب کے متعلق اور کوئی تفصیل کتب رجال میں نہیں ملتی۔

اسلام : ان کے قبول اسلام کے متعلق یہ تو متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا کہ کب اور کہاں قبول کیا۔ مگر قرآن سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ جب بہت سے صحابہ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئے اور ان کو نجاشی کے دربار میں درخور حاصل ہوا اور ان کے ذریعہ اہل حبشہ کو اسلام سے واقف ہونے کا موقع ملا تو خود نجاشی اور ان کے ساتھ بہت سے علمائے نصاریٰ نے اسلام قبول کیا۔<sup>۲</sup> غالباً انہی اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت ابرہہؓ اور ان کے دوسرے رفقاء بھی تھے۔

### خدمت نبوی میں حاضری :

اہل حبشہ میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا بے حد اشتیاق تھا۔ اتفاق سے اسی درمیان میں مہاجرین حبشہ جعفرؓ کے ساتھ مدینہ واپس آ رہے تھے۔ اسی قافلہ کے ساتھ حضرت ابرہہؓ بھی مدینہ آئے اور زیارت نبوی سے مشرف ہوئے۔

۱۔ حافظ ابن حجر نے اصحابہ میں اس نام کو دو نام شمار کر کے ایک جگہ "ابریہہ الحبشی" اور دوسری جگہ "ابریہہ آخر" کی سرخی قائم کی ہے۔ لیکن غالباً صحیح نہیں ہے۔ اس لئے اسد الغابہ تجرید اور دوسری کتب طبقات میں ایک ہی نام شمار کیا گیا ہے۔ (اصحابہ۔ ص ۱۰)

۲۔ اکثر طبقات میں ان کا نام شامی ہونا درج ہے۔ حافظ حجر نے بھی اصحابہ میں اشمائیۃ الثمانین لکھا ہے۔ مگر جہاں انہوں نے ان کے احباب کے حالات لکھے ہیں، وہاں ان کو شامی کے بجائے حبشی لکھا ہے۔ مثلاً اشرف کے تذکرہ میں لکھتے ہیں : اهد الثمانیہ الذین قدموا من رهبان الحبشۃ یا اور لیس کے تذکرہ میں لکھتے ہیں : احد الثمانیۃ المہاجرین من الحبشۃ ، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ غالباً ان کے اجداد شامی ہوں گے اور اہل حبشہ کے ہم عقیدہ ہونے کی وجہ سے عارضی طور سے یا مستقلاً حبشہ آ گئے ہوں گے، اور وہیں اسلام قبول کیا ہوگا۔ یمن سے ملوک حمیر کا جو وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا تھا، اس میں بھی ایک ابرہہ کا ذکر آتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ وہی ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب (شخص العلوم۔ ص ۱۳)

۳۔ چالیس آدمیوں تک کے اسلام قبول کرنے کا ذکر ہے۔ اگر چہ ان کے ناموں کی تصریح بہت کم ملتی ہے۔ (اصحابہ۔ ص ۱۷)

۴۔ آپ کے دوسرے رفقاء کے تذکرے آگے آتے ہیں۔ حالات لکھتے وقت اشارہ کر دیا جائے گا۔

غزوات : کسی غزوہ میں شرکت صحیح طور پر ثابت نہیں ہے۔<sup>۱</sup>

فضائل : آپ کا شمار ان اہل کتاب صحابہ میں ہے جن کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں :

”الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ..... أُولَئِكَ يُؤْتُونَ

أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا“<sup>۲</sup>۔ (قصص)

”جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے کتابیں دیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں (اور قرآن پر بھی

ایمان رکھتے ہیں)۔۔۔۔۔ یہی لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کی وجہ سے دوہرا ثواب ملے گا۔“

گو آپ کے نام کی تصریح نہیں ہے مگر مفسرین لکھتے ہیں کہ حبشہ سے علمائے نصاریٰ کا جو وفد

آیا تھا، اسی کے بارے میں یہ آیتیں بھی نازل ہوئیں اور آپ بہر حال اسی وفد میں تھے۔<sup>۳</sup>

”وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى ذَلِكَ

بَانَ مِنْهُمْ قِيسِيْنَ وَرُهَبَانَا وَأَنْهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ . وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ

إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ“

(مائدہ - ۱۱)

”مسلمانوں سے محبت رکھنے میں قریب تر آپ ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے

ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں بہت سے عالم اور بہت سے زاہد و درویش ہیں اور اس لئے کہ وہ تکبر

نہیں کرتے، جب وہ سنتے ہیں اس کو جو رسول ﷺ کی طرف اتارا گیا (قرآن) تو آپ دیکھیں گے کہ ان

کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔“

سنہ وفات اور زندگی کے دوسرے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

۱۔ اسد الغابہ میں ہیکہ جب غزوہ بدر میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور اس کی خبر حبشہ تک پہنچی تو جو لوگ اہل حبشہ میں

اسلام آچکے تھے انہوں نے مدینہ جا کر نبی ﷺ کی زیارت کرنے کی خواہش نجاشی سے ظاہر کی۔ چنانچہ وہ اجازت لے کر

مدینہ آئے اور غزوہ احد میں شرکت بھی کی۔ اس میں حضرت ابرہہؓ بھی تھے۔ اصحابہ میں بھی اس قسم کی ایک روایت ہے۔

مگر امام ذہبی نے تجریدی میں یہ تصریح کی ہے کہ عن مقاتل انہ اشہد احد او هذا الايثار روایت ہے کہ وہ احد میں شریک

ہوئے، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ بعض روایتوں میں حضرت جعفرؓ کے آنے سے پہلے ایک وفد کے آنے کا ذکر ہے۔ مگر اہل رجال نے

یہ تصریح کر دی ہے کہ وہ مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی دریا میں غرق ہو گیا۔ (اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۶۲)

۲۔ بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ روایت رفاعۃ القرظی اور ان کے ساتھ اسلام قبول کرنے والوں کے بارے میں

نازل ہوئی اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حضرت سلمان فارسیؓ اور عبد اللہ ابن سلام مراد ہیں۔ بعض

روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نزول عام ہے اور یہی صحیح ہے۔

## (۲) حضرت ادریسؓ

نام و نسب : ادریس نام ہے۔ شام یا حبشہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبشہ کے جو عیسائی مدینہ آئے تھے، ان میں یہ بھی تھے۔

اسلام : آپ نے بھی حضرت ابرہہؓ کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا۔

زیارت نبوی ﷺ : حبشہ کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے اور حضور ﷺ کی زیارت کی دولت سے بہرہ مند ہوئے۔

فضائل : آپ بھی ان خوش قسمت اہل کتاب صحابہ میں ہیں، جن کے بارے میں قرآن کی متعدد آیتیں نازل ہوئیں اور اس انعام کے بھی مستحق ہوئے۔

”أُولَئِكَ يُؤْتُونَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ“

”یہی لوگ ہیں جن کو دہرا ثواب ملے گا۔“

آپ کی زندگی کے عام حالات اور وفات کے متعلق اور کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔

## (۳) حضرت اسید بن سعیدؓ

نام و نسب : اسید نام ہے۔ باپ کا نام سعید تھا۔ قبیلہ ہدل<sup>۵</sup> جو بنو قریظہ<sup>۱</sup> ہی کی ایک شاخ تھی اس سے آپ کا نسب تعلق تھا۔

اسلام : بنو قریظہ کا معاملہ ان کی خواہش کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے سعد بن معاذ کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ جو فیصلہ کریں گے، اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ حضرت سعد بن معاذ نے یہ فیصلہ کیا کہ قبیلہ کے جتنے بالغ مرد ہیں وہ سب قتل کئے جائیں اور عورتیں اور بچے اور لونڈی غلام بنائیں جائیں۔ جب اس فیصلہ کی خبر حضرت اسیدؓ کو ہوئی تو وہ اپنے چند احباب کے ساتھ بنو قریظہ کے پاس گئے اور

۱۔ اصابہ، جلد ۱۔ ص ۲۷ اوپر حضرت ابرہہؓ کے تذکرہ میں شامی یا حبشہ ہونے کی تحقیق گزر چکی ہے۔ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً ۴۔ اکثر لوگوں نے آپ کا نام اسد بغیری 'ی' کر لکھا ہے۔ مگر استیعاب اور اسد الغابہ میں یہ تصریح ہے کہ صحیح اسید ہے۔ ابن ہشام نے بھی اسید ہی لکھا ہے۔ (ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۱۶۹ و اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۳۳)

۵۔ ہدلی، ہذہ النسۃ الی الہدال اخوة بنی قریظہ ودعوتہم (ای نسبہم - جلد ۱۸۔ ص ۲۳۶ لسان) من قریظہ (سمعانی) بنو ہدل بنی قریظہ ہی کی شاخ ہے۔ ۶۔ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۱۶۹



ان سے کہا کہ تم لوگوں کو ابن الہبیان کی بات یاد نہیں ہے کہ تم نے کیا وعدہ کیا تھا؟ اے یہود! اللہ سے ڈرو! اور اس نبی برحق کا اتباع کرو۔ مگر یہود نے اتباع کرنے اور اسلام قبول کرنے سے گریز کیا۔ حضرت اسیدؓ نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا اور اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کو اللہ کی حفاظت میں دے کر بچا لیا۔<sup>۱</sup>

وفات : آپ کے سنہ وفات کی تصریح تو نہیں ملتی، مگر بخاری کے بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ عہد بنوی ﷺ میں اس دار فانی کو چھوڑ چکے تھے۔<sup>۲</sup>

فضل و کمال : جب رسول اللہ ﷺ کے متعلق ان کو پورے طور سے یقین ہو گیا کہ نبی موعود آپ ہی ہیں تو آپ کے اتباع سے کوئی تعلق اور رشتہ نہ روک سکا۔ گو آپ کو اس راہ میں نشانہ کلامت و مصیبت بنا پڑا۔ چنانچہ جب آپ اسلام لائے تو یہود نے مختلف طریقے سے آپ کو ستانا شروع کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔<sup>۳</sup>

”لَيْسُوا سَوَاءً مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ أَنْاءَ اللَّيْلِ

وَهُمْ يَسْجُدُونَ“ - (ال عمران)

”سب اہل کتاب برابر نہیں ہیں، ان میں جماعت ہے جو (دین) پر قائم ہے اور رات کے اوقات میں وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے اور وہ نمازی بھی ہیں۔“

زندگی کے اور حالات پردہ اخفا میں ہیں۔ ثعلبہ آپ کے عیسائی بھائی تھے، جن کا ذکر آئے گا۔

## (۴) حضرت اسد بن عبد

نام و نسب : اسد نام ہے۔ باپ کا نام عبید تھا۔ آپ بھی قبیلہ ہدل کے ایک فرد تھے۔<sup>۴</sup>

اسلام : بنو قریظہ کو آپ نے بھی بہت کچھ سمجھایا، مگر جب وہ اپنے ضد پر اڑے رہے تو حضرت اسید کے ساتھ انہوں نے بھی اہل خاندان سے رشتہ توڑ کر اسلام سے جوڑ لیا اور اس سے کبھی علیحدہ نہیں ہوئے۔<sup>۵</sup>

۱۔ ابن الہبیان ایک یہودی عالم تھا، جو شام سے مدینہ چلا آیا تھا۔ مدینہ کے یہود قحط اور دوسری مصیبتوں کے وقت اس سے دعائیں کراتے تھے۔ جب اس کے انتقال کا وقت قریب تو اس نے یہود کو جمع کیا اور کہا تمہیں معلوم ہے کہ شام جیسی سرسبز و شاداب جگہ چھوڑ کر مدینہ جیسی غیر شاداب جگہ کیوں چلا آیا؟ میں یہاں اس لئے آیا تھا کہ مجھے ایک نبی کا انتظار تھا، جو یہاں ہجرت کر کے آئے گا۔ میں اگر زندہ رہتا تو اس کا اتباع کرتا۔ دیکھو! تم لوگ اس کی اطاعت سے گریز نہ کرنا، ورنہ یہ اعراض تمہارے قتل کا سبب بنے گا۔ چنانچہ بنو قریظہ نے اس سے وعدہ کیا کہ ہم لوگ ایسا ہی کریں گے۔ جنگ قریظہ کے روز حضرت اسید نے اسی وعدہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ (اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۳۳، ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۹۱۷)

۲۔ استیعاب ذکر اسید۔ جلد ۱۔ ص ۳۶، ۳ ایضاً، ص ۳۶، استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۳۶، واصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۱۳

۳۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۳۸، ۱ اصابہ، استیعاب و ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۱۶۹

وفات : آپ کی وفات کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔  
عام حالات : زندگی کے عام حالات کے متعلق بھی کوئی اور تفصیل نہیں مل سکی۔ صاحب تجرید<sup>۱</sup>  
نے لکھا ہے : کہ

”لہ ذکر من رجه عجیب“

”عجیب و غریب طور سے ان کا ذکر ملتا ہے۔“

غالباً اس سے ابن الہبیان کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے<sup>۲</sup>۔ واللہ اعلم بالصواب

فضائل : آپ بھی ان صحابہ میں ہیں، جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی<sup>۳</sup>۔

”لَيُسُوَسُوَاءٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ“ (ال عمران)

”سب اہل کتاب برابر نہیں ہیں، ان میں سے ایک جماعت (دین) پر قائم ہے جو رات کے اوقات میں وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے۔“

## (۵) حضرت اسد بن کعب القرظی

نام و نسب : اسد نام ہے۔ باپ کا نام کعب<sup>۴</sup> بن اسد تھا۔ یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے  
آپ کا نسبی تعلق تھا۔ حافظ ابن حجر کے علاوہ ارباب رجال میں سے کسی نے آپ کا ذکر مستقل طور سے نہیں  
کیا ہے<sup>۵</sup>۔ البتہ ابن جریر میں تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں آپ کا اور آپ کے بھائی اسید کا نام لیا ہے۔

”من اهل الكتب امة قائمة يتلون آيات الله“ (النخ)

”رات میں سے ایک جماعت جو اللہ کی آیات رات کے اوقات میں پڑھتی ہے۔“

اسلام : زمانہ قبول اسلام کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ غالباً قریظہ کے روز یا اس کے بعد اسلام  
قبول کیا۔ آپ کا تذکرہ عموماً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ کے ساتھ آتا ہے۔

فضل و کمال : آپ بھی ان آیات کے مورد اور مصداق ہیں جو دوسرے اہل کتاب صحابہ کے  
بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ قبول اسلام کے بعد یہود نے آپ کو طعن و تشنیع کا ہدف بنا لیا تھا۔ لیکن یہ

۱۔ تجریدی تذکرہ اسد ۲۔ جس کا ذکر اوپر چکا ہے ۳۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۳۶  
۴۔ غالباً یہ وہی کعب ہے، جس نے غزوہ خندق میں قریش میں قریش سے مدد دینے کا وعدہ کیا تھا اور قریظہ کے روز قتل کیا  
گیا تھا۔ یہ وہ کعب نہیں ہے جو محمد بن کعب القرظی مشہور تابعی کے والد ہیں۔ جن کے بارے میں روایتوں سے پتہ چلتا ہے  
کہ وہ بنو قریظہ کے روز نابالغوں میں شمار کر کے چھوڑ دیئے گئے تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے۔ (اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۳۳)  
۵۔ استیعاب میں ثعلبہ بن سلام کے حالات کے ضمن میں آپ کا نام بھی آیا ہے۔ (جلد ۱۔ ص ۷۸)

سب کچھ آپ نے خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا، مگر اپنا رشتہ اسلام سے جوڑنے کے بعد پھر کبھی نہیں توڑا، گو تمام رشتے ٹوٹ گئے۔ یہ آپ کی سب سے بڑی فضیلت ہے۔

## (۶) حضرت اسید بن کعب القرظی

نام و نسب : اسید نام ہے۔ باپ کا نام کعب بن اسد تھا۔ آپ بھی بنو قریظہ ہی کے ایک فرد تھے اور حضرت اسد کے جن کا تذکرہ اوپر ہوا ہے۔ بڑے یا چھوٹے بھائی تھے۔

اسلام : ان کے قبول اسلام کے متعلق بھی متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا کہ کب قبول کیا۔ غالباً دونوں بھائی ساتھ ہی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہوں گے۔ بھائی کی طرح زندگی کے دوسرے حالات پردہ انہما میں ہیں۔ آپ بھی ان تمام افضال و انعام الہی کے مورد مستحق ہیں، جن کے مستحق آپ کے بھائی حضرت اسید ہیں۔

ابن جریر نے اس آیت کے ضمن میں آپ کا نام بھی لیا ہے۔

”مَنْ أَهْلَ الْكِتَابِ أُمَّةٌ يُتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ“

”اہل کتاب میں ایک جماعت ہے جو اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی ان مصائب کا شکار ہوئے ہوں گے، جن کے آپ کے

بھائی حضرت اسد اور دوسرے اہل کتاب صحابہ ہوئے تھے۔

## (۷) حضرت اشرف حبشی

نام و نسب : اشرف نام ہے۔ حبشہ یا شام کے رہنے والے اور عقیدہ عیسائی تھے۔

اسلام : اپنے دوسرے رفقاء، حضرت ابرہہ اور حضرت ادریس وغیرہ کے ساتھ اسلام لائے۔

خدمت بنوکی ﷺ میں آمد :

حضرت جعفر کے ساتھ اہل حبشہ کا جو وفد خدمت بنوکی ﷺ میں آیا تھا، اس میں آپ بھی تھے۔

وفات : وفات کے متعلق کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔

۱ اسبابہ۔ جلد ۱۔ ص ۵۰ ۲ تفسیر طبری تفسیر آیت مذکورہ سورہ آل عمران

۳ حافظ ابن حجر نے صحابہ کی چار قسمیں قرار دی ہیں۔ ان کو قسم اول میں شمار کیا ہے۔ جس سے ان کا اہمیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ ۴ اوپر ان کا تذکرہ آپکا ہے

**فضل و کمال :** آپ علمائے نصاریٰ میں سے تھے۔ حافظ ابن حجر نے آپ کے اوصاف کے سلسلے میں لکھا ہے : کہ

”من رهبان الحبشة“<sup>۱</sup>۔ (ترجمہ) ”حبشہ کے راہبوں میں سے تھے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا شمار علمائے نصاریٰ میں تھا۔ لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی علوم سے کہاں تک واقف ہوئے اس کی تفصیل نہیں ملتی اور نہ آپ سے کوئی روایت ہے۔

## (۸) حضرت بحیرا الحبشی رضی

نام و نسب : بحیرا نام ہے۔ شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدتہ نصرانی تھے۔  
اسلام : غالباً آپ نے بھی اپنے احباب حضرت اشرف و شام وغیرہ کے ساتھ اسلام قبول کیا ہوگا۔  
زیارت نبوی کا شرف : حضرت جعفرؓ کے ساتھ آپ بھی حبشہ سے مدینہ آئے اور زیارت نبوی ﷺ سے مشرف ہوئے۔

وفات : وفات کا سنہ یا تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔

روایت : ابن عدی نے ایک ضعیف واسطہ سے یہ ایک روایت نقل کی ہے۔

”عن جعفر بن محمد بن علی بن ابیہ عن جدہ قال سمعت بحیرا الراہب

يقول سمعت رسول الله اذا شرب الرجل كأساً من خمر“<sup>۲</sup>۔ (بخاری)

”جعفر بن محمد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بحیرا سے سنا، وہ بیان کرتے

تھے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ اگر کسی شخص کو شراب کا ایک پیالہ پلایا جائے۔

اور روایت کرنے کے بعد خود ہی جرح بھی کی ہے جرح کے الفاظ یہ ہیں۔

”هذا حديث منكر و لم اسمع بحيرا عند غير هذا“<sup>۳</sup>۔

”یہ منکر حدیث ہے ان کے علاوہ بحیرا کی کوئی اور حدیث نہیں۔“

۱۔ اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۵۱

۲۔ یہ وہ بحیرا الراہب نہیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے قبل نبوت شام میں ملے تھے۔ ابن اثیر نے دنوں کو ایک شمار کیا ہے اس پر حافظ ابن حجر نے حضرت ابرہہ کے حالات میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے، یہ دوسرے بحیرہ ہیں۔ ابن اثیر کو غلط فہمی ہوئی ہے اور اسی لئے بحیرا الراہب کو انہوں نے قسم ربع میں داخل کیا ہے اور انہیں قسم اول میں۔ (اصابہ۔ ص ۳۶)

۳۔ بقیہ الفاظ حدیث جستجو و تلاش کے بعد بھی نہیں ملے۔ (تجرید۔ جلد ۱۔ ص ۳۶)

۴۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صاحب حدیث بحیرا الراہب شامی ہیں۔ یہ غلط ہے۔ اگر حدیث صحیح ہے تو یہ وہی بحیرا ہیں جو حبشہ سے حضرت ابرہہ کے ساتھ آئے تھے۔ (اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۱۳۹)

## اسناد (۹) حضرت بشیر بن معاویہ

نام و نسب : بشیر نام ہے۔ ابو علقمہ کنیت۔ باپ کا نام معاویہ تھا۔ اسقف نجران کے بھائی تھے۔ اسلام : اہل نجران کے پاس جب آنحضرت ﷺ کا نام مبارک پہنچا تو انہوں نے ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں دریافت حال کے لئے بھیجا۔ یہ وفد مدینہ سے نجران واپس ہوا تو راستے میں اسقف رئیس وفد نے آنحضرت ﷺ کے اس نام مبارک کو پڑھنا شروع کیا۔ اتفاق سے اسی اثنا میں بشیر کی اونٹنی کو ٹھوکر لگی۔ اس پر انہوں نے آنحضرت ﷺ کی شان میں کچھ ناملائم الفاظ استعمال کئے۔ اسقف نے ڈانٹا اور کہا وہ نبی صادق ہیں۔ حضرت بشیر کے دل میں یہ بات گھر کر گئی۔ انہوں نے فرمایا، کہ جب وہ نبی صادق ہیں تو خدا کی قسم جب تک ان کی خدمت میں نہ پہنچ جاؤں، اونٹنی کا کجاوہ نہ کھولوں گا۔ چنانچہ شوق و ہمارگی میں یہ اشعار پڑھتے ہوئے وہاں سے پھر مدینہ واپس ہوئے۔

الیک تغدوا قلقا و ضینہا معترضا فی بطنہا فیہا

مخالفا دین النصرای دینہا

اور خدمت نبوی میں پہنچ کر اسلام قبول کیا اور ساری زندگی دربار رسول کی غلامی میں گزار دی۔ شہادت : غزوہ کی تصریح تو نہیں مل سکی، لیکن کسی غزوہ ہی میں شہادت پائی۔

(ت)

## اسناد (۱۰) حضرت تمام رضی

نام و نسب : تمام نام ہے۔ شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدہ کے اعتبار سے نصرانی تھے۔ اسلام : اوپر جن لوگوں کا تذکرہ ہوا ہے، غالباً اپنے ان ہی رفقاء کے ساتھ انہوں نے بھی اسلام قبول کیا ہوگا۔

شرف زیارت : آپ بھی حضرت جعفر کے ساتھ حبشہ سے آئے اور زیارت نبوی ﷺ سے بہرہ مند ہوئے۔ وفات : وفات اور دوسرے حالات کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔ تجرید میں آپ کے متعلق یہ بھی ہے کہ بحیر اور ابرہہ کے ساتھ آئے۔

۱۔ قریب قریب ان ہی کے واقعہ سے ملتا جلتا کرز بن علقمہ کا واقعہ بھی ہے۔ لیکن صاحب اصابہ نے ان کو دو شمار کیا ہے اور یہ دو اس لئے بھی ہیں کہ کرز کا واقعہ مدینہ جاتے ہوئے پیش آیا تھا اور بشیر کا واقعہ وہاں سے واپسی پر۔ (اصابہ جلد اول ص ۱۶۰)

”وقد مع بحیرا و ابرہہ فی حدیث ساقط تمرہ“<sup>۱</sup>۔

”بحیر اور ابرہہ کے ساتھ یہ بھی ساقط تمرہ والے واقعے میں تھے۔“

آپ بھی ان تمام فضائل اور انعام کے مورد ہیں، جس کے مورد دوسرے اہل کتاب صحابہ ہیں۔

## (۱۱) حضرت تمیم الحبشیؓ

نام و نسب : تمیم نام شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدہ کے اعتبار سے عیسائی تھے۔

اسلام : آپ کے چند احباب کا تذکرہ ہو چکا ہے غالباً آپ نے بھی حبشہ میں ان کے ساتھ اسلام قبول کیا ہوگا۔

شرف زیارت : حبشہ کے وفد کے ساتھ آپ بھی مدینہ آئے اور شرف زیارت نبوی سے بہرہ فرمائے۔

روایت : آپ سے کوئی روایت نہیں ہے۔<sup>۲</sup>

وفات و عام حالات کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی۔

## (۱۲) حضرت تمیم داریؓ

نام و نسب : تمیم نام ابورقیہ کنیت واری نسبت ہے پورا سلسلہ نسب یہ ہے تمیم بن اوس بن حارجہ

ابن سور بن خزیم بن ذراع بن عدی بن الدار<sup>۳</sup> بن ہانی بن حبیب بن تمارہ بن نعم بن عدی بن عمر بن

سباء، ابن ہشام نے عمرو و سباء کے درمیان دو ایک نام اور بڑھائے ہیں شام کے رہنے والے تھے قبیلہ

لنخم سے ہی تعلق تھا اور مذہباً عیسائی تھے۔

اسلام : ۹ھ میں اپنے بھائی نعیم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور مشرف

با سلام ہوئے۔<sup>۴</sup>

۱۔ حدیث کا پورا متن بڑی کاوش کے بعد بھی نہیں مل سکا۔ (اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۱۸۳ و تجرید۔ جلد ۱۔ ص ۶۱)

۲۔ اصابہ اور اسد الغابہ ۳ حافظ ابن عبد نے داری کی نسبت کی یہ وجہ بتائی ہے کہ نعم کی ایک شاخ دار ہے اور یہ نسبت

اسی کی طرف ہے، مگر یہ تو جیہہ صحیح نہیں ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان کے اجداد میں ایک شخص کا نام دار ہے۔ جیسا کہ سلسلہ نسب

میں مذکور ہے۔ یہ نسبت اسی کی طرف ہے۔ اس کی تائید سمعانی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے : فاما النسبة ای

الجد فمناہم ابورقیہ الداری۔ (سمعانی۔ ص ۲۱۹ ذکر داری) نعم و جذام یمن کے رہنے والے تھے، جو شام

میں آکر اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ (سمعانی ذکر نعم۔ ص ۳۹۵)

۵۔ اصابہ و استیعاب و ابن سعد

غزوات : اسلام لانے کے بعد جتنے غزوات پیش آئے، سب میں شریک ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے کفالت کے لئے شام میں قریہ عینوں کا ایک حصہ آپ کو دے دیا تھا اور اس کی تحریری سند بھی لکھ دی تھی، مگر دیار محبوب کی محبت نے وطن کی محبت فراموش کر دی۔ چنانچہ عہد نبوی ﷺ کے بعد خلفائے ثلاثہ کے زمانہ تک مدینہ ہی میں رہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد ملی فتنہ و فساد شروع ہوا تو آپ بادلِ نخواستہ مدینہ چھوڑ کر اپنے وطن شام چلے گئے۔<sup>۲</sup>

۱۱۱ھ : آپ جب شام سے مدینہ آئے تو آپ ساتھ کچھ قندیلیں اور تھوڑا سا تیل بھی لیتے آئے۔ مدینہ پہنچ کر قندیلوں میں تیل ڈال کر مسجد نبوی ﷺ میں لٹکائیں اور جب شام ہوئی تو انہوں نے انہیں جلا دیا۔ اس سے پہلے مسجد میں روشنی نہیں ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور مسجد کو روشن پایا تو دریافت فرمایا کہ مسجد میں روشنی کس نے کی ہے۔ صحابہ کرام نے حضرت تمیمؓ داری کا نام بتایا۔ آپ بے حد خوش ہوئے۔ ان کو دعائیں دیں اور فرمایا اگر میری کوئی لڑکی ہوتی تو میں تمیمؓ سے اس کا نکاح کر دیتا۔ اتفاق سے اس وقت نوفل بن حارث موجود تھے۔ انہوں نے اپنی بیوہؓ صاحبزادی ام المغریرہ کو پیش کیا۔ آپ نے اسی مجلس میں ام المغریرہ سے حضرت تمیمؓ داری کا نکاح کر دیا۔<sup>۳</sup>

وفات : مدینہ سے واپسی کے بعد گوشہ نشینی اختیار کر لی اور آخر عمر تک زاہدانہ اور درویشانہ زندگی بسر کی۔<sup>۴</sup> ۴۰ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور بہت جبرون میں مدفون ہوئے۔<sup>۵</sup>

اولاد : آپ کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ صرف ایک صاحبزادی رقیہ تھیں، جن کی نسبت سے آپ کی کنیت ابورقیہ ہے۔

علم و فضل : اسلام سے پہلے آپ کا شمار علمائے نصاریٰ میں تھا۔ قبول اسلام کے بعد علمی ذوق قرآن مجید کی جانب منتقل ہو گیا اور اس سے پوری واقفیت پیدا کی۔ قتادہ کا قول ہے : کہ

”کان من علماء اہل الكتابین“<sup>۶</sup>

”آپ کا شمار انجیل و قرآن کے علماء میں تھا۔“

۱۔ ابن سعد و اسد الغابہ۔ ۲۔ اسد الغابہ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مستقل طور پر شام ہی میں رہتے تھے۔ مگر ابن سعد کا بیان زیادہ صحیح ہے کہ اسلام لانے کے بعد مدینہ ہی میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے بعد مستقل طور پر شام واپس چلے گئے۔ (ابن سعد۔ جلد ۲۔ قسم ۲۔ ص ۱۱۳) ۳۔ پہلے ان کا نکاح براء یا ابوالبراء سے ہوا تھا۔ ۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۵ ۵۔ ارباب طبقات میں آپ کا سنہ وفات نہیں ہے البتہ تہذیب التہذیب میں ہے کہ آپ کی وفات ۴۰ھ میں ہوئی۔ (تہذیب۔ جلد ۱۔ ص ۵۱۲) ۶۔ اصحاب میں جبرین ہے اور تہذیب میں جبرون۔ میں نے تہذیب ہی کے بیان کو اختیار کیا ہے۔ (تہذیب۔ جلد ۱۔ ص ۵۱۳ و سماعی۔ جلد ۱۔ ص ۲۱۹) کے تہذیب ایضاً

بعض لوگوں نے آپ کا شمار ان صحابہ میں کیا ہے، جنہوں نے عہد نبوی میں قرآن جمع کیا تھا۔  
 تراویح کی امامت : فتح الباری میں ہے کہ جب حضرت عمر فاروقؓ نے تراویح باجماعت قائم  
 کی تو مردوں کا امام ابی بن کعبؓ کو اور عورتوں کا امام تمیم داریؓ کو مقرر کیا۔  
 ایک روایت : آپ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ان سے ایک واقعہ  
 (مسلم میں موجود ہے) روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے کبار صحابہ اور تابعین نے بھی آپ سے  
 روایتیں کی ہیں۔ مثلاً عبد الرحمن بن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، انس بن مالکؓ، زراہ بن عونیؓ،  
 وروح بن زبایعؓ، عبد اللہ ابن موہبؓ، عطاء بن یزید اللیشؓ، شہر بن جوشبؓ، عبد الرحمن بن غنمؓ،  
 سلیم بن عامرؓ، شرجیل بن مسلمؓ، قبیصہ بن ذویبؓ، کثیر بن مرہؓ، ازہر بن عبد اللہؓ وغیرہ۔  
 چونکہ آپ متاخر الاسلام تھے، اس لئے آپ کی روایتوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔  
 مسند میں ۱۲ حدیثیں آپ کی سند سے درج ہیں۔

### اتباع سنت اور مواظبت عمل :

آپ کو اتباع سنت کا بڑا لحاظ تھا، اور جس سنت پر ایک مرتبہ عمل شروع کر دیتے، اس پر ہمیشہ  
 مواظبت کرتے۔ چنانچہ معمول تھا کہ نماز عصر کے بعد دو رکعت نماز نفل ادا فرماتے تھے۔ حضرت عمرؓ  
 کا دستور تھا کہ جن لوگوں کو نماز عصر کی ادائے گی کے بعد نفل پڑھتے دیکھتے انہیں منع فرماتے اور بعض  
 اوقات سزا بھی دیتے۔ ایک مرتبہ تمیم داریؓ سے بھی اس کے متعلق فرمایا تو آپ نے حضرت عمرؓ  
 کو درشت لہجہ میں جواب دیا : کہ

” لا ادعہا علیہما مع من ہو خیر منک رسول اللہ ﷺ “

”میں ان دو رکعتوں کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے تو یہ دو رکعتیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ

پڑھی ہیں جو تم سے بہتر ہیں۔“

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے پھر کوئی باز پرس نہیں کی اور فرمایا کہ اگر تمام لوگ تمہاری ہی طرح  
 ہو جائیں تو مجھے کوئی پروا نہیں“۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۲۔ تم ۲۔ ص ۷۱۳ ۲۔ بعض روایتوں میں تمیم داری کے بجائے سلمان بن شمر کا نام ہے۔ الحدیث نے  
 اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ دونوں آدمی مختلف اوقات میں اس خدمت پر متعین ہوئے۔ (فتح الباری۔ جلد ۱۔ ص ۲۱۹)  
 ۳۔ محدثین نے اسی روایت سے روایۃ الکبار عن اصفاء ایک مستقل اصول روایت بنا لیا ہے اور یہی اس کی  
 پہلی مثال ہے۔ ۴۔ مسلم شریف ذکر جاسہ۔ ص ۴ ۵۔ تہذیب اتہذیب۔ ص ۵۱۱  
 ۶۔ یہ تین نام استیعاب میں درج ہیں۔ ۷۔ مسند۔ جلد ۳۔ ص ۱۰۳



## حصول ثواب کے لئے کام :

ایک مرتبہ روح بن زبناح آپ کی خدمت میں گئے تو دیکھا کہ گھوڑے کے لئے جو صاف کر رہے ہیں اور گھر کے تمام لوگ آپ کے گرد بیٹھے ہوئے ہیں۔ روح نے عرض کیا، کیا ان لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس کام کو کر سکے۔ آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے : کہ

”ما من امرء مسلم ینقى لفرسہ شعیراً ثم یعلفه علیہ کتب لہ بكل حبة حسنه“<sup>۱</sup>۔

”جب کوئی مسلمان اپنے گھوڑے کے لئے دانہ صاف کرتا ہے اور پھر اس کو کھلاتا ہے تو ہر دانہ کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے۔“

عبادت : آپ کا شمار ان صحابہ میں تھا جو زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت میں ضرب المثل تھے۔ مشکل ہی سے کبھی آپ کی نماز تہجد ناغہ ہوتی۔ تہجد میں بسا اوقات ایک آیت اتنی بار دہراتے کہ پوری رات ختم ہو جاتی۔ ایک مرتبہ آپ تہجد میں جب اس آیت :

”ام حسب الذین اجتر حوا السینات ان نجعلہم کالذین امنوا و عملوا الصلحت سواء محیاهم و مماتہم“ (جاثیہ)

”جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان و عمل صالح کو اختیار کیا کہ ان سب کا مرنا جینا برابر ہو جائے۔“

پر پہنچتے تو اسی کو رات بھر دہراتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔<sup>۲</sup>

محمد بن سیرین بیان فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے۔<sup>۳</sup> انہوں نے ایک بہت قیمتی جوڑا خریدا تھا۔ جس روز ان کو شب قدر کی توقع ہوتی تھی اسے روز پہنتے تھے۔<sup>۴</sup>

ریا سے پرہیز : بایں ہمہ اپنی عبادت کو لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ آپ رات میں کتنی نمازیں پڑھتے ہیں۔ آپ اس سوال پر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ایک رکعت نماز جسے میں رات کی تنہائی میں پڑھوں، وہ مجھے اس بات کی سے زیادہ محبوب ہے کہ میں رات بھر نماز پڑھوں اور صبح کو سب سے بیان کرتا پھروں۔<sup>۵</sup>

۱۔ مسند۔ جلد ۴۔ ۱۰۲۔ ۲۔ اصابہ و اسد الغابہ و نسائی میں بھی یہ روایت ہے۔ ۳۔ تہذیب التہذیب ذکر تمیم

۴۔ صفوة الصغوة۔ جلد ۱۔ ص ۳۱۰۔ ۵۔ ایضاً

## مسجد میں روشنی کی ابتداء :

یہ آپ کا بہت بڑا شرف ہے کہ آپ نے مسجد میں روشنی کی سنتِ حسنہ جاری کی ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ تمیم داری پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد میں چراغاں جلانے اور روشن کرنے کی ابتداء کی<sup>۱</sup>۔

ایک کرامت : حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ مقام حرہ میں آگ لگی۔ حضرت عمرؓ حضرت تمیم داریؓ کے پاس آئے اور ان سے واقعہ بیان کیا۔ حضرت تمیم داریؓ وہاں گئے اور بے خطر آگ میں گھس گئے اور اسے بجھا کر صحیح و سالم واپس چلے آئے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو خیر اہل المدینہ (مدینہ کے سب سے اچھے اور نیک آدمی) فرمایا کرتے تھے<sup>۲</sup>۔

حلیہ ولباس : خوش پوش، خوش وضع اور خوبصورت آدمی تھے<sup>۳</sup>۔

(ث)

## (۱۳) حضرت ثعلبہ بن سعیہ الہدلی

نام و نسب : ثعلبہ نام ہے۔ باپ کا نام سعیہ، قبیلہ ہدل<sup>۴</sup> جو بنو قریظہ کی ایک شاخ تھی، اس سے نسبی تعلق تھا۔ حضرت اسید بن جن کا اوپر ذکر آچکا ہے، ان کے حقیقی بھائی تھے۔

اسلام : جب بنو قریظہ کے قتل کا فیصلہ ہوا تو حضرت ثعلبہؓ قبیلہ کے دو تین نوجوانوں کے ساتھ اہل قبیلہ کے پاس گئے اور ان کو ابن ابیہان<sup>۵</sup> کی وصیت اور اس کا وعدہ یاد دلا کر سمجھانے کی کوشش کی اور اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ لیکن جب یہ کوشش بے سود رہی تو اپنے بھائی حضرت اسید اور قبیلہ کے ایک اور نوجوان اسد بن عبید کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر خود اسلام قبول کیا<sup>۶</sup>۔

آپ کی زندگی کے اور دوسرے حالات نہیں مل سکے۔

وفات : سنہ وفات کی تصریح نہیں مل سکی۔ البتہ امام بخاری کے بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ حیات نبوی ہی میں وہ اس دارِ فانی کو چھوڑ چکے تھے<sup>۷</sup>۔

۱ ابن ماجہ باب المساجد۔ ص ۵۶ ۲ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۴۹۷ ۳ اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۱۵  
 ۴ اس کی تحقیق حضرت اسید کے حالات میں گزر چکی ہے۔ ۵ پورا قصہ حضرت اسید کے حالات میں لکھا جا چکا ہے۔  
 ۶ اصابہ ذکر اسید (جلد ۱۔ ص ۳۳) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عبد اللہ بن اسلام کے ساتھ اسلام لائے، مگر صاحب اسد الغابہ نے اس ک تردید کی ہے۔ ابن ہشام وغیرہ کا بیان بھی اس کے خلاف ہے۔ (اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۴۱  
 ۷ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۱۶۹ ۸ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۴۱

**فضل و کمال :** اہل کتاب صحابہ کے عام فضائل و محامد کے ساتھ حضرت ثعلبہؓ ابن سعیدہ کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ جب حضرت ریحانہؓ جو غزوہ بنو قریظہ میں گرفتار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں تو آپ کی خواہش تھی کہ وہ اسلام قبول کر لیں، مگر وہ کسی وجہ طرح اس راضی نہ ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کے اسلام نہ لانے کا بے حد رنج تھا۔

ایک روز آپ صحابہ کرامؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ثعلبہؓ ابن سعیدہ آئے اور آہستہ سے آپ سے حضرت ریحانہؓ کے اسلام قبول کر لینے کی خوش خبری سنائی۔ آنحضرت ﷺ نے مسرت کا آمیز لہجہ میں حاضرین سے فرمایا کہ ثعلبہ ریحانہ کے اسلام لے آنے کی خوشخبری لے کر آئیں ہیں۔

(ابن ہشام۔ جلد ۲)

## (۱۴) حضرت ثعلبہؓ بن سلام

**نام و نسب :** ثعلبہ نام ہے۔ باپ کا نام سلام۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام کے بھائی تھے پورا سلسلہ نسب عبداللہؓ بن سلام کے تذکرے میں آئے گا۔

**اسلام :** آپ کے اسلام لانے کا زمانہ متعین نہیں کیا جاسکتا، مگر اتنا معلوم ہے کہ آپ عبداللہؓ بن سلام کے بعد اسلام لائے۔

**وفات :** آپ کی وفات کے بارے میں بھی کوئی تصریح نہیں ملتی اور نہ آپ کی زندگی کے عام حالات اور کارنامہ کے متعلق کوئی تذکرہ ملتا ہے۔

## (۱۵) حضرت ثعلبہؓ بن قیس

**نام و نسب :** ثعلبہ نام ہے۔ باپ کا نام قیس۔ یہود مدینہ سے تھے، مگر یہ تصریح نہیں مل سکی کہ کس قبیلہ سے تعلق تھا۔

**اسلام :** صحیح طور سے نہیں کہا جاسکتا کہ آپ نے کب اسلام قبول کیا۔ لیکن چونکہ ان آیتوں کی تفسیر کے ضمن میں جو اہل کتاب صحابہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ آپ کا نام عبداللہؓ بن سلام وغیرہ کے ساتھ آتا ہے۔ اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ متقدم الاسلام ہوں گے۔

**وفات :** سنہ وفات کے متعلق بھی کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

فضائل : یوں تو ان تمام فضائل و انعام کے آپ بھی مستحق ہیں، جن کے دوسرے اہل کتاب صحابہ مستحق ہیں۔ لیکن ذیل کی دو آیتوں کے ضمن میں خصوصیت سے آپ کا نام بھی مفسرین لیتے ہیں، جب کفار قریش آنحضرت ﷺ اور قرآن کے متعلق مختلف قسم کے شکوک و شبہات پیدا کرنے لگے تو اس کے لئے ایک ثبوت یہ بھی پیش کیا گیا :

”أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ“ -

”کیا ان کے لئے یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اس کو (قرآن) علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں۔“

علماء سے جو لوگ مراد ہیں، مفسرین ان میں حضرت ثعلبہؓ کا نام بھی لیتے ہیں۔ اب عباسؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہؓ سلام اور حضرت ثعلبہؓ وغیرہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ آپ پر، قرآن پر، حضرت موسیٰؑ اور توریت اور حضرت عزیرؑ پر تو ضرور ایمان لاتے ہیں مگر اس کے علاوہ تمام کتب و رسل کو ماننا ضروری نہیں سمجھتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَيَّ رَسُولُهُ

وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ“ - (نساء)

”اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر اتاری اور ان کتابوں پر جن کو اللہ نے اس سے پہلے اتارا ہے۔“

زندگی کے دوسرے حالات و کمالات پر وہ اخفا میں ہیں۔

## (۱۶) حضرت ثعلبہ بن ابی مالک

نام و نسب : ثعلبہ نام ہے۔ ابو یحییٰ کنیت۔ حضرت ابو مالک صحابی کے (جن کا تذکرہ آگے آئے گا) صاحبزادے تھے۔ آپ کے والد ترک وطن کر کے مدینہ آئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔

۱۔ سورہ شعراء یقیناً مکہ ہے۔ مگر اس کی پانچ آیتوں کے نزول کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، جو لوگ اس آیت کو بھی مدنی کہتے ہیں، ان کے نزدیک تو کوئی اشکال نہیں ہے۔ لیکن جو لوگ اس کو مکئی کہتے ہیں ان کے سامنے یہ اشکال آتا ہے کہ مکہ میں علمائے بنی اسرائیل کہاں تھے۔ اس کا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ کفار مکہ نے مدینہ کے علمائے یہود سے آنحضرت ﷺ کے متعلق دریافت کرایا تھا، تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ زمانہ یہی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بہر حال دونوں صورتوں میں آیت مخاطب یہی حضرات ہیں۔

اسلام : اپنے والد کی طرح خود بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، اور بہ اختلافِ روایت شرفِ صحبت سے بھی سرفراز ہوئے۔<sup>۱</sup>

اصابہ میں مصعب الزبیری کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ غزوہٴ بنی قریظہ کے روز جو بچے نابالغ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے تھے، ان میں حضرت ثعلبہؓ بھی تھے۔ امام بخاریؒ نے تاریخ الکبیر میں لکھا ہے : کہ

”كَانَ كَبِيرًا اِيَّامَ بَنِي قَرِيظَةَ“<sup>۲</sup> (جلد ۱- ص ۱۷۳)

”غزوہٴ قریظہ کے زمانے میں وہ بڑے تھے۔“

بخاری کی اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بالکل بچے نہیں تھے، بلکہ سنِ شعور کو پہنچ چکے تھے۔ لیکن بہر حال ان کے زمانہٴ قبولِ اسلام کے متعلق کوئی صحیح تعیین نہیں کیا جاسکتا۔

وفات : سنہ وفات کا علم نہیں ہو سکا۔

اولاد : ان کی دعا و اولاد ابو مالک اور منظور کا ذکر حافظ ابن حجر نے تہذیب میں کیا ہے، لیکن دوسرے ارباب رجال نے صرف ابو مالک کا نام لیا ہے۔

علم و فضل : حضرت ثعلبہؓ کا گھرانہ علم و فضل میں ممتاز تھا۔ آپ کے والد حضرت ابو مالکؓ عہدِ عتیق کے عالم تھے۔ آپ کے دونوں صاحبزادے اور ایک بھتیجے محمد بن عقبہ صاحب علم و فضل اور صاحب روایت تھے۔ خود حضرت ثعلبہؓ نے رسول اللہ ﷺ اور بڑے بڑے صحابیؓ سے روایتیں کی ہیں۔ مثلاً

۱۔ ان کے صحابی ہونے میں ارباب رجال کی روایتیں مختلف ہیں۔ اصابہ اور تاریخ کبیر کی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ غزوہٴ بنی قریظہ کے وقت اچھے خاصے بڑے تھے۔ جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جب انہوں نے اسلام قبول کیا ہوگا تو وہ سنِ شعور کو پہنچ گئے تھے۔ اس القابہ میں ہے کہ ولد علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے)۔ جس سے ان کی صحابیت اور عدم صحابیت دونوں کا احتمال ہے۔ ابن حاتم اور ابن حبان نے ان کو زمرہٴ تابعین میں شمار کیا ہے۔ یحییٰ ابن معین فرماتے ہیں لہ روایۃ (انہیں دیدار نبوی ﷺ حاصل ہوا)۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں تو احتمال کا اظہار کیا ہے، لیکن تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ حضرت ثعلبہؓ نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کی ہے اور ان سے بغیر کسی واسطہ کے روایت بھی کی ہے۔

ان تمام بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیادہ تر ارباب رجال کا رجحان ان کے صحابیت کی طرف ہے، گو تابعین میں داخل کرنے والے حضرت کے اقوال بھی بالکل نظر انداز نہیں کئے جاسکتے۔ لیکن میں نے حافظ ابن حجر کی اتباع میں انہیں صحابہ کی فہرست میں رکھا ہے۔

۲۔ تاریخ الکبیر میں امام کا لفظ ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے امام بخاریؒ کا یہی قول تہذیب میں نقل کیا ہے، جس میں ایام بنی قریظہ ہے۔ اگر ایام کا لفظ صحیح ہے تو معنی یہ ہوئے کہ وہ غزوہٴ قریظہ کے وقت اچھی خاصی عمر کے تھے اور اگر امام لفظ مانا جائے تو اس مشہور روایت سے تطابق ہو جائے گا، جس میں ہے کہ وہ بنی قریظہ کے امام تھے۔

حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت حارثہ بن نعمانؓ، حضرت جابرؓ<sup>۱</sup> اور ابن عمرؓ<sup>۲</sup> وغیرہ۔ ان سے حسب ذیل حضرات نے روایتیں کی ہیں۔ ان کے دونوں صاحبزادے، امام زہری، مسور بن رفاعہ، محمد بن عقبہ، صفوان بن سلیمؓ<sup>۳</sup>، ابن الہباتؓ<sup>۴</sup>۔ امامت : قبیلہ بنو قریظہ کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے، ان کی نماز کی امامت کم عمری کے باوجود حضرت ثعلبہؓ ہی کے سپرد تھی۔ تہذیب میں ہے۔

”و کان ثعلبہ یوم بنی قریظہ غلاماً“

”حضرت ثعلبہؓ بچپن کے باوجود بنی قریظہ کی امامت کرتے تھے۔“

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ غزوہ بنی قریظہ کے وقت کم سن تھے۔

(ج)

## (۱۷) حضرت جارد بن عمرو

نام و نسب : بشر نام ہے۔ ابو منذر کنیت۔ جارد لقب۔ نسب نامہ یہ ہے : جارد بن عمرو ابن معلیٰ عبدی قبیلہ عبد قیس کے سردار تھے۔ جارد کا لقب ایک خاص واقعہ کی یادگار ہے۔ زمانہ جاہلیت میں انہوں نے قبیلہ بکر بن وائل کو لوٹ کر بالکل صاف کر دیا تھا۔ ”جرود“ کے معنی بے برک و بار کے ہیں۔ اس لئے جارد و ان کا لقب پڑ گیا۔ اسی واقعہ کو بطور مثال شاعر کہتا ہے :

فدسنا ہم بالخیل من کل جانب کما جرد الجارود بکر بن وائل

”ہم نے ہر طرف دشمن کو اپنے لشکر کے ذریعہ روند ڈالا۔ جس طرح کہ جارد نے بکر بن وائل کو صاف کیا تھا“

اسلام : جارد و منہجاً عیسائی تھے۔ قبیلہ عبد قیس کے وفد کے ساتھ ۱۰ھ میں مدینہ آئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ انہوں نے کہا محمد ﷺ میں ایک مذہب پر تھا، اب تمہارے

۱۔ تہذیب ذکر ثعلبہ ۲ تاریخ الکبیر ذکر ثعلبہ ۳ تہذیب ذکر ثعلبہ ۴ تاریخ الکبیر ایضاً

۵ اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۶۱ و اصحابہ اول تذکرہ جارد

۶ بعض روایتوں میں ہے کہ جب وہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جارد تم نے اور تمہاری قوم نے آنے میں بہت دیر کی۔ جارد نے معذرت پیش کی اور کہا کہ اب میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں نے آپ کی صفات انجیل میں دیکھی ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے آنے کی خوشخبری دی ہے۔ پھر آپ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ پھیلائیں، پھر آپ نے کلمہ پڑھا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ (سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۲۶۶ و تاریخ ابن عساکر۔ ص ۳۵۶)

مذہب کے لئے اپنے مذہب کو چھوڑنے والا ہوں۔ میرے تبدیل مذہب کے بعد تم میرے ضامن ہو گے؟ فرمایا: ”ہاں میں تمہارا ضامن ہوں، خدا نے تم کو تمہارے مذہب سے بہتر مذہب کی ہدایت کی ہے۔“ اس مختصر سوال و جواب کے بعد جارود اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ ان کے ساتھ ان کے اور ساتھی بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کو ان کے اسلام لانے پر بڑی مسرت ہوئی، آپ نے ان کی بڑی عزت و توقیر کی۔<sup>۱</sup>

قبول اسلام کے بعد وطن لوٹنے کا قصد کیا اور آنحضرت ﷺ سے سواری مانگی۔ لیکن سواری کا انتظام نہ ہو سکا تو جارود نے اجازت مانگی کہ یا رسول اللہ! راستے میں ہم کو دوسروں کی بہت سواریاں ملیں گی، ان کے استعمال میں لانے کی اجازت ہے؟ فرمایا، ”نہیں انہیں آگ سمجھو“۔ غرض جارود خلعت اسلام سے فراز ہونے کے بعد وطن واپس گئے۔<sup>۲</sup>

فتنہ ارتداد: فتنہ ارتداد میں ان کے قبیلہ کے بہت سے آدمی مرتد ہو گئے، لیکن ان کے استقامت ایمانی میں کوئی تزلزل نہ آیا۔ چونکہ سردار قبیلہ تھے، اس لئے اپنے اسلام کا اعلان کر کے دوسروں کو ارتداد سے روکتے تھے۔<sup>۳</sup>

شہادت: حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں بصرہ میں اقامت اختیار کر لی اور ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک۔ باختلاف روایت فارس یا نہاوند کے معرکہ میں شہید ہوئے۔<sup>۴</sup>

اولاد: آپ کے ایک صاحبزادہ منذر تھے، جن کی نسبت سے آپ کی کنیت ابو منذر ہے۔  
فضل و کمال: ابولہب الجذمی، ابوالقموں، زین بن علی اور محمد بن سیرین نے ان سے روایت کی ہے۔<sup>۵</sup>  
جارود شاعر تھے۔ اشعار ذیل بارگاہ نبوی ﷺ میں بطور نذر عقیدت پیش کئے تھے۔<sup>۶</sup>

شہدت بان اللہ حق و سامحت بنات فوادى بالشهادة والنهضى

”میں نے گواہی دی کہ اللہ حق ہے اور میرے جذبات نے بھی اس شہادت اور عمل میں میرا ساتھ دیا“

فابلغ رسول اللہ انى رسالة بانى حنيف حيث كنت من الارض

”میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو یہ پیغام پہنچا دو کہ میں زمین کے جس حصہ پر بھی رہوں گا موحد رہوں گا“

واجعل لى نفسى دون كل ملىمة لىكم جنة من عرضكم عرضى

”ہر مصیبت کے وقت میں اپنی جان پیش کر دوں گا، اے مسلمانو! تمہاری عزت کے لئے میری عزت ڈھال ہے“

فان لم تكن دارى بىثرب فىكم فانى لىكم عند الاقامة والحفضر

”اگر چہ میرا مستقل قیام بیثرب میں نہیں ہے مگر اس عارضی اقامت میں بھی میں تمہارا ہی ہوں“

اخلاق : جارود کے صحیفہ کمال میں آزادی، جرأت اور اظہار حق میں بیباکی کا عنوان نہایت چلی تھا۔ جس بات کو حق سمجھتے تھے، پھر اس کے اظہار میں وہ کسی کی پروا نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ بحرین کے گورنر قدامہ بن مظعون کو بعض رومیوں نے شراب پیتے ہوئے دیکھا۔ جارود کو اس کا علم ہوا تو حضرت عمرؓ کے پاس آ کر کہا کہ امیر المومنین قدامہ نے شراب پی ہے، ان پر شرعی حد جاری کیجئے۔

آپ نے شہادت طلب کی جارود نے ابو ہریرہؓ کو پیش کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے شہادت دی کہ میں نے نشہ کی حالت میں قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے قدامہ کو طلب کیا۔ وہ آئے ان کے آنے کے بعد جارود نے پھر کہا، امیر المومنین کتاب اللہ کی رو سے حد جاری کیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تمہیں اتنا اصرار کیوں ہے؟ تم گواہ ہو مدعی نہیں ہو، تمہارا کام شہادت دینا تھا، جسے تم پورا کر چکے۔

اس وقت جارود خاموش ہو گئے۔ لیکن دوسرے دن پھر اصرار کیا۔ شہادت نا کافی تھی، اس لئے حضرت عمرؓ کو جارود کا بے جا اصرار ناگوار ہوا اور فرمایا تم تو مدعی بنے جاتے ہو، شہادت صرف ایک ہے۔ اس اعتراض پر جارود نے کہا، عمرؓ میں تم کو خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ حد میں تاخیر نہ کرو۔ آخر میں جارود کی بے جا ضد پر حضرت عمرؓ کو تنبیہ کرنا پڑی کہ جارود خاموش رہو، ورنہ میں بُری طرح پیش آؤں گا۔

اس تنبیہ پر جارود نے غضب آلود ہو کر کہا، عمرؓ حق اس کا نام نہیں کہ تمہارا ابن عم شراب پئے اور تم اُلٹا مجھے بُرے سلوک کی دھمکی دو۔ آخر میں جب قدامہ کی بیوی نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے حد جاری کرائی۔

روایت : آپ چونکہ متاخر الا اسلام تھے۔ اس لئے آپ کی روایتوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ مسند میں یہ ایک روایت ہے۔

”ضالة المومن حرق النار“۔

”مومن کی گم شدہ چیز کو جس نے اپنی ملکیت بنایا اس نے اپنے کو آگ میں جلایا۔“

آپ سے صحابہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور تابعین میں ابو مسلم الجذامی و مطرف ابن عبد اللہ بن شخیر وزید بن علی و ابوالنحوص بن سیرین وغیرہ نے روایت کی۔



## (۱۸) حضرت جبرؓ

نام و نسب : جبر نام ہے۔ عبداللہ بن الحضرمی کے غلام اور مذہباً یہودی تھے۔

اسلام : خدمت نبوی ﷺ میں اکثر ان کی آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے سورہ یوسف تلاوت فرمائی۔ ان پر کلام الہی کا ایسا اثر ہوا کہ اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔<sup>۱</sup>  
تعذیب اور کتمان اسلام :

لیکن چونکہ وہ ابن حضرمی کے خاندان کے غلام تھے اور اس خانوادہ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، اس لئے ان کو ڈرتھا کہ اگر وہ اسلام کا اظہار کرتے ہیں تو ان کی جان کی خیر نہیں۔ اس بنا پر انہوں نے اسلام قبول کیا، لیکن آنحضرت ﷺ کے یہاں آمد و رفت یا کسی اور ذریعہ سے جب انہیں ان کے اسلام قبول کرنے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ان پر سختی شروع کی اور ان کو دائرہ اسلام سے خارج ہونے پر مجبور کیا۔

لیکن اسلام کی تاثیر ایسی نہیں تھی کہ وہ ایک بار دل میں گھر کر جانے کے بعد زائل ہو سکے۔ چنانچہ ظاہری طور پر تو انہوں نے اسلام سے برأت کا اظہار کر دیا، لیکن قلب کے سوز و گداز کا حال ویسا ہی تھا۔ چنانچہ قرآن نے ان کے متعلق فرمایا :  
” وقلبه مطمئن بالايمان “

” (اس کو کفر کے اظہار پر مجبور کیا گیا) لیکن اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہے۔“

فتح مکہ اور آزادی : رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں تھے، اسی وقت انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن فتح مکہ تک اپنے اسلام کو چھپاتے رہے۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور اپنی تکالیف اور گزشتہ مشقتوں کا اظہار کیا۔ آنحضرت ﷺ نے خرید کر آزاد کر دیا۔ آزادی کے بعد انہوں نے پوری زندگی بڑی فارغ البالی سے گزاری۔

نکاح : بنی عامر کی کسی معزز عورت سے ان کی شادی ہوئی تھی۔<sup>۲</sup>

ذریعہ معاش : تلوار اور برتن وغیرہ کی صفائی اور قلعی کا کام ان کا ذریعہ معاش تھا۔<sup>۳</sup>

فضائل : بہت سی آیتوں کے سبب نزول کے ضمن میں ان کا نام بھی آتا ہے۔ طبری نے اس آیت کے ضمن میں

”وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ  
أَعْجَمِيٌّ وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ“۔

”اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ، ان کو تو آدمی سکھاتا ہے، جس شخص کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ قرآن صاف عربی ہے۔“

خصوصیت کے ساتھ ان کا نام لیا ہے۔

## (۱۹) حضرت جبل رضی

نام و نسب : جبل نام ہے۔ قبیلہ ذبیان سے نسبی تعلق تھا، مگر یہود بنی قریظہ کے ساتھ مدینہ میں رہتے تھے۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے : جبل بن جوال بن صفوان بن بلال بن اصرم بن لویاس بن عبد غضم بن جاش بن مجالہ بن مازن بن ثعلبہ بن سعد بن ذبیان النشاء الذبیانی ثم العسلیؑ۔  
اسلام : آپ کے قبول اسلام کا زمانہ صحیح طور پر معلوم نہیں، ارباب رجال صرف اتنا کہتے ہیں :  
”کان یہود یا مع بنی قریظہ فاسلم“۔

”یہود تھے، بنی قریظہ کے ساتھ رہتے تھے۔ پھر اسلام لائے۔“

مگر قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ غزوہ بنی قریظہ کے بعد اور غزوہ خیبر سے پہلے اسلام لائے چکے تھے۔ اس لئے کہ بنو قریظہ کا جب استیصال کیا گیا تو جبل نے حبیب بن اخطب کا مرثیہ کہا اور بنو قریظہ کی حمایت میں یہ اشعار کہے :  
:

الایاسعد، سعد بنی معاذ	لما فعلت قریظہ والنظیر
ترکم قلمکم لاشنی فیہا	وقلم القوم القوم حامیة نفور
ولکن لاخلود مع المنايا	تخطف ثم نضمها الغیور

جس کا جواب حضرت حسان بن ثابت نے اسی بحر قافیہ میں دیا :

تعاهد معشر نصر وعلینا	فلیس لہم ببلدتہم نصیر
ہم اوتوا الكتاب فضیعوہ	فہم عن التوراة بور
کذبتہم بالقران وایتم	بتصدیق الذی وقال النذیر

ظاہر بات ہے کہ وہ اسلام لائے ہوئے تھے تو بنو قریظہ کی حمایت میں یہ اشعار نہ کہتے اور نہ حضرت حسان بن ثابت کو جواب دینے کی ضرورت پیش آتی۔

انہوں نے ایک شعر میں خیبر میں اپنی بہادری اور شرکت کا ذکر کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خیبر کے وقت اسلام قبول کر چکے تھے۔ وہ شعر یہ ہے :

رمیت نطاة من النبی بضیلق      شہباً ذات مناقب ووقار

”میں نے نطاة (چراگاہ یا کوئی خاص جگہ) پر نبی ﷺ کے ایک بہادر مسلح اور بڑے محاسن والے لشکر کے ذریعہ حملہ کیا“

وفات : وفات کے متعلق ارباب رجال نے کوئی تصریح نہیں کی ہے۔

(ح)

## (۲۰) حضرت حیرنجرہؓ

نام و نسب : حیرنجرہ نام ہے۔ نسباً اور عقیدتاً یہودی تھے، لیکن یہ نہیں پتہ چلا کہ یہود کے کس قبیلہ آپ کا تعلق تھا اور کہاں کے باشندے تھے۔ آگے جو واقعات آتے ہیں، ان سے قیاس ہوتا ہے کہ یہود مدینہ ہی کے کسی قبیلہ سے رہے ہوں گے۔

اسلام : رسول اللہ ﷺ نے حیرنجرہ سے کچھ رقم بطور قرض لی تھی۔ انہوں نے آپ ﷺ سے تقاضا کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس ادا نہ کی گئی کے لئے رقم موجود نہیں تھی۔ اس لئے آپ ﷺ نے مہلت چاہی، مگر نجرہ نہ مانے اور کہا کہ آپ (ﷺ) جب تک مجھے میرا قرض نہ ادا کر دیں گے، میں آپ (ﷺ) کو نہیں چھوڑوں گا۔ چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ سے بالکل چمٹ کر بیٹھ گئے۔ صحابہ کو ان کا یہ طرز عمل برا معلوم ہوا۔ انہوں نے حیرنجرہ کو کچھ لعنت ملامت کرنی شروع کی، مگر آنحضرت ﷺ نے انہیں منع کیا اور فرمایا کہ ”میرے رب نے مجھے اس سے روکا ہے کہ میں اپنے کسی معاہدہ پر کسی قسم کا ظلم کروں۔“ پھر دن ڈھلتے ڈھلتے حیرنجرہ نے آپ کے اس حلیمانہ طرز عمل سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔<sup>۱</sup>

وفات اور زندگی کے دوسرے حالات کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملتی۔

فضائل : آپ کے صحیفہ فضائل میں یہ واقعہ بہت ہی درخشاں طور سے درج ہے کہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ برضارہ خدا میں خرچ کر ڈالا۔<sup>۲</sup>

۱ بعض لوگوں نے حیرنجرہ لکھا ہے، مگر حیرنجرہ صحیح ہے۔ ۲ اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۳۶۶۔ ۳

(۵)

## (۲۱) حضرت درید الراہبؓ

نام و نسب : درید نام ہے۔ حبشہ کے رہنے والے اور مذہباً عیسائی تھے۔ حضرت نجاشیؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جو وفد بھیجا تھا اس میں حضرت دریدؓ بھی تھے۔  
 فضل و کمال : راہب ان کے نام کا جز ہو گیا تھا، جس سے ان کے فضل و کمال پر روشنی پڑتی ہے۔ اس آیت کے جو لوگ مصداق ہیں، ان میں حضرت دریدؓ کا نام بھی لیا گیا ہے۔  
 ”وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ“  
 ”رسول اللہ کی طرف جو کچھ نازل ہوا جب انہوں نے اسے سنا تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھیں پر نم ہو گئیں۔“

(۵)

## (۲۲) حضرت ذودجنؓ

نام و نسب : علقمہ نام ہے۔ ذودجن کے نام سے مشہور ہیں۔ حبشہ سے بہتر (۲۷) آدمیوں کا جو وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ آیا تھا، اس میں آپؐ بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے ان کا نسب دریافت کیا تو ان میں ایک نے کچھ اشعار پڑھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت ہود علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

اسلام : قبول اسلام کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی، مگر اتنا معلوم ہے کہ اس وفد کے تمام افراد شرفِ صحبت سے سرفراز ہوئے تھے۔ اسد الغابہ میں ہے :

”وصحبوا کلہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم“۔ ترجمہ : ”سب کے سب صحابی تھے۔“

اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ لوگ حبشہ میں اسلام لائے تھے۔ اگر مدینہ میں اسلام لاتے تو جس طرح نسب کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے سوال اور ان کے جواب کا ذکر ہے، اسلام لانے کا ذکر ضرور ہوتا۔ واللہ اعلم

زندگی کے دوسرے حالات اور وفات وغیرہ کے متعلق کوئی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔

## (۲۳) حضرت ذومحرمؓ

نام و نسب : ذومحرم یا ذومحرم نام ہے۔ شاہِ حبشی نجاشی کے بھتیجے تھے۔ نجاشی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خود تونہ آسکے، مگر ان کو آپ کی خدمت کے لئے بھیجا۔

خدمتِ نبوی ﷺ میں آمد :

حبشہ کے بہتر آدمیوں کے ساتھ بھی خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے۔

اسلام : اس کی تصریح تو نہیں ملتی کہ مدینہ پہنچ کر اسلام لائے یا حبشہ ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے۔ مگر حضرت نجاشیؓ حضرت ذومحرمؓ کے آنے سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ چچا کے ساتھ حضرت ذومحرمؓ نے بھی اسلام قبول کیا ہوگا اور مدینہ بحالتِ اسلام آئے ہوں گے۔

غزوات : غزوات میں شرکت کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ البتہ مسند کی ایک روایت سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں بھی شریک رہتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ کی عادت شریف یہ تھی کہ تیز چل کر لوگوں سے آگے نکل جایا کرتے تھے (اور ایسا سامانِ سفر کی قلت کی وجہ سے کیا کرتے تھے کہ راستہ میں زیادہ دیر لگے گی تو زورِ سفر زیادہ چاہئے)۔ چنانچہ اس سفر میں بھی وہ آگے نکل گئے، تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! بہت سے لوگ پیچھے چھوٹ گئے ہیں، آپ ٹھہر گئے۔

جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا : اگر تم لوگ چاہو تو تھوڑا سا آرام کر لو۔ پھر فرمایا کہ رات کے وقت نگرانی کون کرے گا؟ حضرت ذومحرمؓ نے فرمایا کہ میں نے اس خدمت کے لئے اپنے کو پیش کیا۔

آپ ﷺ نے اونٹنی کی نکیل میرے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا کہ غلطی سے بے خبر نہ ہو جانا۔ میں آپ ﷺ کی اور اپنی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر وہاں سے کچھ دُور لے گیا اور دونوں کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ میں برابر اونٹنیوں کو دیکھتا رہا۔ اسی اثنا میں مجھے نیند آگئی اور ایسی گہری نیند آئی کہ جب اٹھا تو سورج کی کرنیں میرے اوپر پڑ رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ دونوں اونٹنیاں چر رہی ہیں۔ میں نے دونوں کی

۱۔ امام اوزامی ہمیشہ آپ کا نام ذومحرم (۲) کے ساتھ لیا کرتے تھے۔ ابن سعد نے بھی اس کو اختیار کیا ہے، البتہ امام ترمذی ذومحرم (ب) کے ساتھ ان کا ذکر کرتے تھے۔ تجرید اور البدایہ والنہایہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۳۳ و تہذیب الاحزاب۔ جلد ۳۔ ص ۲۲۳

نکیل پکڑے ہوئے جہاں سب لوگ سو رہے تھے، آیا اور کنارے سے ایک شخص کو جگایا اور پوچھا کہ تم لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ اس نے کہا نہیں! پھر اس نے سب لوگوں کو جگایا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اٹھے اور آپ نے اور تمام صحابہ نے وضو کیا اور باجماعت نماز فجر کی قضا کی!۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سفر کسی غزوے ہی کے لئے رہا ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات تک آپ مدینہ میں رہے، بعد شام منتقل ہو گئے اور غالباً وہیں سکونت بھی اختیار کر لی۔ اس لئے اہل طبقات آپ کو شامین میں شمار کرتے ہیں۔

وفات : وفات کے متعلق اہل طبقات نے کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ البتہ تہذیب التہذیب میں یہ ہے کہ

”نزل الشام ومات بہ“ - ترجمہ : ”شام گئے اور وہیں وفات پائی“۔

علم و فضل : آپ سے مسند میں متعدد روایتیں ہیں۔ ابو داؤد اور ابن ماجہ میں بھی آپ کی روایتیں موجود ہیں۔ حسب ذیل حضرات نے آپ سے روایتیں کی ہیں : ابو حنیٰ المؤمن، جبیر بن نفیر، عباس بن عبد الرحمن، عمرو بن عبد الرحمن الحضرمی وغیرہ۔

خدمت نبوی ﷺ : ذمیر کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ آپ کا شمار رسول اللہ ﷺ کے خدام میں ہے۔ اس شرف میں آپ اس قدر مشہور ہوئے کہ بعض لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے موالیٰ<sup>۳</sup> کی فہرست میں آپ کو بھی شمار کیا ہے۔

## (۲۴) حضرت ذومناحب<sup>۴</sup>

نام و نسب : آپ کے نام میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے مناحب<sup>(خ)</sup> اور بعض لوگوں نے ذومنارح<sup>(ح)</sup> اور بعض نے ذومناحب لکھا ہے۔

زیارت نبوی ﷺ : آپ بھی حبشہ کے وفد کے ساتھ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر زیارت سے مشرف ہوئے اور دوسرے حالات حضرت ذومناحب کے تذکرہ میں گزر چکے ہیں۔

۱۔ البدایہ۔ جلد ۵۔ ص ۳۳۳ ۲۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۱۷۴

۳۔ موالیٰ جن کو اردو میں غلام کہا جاتا ہے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہوتے ہیں، جو جنگ میں گرفتار ہو کر آتے تھے اور ہر خادم ہر وہ شخص ہے جو کسی کی خدمت کرتا ہو۔ موالیٰ خاص ہے اور خادم عام۔

۴۔ بعض لوگوں نے ذومناحب اور ذومنارح کو دو سمجھا ہے۔ مگر اس الغالبہ نے یہ تصریح کی ہے کہ ذومنارح اور ذومناحب ہما واحد<sup>۱</sup> (دونوں ایک ہیں)۔ ص ۱۴۵

(۲۵) حضرت ذومہدم<sup>رض</sup>

نام و نسب : ذومہدم نام ہے۔ آپ بھی حبشہ کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے تھے۔  
 خدمتِ نبوی ﷺ میں آمد : جب حبشہ کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور آنحضرت  
 ﷺ نے ان کا نسب دریافت کیا تو حضرت ذومہدم<sup>رض</sup> نے ان اشعار میں جواب دیا :

على عهد ذى القرنين كانت سيفنا      صوارم يغلقن الحديد المذاكرا  
 وَهُودٌ ابونا الناس كلهم      وفى ذمن الاحقان غداً مدخرا  
 فمن كان يعمى عن ابیه فاننا      فجدنا ابانا العذ على المذاكرا  
 اور دوسرے حالات پردہ اخفا میں ہیں۔

(۲)

(۲۶) حضرت رافع القرظی<sup>رض</sup>

نام و نسب : رافع نام ہے۔ بنو قریظہ کی ایک شاخ زنباع تھی۔ آپ کا نسبی تعلق اسی قبیلہ زنباع سے تھا۔  
 اسلام : اس کی تصریح نہیں مل سکی کہ آپ کب اسلام لائے۔  
 خدمتِ نبوی ﷺ میں درخواست :

آپ کو اپنے متعلق غالباً کٹھ خطرہ تھا۔ اس لئے آپ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر  
 ہوئے اور امان کی ایک تحریر لکھ دینے کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں یہ تحریر لکھ کر دی :  
 ”انه لا یجنی علیہ احد الا یدہ“۔

” (اپنے کئے پر ماخوذ ہوں گے) اس کے علاوہ کوئی دار و گیر نہیں کر سکتا۔“

وفات اور دوسرے حالات کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔

۱۔ اسد الغابہ میں ان اشعار کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ وہود ابونا قابل غور ہے۔ اس لئے کہ اہل حبشہ ہود علیہ السلام  
 کی اولاد سے نہیں ہیں۔ پھر خود ہی جواب دیا ہے کہ عرب باشندے ہوں اور حبشہ میں سکونت اختیار کر لی ہو۔  
 واللہ اعلم (۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۳۵)

۲۔ تجرید میں رافع ابن القرظی درج ہے۔ مگر اور کتب طبقات میں رافع القرظی ہے۔ اس لئے ہم نے اسی کو ترجیح دے ہے۔

## (۲۷) حضرت رفاعہ بن السموال

نام و نسب : رفاعہ نام ہے۔ باپ کا نام سموالؓ یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظ سے آپ کا نسبی تعلق تھا۔ سموال کی ایک لڑکی سبرۃ حنی بنی اخطب حضرت صفیہ کے باپ سے منسوب تھی اور اسی رشتہ سے حضرت رفاعہؓ حضرت صفیہ کے ماموں ہوتے تھے۔

اسلام : آپ کے اسلام لانے کے متعلق کوئی تفصیل کتابوں میں مذکور نہیں ہے۔ غزوہ بنی قریظہ کے روز ایک عورت کے کہنے پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو قتل سے بری کر دیا تھا۔

(البدایہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۲۶)

### آپ کا نکاح اور طلاق :

عائشہ یتمیمیہؓ نام ایک صحابیہ سے شادی کر لی تھی، لیکن کسی وجہ سے انہیں طلاق دے دی حضرت تمیمہؓ نے ایک یہودی صحابی عبدالرحمنؓ سے نکاح کر لیا۔ مگر عبدالرحمنؓ بن زبیر سے بھی کسی خاص وجہ سے تعلقات خوشگوار نہیں رہے، اس لئے انہوں نے ان سے بھی علیحدگی کرالی۔ اس کے بعد

۱۔ سموال فیاضی اور سخاوت کے علاوہ شاعری میں بھی ممتاز تھا۔ اس کے یہودی یا نصرانی ہونے میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ الابشبحو جنہوں نے سموال کا دیوان شائع کیا ہے۔ اس کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ وہ نصرانی تھا اور اس کے ثبوت میں دو باتیں خاص طور سے پیش کی ہیں۔ ایک یہ کہ سموال غسان کی طرف منسوب ہے اور ظاہر ہے کہ غسان نصرانی تھے۔ دوسری یہ کہ سموال کے بعض اشعار میں مسیح سید اور حواری وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نصرانی تھا۔ لیکن جن اشعار سے الاب شبحو نے ان کے عیسائی ہونے پر استدلال کیا ہے، ہمارے شارح نے لکھا ہے کہ یہ اشعار سموال کے نہیں بلکہ عبداللہ الحارثی کے ہیں۔ اب رہی اسکی نسبی حیثیت تو اہل انساب میں اختلاف ضرور ہے، لیکن یہ کہیں سے پتہ نہیں چلتا کہ وہ نصرانی تھا اور اگر اس کو غسانی بھی مان لیا جائے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ نصرانی بھی تھا۔ نیز یہ کہ خود اس کے بھائی شعبہ بن عریض کے متعلق سب یہ کہتے ہیں کہ وہ یہودی تھا۔ اس کے علاوہ سموال کے عزیزانہ تعلقات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ یہودی تھا۔ چنانچہ حضرت صفیہؓ کی ماں اسی سموال ہی لڑکی تھیں اور حضرت صفیہؓ کے متعلق معلوم ہے کہ وہ مدینہ کے مشہور یہودی حنی بنی اخطب کی صاحبزادی تھیں۔ محمد بن سلام نے بھی اپنی کتاب طبقات الشعراء میں جو شعراء کا سب سے قدیم تذکرہ ہے، لکھا ہے کہ تہام کا یہودی تھا۔ (ص ۱۰۹)

۲۔ مسعودی وغیرہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رفاعہؓ کا آبائی وطن تہام اور نسبی تعلق عادیہ سے تھا۔ چونکہ ان کی بہن سبرۃ حنی بنی اخطب سے منسوب تھی۔ شاید اسی ذریعہ سے یہ لوگ مدینہ چلے گئے ہوں گے۔ اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ حضرت رفاعہؓ کا باپ سموال ابن عادیہ کے نام سے مشہور ہے اور ظہور اسلام کے وقت بنو عادیہ کا خاندان تہام پر حکمران تھا۔ (المتینہ والاشرف۔ ص ۲۵۸ بحوالہ سیاسی زندگی۔ ص ۳۳۶ از ڈاکٹر حمید اللہ) ۳۔ اسد الغابہ، جلد ۲۔ ص ۱۵۱

۴۔ آپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے۔ ان دو ناموں کے علاوہ سمیہ، رمیضاء (سمیہ)، غمیضاء اسماء مذکور ہیں۔ مگر زیادہ تر روایتوں میں عائشہ یتمیمیہ آتا ہے۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۵



پھر دوبارہ حضرت رفاعہؓ سے نکاح کا خیال ظاہر کیا، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا۔ اس آیت

”فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ“

”جب وہ طلاق دے دے تو جب تک عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اس کے

لئے حلال نہیں ہوتی“۔

کے نزول کا سبب یہی واقعہ ہے۔<sup>۱</sup>

اسد الغابہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں آئیں اور حضرت رفاعہؓ سے نکاح کا خیال ظاہر کیا، مگر انہوں نے بھی روکا۔ حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے نکاح کی اجازت چاہی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کے بعد تم اس ارادہ سے باز نہ رہو گی تو تم کو رجم<sup>۲</sup> کر دوں گا۔ چنانچہ پھر وہ اس ارادہ سے باز رہیں۔

عہد صدیقی اور عہد فاروقی :

اس مذکور واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت تک حضرت رفاعہؓ زندہ رہے، لیکن اس کے بعد وہ کب تک اس دار فانی میں رہے اور کب داعی اجل کو لبیک کہا، تذکروں میں اس کی تصریح نہیں ملتی۔

## (۲۸) حضرت رفاعہ القرظیہؓ

نام و نسب : رفاعہ نام ہے۔ باپ کا نام قرظہ تھا۔ سبأ یہودی تھے<sup>۳</sup>۔ جب بنی قرظہ کے لوگوں کو قتل کرنے کا فیصلہ ہوا تو یہ تاکید تھی کہ نابالغ بچے نہ قتل کئے جائیں۔ حضرت رفاعہؓ اس وقت کمسن تھے، اس لئے قتل نہیں کئے گئے۔

۱۔ چونکہ یہ صورت حلالہ کی تھی اور حضرت عبدالرحمن اب تک ان سے متمتع نہیں ہو سکے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے اس ارادہ سے باز رکھا۔ (روح المعانی۔ جلد ۲۔ ص ۱۲۲)

۲۔ اسد الغابہ میں یہی واقعہ رفاعہ بن ذہب کے تذکرہ میں بھی درج ہے۔ مگر آخر میں انہوں نے یہ تصریح کر دی ہے کہ یہ دونوں واقعہ ایک ہی ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی ایک ہی واقعہ تسلیم کیا ہے۔ ۳۔ اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۵۱۹

۴۔ بعض لوگوں نے رفاعہ بن اسماء ال اور ان کو ایک تصور کیا ہے۔ مگر اصابہ میں اس کی تردید ہے۔ (اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۵۰۹)

۵۔ البدایہ والنہایہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۲۵

اسلام : قبول اسلام کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔ اصحابہ میں اس قدر ہے کہ ”ان کو دیدار نبوی حاصل ہوا تھا“۔ آپ کے صاحبزادے علی کا بیان ہے : کہ

”کان ابی من وفد الذین اسلمو من اهل الكتاب“<sup>۱</sup>۔

”اہل کتاب کے اس وفد میں جنہوں نے اسلام قبول کیا، میرے باپ بھی تھے“۔

فضل و کمال : آپ کا شمار اہل کتاب صحابہ میں ہے جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی :

”وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ“

”ہم نے اس کلام کو وقتاً فوقتاً کیے بعد دیگرے بھیجا تا کہ وہ لوگ نصیحت پکڑیں اور جن کو ہم

ہم نے اس پہلے کتاب دی وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں (اور قرآن پر بھی)“۔

حضرت رفاعہؓ خود فرماتے تھے کہ یہ آیت جن دس آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی، ان

میں ایک میں بھی تھا۔<sup>۲</sup>

دین کی راہ میں آپ کو بارہا مشق ستم بننا پڑا۔ مگر آپ کے قدم میں کبھی لغزش نہیں آئی۔ آپ

کے صاحبزادے علی فرماتے ہیں کہ جب یہود میرے والد کے پاس سے گزرتے تو ان کا مذاق اڑاتے۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

”أُولَئِكَ يُؤْتُونَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا“<sup>۳</sup>۔

”یہی لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی وجہ سے دہرا ثواب ملے گا“۔

(ز)

## (۲۹) حضرت زید بن سعنے

نام و نسب : زید نام ہے۔ باپ کا نام سعنے تھا۔ آپ کا شمار علمائے یہود میں تھا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کا نسب تعلق کس قبیلہ سے تھا۔

اسلام : زید بن سعنے نے اپنے اسلام لانے کے واقعہ کو خود بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ توریت میں آنحضرت ﷺ کی جتنی نشانیاں بتائی گئی تھیں وہ سب کی سب میں نے آپ کے چہرہ نور پر دیکھ لیں۔ صرف دو چیزوں کا مجھے تجربہ کرنا تھا۔ جب ان کا بھی تجربہ ہو گیا تو اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ

میں نے آپ سے ملنا جلنا شروع کر دیا کہ آپ کے علم کا اندازہ کروں۔

فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنے حجرے سے باہر نکلے۔ آپ کے ہمراہ حضرت علیؓ بھی تھے۔ اسی وقت ایک دیہاتی شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے آپ سے کہا کہ فلاں بستی کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ میں ہمیشہ ان سے یہ کہتا تھا کہ اسلام قبول کر لو تو رزق کی فراوانی ہوگی، لیکن اللہ کا کیا دیکھئے کہ اس سال سخت قحط پڑا ہے، بارش بالکل نہیں ہوئی ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ اسلام چھوڑ نہ دیں۔ اگر آپ ان کی مدد کے لئے کچھ غلہ وغیرہ بھیجتے تو بہتر ہوتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور کچھ فرمایا، حضرت علیؓ نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ اس میں سے تو کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی۔

حضرت زید بن سعنے کہتے ہیں کہ میں آپ کے قریب گیا اور کہا کہ آپ فلاں باغ کی کھجوریں کی رعایت کے ساتھ فروخت کریں گے؟ آپ نے فرمایا کہ کچھ کھجوریں فروخت تو ضرور کرنا چاہتا ہوں، مگر کسی باغ کی شرط نہیں لگا سکتا۔ میں نے کہا اچھی بات ہے۔ پھر میں نے اپنی روپیوں کی تھیلی کھولی اور اسی (۸۰) مثقال سونا ایک متعین مدت کے لئے دے دیا۔

جب مدت ختم ہونے میں دو تین روز رہ گئے تو میں آپ کے پاس آیا اور آپ کا گریبان پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور غصہ آلود نگاہوں سے آپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہ اب تک تم نے قرض ادا نہیں کیا۔ خدا کی قسم بنو عبدالمطلب ہمیشہ ایسے ہی حیلہ حوالہ کرتے رہتے تھے، مجھے کئی بار لین دین کا تجربہ ہو چکا ہے۔ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ یہ دیکھ کر غصہ سے بیتاب ہو گئے اور کہا کہ اود دشمن خدا! رسول اللہ ﷺ سے گستاخی کر رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ ”اے عمر! تم سے ہم کو یہ توقع تھی کہ تم اس سے کہتے نرمی سے تقاضہ کرو اور مجھ سے کہتے کہ میں وقت پر اس کا قرض ادا کر دوں۔ عمر! جاؤ اس کا قرض ادا کرنے کے بعد بیس صاع کھجوریں اور زیادہ دے دو۔“

حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ یہ زیادہ کیوں دینے کو کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں نے جو تم سے سخت کلامی کی ہے، یہ اس کا کفارہ ہے۔ پھر میں نے کہا کہ عمر! تم نے مجھے پہچانا، انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے کہا میں زید بن سعنے ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ جو زید الجحر (عالم) مشہور ہیں۔ پھر انہوں نے کہا کیلیات تھی کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسا کیا۔ زید بن سعنے نے کہا کہ بنوت کی اور تمام نشانیاں تو آنحضرت ﷺ کے چہرے و شرع سے ظاہر تھیں۔ صرف ان دو باتوں کا تجربہ کرنا تھا۔

”ہل یستبق حلمہ جہلاً ولا تزید شدۃ جہل الاحلماً“

”کیا اس کا حلم اس کے غصہ سے سبقت لے جاتا ہے اور جاہلانہ حرکتیں حلم و تحمل کو اور بڑھادیتی ہیں۔“

ان باتوں کا تجربہ ہو گیا۔ اس لئے اب اسلام کا حلقہ بگوش ہوتا ہوں۔ چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہوئے اس اسلام قبول کیا۔<sup>۱</sup>

وفات : آخری مرتبہ زیدؓ غزوہ تبوک میں شریک ہوئے۔ پوری شجاعت سے لڑے۔ مدینہ واپس ہوتے ہوئے راستہ میں شہادت نصیب ہوئی۔<sup>۲</sup>

غزوات : اسلام لانے کے بعد جتنے غزوات ہوئے سب میں شریک ہوئے۔

انفاق فی سبیل اللہ : آپ کے صحیفہ اخلاق میں انفاق فی سبیل اللہ نمایاں طور سے نظر آتا ہے۔ چنانچہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو اپنا نصف مال راہ خدا میں صدقہ کر دیا۔<sup>۳</sup>

(س)

## (۳۰) حضرت سعد بن وہبؓ

نام و نسب : سعد نام ہے۔ باپ کا نام وہب تھا۔ قبیلہ بنو نضیر سے نسبی تعلق تھا۔

اسلام : بنو نضیر جب اپنی بد عہدی کی وجہ سے مدینہ جلاوطن کئے گئے تو ان میں سے جو دو آدمی اسلام

کی دولت سے بہرہ ور ہوئے، ان میں ایک حضرت سعد بن وہب بھی تھے۔

بنو نضیر نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بد عہدی اور دشمنی کی حد کر دی تھی۔ چنانچہ جب وہ

جلاوطن کئے گئے تو ان کا مال اور ان کی جائیداد بھی ضبط کر لی گئی۔ مگر حضرت سعدؓ چونکہ اسلام لائے تھے،

اس لئے ان کی تمام چیزیں محفوظ رہیں۔<sup>۴</sup>

## (۳۱) حضرت سعنےؓ

نام و نسب : سعنے نام ہے۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے : سعنے بن عریض بن عادیا التیمامیؓ اور

عقیدہ یہودی تھے۔

اسلام : زمانہ قبول اسلام کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ حضرت علیؓ کے معاونین میں تھے اور ان سے

خاص تعلق تھا۔

۱۔ مستدرک۔ جلد ۳۔ ص ۶۰۵ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً ۴۔ اصابہ تجرید وغیرہ ۵۔ البدایہ۔ جلد ۴۔ ص ۷۶

۶۔ تیماء شام اور حجاز کے درمیان ایک مقام ہے۔ اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۲

## حضرت معاویہؓ سے آپ کی گفتگو :

ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ حج کے لئے تشریف لائے تو مسجد میں حضرت سعہؓ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ ارض تہام کا کیا حال ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ صحیح و سالم باقی ہے۔ حضرت معاویہؓ نے کہ اسے میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ آپ نے نہایت صفائی سے فرمایا کہ اگر مجھے ضرورت بھی ہوتی تو میں اسے فروخت نہ کرتا۔

پھر آپ سے اور حضرت امیر معاویہؓ میں بہت سی باتیں ہوئیں۔ اثنائے گفتگو میں حضرت علیؓ کا ذکر بھی آ گیا۔ حضرت سعہؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں کچھ سخت الفاظ استعمال کئے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے کہا کہ چھوڑو، بڑھا سٹھیا گیا ہے۔ حضرت سعہؓ نے فوراً کہا، اے معاویہ! تمہیں یاد نہیں کہ ایک روز ہم سب لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت علیؓ آ گئے۔ آپ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا :

”قاتل الله من يقاتلك“۔ ترجمہ : ”اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے جو تجھ سے لڑے۔“

حضرت امیر معاویہؓ اس کے بعد موضوع گفتگو بدل کر دوسری گفتگو فرمانے لگے۔

وفات : حضرت امیر معاویہؓ کے آخری عہد خلافت میں آپ نے وفات پائی<sup>۱</sup>۔ لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وفات کہاں ہوئی۔

حلیہ : بڑھاپے کے آثار کے باوجود اپنے ہم عمروں میں نہایت ہی خوش صورت وضع و خوش لباس تھے۔ اصابہ میں ہے : ”کان احسن الشیوخ سمتا وانظفہم ثوباً“<sup>۲</sup>۔

## حضرت سعید بن عامر (۳۲)

نام و نسب : آپ کا نام سعید ہے۔ باپ کا نام عامر تھا۔ صاحب تجرید نے آپ کو قبیلہ لخم کی طرف منسوب کیا ہے۔ اصابہ میں ہے کہ یہود میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا، ان میں حضرت سعیدؓ بھی ہیں۔ طبری نے اس آیت کی تفسیر میں آپ کا نام بھی لیا ہے<sup>۳</sup>۔

”الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ“

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس کے حق کے مطابق اس کی تلاوت کرتے ہیں۔“

۱۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ میرا خیال تھا کہ یہ محضر ہیں، مگر میں نے ابن ابی طی کے لکھا ہوا رجال بعد امامیہ کا نسخہ پایا،

جس میں تحریر تھا کہ یہ صحابی ہیں۔ جلد ۲۔ ص ۴۲ ۲۔ ایضاً ۳۔ اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۱۳

۳۔ ۱۔ ۱۔ ۱۔ ۲۔ ص ۵۹ طبری تفسیر امت ہذا

### (۳۳) حضرت سلام رضی

نام و نسب : سلام نام ہے۔ سلسلہ نسب کی تصریح نہیں مل سکی۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ حضرت عبداللہ ابن سلام کے بھانجے تھے۔

اسلام : اسلام لانے کی کوئی تصریح کتب طبقات میں نہیں ملتی۔ البتہ مفسرین اس آیت کے ضمن میں حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ کے ساتھ آپ کا نام بھی لیتے ہیں۔

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَيَّ

رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ“ - (نساء)

”اے ایمان والو! ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس پر نازل کی گئی اور جو

کتاب اس سے پہلے اللہ نے نازل کی“۔

اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے۔

### (۳۴) حضرت سلمہ بن سلام رضی

نام و نسب : سلمہ نام ہے، باپ کا نام سلام تھا۔ مشہور صحابی عبداللہ بن سلام کے بھائی تھے۔

اسلام : عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ جب سلمہ بن سلام اور عبداللہ بن سلام وغیرہ اہل

کتاب صحابہ نے اسلام قبول کیا تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی :

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ“ -

”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ“۔

اس میں گمان ہوتا ہے کہ آپ نے بھی ہجرت کے ابتدائی سالوں میں اسلام قبول کیا ہوگا۔

زندگی کے اور حالات معلوم نہ سکے۔

### (۳۵) حضرت سلمان فارسی رضی

نام و نسب : نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا۔ مجوسی نام ماہ تھا اسلام کے

بعد سلمان رکھا گیا اور بارگاہ نبوت سے سلمان الخیر لقب ملا۔ ابو عبداللہ کنیت ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے :

یابہ ابن ذخشان بن مورسلان بن یہودزان بن فیروز ابن سہرک۔

قبل اسلام : سلمان کے والد اصفہان کے جی نامی قریہ کے باشندہ اور وہاں کے زمیندار و کاشتکار تھے۔ ان کو حضرت سلمان سے اس قدر محبت تھی کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر کی چار دیواری سے نکلنے نہ دیتے تھے۔ آتشکدہ کی دیکھ بھال ان ہی کے متعلق رکھی تھی۔ چونکہ مذہبی جذبہ سلمان میں ابتداء سے تھا، اس لئے جب تک آتش پرست رہے اس وقت تک آتش پرستی میں سخت غلور ہا اور نہایت سخت مجاہدات کئے۔ شب و روز آگ کی نگرانی میں مشغول رہتے تھے، حتیٰ کہ ان کا شمار ان پجاریوں میں ہو گیا تھا جو کسی وقت آگ کو بھجنے نہ دیتے تھے۔

مجوسیت سے نفرت اور عیسویت کا میلان :

زمین ہی ان کے باپ کے معاش کا ذریعہ تھی۔ اس لئے زراعت کی نگرانی وہ بذات خود کرتا تھا۔ ایک دن وہ گھر کی مرمت میں مشغولیت کی وجہ سے کھیت پر خود نہ جا سکا اور اس کی دیکھ بھال کے لئے سلمان کو بھیج دیا۔ ان کو راستہ میں ایک گر جا ملا۔ اس وقت اس میں عبادت ہو رہی تھی۔ نماز کی آوازیں سن کر دیکھنے کے لئے چلے گئے۔ نماز کے نظارہ سے ان کے دل پر خاص اثر ہوا اور مزید حالات کی جستجو ہوئی۔ عیسائیوں کا طریقہ اس قدر بھایا کہ بے ساختہ زبان سے نکل آیا کہ یہ مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے۔ چنانچہ کھیتوں کا خیال چھوڑ کے اسی میں محو ہو گئے۔ عبادت ختم ہونے کے بعد عیسائیوں سے پوچھا کہ اس مذہب کا سرچشمہ کہاں ہے۔ انہوں نے کہا کہ شام میں، پتہ پوچھ کر گھر واپس آئے۔

باپ نے پوچھا کہ اب تک کہاں رہے؟ جواب دیا کہ کچھ لوگ گرجے میں عبادت کر رہے تھے، مجھ کو ان کا طریقہ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ غروب آفتاب تک وہیں رہا۔ باپ نے کہا، وہ مذہب تمہارے مذہب کا پاسنگ بھی نہیں ہے۔ جواب دیا، بخدا وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں برتر ہے۔ اس جواب سے ان کے باپ کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ خیال تبدیل مذہب کی صورت میں نہ ظاہر ہو۔ اس لئے بیڑیاں پہنا کر مقید کر دیا۔

مگر ان کے دل میں تلاش حق کی تڑپ تھی۔ اس لئے عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ جب شام کے تاجر آئیں تو مجھ کو اطلاع دینا۔ چنانچہ جب وہ آئے تو ان کو خبر کر دی۔ انہوں نے کہا کہ جب وہ واپس ہوں تو مجھے بتانا۔ چنانچہ جب کارواں تجارت واپس لوٹنے لگا، ان کو خبر کی گئی۔ یہ بیڑیوں کی قید سے نکل کر ان کے ساتھ ہو گئے۔ شام پہنچ کر دریافت کیا کہ یہاں سب بڑا مذہبی شخص کون ہے۔

لوگوں نے وہاں کے پادری کا پتہ دیا۔ اس سے جا کر کہا کہ مجھ کو تمہارا مذہب بہت پسند ہے، اس لئے چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس رہ کر مذہبی تعلیم حاصل کروں اور مجھ کو اس مذہب میں داخل کرو۔

**تبدیل مذہب :** چنانچہ وہ مجوسیت کے آتشکدے سے نکل کر آسمانی باپ کی بادشاہت کی پناہ میں آگئے۔ مگر پادری بہت بد کردار اور بد اخلاق تھا۔ لوگوں کو صدقہ کرنے کی تلقین کرتا اور جب اس کے قبضہ میں آجاتا تو فقراء اور مساکین کو دینے کے بجائے خود لے لیتا۔ حتیٰ کہ سونے اور چاندی کے سات منگے اس کے پاس جمع ہو گئے۔

حضرت سلمانؓ اس کی حرص اور آزر کو دیکھ کر چیخ و تاب کھاتے تھے، مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ اتفاق سے وہ مر گیا، عیسائی شان و شوکت سے اس کی تجہیز و تکفین کرنے کو جمع ہو گئے۔ اس وقت انہوں نے سارا اعمال نامہ ان لوگوں سامنے کھول کر رکھ دیا۔ انہوں نے ان کو لے جا کر اس کے اندوختہ کے پاس کھڑا کر دیا۔ تلاشی لی گئی تو واقعی سات منگے سونے چاندی سے بھرے ہوئے برآمد ہوئے۔ عیسائیوں نے اس کی سزا میں دفن کرنے کے بجائے نعش کو صلیب پر لٹکا کر سنگسار کیا۔

اس کی جگہ دوسرا پادری مقرر ہوا۔ یہ بڑا عابد و زاہد اور تارک الدنیا تھا۔ شب و روز عبادت الہی میں مشغول رہتا۔ سلمان اس سے بہت مانوس ہو گئے اور دلی محبت کرنے لگے اور آخر تک اس کی صحبت سے فیض ہوتے رہے۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس کے کہا میں آپ کے پاس عرصہ تک نہایت لطف و محبت کے ساتھ رہا۔ اب آپ کا آخری وقت ہے، اس لئے آئندہ کے لئے مجھ کو کیا ہدایت ہوتی ہے۔ اس نے کہا کہ میرے علم میں کوئی ایسا عیسائی نہیں ہے جو مذہب عیسوی کا سچا پیرو ہو۔ سچے لوگ مر کھپ گئے اور موجودہ عیسائیوں نے مذہب کو بہت کچھ بدل دیا ہے، بلکہ بہت سے اصول تو سرے سے چھوڑ ہی دیئے ہیں۔ ہاں موصل میں فلاں شخص ہے جو دین حق سچا پیرو ہے تم جا کر اس سے ملاقات کرنا۔

**موصل کا سفر :** اس پادری کی موت کے بعد حق کی جستجو میں وہ موصل پہنچے اور تلاش کر کے اس سے ملے اور اپنا واقعہ بیان کیا کہ فلاں پادری نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ آپ کے یہاں ابھی تک حق کا سرچشمہ اُبلتا ہے اور میں آپ سے مل کر اپنی تشنگی فرو کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے ان کو ٹھہرا لیا۔

پہلے پادری کی رائے کے مطابق یہ پادری درحقیقت بڑا متقی اور پاکباز تھا۔ اس لئے انہوں نے اس کے پاس مستقل قیام کر لیا۔ مگر تھوڑے دنوں کے بعد اس کا وقت بھی آ گیا۔ آئندہ کے متعلق حضرت سلمانؓ نے اس سے بھی وصیت کی خواہش کی۔ اس نے نصیبین میں ایک شخص کا پتہ بتایا۔



**نصیبین کا سفر:** چنانچہ اس کی موت کے بعد آپ نصیبین پہنچے اور اس پادری سے مل کر دوسرے پادری کی وصیت بتائی۔ یہ اسقف بھی پہلے دونوں کی طرح بڑا عابد اور زاہد تھا۔ سلمان یہاں مقیم ہو کر اس سے روحانی تسکین حاصل کرنے لگے۔ ابھی کچھ ہی دن اس کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا کہ اس کا وقت بھی آخر ہو گیا۔ حضرت سلمانؓ نے گذشتہ اسقفوں کی طرح اس سے بھی آئندہ کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ اس نے عموریہ میں گوہر مقصود کا پتہ دیا۔

**عموریہ کا سفر:** چنانچہ اس کی موت کے بعد انہوں نے عموریہ کا سفر کیا اور وہاں کے اسقف سے مل کر پیام سنایا اور اس کے پاس مقیم ہو گئے۔ کچھ بکریاں خرید لیں، اس سے مادی غذا حاصل کرتے تھے۔ اور صبر و شکر کے ساتھ روحانی غذا اسقف سے حاصل کرنے لگے۔ جب اس کا پیمانہ حیات بھی لبریز ہو گیا تو حضرت سلمانؓ نے اپنی سرگذشت سنائی کہ اتنے مراتب طے کرنا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا۔ آپ بھی آخرت کا سفر کرنے کو آمادہ ہیں، اس لئے میرا کوئی سامان کرتے جائیے۔

اس نے کہ بیٹا میں تمہارے لئے کیا سامان کروں۔ آج دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں ہے کہ جس سے ملنے کا میں تمہیں مشورہ دوں، البتہ اب اس نبی کا ظہور کا زمانہ قریب جو ریگستان عرب سے اٹھ کر دین ابراہیمؑ کو زندہ کرے گا اور کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا۔ اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کرے گا۔ لیکن صدقہ کو اپنے لئے حرام سمجھے گا۔ اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا۔

### اسقف کی بشارت اور عرب کا سفر

اس پادری کے مرنے کے بعد کچھ عرصہ تک عموریہ میں رہے، کچھ دنوں بعد بنو کلب کے تاجر ادھر سے گزرے۔ آپ نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھ کو عرب پہنچا دو تو میں اپنی گائیں اور بکریاں تمہاری نذر کر دوں گا۔ وہ لوگ تیار ہو گئے اور زبان حال یہ شعر۔

چلتا ہوں تھوڑی ذور ہراک، راہرو کے ساتھ پیچا نستا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

پڑھتے ہوئے ساتھ ہو لئے۔

**غلامی:** لیکن ان عربوں نے وادی القرئی میں پہنچ کر ان کو دھوکا دیا اور ایک یہودی کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر ڈالا۔ کھجور کے درخت نظر آئے تو آس بندھی کی شاید یہی وہ منزل مقصود ہے جس کا اسقف نے پتہ دیا تھا۔ تھوڑے دن قیام کیا تو یہ امید بھی منقطع ہو گئی۔ آقا کا چچا زاد بھائی مدینہ سے ملنے آیا، اس نے سلمانؓ کو اس کے ہاتھ بیچ دیا۔

## غلامی اور مدینہ کا سفر :

وہ اپنے ساتھ ان کو مدینہ لے چلا اور سلمان غلامی در غلامی کی رسوائی سہتے ہوئے مدینہ پہنچے، مگر ہاتھ غیب سے لیکر دے رہا تھا کہ یہ غلامی نہیں ہے۔

اسی سے ہوگی تیرے غمگدہ کی آبادی تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

در حقیقت اس غلامی پر جو مقصود دو عالم کے آستانے تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے ہزاروں آزادیاں قربان ہیں۔ جوں جوں محبوب کی منزل قریب آتی جاتی تھی کشش بڑھتی جاتی تھی اور آثار و علامات بتاتے تھے کہ شاہد مقصود کی جلوہ گاہ یہی ہے۔ اب ان کو پورا یقین ہو گیا اور دیدار جمال کی آرزو میں یہاں دن کاٹنے لگے۔

اس وقت آفتاب رسالت مکہ پر تو افگن ہو چکا تھا، لیکن جو رستم کے بادلوں میں چھپا تھا۔ سلمان کو آقا کی خدمت سے اتنا وقت نہ ملتا تھا کہ خود اس کا پیہ لگاتے۔ آخر انتظار کرتے کرتے وہ روزِ مسعود بھی آ گیا کہ مکہ کا آفتاب عالم تاب مدینہ کے افق پر طلوع ہوا۔ حراما نصیب سلمان کی شبِ ہجر تمام ہوئی اور صبحِ امید کا اُجالا پھیلا، یعنی سرکارِ دو عالم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔ سلمان کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے کچھ درست کر رہے تھے اور آقا نے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے چچا زاد بھائی نے آکر کہا کہ خدایا قیلہ کو غارت کرے۔ سب کے سب قبائلی ایک شخص کے پاس جمع ہیں، جو مکہ سے آیا ہے۔ یہ لوگ اس کو نبی سمجھتے ہیں۔

سلمان کے کانوں تک اس خبر کا پہنچنا تھا کہ یارائے ضبط باقی نہ رہا۔ صبر و شکیب کا دامن چھوٹ گیا، بدن میں سنسناہٹ پیدا ہو گئی اور قریب تھا کہ کھجور کے درخت سے فرش زمین پر آ جائیں، اسی مدہوشی کے عالم میں جلد از جلد درخت سے نیچے اترے اور بدحواسی میں بے تحاشہ پوچھنے لگے، تم کیا کہتے ہو۔ آقا نے اس سوال پر گھونسا مار کر ڈانٹا کہ تم کو اس سے کیا غرض، تم اپنا کام کرو۔

اس وقت سلمان خاموش ہو گئے۔ لیکن اب صبر کسے تھا کھانے کی کچھ چیزیں پاس تھیں، ان کو لے کر دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اور کچھ غریب الدیار اور اہل حاجت آپ کے ساتھ ہیں، میرے پاس یہ چیزیں صدقہ کے لئے رکھی تھیں، آپ لوگوں سے زیادہ ان کا مستحق کون ہو سکتا ہے۔ اس کو قبول فرمائیے۔ آنحضرت ﷺ نے دوسرے لوگوں کو کھانے کا حکم دیا، مگر خود نوش نہ فرمایا۔ اس طرح سے سلمان کو نبوت کی ایک علامت کا مشاہدہ ہو گیا کہ نبی صدقہ نہیں قبول کرتا۔

دوسرے دن پھر ہدیہ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کل آپ نے صدقہ کی چیزیں نہیں نوش فرمائی تھیں، آج یہ ہدیہ قبول فرمائیے۔ آپ نے قبول فرمایا خود بھی نوش کیا اور دوسروں کو بھی دیا۔ اس طرح سے دوسری نشانی یعنی مہر نبوت کی بھی زیارت کی اور باچشمِ پرہیز آپ کی طرف بوسہ دینے کو جھکے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا سامنے آؤ۔ وہ سامنے آئے اور اپنی ساری سرگذشت سنائی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے یہ دلچسپ داستان اپنے تمام اصحاب کو سنوائی۔

اسلام : حضرت سلمان جب اپنا گوہر مقصود پا چکے تو اس دولت کو اپنے دل کے خزانے میں رکھ کر آقا کے گھر واپس آئے۔ اتنے مرحلوں کے بعد وہ دین سے ہم آغوش ہوئے۔

آزادی : غلامی کی مشغولیت کے باعث فرائض مذہبی ادا نہ کر سکتے تھے۔ اسی وجہ سے غزوہ بدر احد میں شریک نہ ہو سکے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنے آقا کو معاوضہ دے کر آزادی حاصل کر لو۔ تین سو کھجور کے درخت اور چالیس اوقیہ سونے پر معاملہ طے ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں سے سفارش فرمائی کہ اپنے بھائی کی مدد کرو۔

سب نے حسبِ حیثیت کھجور کے درخت دیئے، اس طریقے سے تین سو درخت ان کو مل گئے اور آنحضرت ﷺ کی مدد سے ان کو بٹھایا اور زمین، ہموار کر کے ایک شرط پوری کر دی۔ اب سونے کی ادائے گی باقی رہ گئی، اس کا سامان بھی خدا نے کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کو کسی غزوہ میں مرغی کے بیضہ کے برابر سونا مل گیا۔ آپ نے سلمان کو دے دیا۔ یہ وزن میں ٹھیک چالیس اوقیہ تھا۔ اس سے گلو خلاصی حاصل کی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے لگے۔

مواخاۃ : غلامی سے آزادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ مستقل اقامت اختیار کی۔ اس وقت بالکل غریب الدیار تھے کوئی شناسا نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے مکی مہاجرین کی طرح ان سے اور ابوذرؓ سے مواخاۃ کرادی۔

غزوات : بدر واحد کی لڑائیاں ان کی غلامی کے زمانہ میں ختم ہو چکی تھیں۔ آزادی کے بعد پہلا غزوہ خندق پیش آیا۔ اس میں انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے دونوں لڑائیوں کی تلافی کر دی۔ غزوہ خندق میں تمام عرب ٹڈی دل مسلمانوں کے خلاف اُمنڈ آیا تھا کہ ان کا کامل استیصال کر دے۔ حملہ خود مدینہ پر تھا، جس کے چاروں طرف نہ قلعہ تھا نہ فصیل تھی، اور مقابلہ بھی سخت تھا۔ ایک طرف کفار کی

۱۔ قبل اسلام سے آزادی تک کے کل حالات مسند احمد بن حنبل جلد ۵۔ ص ۳۱-۳۲ سے ماخوذ ہیں۔

۲۔ بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۸۹۸ مواخاۃ کے معنی بھائی چارہ کے ہیں۔

تعداد ریگستان عرب کے ذروں کے برابر تھی اور دوسری طرف مٹھی بھر مسلمان تھے۔ آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں سے مشورہ کیا۔

سلمانؓ فارسی چونکہ ایران کی صف آریاں دیکھے ہوئے تھے، اس لئے جنگی اصولوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے مشورہ دیا کہ اس انبوه کا کھلے میدان میں مقابلہ کرنا اچھا نہیں ہے۔ بلکہ مدینہ کے چاروں طرف خندق کھود کر شہر کو محفوظ کر دینا چاہئے۔ یہ تدبیر مسلمانوں کو بہت پسند آئی اور اسی پر عمل کیا گیا۔ خندق کی کھودائی میں آنحضرت ﷺ بھی بہ نفس نفیس شریک ہوئے تھے اور مٹی ڈھوتے ڈھوتے شکم مبارک مٹی سے اٹ گیا تھا، اور جزیہ اشعار زبان مبارک پر جاری تھے۔<sup>۲</sup> ذیقعدہ ۵ھ میں طرفین میں جنگ شروع ہوئی۔ عربوں کو اس طریقہ جنگ سے واقفیت نہ تھی، وہ آئے تو تھے مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے، مگر یہاں آ کر دیکھا کہ ان کے اور مدینہ کے بیچ میں خندق کی فصیل حائل ہے۔ وہ ۲۲ دن تک مسلسل محاصرہ کئے پڑے رہے، مگر شہر تک پہنچنا ان کو نصیب نہ ہوا اور آخر کار ناکام واپس پھر گئے۔

غزوہ خندق کے علاوہ حضرت سلمانؓ تمام لڑائیوں میں مسلمانوں کے دوش بدوش شریک رہے۔<sup>۳</sup> اور غزوہ خندق کے بعد کوئی غزوہ ایسا نہیں ہوا، جس میں شریک ہو کر داد شجاعت نہ دی ہو۔<sup>۴</sup> عہد صدیقی اور عراقی : آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ عرصہ تک مدینہ میں رہے۔ عہد صدیقی کے آخر یا عہد فاروقی کی ابتداء میں انہوں نے عراق کی اور ان کو اسلامی بھائی ابو درداءؓ نے شام کی سکونت اختیار کر لی۔ یہاں کی اقامت کے بعد ابو درداءؓ کو خدا نے مال اور اولاد کی حیثیت سے بہت نواز۔ انہوں نے سلمانؓ کو خط لکھا کہ تم سے جدا ہونے بعد خدا نے مجھ کو مال و دولت اور اہل و عیال سے سرفراز کیا اور ارض مقدس کی سکونت کاشرف بخشا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یاد رکھو مال و دولت اور اولاد کی کثرت کوئی خیر نہیں ہے۔ بلکہ خیر اس میں ہے کہ تمہارا حلم زیادہ ہو اور تمہارا علم تم کو نفع پہنچائے۔ محض ارض مقدس کا قیام کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، جب تک تمہارا عمل اس قابل نہ ہو اور عمل بھی اس طرح کا ہو کہ گویا خدا تم کو دیکھ رہا ہے اور تم اپنے کو مردہ سمجھو۔<sup>۵</sup>

عہد فاروقی : ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے، اور چونکہ خود ایرانی تھے اس لئے فتوحات میں بہت قیمتی امداد پہنچائی، مگر اصول اسلام کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ ایک ایرانی قصر کے

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۲۔ قسم ۱۔ ص ۲۸ ۲۔ بخاری۔ جلد ۲۔ کتاب المغازی غزوہ خندق ۳۔ مسند ابن فضال۔ جلد ۵۔ ص ۲۲

۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۰ ۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۱

محاصرہ کے وقت جارحانہ حملے کے پہلے محصورین کو سمجھا دیا کہ میں بھی تمہارا ہم قوم تھا، لیکن خدا نے مجھ کو اسلام سے نوازا۔ تم لوگ عربوں کی اطاعت گزاری سے کسی طرح نہیں بچ سکتے۔ تم کو سمجھائے دیتا ہوں کہ اگر تم اسلام لا کر ہجرت کر کے ہم میں مل جاؤ تو تم کو اہل عرب کے حقوق دیئے جائیں گے اور جو قانون ان کے لئے ہے وہی تم پر جاری کیا جائے گا اور اگر اسلام نہیں قبول کرتے اور صرف جزیہ منظور کرتے ہو تو ذمیوں کے حقوق تم کو ملیں گے اور ان کا قانون تم پر نافذ کیا جائے گا۔ تیس دن تک برابر تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہے جب کوئی اثر نہ ہوا تو حملہ کا حکم دے دیا اور مسلمانوں نے قصر مذکور بزرگ شمشیر فتح کر لیا۔<sup>۱</sup>

فتح جلوہ میں بھی شریک تھے اور وہاں مشک کی ایک تھیلی ان کے ہاتھ آئی تھی۔<sup>۲</sup> جس کو اپنی زندگی کے آخری لمحات میں کام میں لائے۔

گورنری : حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مدائن کی حکومت پر سرفراز ہوئے۔ اس کی تفصیلات آئندہ اخلاق و عادات میں آئیں گی۔

چونکہ حضرت سلمان مقررین بارگاہ نبوی میں سے تھے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ یہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ اس وقت آپ ایک گدے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ سلمانؓ کو دیکھ کر گدے ان کی طرف بڑھا دیا۔<sup>۳</sup>

علالت : حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بیمار پڑے۔ سعد بن ابی وقاص عیادت کو گئے تو رونے لگے۔ سعد نے کہا ابو عبد اللہ رونے کا کون سا مقام ہے۔ آنحضرتؐ تم سے خوش خوش دنیا سے اٹھے۔ تم ان سے حوض کوثر پر ملو گے۔ پچھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملاقات ہوگی۔ کہا خدا کی قسم میں موت سے نہیں گھبراتا اور نہ دنیا کی حرص باقی ہے۔ رونا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے عہد کیا تھا کہ ہمارا دنیاوی ساز و سامان ایک مسافر کے زادراہ سے زیادہ نہ ہو، حالانکہ میرے گرد اس قدر سانپ (اسباب) جمع ہیں۔

سعدؓ کہتے ہیں کل سامان جس کو سانپ سے تعبیر کیا تھا ایک بڑے پیالے، ایک لگن اور ایک تسلہ سے زیادہ نہ تھا۔ اس کے بعد سعدؓ نے خواہش کی کہ مجھ کو کچھ نصیحت کیجیے فرمایا کسی کام کا قصد کرتے وقت فیصلہ کرتے وقت اور تقسیم کرتے وقت خدا کو یاد رکھا کرو۔<sup>۴</sup> اس بیماری کے دوران میں اور

۱۔ مسند ابن فضال۔ جلد ۵۔ ص ۴۴۱ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ قسم ۱۔ ص ۶۶ ۳۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۹۹

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۴۔ قسم ۲۔ ص ۶۰۵

احباب نے بھی نصیحت اور وصیت کی خواہش کی، فرمایا تم میں سے جس سے ہو سکے اس کی کوشش کرے کہ وہ حج، عمرہ، جہاد یا قرآن پڑھتے ہوئے جان دے دے اور فسق و فجور اور خیانت کی حالت میں نہ مرے۔<sup>۱</sup>

وقتِ آخر آیا تو اپنی بیوی سے وہی مشک کی تھیلی منگائی اور اپنے ہاتھ سے پانی میں گھول کر اپنے چاروں طرف چھڑکوا یا اور سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا، لوگ تنہا چھوڑ کر ہٹ گئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر گئے تو دیکھا کہ مرغِ روحِ قفسِ خاکی سے پرواز کر چکا تھا۔

**فضل و کمال :** حضرت سلمانؓ کے دن کا بڑا حصہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں گزرتا تھا۔ اس لئے قدرتہ آپ علوم و معارف نبوی سے کافی بہرہ ور ہوئے۔ حضرت علیؓ سے آپ کے مبلغِ علم کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا، ان کو علمِ اول اور علمِ آخر سب کا علم تھا اور وہ خود ایسا دریا تھے، جو پایابی سے نا آسنا رہا وہ ہمارے اہل بیت میں تھے۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ علم و حکمت میں لقمان حکیم کے برابر تھے۔<sup>۲</sup> علمِ اول سے مراد کتب سابقہ کا علم اور علمِ آخر سے مقصود آخری کتاب الہی یعنی قرآن کا علم ہے اور اہل بیت سے ہونا آنحضرت ﷺ سے قربت و اختصاص کی بنا پر اور اس لئے کہ عربوں میں ان کا کوئی خاندان نہ تھا۔ آپ نے ان کو یہ شرف بخشا کہ اعزازاً اپنے اہل بیت میں داخل کر لیا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ جو خود بھی بہت بڑے عالم اور صاحبِ کمال صحابی تھے، ان کے کمالِ علم کے معترف تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ چار آدمیوں سے علم حاصل کرنا ان میں ایک سلمانؓ کا نام بھی تھا۔<sup>۳</sup> ایک موقع پر خود زبانِ نبوت نے ان کے علم و فضل کی ان الفاظ میں تصدیق کی ہے کہ سلمانؓ "علم سے لبریز ہیں۔"<sup>۴</sup>

صاحبِ اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ سلمانؓ "فضلاً صحابہ میں تھے۔ آپ کی کوششوں سے حدیث کا کافی حصہ اشاعت پذیر ہوا۔ آپ کے مرویات کی تعداد ۶۰ ہے ان میں سے تین حدیثیں متفق علیہ ہیں۔ ان کے علاوہ ایک میں مسلم اور تین میں بخاری منفرد ہیں۔"<sup>۵</sup>

حضرت ابو سعید خدریؓ، ابو الطفیلؓ، ابن عباسؓ، اوس بن مالکؓ اور ابن عمرؓ وغیرہ آپ کے زمرہ تلامذہ میں ہیں۔

۱۔ ابن سعد ص ۶۶ ۲۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۷۲ ۳۔ ابن سعد۔ جلد ۱۔ ص ۶۱ ۴۔ ایضاً

۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۱ ۶۔ تہذیب الکمال۔ ص ۱۳۷

گو حضرت سلمانؓ علم اول اور آخر کے امین تھے۔ تاہم حدیث بیان کرنے میں بہت محتاط تھے۔ اس لئے ان کی مرویات کی تعداد ۶۰ سے زیادہ متجاوز نہ ہوئیں۔ حضرت حذیفہؓ مدائن میں لوگوں سے ایسی باتیں بیان کرتے تھے، جو آنحضرت ﷺ نے غصہ کی حالت میں کسی سے فرمائی تھیں۔ لوگ اس کی تصدیق کے لئے سلمانؓ کے پاس آئے۔ آپ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ حذیفہؓ خود زیادہ اچھا جانتے ہیں۔ لوگوں نے حضرت حذیفہؓ سے آکر کہا کہ ہم نے آپ کے بیان کردہ حدیث سلمانؓ کو سنائی وہ نہ اس کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تردید۔

حضرت حذیفہؓ نے آکر سلمانؓ سے کہا کہ جو کچھ تم نے آنحضرت ﷺ سے سنا، اس کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا بعض اوقات آنحضرت ﷺ لوگوں کو کچھ غصہ میں کہہ دیتے تھے اور بعض اوقات آنحضرت ﷺ خوش ہو کر کچھ فرمادیتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اس قسم کی باتوں کو بیان کر کے کسی کو کسی کا دوست اور کسی کو دشمن بنا دو گے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ خداوند غصہ کی حالت میں اگر کسی کے متعلق کوئی بُرا کلمہ نکل جائے تو اس کو بھی اس کے حق میں خیر کر دینا۔ پھر ان سے کہا کہ تم اس قسم کی باتوں سے باز آ جاؤ، نہیں تو میں عمرؓ کو آگاہ کر دوں گا۔

چونکہ وہ اسلام سے قبل عرصہ تک نصرانی رہ چکے تھے، اس لئے عیسائی مذہب کے متعلق بھی کافی معلومات رکھتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے تھے کہ سلمانؓ دو کتابوں کا علم رکھتے ہیں، کلام اللہ اور انجیل کا۔

مذہب عیسوی کے مسائل محض پادریوں کی زبانی نہیں سُنے تھے، بلکہ خود انجیل کا مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے توراہ میں دیکھا ہے کہ کھانے کے بعد وضو کرنے سے برکت ہوتی ہے۔

عام حالات میں تقرب بارگاہِ نبوی :

حضرت سلمانؓ صحابہ کرام کے اس مخصوص زمرے میں تھے، جس کو بارگاہِ نبوی میں خاص تقرب حاصل تھا۔ مخصوص صحابہ کرام کے علاوہ کم لوگ ایسے تھے جو بارگاہِ موت کی پذیرائی میں حضرت سلمانؓ کی ہمسری کر سکتے ہوں۔

غزوہ خندق کے موقع پر جب مہاجرین اور انصار علیحدہ علیحدہ جمع ہوئے تو مہاجرین کہتے تھے کہ سلمان ہمارے زمرہ میں ہیں، انصار کہتے تھے کہ ہماری جماعت میں ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سلمان ہمارے اہل بیت میں ہیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ سلمان کی شب کی تنہائی کی صحبت آنحضرت ﷺ کے پاس اتنی لمبی ہوتی تھی کہ ہم لوگوں (ازواج) کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ہماری باری کی رات بھی اس نشست میں نہ گزر جائے۔ انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے۔ علیؓ، عمارؓ اور سلمانؓ کی۔

آپ کے تقرب کی آخری مثال یہ ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ صدیق اکبر جیسے فدائی اسلام اور جلیل القدر صحابی سے حضرت سلمانؓ اور ان کے بعض رفقاء کے بارے میں رنجیدہ ہو گئے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابوسفیان چند آدمیوں کے ساتھ حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت سلمانؓ کے پاس سے گزرے۔ ان تینوں بزرگوں نے کہا کہ خدا کی کوئی تلوار خدا کے دشمن (ابوسفیان) کی گردن پر نہیں پڑی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تم لوگ سردار قریش کے متعلق زبان سے ایسا کلمہ نکالتے ہو، اور آنحضرت ﷺ سے آکر واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا۔ اگر تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا، گویا خدا کو ناراض کیا۔ حضرت ابوبکرؓ بہت نادام ہوئے اور آکر ان بزرگوں سے معذرت کی۔

**اخلاق و عادات :** حضرت سلمان فارسیؓ میں مذہبی جذبہ کی شدت فطری تھی۔ جس طرح آتش پرستی کے زمانہ میں سخت آتش پرست اور نصرانیت کے زمانہ میں سخت عابد و زاہد نصرانی تھے۔ اسی طرح مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد مکمل ترین نمونہ بن گئے۔ ان کے اصل فضل و کمال کا میدان یہیں ہے۔

**زہد و تقویٰ :** ان کا زہد و ورع اس حد تک پہنچ گیا تھا، جس کے بعد رہبانیت کی حد شروع ہو جاتی ہے۔ اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ عمر بھر گھر نہیں بنایا۔ جہاں کہیں دیوار یا درخت کا سایہ ملتا پڑ رہتے۔ ایک شخص نے اجازت چاہی کہ میں آپ کے لئے مکان بنا دوں؟ فرمایا مجھ کو اس کی حاجت نہیں۔ وہ پیہم اصرار کرتا رہا یہ برابر انکار کرتے رہے۔ آخر میں اس نے کہا کہ آپ کی مرضی کے مطابق بناؤں گا۔ فرمایا وہ کیسا! عرض کیا کہ اتنا مختصر کہ کھڑے ہوں تو سر چھت سے مل جائے اور اگر لیشیں تو پیر دیواروں سے لگیں۔ فرمایا خیر اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ اس نے ایک جھونپڑی بنا دی۔



۔ اس زہد کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تھا۔ مخرقات دنیاوی کو کبھی پاس نہ آنے دیا۔ وفات کے وقت گھر کا پورا اثاثہ بیس بائیس درہم سے زیادہ کا نہ تھا۔ بستر میں معمولی سا پچھونا تھا اور دو اینٹیں جن کا تکیہ بناتے تھے، اس پر بھی روتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ انسان کا ساز و سامان ایک مسافر سے زیادہ نہ ہونا چاہئے، اور میرا یہ حال ہے۔<sup>۱</sup>

یہ حالت زندگی ہر دور میں قائم رہی۔ جب امارت کے عہدے پر ممتاز تھے، اُس وقت بھی فرق نہ آیا۔ حسن بیان کرتے ہیں کہ سلمانؓ جب پانچ ہزار تنخواہ پاتے تھے اور میں ہزار نفوس پر حکومت کرتے تھے، اس وقت بھی صرف ان کے پاس ایک عبا تھی، جس میں لکڑیاں جمع کرتے تھے۔ اس کا آدھا حصہ بچھاتے تھے اور آدھا حصہ اوڑھتے تھے۔<sup>۲</sup> زہد و ورع کا یہ حال تھا کہ خادم کو گوشت کی بوٹیاں گن کر دیا کرتے تھے کہ مبادا اس کی طرف سے سوء ظن نہ پیدا ہو۔

### رہبانیت سے اجتناب :

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ اسلام کی تعلیم کے خلاف رہبانیت کی طرف مائل تھے۔ مذہبی تشدد کے ساتھ ساتھ دنیاوی حقوق کا بھی پورا پورا لحاظ رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ ان کے اسلامی بھائی حضرت ابو درداءؓ بڑے عابد و زاہد تھے۔ رات بھر نماز پڑھتے تھے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے۔ حضرت سلمانؓ نے ان سے ملنے ان کے گھر جایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ابو درداءؓ کی بیوی کو بہت خراب حالت میں دیکھا۔ پوچھا تم نے کیا صورت بنا رکھی ہے۔ انہوں نے کہا کس کے لئے کروں بناؤ سنگار۔ تمہارے بھائی کو تو دنیا کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ حضرت ابو درداءؓ جب گھر آئے تو بڑے تپاک سے ملے اور کھانا منگوا یا، مگر خود معذرت کی کہ میں روزے سے ہوں۔ فرمایا جب تک تم کھاؤ گے میں بھی نہ کھاؤں گا۔ پھر رات کو حضرت سلمانؓ ان کے پاس ہی لیٹے اور ان کو دیکھتے رہے۔ جب وہ عبادت کو اٹھے تو روک کر فرمایا کہ تم پر تمہارے رب، تمہاری آنکھ اور تمہاری بیوی سب کا حق ہے۔ روزوں کے ساتھ افطار اور شب بیداری کے ساتھ سونا بھی ضروری ہے۔ اس کے بعد دونوں نے یہ معاملہ آنحضرت ﷺ کے پاس پیش کیا۔ آپ ﷺ نے ابو درداءؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سلمانؓ تم سے زیادہ مذہب کے واقف کار ہیں۔<sup>۳</sup>

سادگی : حضرت سلمانؓ کی تصویر حیات میں تکلف کے آب و رنگ کے بجائے سادگی بہت غالب تھی جو ہر زمانہ میں یکساں قائم رہی۔ مدائن کی امارت کے زمانہ میں جب کہ شان و شوکت اور

خدم و حشم وغیرہ تمام لوازم ان کے لئے مہیا ہو سکتے تھے۔ اس وقت بھی ان کی سادگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ لباس میں ایک عبا اور ایک معمولی سی جانگیا اور ایک اونچا پانچامہ ہوتا تھا۔ چونکہ ان کے سر کے بال گھنے اور کان لمبے لمبے تھے، اس لئے اس ایرانی ہیبت کو دیکھ کر لوگ ”گرگ آمد، گرگ آمد“ کہتے تھے۔

ایک مرتبہ اسی امارت کے زمانہ میں اس شان و شوکت سے نکلے کہ سواری میں بلا زین کا گدھا تھا۔ لباس میں ایک تنگ اور چھوٹی قمیض تھی، جو سواری پر سے کسی وجہ سے اٹھ گئی تھی۔ جس سے گھنے بھی نہ چھپتے تھے، ٹانگیں کھلی ہوئی تھیں۔ لڑکے اس ہیبت کدائی میں دیکھ کر ان کے پیچھے لگ گئے۔ لوگوں نے یہ طوفان بدتمیزی دیکھا تو ڈانٹ کر ان کو ہشایا کہ امیر کا پیچھا کیوں کرتے ہو۔

ایک دستہ فوج کی سرداری سپرد ہوئی۔ فوجی امارت کی شان و شوکت کا تو کیا ذکر، یہاں معمولی سپاہی کی بھی وضع نہ تھی۔ چنانچہ فوجی ان کو دیکھ کر ہنستے اور کہتے کہ یہی امیر ہیں۔ حضرت ابودراءؓ کی والدہ فرماتی ہیں کہ حضرت سلمانؓ ایک مرتبہ مدائن سے شام آئے۔ اس وقت وہ وہاں کے گورنر تھے، مگر اپنی سادگی کی وجہ سے معمولی لباس اور ابتر حالت میں تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ نے اپنے کو اس قدر ابتر کیوں بنا رکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ آرام و راحت تو صرف آخرت کے لئے ہے۔

ابو قلابہ راوی ہیں کہ ایک شخص سلمانؓ کے یہاں گیا۔ دیکھا تو بیٹھے آٹا گوندھ رہے ہیں۔ پوچھا خادم کہاں ہے؟ کہا کام سے بھیجا ہے، مجھ کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دودو کاموں کا بار اس پر ڈالوں۔

اس غیر معمولی سادگی کی وجہ سے لوگوں کو ان پر اکثر مزدور کا دھوکا ہو جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک عیبی نے جانور کے لئے چارہ خریدا۔ حضرت سلمانؓ کھڑے تھے، ان سے کہا کہ اس کو گھر تک پہنچا دو، وہ اٹھا کر لے چلے۔ راستہ میں لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے لائے ہم پہنچا دیں۔ یہ حال دیکھ کر عیبی نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں۔ وہ سن کر بہت نادام ہوا اور کہا کہ آپ تکلیف نہ کیجئے۔ آپ نے فرمایا، اس میں مجھے نیت کا ثواب ملتا ہے۔ اب میں اس بوجھ کو بغیر پہنچائے ہوئے نیچے نہیں رکھ سکتا۔

فیاضی : فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ بھی آپ کا نمایاں وصف تھا۔ جو کچھ آپ کو تنخواہ ملتی تھی وہ کل کی کل مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے اور خود چٹائی بن کر معاش پیدا کرتے تھے اور چٹائی کی آمدنی کا بھی ایک تہائی اصل سرمایہ کے لئے رکھ لیتے تھے۔ ایک تہائی بال بچوں پر خرچ کرتے۔ اور ایک تہائی

خیرات کرتے تھے۔ ارباب علم کے بڑے قدردان تھے۔ جب کوئی رقم ہاتھ آجاتی تو حدیث نبوی ﷺ کے شائقین کو کھلا دیتے تھے۔

### صدقات سے اجتناب :

صدقات سے بہت سخت پرہیز لرتے تھے۔ اگر کسی چیز میں صدقہ کا ادنیٰ شائبہ ہوتا تو اس سے احتراز کرتے۔ ایک غلام نے خواہش کی کہ مجھ کو مکاتب بنا دیجئے۔ فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے۔ کہ میں لوگوں سے مانگ کر ادا کر دوں گا۔ فرمایا تم مجھ کو لوگوں کے ہاتھ کا دھوون کھلانا چاہتے ہو۔ (حالانکہ اس کا مانگنا ان کے لئے صدقہ نہ رہ جاتا)۔

حلیہ : بال گھنے، کان لمبے اور دراز قامت تھے۔

زریر اقوال : حضرت سلمانؓ کے بہت سے حکیمانہ جملے اور زریر اقوال کتب احادیث میں منقول ہیں۔ ان میں سے چند جو اہر ریزے ہم یہاں نقل کرتے ہیں :

ایک مرتبہ دجلہ کے کنارے جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک شاگرد بھی ساتھ تھا۔ حضرت سلمانؓ نے اس سے کہا کہ گھوڑے کو پانی پلاؤ۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ نے فرمایا خوب اچھی طرح پلاؤ۔ جب وہ سیراب ہو گیا تو شاگرد سے مخاطب ہو کر حضرت سلمانؓ نے فرمایا کہ کیا اس جانور کے پانی پینے سے دجلہ میں کوئی کمی واقع ہوئی؟ اس نے کہا جی نہیں! پھر آپ نے فرمایا کہ علم کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ اس میں سے جتنا بھی خرچ کیا جائے گھٹتا نہیں، چاہئے کہ علم نافع طلب کرو۔

آپ نے فرمایا کہ علم بہت ہے اور عمر تھوڑی۔ تو بقدر علم دین پہلے حاصل کر لو اور ساری دنیا کے علوم کے پیچھے نہ پڑو۔

فرمایا مومن کی مثال ایک مریض کی ہے اور اس کے پاس طبیب موجود ہے جو مرض اور اس کے علاج سے بخوبی واقف ہے۔ مریض کو جب کوئی ایسی چیز کی خواہش ہوتی ہے جو اس کے لئے مضر ہوتی ہے تو وہ اس کو روکتا ہے۔ اسی طرح وہ برابر اس کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بالکل تندرست ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مومن کی خواہشات بھی بہت ہوتی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کو بری اور مضر خواہشات سے بچاتا رہتا ہے۔ تا آنکہ اسے موت آجاتی ہے اور وہ جنت کی تمام نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اگر وہ پہلے باز نہ رکھا گیا ہوتا تو اس کو یہ نعمتیں کیسے ملتیں۔

ابودرداءؓ نے ایک مرتبہ ان کو لکھا کہ آپ ارض مقدس (غالباً بیت المقدس) میں چلے آئیے۔ حضرت سلمانؓ نے ان کو جواب میں لکھا کہ کوئی زمین انسان کو مقدس نہیں بناتی، بلکہ اس کو خود اس کا عمل مقدس بناتا ہے۔ پھر آپ نے لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم کسی جگہ کے قاضی بنا دیئے گئے ہو تو اگر تمہارے فیصلوں سے لوگوں میں انصاف ہو تو اچھا ہے اور اگر تم مصنوعی قاضی ہو تو پھر ایسا نہ ہو کہ اپنے فیصلوں سے تمہیں دوزخ میں جانا پڑے۔

حضرت یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد ابودرداءؓ کا یہ حال ہو گیا کہ جب دو آدمیوں میں فیصلہ کرتے اور فریقین واپس جانے لگتے تو ان کی طرف ایک نظر ڈالتے اور ان سے کہتے کہ واقعی میں مصنوعی قاضی ہوں۔ واپس آؤ اور پھر مجھ سے اپنا مقدمہ بیان کرو، شاید فیصلہ میں غلطی ہوگئی ہو۔

فرماتے کہ مجھے تین آدمیوں پر بڑا تعجب ہوتا ہے۔ ایک وہ جو دنیا کی طلب میں پڑا ہوا ہے اور موت اسے طلب کر رہی ہے۔ دوسرا وہ جو موت سے غافل ہے حالانکہ موت اس سے غافل نہیں ہے۔ تیسرا وہ جو قہقہے مار کر ہنستا ہے اور نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے یا ناراض۔ فرمایا تین چیزیں مجھے اس قدر غمگین کرتی ہیں کہ میں روتا ہوں۔ ایک تو آنحضرت ﷺ اور ان کے اصحاب کی جدائی۔ دوسری عذابِ قبر۔ تیسری قیامت کا خطرہ۔

آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آپ سے نصیحت کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا، بولو نہیں۔ اس نے کہا لوگوں میں رہ کر یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر بولو تو صحیح اور مناسب بات کہو۔ اس نے کہا کہ کچھ اور ارشاد ہو۔ فرمایا کہ غصہ نہ کرو۔ اس نے کہا کہ میں غصہ میں قابو سے باہر ہو جاتا ہوں۔ فرمایا کہ اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھو۔ اس نے کہا کچھ اور ارشاد فرمائیے۔ فرمایا کہ لوگوں سے ملو جلو نہیں۔ اس نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ لوگوں سے ملا جلا نہ جائے۔ آپ نے فرمایا اگر ملتے جلتے ہو تو پھر بات میں سچائی کے کام لو اور امانت ادا کر دیا کرو!

## (۳۶) حضرت سمعانؓ بن خالد

صاحبِ اصابت نے ان کے تذکرہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ بنو قریظہ سے تھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے ان کے لئے برکت کی دعا کی اور ان کے سر پر اپنا دستِ شفقت پھیرا۔

صاحبِ تجرید نے اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ ان سے کچھ احادیث بھی مروی ہیں، جو ان کی اولاد کے پاس موجود ہیں۔<sup>۱</sup>

## (۳۷) حضرت سیمونہ بلقاویؓ

نام و نسب : سیمونہؓ یا سیمانام ہے۔ نسباً اور عقیدۃً نصرانی، بلقاء کے رہنے والے تھے اور ان کا شمار عبادِ نصاریٰ میں تھا۔

اسلام : یہ تصریح نہیں مل سکی کہ کب اسلام لائے۔ اربابِ رجال صرف اتنا لکھتے ہیں :  
 ”کان نصرانیاً شماساً فاسلم“<sup>۲</sup>  
 ”ایک نصرانی عابد شخص تھے، پھر اسلام لائے۔“

### مدینہ سے تجارتی تعلقات :

حضرت سیمونہؓ کو تجارت کے سلسلہ میں مختلف جگہ جانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم چند آدمی بلقاء سے گیہوں لے کر مدینہ آئے اور یہاں اسے فروخت کیا اور اس کی قیمت میں مدینہ سے کھجوریں بلقاء لے جانے کا خیال ہوا۔ مدینہ سے لوگوں نے کھجوریں دینے سے انکار کیا۔ یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ سے فرمایا کہ یہ لوگ اپنا گیہوں سستا دیتے ہیں اور کھجوریں گراں خریدتے ہیں، اس پر بھی تمہیں اطمینان نہیں ہے۔ تم لوگ انہیں کھجوریں لے جانے کے لئے دو۔<sup>۳</sup>

وفات : آپ کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے برکت دی تھی۔ ایک سو بیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ سنہ وفات کی تصریح نہیں مل سکی۔

فضائل : شرفِ صحبت کے علاوہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کا شرف بھی حاصل ہے۔ فرماتے ہیں :

”رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم من فیہ اذنی“<sup>۴</sup>

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور ان کے دہن مبارک سے خود میرے کانوں نے سنا۔“

منصور بن صحیح نے جو ربیع بن صبیح مشہور تابعی کے بھائی ہیں، حضرت سیمونہؓ سے روایت کی ہے۔<sup>۵</sup>

۳ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۸۳

۲ تجرید۔ جلد ۱۔ ص ۲۷۰

۱ تجرید۔ جلد ۱۔ ذکر سمعان بن خالد

۴ اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۴

۵ ایضا

۵ ایضاً

(ش)

## حضرت شمعون رضی اللہ عنہ (۳۸)

نام و نسب : شمعون نام ہے۔ ابوریحانہ کنیت۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے : شمعون بن یزید بن خنافتہ القرظی<sup>۱</sup>۔ أم المؤمنین حضرت ریحانہ کے والد تھے۔

اسلام : یہ تو نہیں معلوم ہو سکا کہ کب اسلام لائے، مگر حافظ ابن عبدالبر نے یہ تصریح کی ہے :  
”لہ صحبة و سماع و روایة“۔

”صحابی ہیں۔ سماع اور روایت کا شرف بھی حاصل ہے۔“

غزوات : نسائی اور طبرانی کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں بھی شریک ہوئے تھے۔

”کان مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الغزوة“<sup>۲</sup>۔

”رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک تھے۔“

اگرچہ اس کی تصریح نہیں ملتی کہ کسی غزوہ میں شریک ہوئے تھے۔

عہد فاروقی : عہد فاروقی میں تو آپ کا ذکر کہیں نہیں آتا، مگر عہد فاروقی میں جب دمشق فتح ہوا تو آپ بھی اس شرف جہاد میں شریک رہے۔<sup>۳</sup>

شام کا قیام : آپ ﷺ مستقل طور سے شام میں رہتے تھے۔ لیکن کچھ دنوں کے لیے مصر میں چلے آئے تھے، مگر وہاں تھوڑے روز رہ کر پھر واپس چلے آئے۔<sup>۴</sup>

وفات : سنہ وفات معلوم نہیں ہے۔

فضل و کمال : آپ کا شمار عباد اور زہاد صحابہ میں تھا۔ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں :

۱ استیعاب - جلد ۲ - ص ۶۰۳ ۲ ایضاً - ابن سعد نے حضرت ریحانہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ یہ نسا بنو قریظ سے تھیں، لیکن شادی بنو نضیر کے ایک شخص کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس بنا پر حضرت شمعون کو بھی نضیری سمجھنا چاہئے۔ لیکن یہ بھی متیقن کے ساتھ تمام ارباب رجال لکھتے ہیں کہ حضرت ریحانہ بنو قریظ کی جنگ گرفتار ہوئی تھیں۔ اس بنا پر وہ قرظی ہوئیں اور بنو نضیر کی جلا وطنی تو اس سے ایک سال پہلے ہو چکی تھی۔ ان دونوں روایتوں کی کوئی تعارض نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت شمعون نضیری ہوں اور حضرت ریحانہ کی شادی بنو قریظ میں کر دی ہو اور دوسرے تعلقات کی بنا پر وہ ان ہی کے ساتھ رہنے لگے ہوں۔ ۳ اصابہ - جلد ۲ - ص ۱۵۶ ۴ ایضاً ۵ اسد الغابہ - جلد ۳ - ص ۴

”کان من فضلاء الاخيار الزاهدين فى الدنيا الراجين مع عند الله“۔

(استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۱۰)

”اغیار علماء میں تھے۔ دنیا سے بالکل بے تعلق اور اللہ پر متوکل تھے۔“

اسد الغابہ میں ہے :

”کان من صالحى الصحابة وعبادهم“۔ (جلد ۳۔ ص ۴)

”صالح، نیک اور عبادت گزار صحابہ میں شمار تھا۔“

اصابہ میں ہے :

”کان یكثر اسجود“۔

”نمازیں بہت پڑھتے تھے۔“

قرآن سے شغف : قرآن مجید سے بیحد شغف تھا۔ بسا اوقات آپ قرآن پاک پڑھنے میں ایسا منہمک ہو جاتے تھے کہ آرام کرنے کا بھی خیال نہ رہتا تھا۔

ایک مرتبہ آپ کسی غزوہ سے واپس ہوئے کھانا کھایا اور وضو کر کے اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ شکر ادا کرنے کے لئے مسجد میں حاضر ہوئے، کوئی سورت پڑھنی شروع کی اور رات بھرا سی کو پڑھتے رہے۔ صبح کی نماز پڑھ کر جب گھر تشریف لائے تو بیوی نے کہا کہ غزوہ سے تھکے ماندے واپس آئے تھے، کچھ آرام تو کر لینا چاہئے تھا۔ آپ نے فرمایا، ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔

”ان ذکرتک لکان علی حق“۔

”اگر تم یاد آگئی ہو تیں تو ضرور مجھ پر تمہارا حق ہوتا مگر یاد الہی میں دوسری یاد آتی ہی نہیں۔“

بیوی نے پوچھا آخر کس چیز نے آپ کو اس قدر مشغول کر لیا تھا؟ آپ نے فرمایا :

”التفکر فیما وصف الله فی جنة و لذاتها حتى سمعت المودن“۔

(اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۶)

”اللہ تعالیٰ نے جو جنت اس کی لذات کی تعریف کی ہے، اسی میں غور و فکر کرتا رہا، یہاں

تک کہ صبح کی اذان ہو گئی۔“

آپ قرآن مجید یاد کرنے کی بیحد کوشش کرتے تھے، مگر وہ زیادہ یاد نہیں رہتا تھا۔ آپ رسول

اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور قرآن مجید کے بار بار بھول جانے اور اپنے یاد کرنے کی محنت کا

ذکر کیا تو آپ نے فرمایا : کہ

”لا متحمل ما لا تطيق عليك بالسجود“۔ (کتاب الاسماء والکنی

للدولابی۔ جلد ۱۔ ص ۳۰)

”اپنی یادداشت بھر یاد کرو۔ نماز کی پابندی زیادہ رکھو، (یعنی جب نماز زیادہ پڑھو گے تو

قرآن بھی بار بار پڑھو گے) اس طرح وہ یاد رہے گا۔“

(ص)

## (۳۹) حضرت صالح القرظیؓ

صالح نام تھا۔ قبیلہ قریظ<sup>۱</sup> سے آپ کا نسبی تعلق تھا۔ جب مقوقس شاہ مصر نے ماریہ قبطیہ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تو آپ بھی ان ہی کے ساتھ مدینہ تشریف لائے۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ دھوکا ہو گیا ہے کہ ان کو بھی مقوقس ہی نے بھیجا تھا، مگر صاحب اصابہ نے اس کی تردید کی ہے<sup>۲</sup>۔

رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو حضرت ابوایوب انصاری کے مکان میں ٹھہرایا<sup>۳</sup>۔  
زندگی کے اور دوسرے حالات نہیں معلوم ہو سکے۔

(غ)

## (۴۰) حضرت عامر الشامیؓ

عامر نام تھا۔ شام یا حبشہ کے رہنے والے تھے۔

اسلام : اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی کہ کب اسلام لائے، مگر جب حضرت جعفر حبشہ سے واپس آئے تو ان کے ساتھ حبشہ سے کچھ لوگ جو اسلام لا چکے تھے، خدمت نبوی میں مدینہ آئے۔ ان ہی آنے والوں میں حضرت عامر بھی تھے<sup>۴</sup>۔ ان آنے والوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی<sup>۵</sup> :

۱۔ اصابہ میں ہے والصواب قبطی، مگر اور دوسرے ارباب طبقات قرظی لکھتے ہیں۔ (تجرید۔ جلد ۱۔ ص ۲۸۱،

اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ۱۰) ۲۔ اصابہ۔ جلد ۲۔ ۱۷۴ ۳۔ ایہا

۴۔ پوری تفصیل حضرت اشرف کے حالات میں گزر چکی ہے۔ ۵۔ طبری



چنانچہ بہت سے لوگ آپ کی کوشش کی وجہ سے ارتداد سے باز آ گئے۔ وفات وغیرہ کے متعلق تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔

## (۴۲) حضرت عبداللہ بن سلام

نام و نسب : جاہلی نام حصین تھا۔ اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے عبداللہ نام رکھا۔ ابو یوسف کنیت ہے۔ یہود مدینہ کے خاندان قینقاع سے تھے۔ مشہور ہے کہ ان کا سلسلہ نسب حضرت یوسف علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔ مختصراً آپ کا شجرہ نسب یہ ہے : عبداللہ بن سلام بن حارث۔ قبیلہ خزرج میں ایک خاندانی عوف کے نام سے مشہور ہے، اس میں ایک شاخ کا نام قواقل ہے۔ حضرت عبداللہ اسی قواقل کے حلیف تھے۔

اسلام : آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور مالک بن نجار کے محلہ میں ناقہ سے اترے تو عبداللہ کو خبر ہوئی۔ وہ اپنے بچوں کے لئے باغ میں پھل چننے گئے تھے۔ جلدی سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جو انبیاء کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا جواب دیا تو فوراً بول اٹھے اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد انک رسول اللہ اس بعد کہا کہ یہود افتراء پر از قوم ہے اور میں عالم بن عالم اور رئیس بن رئیس ہوں۔ آپ ان کو بلا کر میری نسبت دریافت کیجئے، لیکن میرے مسلمان ہونے کی خبر نہ دیجئے گا۔

آنحضرت ﷺ نے یہود کو بلا کر اسلام کی دعوت دی اور کہا عبداللہ بن سلام کون شخص ہیں؟ بولے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ فرمایا وہ مسلمان ہو سکتے ہیں؟ جواب ملا، کبھی نہیں۔ عبداللہ بن سلام مکان کے گوشے میں چھپے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے آواز دی تو کلمہ پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے اور یہودیوں سے کہا :

ذرا خدا سے ڈرو ! تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ رسول ہیں اور ان کا مذہب بالکل سچا ہے اور بایں ہمہ ایمان لانے پر تم لوگ آمادہ نہیں ہوتے۔ یہود کو خلاف توقع جو خفت نصیب ہوئی اس نے ان کو آتش زیر پا کر دیا اور غصہ میں کہا، تم جھوٹے ہو اور ہماری جماعت کے بدترین شخص ہو اور تمہارا باپ بھی بدترین شخص تھا۔ حضرت عبداللہ نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے دیکھا، مجھ کو اسی کا خوف تھا۔

”الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُ كِتَابِ رَبِّنَا إِذَا نَا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ“

”جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ جب ان کے سامنے قرآن کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ بے شک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے، ہم اس کے نزول کے پہلے سے مسلمان ہیں۔“

## (۴۱) حضرت عبدالحارث بن السنی

نام و نسب: عبدالحارث یا عبد الرحمن نام ہے۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ عبدالحارث بن السنی ابن الدیان الحارثیؓ۔ آپ کا شمار نجران کے ممتاز لوگوں میں تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر نجران پہنچی اور وہاں فتنہ ارتداد اٹھا تو آپ نے روک تھام کی پوری کوشش کی۔ آپ نے اہل نجران کے سامنے ایک بہت بلند خطبہ دیا۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

”یا اهل نجران من امر کم بالثبات علیٰ هذا الدین لقد نصحکم و من امر کم ان تزیغوا فقد غشکم الیٰ ان قال و انما کان بنی اللہ عاریةً بین اظہر کم فاتی علیہ اجلہ و بقی الکتاب الذی جاء بہ فامرہ و نہیہ نہی الیٰ یوم القیامۃ“

”اے اہل نجران! جس نے تم کو اس دین اسلام پر جم جانے کے لئے کہا، وہ تمہارا خیر خواہ ہے اور جس نے کج روی کی تلقین کی وہ تمہارا بد خواہ اور تم دھوکہ دے رہے ہو۔ یہ اللہ کے نبی محمد ﷺ تھوڑے سے زمانے کے لئے تمہارے پاس آئے تھے۔ اب ان کی وفات ہو چکی ہے، مگر جو کتاب وہ لے کر آئے تھے۔ وہ اب بھی باقی ہے۔ اس کا حکم حکم ہے۔ اس کی نہیں نہیں ہے۔ اس کے اوامر اور منہیات قیامت تک باقی رہیں گے۔“

اور پھر یہ اشعار پڑھے:

نحن بحمد الله هامة مذجع بنو الحرث الخیر الذین ہم مدد  
ونحن علیٰ دین النبی مزی الذی نہانا حرامامنہ والامر ما امر

۱۔ تجرید میں آپ کا نام عبد الرحمن درج ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اصحابہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبدالحارث سے آپ کا نام تبدیل کر کے عبد الرحمن رکھ دیا ہو۔ اصحابہ جلد ۲۔ ص ۳۸۸

**غزوات :** غزوہ بدر واحد کی شہرت کے متعلق اختلاف ہے۔ صاحب طبقات کے نزدیک خندق ان کا پہلا غزوہ تھا۔ اس لئے انہوں نے صحابہ کے تیسرے طبقہ یعنی خندق میں ان کا تذکرہ لکھا ہے کہ خندق کے بعد جو معرکے پیش آئے وہ ان میں شامل ہوئے۔ امام سرحسی نے لکھا ہے کہ بنو نضیر کے محاصرہ کے وقت ضرورتوں کی بنا پر جب ان کے نخلستان صاف کئے جانے لگے تو اس کام پر جو لوگ متعین تھے، ان میں عبداللہ بن سلام بھی تھے۔

**عہد فاروقی :** عہد نبوت کے بعد خلافت فاروقی میں جب حضرت عمرؓ صلح بیت المقدس کے لئے مدینہ سے شام روانہ ہوئے تو حضرت عبداللہؓ بھی ساتھ تھے۔

**عہد عثمانی :** حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں جب باغیوں نے آستانہ خلافت کا محاصرہ کر کے آپ کے قتل کی تیاریاں کیں تو عبداللہ بن سلام حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ کی مدد کے لئے تیار ہوں۔ فرمایا تمہارا مکان کے اندر رہنا ٹھیک نہیں، باہر جا کر مجمع کو منتشر کرو۔ حضرت عبداللہ بن سلام باہر تشریف لائے اور ایک مختصر تقریر کی جس کا ترجمہ درج ذیل ہے :

”لوگو! میرا نام جاہلیت میں فلا تھا (حصین)۔ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ رکھا۔ میرے متعلق قرآن مجید میں کئی آیتیں نازل ہوئیں : شہدنا اهد من بنی اسرائیل اور قل کفی باللہ شہیداً بینی ومن عنده علم الکتاب میری ہی شان میں اتری ہیں۔ خدا کی تلوار اب تک نیام میں ہے اور فرشتوں نے تمہارے شہر کو جو رسول اللہ ﷺ کا دارالہجرت ہے، اپنا نشیمن بنا لیا ہے۔ پس ڈرو، خدا سے ڈرو! اور ان کو (حضرت عثمان) قتل نہ کرو۔ خدا کی قسم اگر تم قتل پر کمر بستہ ہوئے تمہارے ہمسایہ فرشتے مدینہ چھوڑ دیں گے اور خدا کی وہ تلوار نکل پڑے گی جو اس وقت نیام میں بند ہے اور پھر قیامت تک نیام میں واپس نہ جائے گی۔“

لیکن سنگدلوں پر اس ہرزور تقریر کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بلکہ اس کے خلاف شقاوت اور زیادہ ترقی کر گئی۔ بولے کہ اس یہودی اور عثمانؓ دونوں کو قتل کر ڈالو۔

**عہد مرتضوی :** حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں مدینہ سے کوفہ دارالخلافت تبدیل کرنا چاہا تو انہوں نے آپ کو کہلایا، رسول اللہ ﷺ کا منبر نہ چھوڑیے ورنہ پھر اس کی زیارت نہ کر سکیں گے۔ لوگوں نے حضرت علیؓ کو خبر کی تو فرمایا، وہ بچارے نہایت نیک آدمی ہیں۔

وفات : ۴۳ھ میں مدینہ میں انتقال ہوا۔ یہ امیر معاویہؓ کا زمانہ خلافت تھا۔

اولاد : دو (۲) بیٹے یادگار چھوڑے۔ یوسف اور محمد۔ دونوں آنحضرت ﷺ کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے۔ یوسف بڑے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنی گود میں بٹھایا۔ سر پر ہاتھ پھیرا اور یوسف نام رکھا۔

علم و فضل : توراہ اور انجیل کے عالم تھے۔ اسلام لانے کے بعد قرآن و حدیث کی طرف توجہ کی اور آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوا، جن کی طرف مسائل میں فتویٰ لیا جاتا تھا۔ حضرت معاذؓ بن جبل سے لوگوں نے مرض الموت میں وصیت کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا میں نہ رہوں گا، مگر علم اپنی جگہ پر باقی رہے گا اور جو اس کی جستجو کرے گا خصوصیت سے چار آدمیوں کے پاس پائے گا۔ پھر آپ نے ابو درداءؓ، سلمان فارسیؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ اور عبد اللہ بن سلامؓ کے متعلق یہ فرمایا :

”کان یهودیاً فاسلم فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یقول انه عاشر عشر الجنة“

”یہ یہودی تھے۔ مسلمان ہوئے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے کہ وہ دسویں جنتی ہیں۔“

حضرت ابو ہریرہؓ باوجودیکہ خود بہت بلند پایہ کے تھے، مگر بعض مسائل آپ سے پوچھا کرتے تھے۔ جمعہ کے روز ایک گھڑی ایسی ہے، جس میں نمازی کی دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے عبد اللہ بن سلام سے دریافت کیا کہ وہ کونسی گھڑی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ عصر کے بعد کا وقت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ یہ ذکر تو حالت نماز کا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام نے فرمایا کہ کیا وہ حدیث پیش نظر نہیں، جس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بندہ جب تک نماز کے انتظار میں رہتا ہے وہ گویا نماز میں ہوتا ہے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔

روایت حدیث : آپ سے صرف ۲۵ روایتیں منقول ہیں۔ راویوں میں بعض صحابہ کرام بھی ہیں، جن کے نام یہ ہیں : آپ کے دونوں صاحبزادے یوسف و محمد، ازارہ بن اوفی، ابو ہریرہؓ، عبد اللہ بن معقل، عبد الرحمن بن حنظلہ، تابعین میں سے حسب ذیل لوگوں نے آپ سے روایتیں کی ہیں : خریشہ بن الحمر، قیس بن عبادہ، ابوسلمہ بن عبد الرحمن، حمزہ بن یوسف۔ آپ کے پوتے، عمر بن محمد (پوتے)، عوف بن مالک، ابو بردہ بن موسیٰ، ابوسعید المقبری، عبادۃ الزرقی، عطاء بن یسار، عبید اللہ بن حبیش غفاریؓ۔

اتباع سنت: عطاء بن یسار فرماتے ہیں: آپ ان صحابہ میں تھے جو رفتار، گفتار، نشست و برخاست ہر چیز میں رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو جمع کر کے ان کے سامنے سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ (۱۱۱) تلاوت فرمائی، تو حضرت عبداللہ بن سلام کا دستور تھا کہ وہ بھی لوگوں کے سامنے یہ آیت تلاوت کیا کرتے تھے اور یہ طریقہ امام اوزاعی تک برابر جاری رہا۔

تواضع و خاکساری: زندگی ہی میں جنت کی بشارت مل چکی تھی۔ علم و فضل اور تقویٰ و دیانت میں بھی آپ اپنی نظیر آپ تھے۔ لیکن اس فضل و کمال کے باوجود مزاج میں انتہائی تواضع و خاکساری تھی۔ حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ مسجد نبوی میں آئے۔ آپ کے چہرے سے خشوع و خضوع کا اظہار ہو رہا تھا۔ آپ نے دو رکعت نماز ادا کی اس اثنا میں لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا یہ شخص جنتی ہے۔ جب وہ نماز ادا کر چکے تو میں بھی ان کے ساتھ ہولیا گھر پہنچ کر کچھ باتیں کیں جب ذرا آپ مجھ سے مانوس ہو گئے تو میں نے کہا کہ مسجد میں لوگ آپ کے متعلق ایسا کہہ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو جو بات معلوم نہ ہو وہ بات نہیں کہنی چاہئے۔ پھر فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر رسول اللہ ﷺ نے یہ بتائی کہ تمہارا خاتمہ اسلام پر ہوگا۔

یہ بات آپ نے انکساری کی وجہ سے فرمائی، ورنہ اوپر گزر چکا ہے کہ معاذ بن جبل فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ الفاظ سنے ہیں کہ۔

”انه عاشر عشرة الجنة“

اسی طرح کی ایک روایت سعد بن عبادہ سے بخاری میں ہے:

”ما سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاحد یمشی علی الارض

انه من اهل الجنة الا لعبد اللہ ابن سلام“<sup>۲</sup>

”موجودہ لوگوں میں میں نے عبد اللہ بن سلام کے علاوہ کسی کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے یہ

کہتے نہیں سنا ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں۔“

۱۔ مسند۔ جلد ۵۔ ص ۲۸۶ ۲۔ اس روایت میں اشکال یہ ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی بعض لوگ ہیں جن کو زندگی ہی میں بشارت دے دی گئی تھی اور اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ صرف عبد اللہ بن سلام ہی اس فضل کے مستحق ہیں۔ حافظ ابن حجر نے اس اشکال کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ ان میں سب سے صحیح بات یہ ہے کہ سعد بن عبادہ نے دوسرے حضرات کی وفات کے بعد یہ کہا تھا۔ سعد بن عبادہ خود انہی مبشرین میں ہیں، لیکن انہوں نے انکساری سے اپنا نام نہیں لیا۔

ایک مرتبہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر لارہے تھے۔ لوگوں نے کہا آپ کو خدا نے اس سے مستغنی کیا ہے۔ فرمایا۔ یہ ٹھیک ہے، لیکن میں اس سے کبر و غرور کا قلع قمع کرنا چاہتا ہوں۔<sup>۱</sup>

۱۶ | اس خاکساری و تواضع کے ساتھ حق و صداقت کا جوش بھی بے اندازہ تھا۔ فرماتے تھے کہ تم کو ایک بار قریش سے لڑائی پیش آئے گی، اس وقت اگر مجھ کو قوت نہ ہو تو تخت پر بٹھا کر مجھ کو فریقین کی صفوں کے درمیان رکھ دینا۔<sup>۲</sup>

## (۴۳) حضرت عبدالرحمن بن زبیر

نام و نسب : عبدالرحمن نام ہے۔ باختلاف روایت<sup>۳</sup> پورا سلسلہ نسب یہ ہے : عبدالرحمن بن زبیر ابن باطیاء القرظی۔ یہود کے قبیلہ بنو قریظہ سے تھے۔

اسلام : یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کب اسلام لائے۔

کتب حدیث میں یہ واقعہ درج ہے :

حضرت رفاعہؓ نے اپنی بیوی کی طلاق دیدی تھی۔ جن سے عبدالرحمن بن زبیر نے شادی کر لی۔ مگر حضرت عبدالرحمنؓ کی کچھ طبعی قوت کی کمزوری کی وجہ سے نباہ نہ ہو سکا۔ تمیمیہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور علیحدگی کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کچھ باتیں دریافت کی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ حلالہ کی شرط جب تک پوری نہ ہو جائے گی، اس وقت تک تم کو علیحدگی کا اختیار نہیں ہے۔ اس کے کچھ روز بعد پھر وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں، مگر آپ ﷺ نے پھر بھی علیحدگی کی اجازت نہیں دی۔ پورا واقعہ حضرت رفاعہؓ کے تذکرہ میں آچکا ہے۔

وفات : آپ کی وفات کی اگرچہ کوئی تصریح نہیں ملتی، مگر حضرت رفاعہؓ کے حالات میں گزر چکا ہے کہ تمیمیہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ تک چاہتی رہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن زبیر سے علیحدگی ہو جائے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ غالباً حضرت عبدالرحمنؓ عہد فاروقی تک زندہ رہے۔ واللہ اعلم

اس آیت کا شان نزول آپ ہی کے نکاح کا واقعہ ہے :

۱۔ تذکرہ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۲۳ ۲۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۳۹۶

۳۔ ابن مندہ نے آپ کا سلسلہ نسب یہ لکھا ہے : عبدالرحمن بن زبیر بن یزید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن مالک بن اوس۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوس تھے۔ مگر حافظ ابن حجر نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ زبیر بن باطیاء تو بنو قریظہ کے مشہور و معروف لوگوں میں ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ قبیلہ اوس کے وہ جتنی ہوں اور اس حیثیت سے اوس بھی مشہور ہو گئے ہوں۔ (اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۹۸ و اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۸۶)

”فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ“۔  
 ”پس جب تک دوسرا شوہر نکاح نہ کرے دوسرا نکاح جائز نہیں ہے۔“

## (۴۴) حضرت عداس رضی

عداس نام ہے۔ شیبہ بن ربیعہ کے غلام تھے۔ نینوا کے مشہور مقام موصل کے کسی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ مذہباً عیسائی تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ اہل طائف کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے طائف تشریف لے گئے اور ان لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ بدسلوکی کی اور وہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں شیبہ اور عقبہ نے جو آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھ رہے تھے، عداس کو انگور کے کچھ خوشے دے کر آپ ﷺ کے پاس بھیجا۔ جب عداس آپ ﷺ کے پاس انگور لائے تو آپ ﷺ نے بسم اللہ فرمایا اور لے لیا۔

حضرت عداس نے تعجب سے کہا کہ یہ تو ایک نیا طرز کلام سن رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کہاں کے رہنے والے ہو۔ عداس نے بتایا کہ نینوا کا رہنے والا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، جہاں کے حضرت یونس رہنے والے تھے۔ عداس نے کہا کہ آپ ﷺ کو کیسے معلوم ہوا کہ یونس کون ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔<sup>۱</sup>

اسلام : عداس نے نبوت کے یہ آثار و صفات دیکھ کر آپ ﷺ کے دست مبارک اور پیروں کا بوسہ لیا اور کہہ اٹھے :

”اشهد انک عبد الله ورسوله“<sup>۲</sup>

”میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

شیبہ و عقبہ دور سے حضرت عداس کی یہ کیفیت دیکھ رہے تھے۔ جب وہ واپس ہوئے تو انہوں نے کہا کہ تم نے دست بوسی کیوں کی۔ حضرت عداس نے کہا کہ یہ دنیا کے بہترین شخص ہیں۔ یہ سن کر دونوں نے کہا کہ کہیں وہ تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ نہ کر دیں۔ تمہارا دین ان کے دین سے بہتر ہے۔ (البدایہ۔ جلد ۳)

۱ اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۴۶۶ ۲ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۰ ایک روایت میں ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم فرمایا۔

۳ اصابہ۔ جلد ۲ ص ۴۶۶

زرقاتی۔ ص ۲۵۶

بدر کے روز جب دونوں طرف سے تیاریاں ہو رہی تھیں تو حضرت عداسؓ ایک ٹیلہ پر بیٹھ گئے۔ جب شیبہ اور ربیعہ ادھر سے گزرے تو آپ نے ان دونوں کا پیر تھام لیا اور فرمایا کہ خدا کی قسم تم لوگ نبی سے لڑنے کے لئے جا رہے ہو۔ تم لوگوں کا بیچ کرواپس آنا بہت مشکل ہے۔ حضرت عداسؓ کو ان دونوں سے ایک گونہ تعلق تھا۔ اس لئے بہت کچھ سمجھایا، مگر وہ نہ مانے تو آپ الگ غمگین ہو کر بیٹھ گئے۔

زندگی کے دوسرے واقعات کا ذکر رجال کی کتابوں میں نہیں ملتا۔

## (۴۵) حضرت عدی بن حاتم

نام و نسب : عدی نام ہے۔ ابو طریف کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : عدی بن حاتم عبداللہ بن سعد بن مشرج بن امراء القیس ابن عدی بن ربیعہ بن جزول بن ثعل بن عمرو بن یغوث بن طے بن اود بن زید بن کہلان۔ عدی مشہور حاتم طائی کے جن کی فیاضیاں ضرب المثل ہیں، بیٹے ہیں۔ عقیدہ کے اعتبار سے عیسائیوں کے رکوی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

عدی کا خاندان مدت سے قبیلہ طے پر حکمران چلا آتا تھا اور ظہور اسلام کے وقت وہ خود تخت فرمانروائی پر تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کو مسلسل فتوحات ہوئیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کا اثر اقتدار اور اسلام کا دائرہ وسیع ہونے لگا اور عدیؓ کو نظر آیا کی کچھ دنوں میں ان کو بھی آنحضرت ﷺ کے سامنے سر اطاعت خم کئے بغیر چارہ کار نہیں رہ جائے گا، تو دوسرے فرمانرواؤں کی طرح ان کی نخوت کو بھی ایک معمولی قریشی کی ماتحتی اور حکومت گوارا نہ ہوئی، لیکن ایک طرف اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کار و کنا ان کے بس سے باہر تھا اور دوسری طرف حکمرانی کا غرور اسلام کے سامنے سر جھکانے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ اس لئے انہوں نے ترک وطن کا فیصلہ کر لیا اور سامان سفر درست کر کے اسلامی فوجوں کی آمد کا انتظار کرنے لگے کہ ادھر وہ ان کی حدود کی طرف بڑھیں ادھر یہ اپنا وطن چھوڑ کر نکل جائیں۔ جب اسلامی شہ سوار قبیلہ طے میں پہنچے تو عدی اپنے اہل و عیال کو لے کر اپنی عیسائی برادری کے پاس شام چلے گئے۔

اتفاق سے عدی کی ایک عزیزہ چھوٹ گئی تھیں۔ وہ مسلمانوں کے ہاتھ آئیں اور عام قیدیوں کے ساتھ ایک مقام پر منتقل کر دی گئیں۔



آنحضرت ﷺ کا ادھر سے گزر ہوا، تو ان خاتون نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! باپ مرچکے ہیں۔ چھڑانے والا اس وقت موجود نہیں۔ مجھ پر احسان کیجئے۔ خدا آپ پر احسان کرے گا۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا، چھڑانے والا کون ہے؟ عرض کیا عدی بن حاتم۔ فرمایا وہی عدی جس نے خدا اور رسول ﷺ سے فرار اختیار کی۔ یہ کہہ کر چلے گئے۔

دوسرے دن پھر گزرے، اسیر خاتون نے پھر یہی درخواست کی اور پھر وہی جواب ملا۔ تیسری مرتبہ اس نے حضرت علیؑ کے مشورے سے درخواست کی۔ اس مرتبہ قبول ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے رہا فرمادیا، لیکن چونکہ بڑے گھر کی عورت تھیں اس لئے ان کے رتبہ اور اعزاز کا لحاظ کر کے ارشاد ہوا کہ ابھی جانے میں جلدی نہ کرو۔ جب تمہارے قبیلہ کا کوئی معتبر آدمی مل جائے تو مجھے خبر کرو۔ چند دنوں بعد قبیلہ بلی اور قضاعہ کے کچھ لوگ مل گئے۔ طائی خاتون نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی۔

آپ نے شایان شان سواری، لباس اور اخراجات سفر کا انتظام کر کے بحفاظت تمام روانہ کیا۔ یہاں سے یہ خاتون براہ راست عدی کے پاس شام پہنچیں اور ان کی نہایت بُری طرح خبر لی کہ تم سے قاطع رحم کون ہوگا۔ اپنے اہل و عیال کو لے آئے اور مجھ کو تنہا چھوڑ دیا۔ عدی نے ندامت اور شرمساری کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ چند دنوں کے بعد عدی نے ان سے پوچھا۔

تم، وشیار اور عاقلہ، جو تم نے اس شخص (آنحضرت ﷺ) کے متعلق کیا رائے قائم کی انہوں نے کہا کہ میری یہ رائے ہے کہ جس قدر جلدی ہو سکے تم ان سے ملو اور اگر وہ نبی ہیں تو ان سے ملنے میں سبقت کرنا شرف و سعادت ہے اور اگر بادشاہ ہیں تو بھی یمن کا ایک باعزت فرمانروا ان کا کچھ نہیں بازسکتا!

یہ منقول بات عدیؓ کی سمجھ میں آگئی۔ چنانچہ وہ شام سے مدینہ آئے اور مسجد نبوی میں آ کر آنحضرت ﷺ سے ملے۔ آپ ﷺ نے ان کا نام پوچھا اور ان کو لے کر شانہ اقدس کی طرف چلے۔ راستہ میں ایک بوڑھی عورت ملی۔ اس نے آپ ﷺ کو روک لیا۔ آپ ﷺ دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے۔ اس کا عدیؓ کے دل پر خاص اثر ہوا اور انہوں نے کہا کہ یہ طرز دنیاوی بادشاہ کا نہیں ہو سکتا۔ گھر پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے بااصرار عدی کو ایک گدے پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھے۔ اس اخلاق کا عدی کے دل پر اور اثر ہوا، اور انہیں یقین ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کسی طرح دنیاوی بادشاہ نہیں ہو سکتے۔

امیر العسکر ثنی کے ساتھ حیرہ کے معرکہ میں شریک ہوئے۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی اور ایرانیوں نے شکست کھائی۔ اس کے بعد نہر ثنی پر صف آرائی، اس میں بھی عدی شریک تھے اور ایرانی ناکام رہے۔ اس کے بعد حیرہ کے معرکہ میں شرکت کی۔ اس میں ثنی کی غلطی سے مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ اس سلسلہ کی سب سے بڑی جنگ قادسیہ میں بھی عدی نے داد شجاعت دی۔

سب سے آخر میں کوٹی اور مدائن پر فوج کشی ہوئی۔ عدی اس میں بھی شریک ہوئے اور مدائن کے فاتحین میں تھے۔ ان کے سامنے کسریٰ کا خزانہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہوتی ہوئی دیکھ لی۔ ان لڑائیوں کے علاوہ تستر اور نہاوند کے معرکوں میں بھی شریک تھے۔ شام کی بعض جنگوں میں بھی وہ حضرت خالد بن ولید کے ہمراہ تھے۔ غرض اس عہد کی اکثر لڑائیوں میں انہوں نے شرکت کی سعادت اور فتوحات حاصل کیں۔

**عہد مرتضوی :** حضرت عثمان غنی کی شہادت کے طرز عمل سے عدی کو اختلاف تھا۔ اس لئے ان کے زمانہ میں بالکل خاموش رہے۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت علی اور دوسرے اکابر صحابہ میں اختلاف ہوا تو عدی نے حضرت علی کی نہایت پر جوش حمایت کی۔ چنانچہ جنگ جمل میں وہ حضرت علی کے ساتھ تھے۔

بصرہ کے قریب جب حضرت علی نے اپنی فوج کو مرتب کیا تو قبیلہ طے کا علم عدی کو عنایت کیا۔ وہ جنگ جمل میں حضرت علی کی حمایت میں نہایت جانبازی کے ساتھ لڑے۔ جس میں ان کی ایک آنکھ کام آگئی۔ جنگ جمل کے بعد صفین میں بھی وہ اسی جوش و خروش کے ساتھ حضرت علی کی حمایت میں نکلے۔ اس جنگ میں بنو قضاء کی کمان حضرت عدی کے ہاتھوں میں تھی۔ صفین کا معرکہ مدتوں جاری رہا۔ شروع میں فریقین کے بہادر ایک ایک دستے لے کر میدان میں اترتے تھے۔ ایک دن حضرت خالد کے صاحبزادے شامیوں کی جانب میدان میں اترے۔ حضرت علی کی جانب سے جناب عدی ان کے مقابلہ کو نکلے اور صبح سے شام تک مقابلہ کرتے رہے۔

ایک دن جبکہ گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اور عراقی فوجیں پر آگندہ ہو رہی تھیں۔ حضرت علی علیہ السلام ایک دستہ کو لئے صف آراء تھے۔ عدی کو حضرت علی کی نظر نہ آئے تو آپ کی تلاش

۱ ابن اثیر۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۱ ۲ اسد الکفاہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۲۹۳ ۳ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۳

۴ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۲۵۷ ۵ ابن اثیر۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۱ ۶ اخبار الطوال۔ ص ۱۵۵ ۷ ایضاً

۸ ایضاً۔ ص ۱۹۸ ۹ ایضاً

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے عدیؓ کے سامنے اسلام پیش کیا۔ انہوں نے لہکے میں تو ایک مذہب کا پیرو ہوں۔ آپ نے فرمایا، میں تمہارے مذہب سے تم سے زیادہ واقف ہوں۔ عدی نے متعجبانہ پوچھا۔ آپ میرے مذہب سے مجھ سے زیادہ واقف ہیں؟ فرمایا، بیشک۔ کیا تم رکومی نہیں ہو۔ اور مال غنیمت کا چوتھا حصہ نہیں لیتے ہو۔ عدیؓ نے اقرار کیا۔ ان کے اقرار کے بعد آنحضرت ﷺ نے اعتراضاً فرمایا کہ یہ تو تمہارے مذہب میں جائز نہیں ہے۔ یہ حقیقت سن کر عدی کمزور پڑ گئے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا، میں سمجھتا ہوں کہ کیا چیز تمہارے اسلام قبول کرنے میں مانع ہوتی ہے؟

اسلام کے متعلق تمہارا خیال ہوگا کہ اس کے پیرو کمزور اور ناتواں لوگ ہیں جن کے پاس نہ کوئی طاقت ہے اور نہ کوئی پُرساں حال۔ پھر پوچھا، تم حیرہ کو جانتے ہو۔ عدی نے کہا دیکھا تو نہیں ہے، لیکن نام سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ ایک دن خدا اسلام کو تکمیل کے درجہ تک پہنچائے گا اور (اس کی برکت سے) ایک تنہا عورت بلا کسی حفاظت کے حیرہ سے آکر کعبہ کا طواف کرے گی اور کسریٰ بن ہرمز کا خزانہ فتح ہوگا۔ عدی نے استعجاباً پوچھا کسریٰ بن ہرمز! فرمایا، ہاں! کسریٰ بن ہرمز، اور مال کی اتنی فراوانی ہوگی کہ لوگوں کو دیا جائے گا اور وہ لینے سے انکار کریں گے۔ اس گفتگو کے بعد عدیؓ آنحضرت ﷺ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہو گئے۔<sup>۱</sup>

امارت : آنحضرت ﷺ ہر نئے مسلمان سے اس کے رُتبہ کے مطابق کام لیتے تھے اور اسلام سے پہلے جن کا جو رُتبہ تھا، اس کو اسلام کے بعد برقرار رکھتے تھے۔ عدیؓ قبیلہٴ طے کے حکمران تھے۔ اس لئے اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو طے کی امارت پر ممتاز فرمایا۔<sup>۲</sup>

عہدِ صدیقی : حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں جب ارتداد کا فتنہ اُٹھا تو بہت سے عرب قبائل نے زکوٰۃ دینی بند کر دی۔ اس موقع پر عدیؓ کی کوششوں سے ان کا قبیلہ اس فتنہ سے محفوظ رہا۔ اور عدیؓ برابر زکوٰۃ وصول کر کے دربارِ خلافت میں پہنچاتے رہے۔<sup>۳</sup>

عہدِ فاروق : ۳ھ میں جب حضرت عمر فاروقؓ نے عراق کی فتوحات کی تکمیل کے لئے تمام ممالک محروسہ سے فوجیں طلب کیں تو عدیؓ بھی اپنے قبیلہ کے آدمیوں کو لے کر شرکتِ جہاد کے لئے پہنچے اور

۱۔ رکومی عیسائی مذہب کا ایک فرقہ ہے۔  
 ۲۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۴۵۷۔ مسند میں یہ حالات  
 ۳۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۸۷۔  
 ۴۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۶۔

ضرورت نہیں پڑی۔ ہر وقت نماز میں دل لگا رہتا تھا اور نہایت اشتیاق سے نماز کا انتظار کرتے تھے۔<sup>۱</sup>  
روزہ کے شرائط کی اسی سختی سے پابندی کرتے تھے کہ جب یہ آیت :

”حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ“

”یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لئے سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے۔“

نازل ہوئی تو سوتے وقت سفید و سیاہ عقالی تکیہ سر کے نیچے رکھ لیتے تھے اور اس سے سحری کے وقت کا اختتام کا اندازہ لگاتے تھے، لیکن سیاہی اور سفیدی میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے ہنس کر فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے، تمہارا تکیہ بہت لمبا چوڑا ہے۔ اسود و ابیض سے مراد رات دن ہیں۔<sup>۲</sup>

**فیاضی :** سخاوت و فیاضی روایت ملی تھی۔ ان کا دروازہ ہر وقت ہر شخص کے لئے کھلا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اشعث بن قیس نے دیکھیں مانگ بھیجیں، حضرت عدیؓ نے انہیں بھر دیا اور بھیجا۔ اشعث کے کہلا بھیجا کہ میں نے تو خالی مانگی تھیں۔ جواب میں کہلا بھیجا کہ میں عاریہ بھی خالی دیک نہیں دیتا۔<sup>۳</sup>

ایک مرتبہ ایک شاعر سالم بن عارہ نے آکر کہا، میں نے آپ کی مدح اشعار کہے ہیں۔ حضرت عدیؓ نے کہاڑک جاؤ، میں ذرا اپنے مال و اسباب کی تفصیل تو تمہیں بتلا دوں، اس کے بعد سنانا۔ میرے پاس ایک ہزار بچے والے مویشی دو ہزار درہم ۳ غلام اور ایک گھوڑا ہے اس کے بعد شاعر نے مدحیہ قصیدہ سنایا۔<sup>۴</sup>

جو شخص ان کے رتبہ سے کم سوال کرتا اسے نہ دیتے تھے۔ صحیح مسلم میں بروایت صحیح مروی ہے کہ ایک شخص نے سو درہم کا سوال کیا۔ اتنی کم رقم کا سن کر بولے میں حاتم کا بیٹا ہوں اور تم مجھ سے صرف سو درہم مانگتے ہو۔ خدا کی قسم ہرگز نہ دوں گا۔<sup>۵</sup>

ان کی فیاضی سے انسان تو انسان حیوان تک مستفید ہوتے تھے۔ چیونٹیوں کی غذا مقرر تھی۔ ان کے لئے روٹیاں توڑ کر ڈالتے تھے، کہتے تھے کہ یہ بھی حقدار ہیں۔<sup>۶</sup>

**بارگاہِ نبوت میں عزت :**

حضرت عدیؓ اپنے ذاتی اور خاندانی فضائل کی وجہ سے بڑی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تو آپ ان کے لئے جگہ خالی کر دیتے۔<sup>۷</sup> خلفا کے

۱۔ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۲۸	۲۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۶	۳۔ ابوداؤد کتاب الصوم باب وقت السحور
۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۳	۵۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۶	۶۔ مسلم۔ جلد ۲۔ ص ۲۲ مصر مطبوعہ مصر
۷۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۹۳	۸۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۷	

میں نکلے اور ڈھونڈ کر عرض کیا کہ اگر آپ صحیح و سالم ہیں تو معرکہ سر کر لینا کچھ دشوار نہیں ہے۔ میں آپ کی تلاش میں لاشوں کو روندتا ہوا آپ تک پہنچا ہوں۔ اس دن سب سے زیادہ ثابت قدمی عدیؓ نے دکھائی تھی۔ ان کا ماتحت دستہ ربیعہ اس بہادری سے لڑا کہ حضرت علیؓ کو کہنا پڑا کہ ربیعہ میری زرہ اور تلوار ہیں۔<sup>۱</sup>

صفین کے بعد نہروان کا معرکہ گرم ہوا۔ اس میں بھی عدیؓ حضرت علیؓ کے دست راست تھے۔ غرض شروع سے آخر تک وہ برابر حضرت علیؓ کے جانثارانہ شریک رہے۔<sup>۲</sup>

وفات : مختار ثقفی کے خروج تک عدیؓ کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ اس اعتبار سے وہ جنگ صفین کے بعد ۳۰ سال تک زندہ رہے، مگر اس میں سالہ زندگی کے واقعات پر درخفا میں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے فدائیوں میں تھے، اور آپ کے بعد انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوفہ میں عزلت کی زندگی بسر کرتے تھے اور یہیں ۶۶ھ میں وفات پائی۔<sup>۳</sup>

فضل و کمال : عدیؓ گو آخری زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ تاہم چونکہ وہ آنحضرت ﷺ اور شیخینؓ کے پاس برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ خصوصاً حضرت علیؓ سے ان کے تعلقات بہت زیادہ تھے۔ اس لئے وہ مذہبی علوم سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ ان کی ۶۶ روایتیں حدیث کی کتابوں موجود ہیں۔

ان میں سے چھ (۶) متفق علیہ ہیں اور تین (۳) امام بخاریؒ اور دو (۲) میں امام مسلم منفرد ہیں۔<sup>۴</sup> ان کے تلامذہ میں عمرو بن حریث، عبداللہ بن معقل، تمیم بن طرفہ، خثیمہ بن عبدالرحمن، محل بن خلیفہ طائی، عامر الشیبی، عبداللہ بن عمرو، ہلال بن منذر، سعید بن جبیر، قاسم عبدالرحمن، عبادہ بن حبش وغیرہ قابل ذکر ہیں۔<sup>۵</sup> علامہ ابن عبدالبرؒ نے ان کمالات کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے :

”کان سیداً شریفاً فی قومہ خطیباً حاضر الجواب فاضلاً کریماً“<sup>۶</sup>

”وہ اپنی قوم کے معززین میں تھے خطیب، حاضر جواب، فاضل اور کریم تھے۔“

مذہبی زندگی : یوں تو عدیؓ کی پوری زندگی خانص مذہبی زندگی تھی، لیکن نماز اور روزوں کے ساتھ شغف تھا۔ نماز کے لئے یہ اہتمام تھا کہ ہر وقت با وضو رہتے تھے۔ کبھی اقامت کے وقت وضو کی

۱۔ اخبار الطولی۔ ص ۱۹۸

۲۔ استیعاب۔ جلد ۳۔ ص ۵۱۷

۳۔ اخبار الطولی۔ ص ۱۹۸

۴۔ اخبار الطوال۔ ص ۱۹۸

۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۱۶۷

۶۔ تہذیب الکمال۔ ص ۲۶۳

یہاں بھی یہی وقعت قائم تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں مدینہ آئے اور ان سے مل کر پوچھا، آپ نے مجھے پہچانا۔ فرمایا، پہچانتا کیوں نہیں، تم اس وقت ایمان لائے، جب لوگ کفر میں مبتلا تھے۔ تم نے اس وقت حق کا جانا۔ لوگ حق کے منکر تھے اور تم نے اس وقت وفا کی کی جب لوگ دھوکہ دے رہے تھے اور تم اس وقت آئے جب لوگ پیٹھے پھیر رہے تھے۔ سب سے پہلا صدقہ جس نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے چہروں کو بشاش کیا وہ تمہارے قبیلہ کا تھا۔

## (۴۶) حضرت عطیہ القرظیؓ

نام و نسب : نام عطیہ ہے۔ باپ کے نام کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی۔ قبیلہ بنو قریظہ کے یہود تھے۔<sup>۱</sup>

اسلام : بنو قریظہ کے روز جو لوگ نابالغ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے، ان میں حضرت عطیہؓ بھی تھے۔<sup>۲</sup>

زندگی کے عام حالات اور وفات کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی۔

علم و فضل : کتب احادیث میں آپ کی ایک روایت مجاہد عبد الملک بن عمیرہ وغیرہ کے واسطے سے مروی ہے۔<sup>۳</sup>

## (۴۷) حضرت علی بن رفاعؓ

نام و نسب : علی نام ہے۔ رفاعؓ صحابی کے صاحبزادے اور نسباً یہودی تھے۔<sup>۴</sup>

اسلام اور شرف صحبت :

غالباً اپنے والد حضرت رفاعؓ کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے۔ اپنے والد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے، ان میں میرے والد بھی تھے۔ اسی روایت کی بنا پر صاحب تجرید اور ابو موسیٰ وغیرہ کا خیال ہے کہ ان کو شرف صحبت حاصل نہیں ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ ابو حاتمؒ نے ایک روایت نقل کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحابی ہیں۔ وہ روایت یہ ہے :

۱۔ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۲۲۹ خیف تغیر کے ساتھ یہ روایت بخاری کتاب المغازی میں بھی ہے۔

۲۔ استیعاب۔ ص ۵۱۸ ۳۔ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۴۱۳ ۴۔ ایضاً ۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۵

عمر کہتے ہیں کہ مجھے طاؤس نے لکھا کہ مخابرہ<sup>۱</sup> کے متعلق انصار سے دریافت کرو۔ میں نے علی بن رفاع سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا : کہ

”ہو کراً الارض بالثلث او الربع“۔

”مخابرہ نام ہے زمین کو تہائی یا چوتھائی پیداوار اٹھانے کا“۔

علم و فضل : مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دینی مسائل اور احکام میں کافی درک تھا اور لوگ ان سے مسائل پوچھتے تھے۔

## (۴۸) حضرت عمرو بن سعدی

نام و نسب : عمرو نام ہے۔ باپ کا نام سعدی تھا۔ قبیلہ قریظہ سے نسبی تعلق تھا۔ اسلام : بنو قریظہ جس روز جلاوطن کئے گئے، آپ یہود کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اے یہود تم لوگوں نے محمد ﷺ سے نقض عہد کیا ہے، ان سے غداری کی، ان سے تم نے معاہدہ کیا تھا کہ ان کے دشمنوں کی مدد نہ کرو گے۔ مگر تم نے اس کی خلاف ورزی کی۔ میں نے اس وقت بھی گریز کیا تھا اور اب بھی تم سے بالکل علیحدہ ہوں<sup>۲</sup>۔

البدایہ والنہایہ میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا : کہ

”یا قوم رایتہ مار ایتہ فاتبعونی وتعالوا انتبع محمدنا واللہ انکم

تعلمون انہ نبی قد بشرنا بہ و باہرہ ابن الہیمان وعمیر . ابن

الحراش ہوا علم یہود“<sup>۳</sup>۔

”اے قوم جو کچھ پیش آیا، وہ تم دیکھ چکے۔ اب آؤ محمد ﷺ کا اتباع کریں۔ خدا کی قسم تمہیں

معلوم ہے کہ ابن الہیمان اور ابن الحراش جو ہم سب سے بڑے عالم تھے ان کی آمد اور اس

واقعہ کی خبر دے چکے تھے“۔

اس کے بعد وہ مسجد میں آئے اور رات وہیں بسر کی اور اسلام قبول کیا اور پھر دوسرے دن

مدینہ سے باہر کہیں چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

<sup>۱</sup> مزارعہ اور مخابرہ میں فرق ہے۔ مزارعہ میں بیج مالک کا ہوتا ہے اور مخابرہ میں عامل کا۔ دوسرا فرق صاحب مجمع بحار الانوار

نے یہ بیان کیا ہے : مزارعہ اکثر اکثر العائل ہے۔ بعض یخرج والنجارہ اکثر العائل الارض بعض یخرج۔ جلد ۱۔ لفظ

”خبر“ یہ لفظ خبار یا خبر سے مشتق ہے۔ ۲ حصہ۔ جلد ۲۔ ص ۵۲۸ ۳ البدایہ۔ جلد ۴۔ ص ۸۰

”ذالک رجل نجاه الله بصدقه“<sup>۱</sup>۔

”اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اس کی سچائی کی وجہ سے نجات دی۔“

## (۴۹) حضرت عمیر بن اُمیہ

نام و نسب : عمیر نام ہے۔ باپ کا نام اُمیہ تھا۔ پورا سلسلہ نسب معلوم نہیں۔ ذیل کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ یہودی تھے۔

ان کی ایک بہن تھی جو رسول اللہ ﷺ کو مختلف طریقہ سے تکلیف دیتی تھی اور سخت وست کہا کرتی تھی۔ حضرت عمیرؓ کو ایک روز بہت غصہ آیا اور چپکے سے اسے قتل کر دیا۔ جب اس کے لڑکوں کو خبر ہوئی تو بہت برہم ہوئے اور آپ کے بجائے ایک دوسرے شخص کو قاتل سمجھ کر اس سے بدلہ لینا چاہا۔ حضرت عمیرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے قتل کیا ہے۔ فرمایا، اپنی بہن کو قتل کر ڈالا؟ کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ! وہ آپ کو بہت تکلیف دیا کرتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لڑکوں کو بلوایا اور واقعہ پوچھا۔ انہوں نے ایک اور شخص کا نام لیا۔ لیکن آپ نے انہیں عمیرؓ کا نام بتلادیا اور ان کو سمجھا بجھا کر معاملہ رفع دفع کر دیا۔

جس عورت کو انہوں نے قتل کیا تھا، اس کے متعلق تصریح ہے کہ وہ یہودیہ تھی<sup>۲</sup>۔ اور چونکہ وہ آپ کی بہن تھی، اس لئے آپ بھی یہودی رہے ہوں گے۔ واللہ اعلم

(ک)

## (۵۰) حضرت کثیر بن السائبؓ

نام و نسب : کثیر نام ہے۔ باپ کا نام سائب تھا، جو خاندان قریظہ سے تھے۔ غزوہ قریظہ میں جو لوگ نابالغ سمجھ کر چھوڑ دیئے گئے تھے۔ ان میں حضرت کثیرؓ بھی تھے۔ نسائی نے ان سے صرف ایک روایت کی ہے۔ لیکن ابو نعیم اور ابن مندہ وغیرہ نے متعدد روایتوں کی تصریح کی ہے<sup>۳</sup>۔ زندگی کے اور حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

۱ اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۵۳۸ ۲ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۴۰ ۳ بعض لوگوں نے ان کو زمرہ تابعین میں شمار کیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابو نعیم ابن شاہین اور ابن مندہ وغیرہ کے اقوال نقل کئے ہیں۔ جن سے آپ کا صحابی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اللہ اعلم بالصواب ۴ اصابہ ذکر کثیر بن السائب۔



## (۵۱) حضرت کرز رضی بن علقمہ

نام و نسب : کرز یا کوز نام ہے۔ باپ کا نام علقمہ تھا۔ آپ کا نسب تعلق بکر بن وائل سے تھا۔ آپ نے اپنے بھائی ابو حارثہ کے ساتھ نصرانیت قبول کر لی تھی اور نجران میں مقیم ہو گئے تھے۔ اس لئے نجرانی مشہور ہیں۔<sup>۱</sup>

اسلام : جب نجران کے عیسائیوں کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ آیا تو اس میں آپ کا بھائی ابو حارثہ بن علقمہ بھی تھا۔ دونوں بھائی ایک ہی سواری پر سوار تھے۔ راستہ میں جب کہیں سواری کو ٹھوکر لگتی تو کرز کہتے کہ نفس الا بعد (دور رہنے والے محمد ﷺ) کا بُرا ہو۔ ابو حارثہ نے کہ سنا تو کہا کہ تمہارا بُرا ہو۔ کرز نے بھائی سے کہا ایسا کیوں کہتے ہیں بھائی نے جواب دیا : کہ

”قدو الله النبی الذی کنا ننظره۔“

”خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جس کا ہم لوگ انتظار کر رہے تھے۔“

پھر کرز نے کہا، تو تم ان کا اتباع کیوں نہیں کرتے ہو؟ ابو حارثہ نے کہا کہ یہ مال و دولت اور عزت و عظمت جو کچھ حاصل ہے سب چھن جائے گی۔ ابو حارثہ کا یہ جملہ حضرت کرز کے دل میں نور یقین پیدا کر دینے کا سبب ہو گیا۔ اس وقت تو وہ خاموش رہے مگر کچھ روز کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔<sup>۲</sup>

متاخر الاسلام تھے۔ اس لئے زندگی کے زیادہ تر واقعات پردہ اخفا میں ہیں۔

## (۵۲) حضرت کعب بن سلیم

نام و نسب : کعب نام ہے۔ باپ کا نام سلیم تھا۔ یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے تھے۔ چونکہ قریظہ اوس کے حلیف تھے۔ اس لئے کعب قرظی اور اوسی دونوں مشہور ہیں۔

اسلام : بنو قریظہ کے روز جو لوگ نابالغ سمجھے کر چھوڑ دیئے گئے تھے، ان میں حضرت کعب بھی تھے اور اپنے دوسرے احباب کی طرح بعد میں دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

وفات : وفات کا سنہ معلوم نہیں۔

نام میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کرز اور بعض لوگوں نے کوز لکھا ہے۔

اولاد : دینی و مذہبی فضل و کمال کے علاوہ آپ کا اضافی فضل یہ ہے کہ محمد بن کعب القرظی مشہور تابعی آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔<sup>۱</sup>

(۴)

### (۵۳) حضرت محربؓ

نام و نسب : محرب نام ہے۔ الرباب الشنی مشہور عیسائی کاہن کے لڑکے تھے۔  
صاحبِ اصابہ نے آپ کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔<sup>۲</sup>  
رسول اللہ ﷺ نے آپ کو عمان کے والی ابن الجندی کے پاس بطور سفیر بھیجا تھا۔<sup>۳</sup>  
آپ کے ایک صاحبزادے ثنی بڑے صاحبِ فضل و کمال ہوئے ہیں۔<sup>۴</sup>

### (۵۴) حضرت محمد بن عبد اللہ بن سلام

نام و نسب : محمد نام ہے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام کے صاحبزادے تھے۔  
اسلام : آپ کے اسلام لانے کی کوئی تصریح نہیں ملتی ہے۔ غالباً حضرت عبد اللہ بن سلام کے ساتھ اسلام لائے ہوں۔ آپ کو شرفِ صحبت اور روایت دونوں حاصل ہیں۔  
کتب رجال میں ہے : کہ

”لہ روایۃ وروایۃ محفوظۃ“<sup>۵</sup>

”ان کو صحبت اور روایت دونوں حاصل ہیں۔“

مسند میں آپ سے دو روایتیں مروی ہیں۔ ان میں ایک روایت بہت مشہور ہے۔

وہ یہ ہے :

”عن محمد بن عبد اللہ بن سلام لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علینا یعنی قبلاً قال ان اللہ عزوجل قد انشی علیکم فی الطہور“

وفات اور زندگی کے دوسرے حالات کتب رجال مذکور نہیں ہیں۔

## (۵۵) حضرت مخزقؓ

نام و نسب : مخزق نام ہے۔ قبیلہ نصیر<sup>۱</sup> سے نسب تعلق تھا۔ آپ کا شمار علمائے یہود میں تھا۔

اسلام : اسلام قبول کرنے کے معلق کتب رجال و سیر میں صرف اتنا مذکور ہے :

”کان خیراً عالماً فامن بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم“<sup>۲</sup>۔

”نہایت صالح اور عالم تھے۔ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے۔“

غزوہ احد میں شرکت اور شہادت :

غزوہ احد پیش آیا تو حضرت مخزقؓ یہود مدینہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ تم لوگوں کو محمد (ﷺ) کی ہر طرح مدد کرنی چاہئے۔ جبکہ تمہیں یہ علم ہے کہ ان کی مدد تم پر ضروری ہے۔ یہود نے کہا آج یوم سبت (سینچر) ہے۔ ہم کیسے تلوار اٹھا سکتے ہیں فرمایا، سبت وغیرہ کیا چیز ہے؟ فوراً تلوار ہاتھ میں لی اور سر بکف خدمت نبی میں حاضر ہوئے اور تمام مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر پامردی سے لڑے اور شہادت پائی<sup>۳</sup>۔

فضل و کمال : آپ نے جب شہادت پائی تو آنحضرت نے فرمایا : کہ

”مخرج سائق یهود“<sup>۴</sup>۔

”مخزق یہود میں سب سے آگے جانے والے ہیں۔“

مدینہ میں آپ کے کئی باغات تھے۔ جب غزوہ احد میں آپ زخمی ہوئے تو اپنی ساری جائیداد اور مال و اسباب آنحضرت ﷺ کو وصیت کر گئے۔ آپ نے جو باغات آنحضرت ﷺ کو دیئے، ان کے نام یہ ہیں :

المیث، الصائفہ، الدلال، حسن، اجرفہ، الاعواف، مشربہ ام براہیم<sup>۵</sup>۔

حضور ﷺ مخزق کی اسی جائیداد سے عام مسلمانوں کی مدد اور صدقات وغیرہ کیا

کرتے تھے<sup>۶</sup>۔

۱۔ تجرید۔ جلد ۲۔ ص ۷۰ اصابہ میں ہے کہ انہ کان بقایا بنی قینقاع مگر حافظ ابن حجر کا رجحان آپ کے نصری ہونے کی طرف ہے۔ کیونکہ انہوں نے ”مخزق النصری“ سرخی قائم کی ہے۔ ۲۔ تجریدی۔ جلد ۲۔ ص ۷۰

۳۔ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۳ ۴۔ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۳ ۵۔ ایک روایت میں المیث کے بجائے المیثر ہے اور

الاعواف کی جگہ المعوال ہے۔ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۳ ۶۔ ایضاً

## حضرت میمون بن یامین (۵۶)

نام و نسب : میمون نام ہے۔ باپ کا نام یامین تھا۔ یہود کے مشہور قبیلہ قریظہ سے تھے۔ اسلام لانے سے پہلے اپنے قبیلہ میں بہت ممتاز تھے اور آپ کا شمار احبار یہود میں تھا۔

اسلام : رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو میمون خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ لیکن دل میں یہ تڑپ تھی کہ ان کی قوم سے دوسرے لوگ بھی اس دولتِ سرمدی و سعادتِ ابدی سے بہرہ ور ہوتے تو اچھا تھا۔

آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ یہود کو بلوائیں اور ان سے فرمائیں کہ وہ آپ کے اور اپنے درمیان کوئی حکم مقرر کر لیں۔ جس کے فیصلہ پر دونوں فریق گرجھکا دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہود کو بلوایا اور میمون سے کہا تم مکان کے اندر چلے جاؤ۔

یہود آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اور میرے درمیان ایک حکم مقرر کر لو۔ جس کی تصدیق و عدم تصدیق کے فیصلہ پر ہم دونوں سر جھکا دیں۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم میمون بن یامین کو اپنا حکم مقرر کرتے ہیں۔ اگر انہوں نے آپ کی تصدیق کر لی تو ہم بھی تصدیق کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے میمون کو آواز دی۔ وہ مکان سے باہر نکلے اور فرمایا :

”اشھد ان محمدًا رسول اللہ“

”آپ بے شک اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔“

لیکن یہود نے قبولِ حق کے بجائے حضرت میمونؓ پر طعن و تشنیع شروع کر دی اور واپس

چلے گئے۔

آپ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی :

”قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَتْ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ ۗ، وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ

بَنِي إِسْرَائِيلَ“

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۴۲۷ ۲۔ لیکن یہ واقعہ ابابرجال حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں بھی نقل کرتے ہیں اور آیت کا شانِ نزول ان ہی کو بتلاتے ہیں۔ مگر اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو اور دونوں منشاءِ نزول ہوں۔ جیسا کہ فتح الباری میں دونوں آدمیوں کے قبولِ اسلام کا واقعہ اس آیت کے تحت درج ہے۔ (اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۴۷۱، اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۴۲۷)

”آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھ کو بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن من جانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان لے آئے۔“  
زندگی کے بقیہ حالات کے متعلق ارباب رجال خاموش ہیں۔

## (۵۷) حضرت مابورؓ

نام و نسب : مابور نام ہے۔ اور خصی عرف تھا۔ حضرت ماریہؓ کے چچا زاد یا ماموں زاد بھائی تھے اور ان ہی کے ساتھ مقوقش شاہ مصر نے انہیں بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تحفہ بھیجا تھا۔  
اسلام : حضرت ماریہؓ اور ان کی بہن حضرت سیرینؓ نے تو شروع ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن مابور نے کچھ دنوں کے بعد اسلام قبول کیا۔ حضرت ماریہؓ سے بہت زیادہ مانوس تھے اور ان کی کافی خدمت کیا کرتے تھے۔ ان کو لکڑی اور پانی وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو اکثر یہی مہیا کیا کرتے تھے۔

(ن)

## (۵۸) حضرت نافعؓ

نام و نسب : نافع نام ہے۔ حبشہ کے رہنے والے اور علمائے نصاریٰ میں تھے۔  
اسلام : غالباً اپنے دوسرے احباب کے ساتھ حبشہ میں اسلام لائے۔  
خدمت نبوی ﷺ میں حاضری :

جب مہاجرین حبشہ سے مدینہ واپس آنے لگے تو آپ بھی مدینہ آئے، اور زیارت نبوی سے مشرف ہوئے۔

زندگی کے دوسرے سوانح و حالات نہیں مل سکے۔ لیکن آپ کا شمار بھی ان صحابہ میں ہے، جن کے بارے میں سورہ مائدہ کی یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔

”وَلْتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةَ لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي ذَلِكَ

بِأَنَّ مِنْهُمْ قَسِيصِينَ وَرُهَبَانًا وَأَنَّ لَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ“ - (مائدہ)

۱۔ اصحابہ۔ جلد ۳۔ ص ۴۳۴ ۲۔ ایضاً۔ جلد ۴۔ ذکر ماریہ ۳۔ ایضاً  
۴۔ آپ کے ساتھ اور کئی آدمی حبشہ سے آئے تھے۔ جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ ان ہی کے تذکرہ میں آپ کے فضائل اور حالات بھی آچکے ہیں۔

”دوستی رکھنے کے قریب تر آپ ان لوگوں کو پائیں گے، جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم ہیں اور بہت سے تارک دنیا درویش ہیں، اور اس سبب سے ہے کہ لوگ متکبر نہیں ہیں۔“

(۵)

## (۵۹) حضرت یامین بن عمیر

نام و نسب : یامین نام ہے۔ باپ کے نام میں تھوڑا سا اختلاف ہے اور بعضوں نے باپ کا نام بھی یامین ہی لکھا ہے، مگر عام ارباب رجال کا رجحان عمیر ہی کی طرف ہے۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے : یامین بن عمیر بن کعب بن عمرو بن جاش، بنو نضیر سے نسبی تعلق تھا۔

اسلام : یہود مدینہ کی مسلسل سازشوں، شرارتوں، کبادیوں اور منافقوں کے باوجود آنحضرت ﷺ عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔ مگر جب پانی سر سے اونچا ہو گیا ان کے یکے بعد دیگرے سرزنش شروع کر دی گئی۔ بنی قینقاع کے بعد جب بنو نضیر نے بد عہدگی کی اور رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش شروع کر دی تو ان کو مدینہ چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا۔

امید تھی کہ اس سزا کے بعد وہ اپنے گذشتہ اعمال سے تائب ہو کر غلامان نبی میں شامل ہو جائیں گے، مگر ان کج فطرتوں نے جس طرح پہلے روز قبول حق سے گریز کیا تھا، اسی طرح آخر وقت تک گریز کرتے رہے۔ لیکن ان ہی کج فطرتوں میں کچھ نیک فطرت بھی تھے، جن کے دل میں قبول حق کی کسی قدر صلاحیت باقی تھی۔

انہوں نے جب دیکھا کہ اسلام کی صداقت کے لئے مزید ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہی تو فوراً اسلام قبول کر لیا اور اپنی قوم کا ساتھ چھوڑ دیا کہ وہ دیدہ دانستہ راست سے بھاگ رہے تھے۔ ان ہی مسلمان ہونے والوں میں حضرت یامین بن عمیر بھی تھے۔

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۵۹ (ایضاً استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۳۶) حافظ ابن حجر نے یامین بن عمیر اور یامین بن عمیر کو دو شمار کیا ہے اور دونوں کا ترجمہ الگ الگ لکھا ہے۔ مگر صاحب اسد الغابہ اور صاحب استیعاب نے دونوں کو ایک شمار کر کے ایک ترجمہ لکھا ہے۔ ۲۔ ابن ابی عمیر نے یہود مدینہ کو وصیت کے طور پر لکھا تھا کہ عنقریب ایک نبی مدینہ میں ہجرت کر کے آئے گا۔ اگر تم نے اس کا اتباع نہ کیا تو بہت سے مصائب پیش آئیں گے، جس میں ایک جلا وطنی ہے۔

نبی ﷺ کے دشمن سے بدلہ :

عمر بن حباش، یامینؓ کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس نے سازش کی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ سے ایک مکان کے نیچے بلایا جائے اور ادھر سے کوئی وزنی چیز گرا کر کام تمام کر دیا جائے (معاذ اللہ)، لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

حضرت یامینؓ مسلمان ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے یامینؓ سے فرمایا، ”اپنے چچا زاد بھائی کی حرکت دیکھتے ہو، وہ دھوکے سے مجھے قتل کر دینا چاہتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کے ذریعہ مجھے اس کے ارادہ سے آگاہ کر دیا۔“ یامینؓ فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور اس دشمن رسول کی فکر میں لگ گئے اور ایک روز موقع پا کر اس کو واصل جہنم کر دیا۔

غزوہ تبوک میں مدد :

غزوہ تبوک پیش آیا تو چند صحابہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور سوار یوں کی درخواست کی۔ مگر اتفاق سے اس وقت سواریاں موجود نہ تھیں۔ اس لئے معذوری ظاہر کی۔ وہ لوگ پچشمہ پر نم مایوس واپس گئے۔ قرآن نے ان کی مایوسی اور رنج و ملال کا نقشہ کھینچا ہے :

”إِذَا مَا اتَّوَكَّ تَحْمِلُهُمْ قُلَّتْ لَا أَجِدُ مَا أَحْمَلُكُمْ عَلَيْهِ  
تَوَلَّوْا وَا عَيْنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا . إِلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُونَ  
“ - (توبہ)

”جس وقت وہ آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ ان کو کوئی سواری دے دیں اور آپ ان سے کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں، جس پر میں تم کو سوار کر دوں، تو وہ ناکام واپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں، اس غم میں کہ افسوس ان کو خرچ کرنے کو کچھ بھی میسر نہیں۔“

ان ہی میں حضرت ابولیلیؓ اور حضرت عبداللہ بن مغفلؓ بھی تھے۔ جنہیں لڑائی میں شریک نہ ہو سکنے کا بے حد افسوس تھا۔ یہ رو رہے تھے کہ یامینؓ کا ادھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے رونے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ حضرت یامینؓ نے فوراً دو سواریاں اور

کچھ سامان سفر پیش کیا اور وہ دونوں غزوہ میں شریک ہوئے۔<sup>۱</sup>

وفات اور زندگی کے دوسرے واقعات اور حالات کے بارے میں ارباب سیر خاموش ہیں۔

فضائل : حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں<sup>۲</sup> :

”وہو من كبار الصحابة“ - ترجمہ : ”آپ کا شمار کبار صحابہ میں ہوتا ہے“۔

جن لوگوں کے بارے میں یہ آیت :

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ“

”اے اہل ایمان اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ“۔

نازل ہوئی ان میں ایک حضرت یامین<sup>۳</sup> بھی تھے۔

## (۶۰) حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام

نام و نسب : یوسف نام ہے۔ ابو یعقوب کنیت۔ حضرت عبداللہ بن سلام کے صاحبزادے تھے۔<sup>۴</sup>  
جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔

تعلیم و تربیت : آپ جب پیدا ہوئے تو گھر کے اندر اور باہر ہر طرف اسلام کی آواز گونج رہی تھی۔ آپ نے اسی ماحول میں آنکھیں کھولیں اور تعلیم و تربیت پائی۔ صحابہ کا معمول تھا کہ ان کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دعا و برکت کے لئے لاتے۔ یہ پیدا ہوئے تو ان کو بھی بارگاہ نبوت میں لایا گیا۔ آپ ﷺ نے ان کو گو د میں بٹھایا اور سر پر دستِ شفقت پھیرا اور ان کا نام یوسف تجویز فرمایا۔ خود یوسف بن عبداللہ فرماتے ہیں : کہ

”اجلسنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجرہ ومسح علی“

راسی وسمالی یوسف“۔

۱۔ بالکل یہی واقعہ حافظ ابن حجر نے ذکوان بن یامین کے تذکرے میں بھی لکھا ہے۔ لیکن دونوں واقعے ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ دوسرے تمام ارباب رجال و سیر نے اس واقعہ کو حضرت یامین<sup>۳</sup> کی طرف منسوب کیا ہے۔ چونکہ حضرت یامین<sup>۳</sup> کے نام اور ان کے باپ کے نام بڑا اختلاف ہے۔ اس لئے یہ واقعہ کئی ناموں کی طرف منسوب ہو گیا ہے۔ چنانچہ تجرید نے آپ کا نام یاسر بن یامین لکھا ہے اور سلسلہ نسب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکوان حضرت یامین<sup>۳</sup> کے بیٹے تھے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ واقعہ کے وقت وہ بھی موجود ہے ہوں اور راوی نے ان کی طرف بھی اسی واقعہ کو منسوب کر دیا ہو۔

۲ (استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۳۶) حافظ نے اصابت کی اس آیت کا منشا نزول یامین بن یامین کو لکھا ہے۔ مگر جیسا کہ

اوپر اسد الغابہ کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں۔ ۳۔ مسند۔ جلد ۴۔ ص ۳۵



”رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی گود میں بٹھایا اور میرے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور میرا نام یوسف رکھا۔“

**شرفِ صحبت :** فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ ایک کھجور کو روٹی کے ایک ٹکڑے کے اوپر رکھا اور فرمایا کہ یہ کھجور اس روٹی کا سالن ہے۔<sup>۱</sup>

**وفات :** حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ خلافت میں وفات پائی۔<sup>۲</sup>

آنحضرت ﷺ کے علاوہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی روایتیں کی ہیں۔

**علم و فضل :** ترمذی، ابوداؤد و مسند احمد میں ان کی متعدد روایتیں موجود ہیں۔ بعض لوگوں نے ان کا شمار ان صحابہ میں کیا ہے، جنہوں نے اپنی کوئی تحریری یادگار چھوڑی ہے۔<sup>۳</sup>

## (۶۱) حضرت ابوسعید بن وہب

**نام و نسب :** ابوسعید نام یا کنیت ہے۔ باپ کا نام وہب تھا۔ تھے تو قبیلہ بنو نضیر سے مگر غلطی سے بنو قریظہ کی طرف منسوب ہو کر قرظی مشہور ہیں۔<sup>۴</sup>

**اسلام :** بنو نضیر کی جلاوطنی کے روز<sup>۵</sup> حضرت یامینؓ کے ساتھ انہوں نے بھی یہودیت سے اپنا رشتہ توڑ کر ہمیشہ کے لئے اسلام سے جوڑ لیا۔<sup>۶</sup>

**مسلمانوں کی آپ کے مال و جائداد سے دست برداری :**

بنو نضیر کے متروکہ مال و جائداد پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ مگر یامینؓ اور حضرت ابوسعیدؓ چونکہ اسلام لا چکے تھے، اس لئے کسی نے ان کے مال و جائداد کو ہاتھ نہیں لگایا۔<sup>۷</sup>

**وفات :** سنہ وفات معلوم نہیں ہو سکا۔

**علم و فضل :** آپ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے اور آپ سے آپ کے صاحبزادے روایت کرتے ہیں۔<sup>۸</sup>

۱۔ بعض لوگوں نے آپ کی صحابیت سے انکار کیا ہے۔ اس روایت سے اس کی تردید ہو جاتی ہے۔ (اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۶۷۱)

۲۔ ایضاً ۳۔ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۶۷۱ ۴۔ حافظ ابن عبد البر نے ان کے قرظی ہونے کی تردید کی ہے۔

استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۷۱۳ ۵۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ غزوة قریظہ کے روز اسلام لائے۔ مگر حافظ نے اس کی

تردید کی ہے۔ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۸۷ ۶۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۷۱۳ ۷۔ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۸۷

۸۔ اسد الصحابہ۔ جلد ۵۔ ص ۵۱۰

## (۶۲) حضرت ابو مالک رضی

نام و نسب : عبداللہ نام ہے۔ ابو مالک کنیت۔ اسلام سے پہلے آپ علمائے یہود میں تھے۔ اصل وطن یمن تھا، لیکن کسی وجہ سے ترک وطن کر کے یثرب چلے آئے تھے اور یہیں قبیلہ قریظہ میں کسی عورت سے شادی کر لی تھی۔ اس وجہ بجائے یمنی کے قرظی مشہور ہیں۔

وفات : وفات کی تصریح نہ مل سکی۔

رسول اللہ ﷺ کی جو صفات توراہ میں مذکور ہیں، ان کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا :

”صفته فی کتاب بنی ہارون الذی لم یبدل ولم یغیر احمد من ولد اسمعیل یاتی بدین الحنیفیہ دین ابراہیم یازر علی وسطہ ویغسل اطرافہ وهو اخر الانبیاء“<sup>۱</sup>

”آنحضرت ﷺ کی صفت ہارون کی کتاب میں موجود ہے، جس میں اب تک کوئی تبدیلی اور تحریف نہیں ہوئی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ احمد نام کے ایک نبی دین حنیف کو جو حضرت ابراہیم کا دین ہے لے کر آئیں گے۔ تمہ بندناف سے اوپر باندھتے ہوں گے۔ اپنے اعضا کو پاک صاف رکھتے ہوں گے اور یہ آخری نبی ہوں گے۔“

آپ سے کوئی روایت مروی نہیں ہے۔

## (۶۳) آنحضرت ﷺ کے ایک یہودی خادم

نام و نسب تو معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن حاکم نے مستدرک میں حضرت انسؓ سے روایت نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ایک یہودی خادم بھی تھے، جو اپنی زندگی کے آخری ایام میں مسلمان ہو گئے تھے۔ پوری روایت یہ ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی غلام آپ کی خدمت کیا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ وہ بیمار پڑا تو آنحضرت ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ عیادت کے بعد آپ نے قبول اسلام کی دعوت دی۔ اس کے باپ وہاں موجود تھے، اس نے باپ کی طرف نگاہ

اٹھا کر دیکھا۔ باپ نے کہا جو کچھ نبی اُمی فرما رہے ہیں اس کی تعمیل کرو۔ اس نے فوراً کلمہ طیبہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

غالباً اسی مرض میں ان کی وفات ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کے ساتھ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔

اس روایت سے دو خاص باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہودی خادم رسول کا مشرف باسلام اور صحابی ہونا اور دوسرے آنحضرت ﷺ کی وسعت قلب اور وسعت اخلاق کہ جن یہودیوں نے اسلام کی بیخ کنی اور آپ کے دشمنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، ان ہی کے ایک فرد کے ساتھ آپ کا یہ سلوک تھا کہ اس نے پوری زندگی آپ کے ساتھ گزار دی۔ مگر آپ نے ایک روز بھی اس کو اسلام لانے پر مجبور نہ کیا۔ حالانکہ اس وقت بڑی آسانی سے اسلام کا قلابہ اطاعت اس کی گردن میں ڈالا جاسکتا تھا۔

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ كَا اِسْ مِنْ بَرْه كَرْبُوْت اور کیا ہو سکتا ہے!



## تابعین<sup>۱</sup>

### ادیم التغلبی<sup>۲</sup>

ادیم ہذیم<sup>۱</sup> یا ہریم نام ہے۔ باپ کا نام عبد اللہ تھا۔ خاندان تغلب کے نصرانیوں<sup>۲</sup> سے نسبی تعلق تھا۔ زمانہ قبول اسلام کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

یہ صحابی یا تابعی اس کے بارے میں ارباب رجال کے درمیان اختلاف ہے۔ صاحب اسد الغابہ اور صاحب استیعاب نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور صاحب اصابہ نے اپنی کتاب کی تیسری قسم یعنی مختصر میں داخل کیا ہے۔ جو لوگ ان کو صحابہ کی فہرست میں داخل کرتے ہیں غالباً ان کے پیش نظر ابو داؤد کی وہ روایات ہے جس میں ایک تابعی صبی بن معید نے ان سے حج میں قرآن کے متعلق دریافت کیا تھا۔ تو انہوں نے صبی کو ان کی اجازت دے دی تھی۔

حدیث کی کتابوں میں یہی ایک روایات ان سے مروی ہے لیکن ابو موسیٰ نے لکھا ہے کہ کسی نے اس روایت کی سند رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچائی ہے اور یہی سبب ہے کہ صاحب اصابہ نے ان کو صحابی شمار نہیں کیا ہے۔ خود صاحب اسد الغابہ نے بھی ابو موسیٰ کا یہ قول نقل کر کے ان کی روایت کا

۱۔ نام میں اختلاف ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں نے ایک کے بجائے دو آدمیوں کو شمار کیا ہے۔ چنانچہ جب بذل المجرود نے میں المعبود کے مولف پر یہ استدراک کیا ہے کہ وہ ان دونوں آدمیوں کو ایک سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایک نہیں دو ہیں۔ ہریم تابعی ہیں۔ اور ہذیم صحابی<sup>۳</sup>، لیکن یہ استدراک میرے خیال میں صحیح نہیں ہے۔ ارباب رجال نے ان کو ایک ہی شمار کیا ہے۔ اسد الغابہ میں ہے کہ ادیم اور ہذیم ایک ہی ہیں۔ صاحب اصابہ نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ رہا ہریم تو ہریم ابن عبد اللہ انصاری کا نام کتب رجال میں ملتا ہے۔ لیکن ان سے بھی ابن سعید کی روایت ثابت نہیں ہے۔ اور اس نام کا کوئی دوسرا شخص جس سے صبی کی روایت بھی ثابت ہو۔ کتب رجال میں نہیں ملتا۔

یہ روایت نسائی اور سنن بیہقی میں بھی ہے، لیکن اس میں ادیم، ہذیم یا ہریم کے واسطے سے روایت نہیں ہے۔ ابو داؤد میں ہریم کا نام آیا ہے۔ لیکن نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے ان کے نام میں بھی کافی اختلاف ہے اس لئے ہم نے بھی ارباب رجال کے اتباع میں ان کو ایک ہی شمار کیا ہے۔

۲۔ ان کی نصرانیت کی کوئی تصریح نہیں ملتی، لیکن دو قابل ترجیح قرینے موجود ہیں، جن کے پیش نظر ہم نے ان کو اس فہرست میں لے لیا ہے۔ ایک یہ کہ اسد الغابہ میں ہے کہ ان بنی تغلب کا نو انصاری (بنو تغلب انصاری تھے) اور اس لئے ان کا تغلبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ صبی ابن معید نے اپنی روایت میں یہ تصریح کی ہے کہ ادیم ان کے خاندان اور قوم کے آدمی تھے اور صبی ابن معید کے متعلق معلوم ہے کہ وہ نصرانی اور تغلبی تھے۔

سلسلہ سند آنحضرت ﷺ تک نہیں پہنچتا۔ ان کے صحابی ہونے میں شک ظاہر کیا ہے۔ بہر حال اس اختلاف رائے کے باعث ان کی صحابیت کی تعیین نہیں ہو سکی اور اسی بناء پر ہم نے ان کو بجائے صحابہ کے زمرہ میں شمار کرنے کے تابعین کی فہرست میں داخل کیا ہے۔ زندگی کے دوسرے حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

## (۱) ارمی بن النجاشی

ارمی، ارہی یا اریحانام ہے۔ نجاشی شاہ حبشہ کے صاحبزادے تھے۔

خدمت نبوی ﷺ میں آمد سے پہلے وفات :

آنحضرت ﷺ نے جب تمام بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو شاہ نجاشی کے پاس عمرو بن اُمیہ کو پیغام دے کر بھیجا۔ شاہ نجاشی نے اس پیغام کا خیر مقدم کیا اور ساٹھ آدمیوں کے ساتھ اپنے صاحبزادے ارمی کو خدمت نبوی ﷺ میں روانہ کیا۔ لیکن یہ قافلہ راستہ ہی میں، جبکہ وہ ایک دریا کو عبور کر رہا تھا۔ اس کی ہلاکت خیز موجوں کی نظر ہو گیا اور منزل مقصود کو نہ پہنچ سکا۔ اکٹھ (۶۱) آدمیوں کے اس قافلہ میں صرف ارمی بن النجاشی کا پتہ چل سکا۔ ع

”خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را“

بقیہ قافلہ تو ان کے وجود کے ساتھ ان کے نام و نشان بھی ہمیشہ کے لئے مٹ گئے۔

## (۳) اصغ بن عمرو

نام و نسب : اصغ نام ہے۔ باپ کا نام عمرو تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے : اصغ بن عمرو بن ثعلبہ بن حصین ابن ضمضم بن عدی بن خباب، قضاعہ کی ایک شاخ بنو کلب سے تھے۔ یہ قبیلہ دومۃ الجندل کے قریب رہتا تھا۔ اصغ مذہباً عیسائی اور اپنے قبیلہ کے سردار اور حکمران تھے۔

اسلام : رسول اللہ ﷺ نے دعوت اسلام کے لئے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو دومۃ الجندل بھیجا تھا۔ حضرت عبدالرحمن نے وہاں پہنچ کر اہل دومۃ کو اسلام کا پیغام سنایا۔ پہلے روز ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، دوسرے روز بھی انہوں نے دعوت دی، لیکن ان لوگوں نے کوئی توجہ نہیں کی۔ تیسرے روز پھر حسب دستور انہوں نے ان کے سامنے اسلام کا پیغام پیش کیا تو اصغ پر ان کی دعوت کا اثر ہوا اور انہوں نے

نصرانیت کا قلابہ گردن سے اتارا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

اصبح کی صاحبزادی سے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا نکاح :

حضرت عبدالرحمن بن عوف نے آنحضرت ﷺ کو اصبح کے اسلام کی اطلاع دی اور اس قبیلہ سے تعلقات قائم رکھنے کے متعلق بھی دریافت کیا، تو آپ نے ان کو تعلقات کی استواری کے خیال سے اس قبیلہ میں شادی کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ نے تعمیل ارشاد میں اصبح کی صاحبزادی تماشہ سے نکاح کر لیا۔ مزید تفصیل تماشہ کے حالات میں آئے گی۔

اس سے پہلے قریش اور بنو کلب وغیرہ میں باہم شادی بیاہ کے تعلقات نہیں تھے۔ اس لئے کہ قریش اپنی شرافت نسب کے سامنے ان قبائل کو بہت ادنیٰ اور فروتر سمجھتے تھے۔ لیکن اسلام نے ان معمولی رشتوں اور اضافی اوصاف سے بلند ہو کر دینی اخوت اور اخلاق و کردار کو شرافت اور رشتہ کا معیار قرار دیا۔ یہ شادی اس اسلامی مساوات کی پہلی مثال تھی۔ اصبح آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے لیکن شرف زیارت سے سرفراز نہیں ہوئے۔ اسی لئے ان کا شمار تابعین میں کیا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ ان کے حالات نہیں معلوم ہو سکے۔

## (۴) اصمہ نجاشیؓ شاہ حبشہ

نام و نسب : اصمہ نام ہے۔ باپ کا نام ابجر نجاشی تھا۔ شاہی لقب حبشہ (ابی سینا) کے بادشاہ تھے۔ عرب میں عطیہ کے نام سے بھی مشہور ہیں۔

مسلمانوں کی پہلی ہجرت گاہ :

قریش کے ظلم و ستم کا بادل جب برس کرنے کھلا تو رحمت عالم ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا چنانچہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مکہ سے حبشہ ہجرت کر گئی حبشہ میں اس وقت یہی اصمہؓ۔ النجاشی بادشاہ تھے جن کے ساتھ عافیت میں پہنچ کر جان نثاران اسلام نے اطمینان کا سانس لیا۔ نجاشی نے مسلمانوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا قریش کو اسی احسان و سلوک کا حال معلوم ہوا تو بڑا ہیچ و تاب کھایا آخر میں طے کیا کہ شاہ نجاشیؓ کو ایک وفد جائے اور یہ عرضداشت پیش کرے کہ ہمارے مجرموں (مسلمانوں) کو ہمارے حوالے کر دے اس مہم کے لیے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ منتخب ہوئے یہ لوگ حبشہ پہنچے تو پہلے تمام پادریوں سے ملے اور تحفے و تحائف پیش کئے

اور مقصد کی تکمیل کے لیے ان کو ہموار کر لیا پھر شاہ نجاشی اصمحہ کے دربار میں باریابی حاصل کی اور نذرانہ پیش کیا نجاشی نے آمد کی وجہ دریافت کی انہوں نے اپنا مطالبہ ظاہر کیا نجاشی نے پادریوں سے دریافت کیا انہوں نے بھی ایک زبان ہو کر ان کے مطالبہ کی تائید کی لیکن شاہ نجاشی نے کہا میں ان لوگوں سے خود بالمشافہ گفتگو کروں گا اگر وہ لوگ جیسا کہ تم کہتے ہو مجرم ثابت ہوئے تو ان کو واپس کر دوں گا ورنہ جو میری پناہ میں آ گیا ہے اس پر ظلم روا نہیں رکھا جاسکتا۔

مسلمان دربار میں بلائے گئے تو اصمحہ نے پوچھا کہ تم نے کونسا دین اختیار کیا ہے جو نہ نصرانیت ہے نہ بت پرستی اور نہ کسی دوسری قوم کا دین ہے؟ مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفرؓ نے وکالت کی اور برسر دربار ایک بہت ہی مؤثر اور دلنشین تقریر کی، جس میں آنحضرت ﷺ کے اوصاف اور اسلام کی اخلاقی خوبیاں کیں۔ اس کے بعد شاہ نجاشی نے حضرت جعفرؓ کے قرآن کا کچھ حصہ پڑھنے کی فرمائش کی انہوں نے سورہ مریم کی چند ابتدائی آیتیں تلاوت کیں نجاشی پر رقت طاری ہو گئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے ان فدائیان اسلام کو قریش کے حوالے کرنے سے صاف انکار کر دیا اور مسلمان زبان حال سے یہ شعر پڑھتے ہوئے دربار سے نکل آئے۔

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے دیکھنے ہم بھی گئے تھے یہ تماشا نہ ہوا  
جب قریش کے وفد کو پہلے روزنا کامیابی ہوئی تو انہوں نے دوسرے روز پھر کسی طرح دربار میں رسائی حاصل کی اور شاہ نجاشی کے سامنے یہ عرضداشت پیش کی کہ ان مسلمانوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دریافت فرمایا جائے مسلمان پھر بلائے گئے ان کے لیے یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا اگر سچ کہتے ہیں تو شاہ نجاشی ناخوش ہوتا ہے اور اس کے خلاف کہتے ہیں تو دین کے وقار کو صدمہ پہنچتا ہے آخر کار انہوں نے یہ طے کیا کہ چاہے جو کچھ بھی ہوا نہیں سچ ہی بولنا چاہیے اس روز بھی حضرت جعفرؓ ہی گفتگو کے لیے منتخب ہوئے انہوں نے فرمایا ہمارے نبی نے ہمیں بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بندے اس کے کلمہ اور اس کی روح ہیں نجاشی نے زمین سے ایک تیکا اٹھایا اور کہا خدا کی قسم حضرت عیسیٰؑ اس تینکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں دربار کے بطریق اور پادری اس پر بہت ناراض ہوئے لیکن ناراضگی کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا قریش نے جو تحفے تحائف نجاشی کے حضور میں پیش کیے تھے نجاشی نے سب واپس کر دیے اور وفد وہاں سے نامراد مکہ واپس چلا آیا۔

اسلام : یہ واقعہ بجائے خود نجاشی کے اسلام پر شاہد ہے لیکن اس کے علاوہ ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت ہے کہ

”قال النجاشی اشهد انه رسول الله وانه الذي بشر به عيسى ابن مريم“  
 ”نجاشی نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ بے شک اللہ کے رسول ہیں  
 اور وہی ہی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ نے دی ہے۔“

بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر بیعت اسلام بھی کی تھی۔  
 خدمت نبوی کی تڑپ : جب رسول اللہ ﷺ نے تمام ملوک و سلاطین کو دعوت اسلام بھیجی تو  
 شاہ نجاشی کے پاس بھی اپنا قاصد بھیجا شاہ نجاشی نے آپ کے قاصد کا پر تپاک خیر مقدم کیا آپ ﷺ کی  
 رسالت کا اقرار کیا اور اپنے لڑکے ارمی کو آپ کی خدمت کے لیے بھیجا اور لکھا کہ اگر سلطنت کی ذمہ داری  
 کا بوجھ میرے اوپر نہ ہوتا تو میں خود بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر حضور ﷺ کی کنش برداری کی  
 سعادت حاصل کرتا۔

وفات : مسلمانوں کے اس غمخوار اور محسن نے ۹ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا آنحضرت ﷺ کو  
 وحی کے ذریعے اسی روز ان کی موت کی اطلاع مل گئی اور آپ نے بڑے رنج و غم کے ساتھ مدینہ میں  
 ان کی موت کا اعلان کیا فرمایا مسلمانوں تمہارے برادر صالح اصحح نے انتقال کیا ان کے لیے دعا  
 واستغفار کرو پھر صحابہ کے ساتھ ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔  
 فضائل : تفسیر کی روایتوں میں ہے کہ قرآن کی ان آیات۔

وَأَنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ  
 خَاشِعِينَ لِلَّهِ وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ  
 اللَّعْمِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ

”بعض اہل کتاب ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ پر اور جو تمہاری طرف نازل ہوا ہے اور جو ان کی

۱۔ ابوداؤد - ۲ بخاری اور تمام کتب حدیث میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اسی روز ان کی موت کی خبر مل گئی  
 تھی۔ اسی روز غزوہ موتہ میں بھی آپ کو یہ سالاران اسلام کی شہادت اور حضرت خالد کے ہاتھوں اس میں فتح کی خبر بھی  
 کسی مادی ذریعہ اطلاع کے بغیر پہنچ چکی تھی۔ اور آپ نے ان کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا۔ بعد میں حرف بحرف اس کی  
 تصدیق ہوئی۔

۳ غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں فقہاء کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے بعض لوگ اس کو عام حکم سمجھتے ہیں۔ اور  
 اب بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کو جائز کہتے ہیں اور بعض اسے آپ کی خصوصیت بتلاتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے  
 کہ اگر ایسی ہی کسی اجنبی جگہ میں کسی مسلمان کا انتقال ہو تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔  
 مسلم کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وہ نجاشی نہیں ہیں جن کی آپ نے نماز جنازہ پڑھی تھی لیکن حافظ ابن قیم نے  
 اسے راوی کا وہم بتایا ہے۔



طرف اللہ سے ڈرتے ہوئے جب وہ سنتے ہیں جو کچھ رسول اللہ ﷺ کی طرف نازل ہوا تو تم دیکھو  
کے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ہیں یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔

میں دوسرے اہل کتاب کے ساتھ شاہ نجاشی بھی مراد لئے گئے ہیں۔

اخلاق : شاہانہ اوصاف مدل و انصاف رحم و کرم اور رعایا پروری عام انسانی اخلاق و اوصاف سے  
بھی متصف تھے اپنے ملک میں مظلوم و ستم رسیدہ مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے جو حسن سلوک کیا اس  
احسان سے امت محمدیہ ہمیشہ گراں بار رہے گی۔

## (۵) بکاء الراہب

نام و نسب : بکاء نام شام اصلی وطن تھا ایک گوشہ نشین اور تارک الدنیا بزرگ تھے مشہور ہے کہ  
چالیس برس تک عبادت گاہ سے باہر قدم نہیں رکھا آنحضرت ﷺ کے زمانے میں موجود تھے لیکن شرف  
زیارت سے مشرف نہ ہو سکے ذیل کی روایت سے اس کی تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

حضرت سعد بن العاص صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا کہ میرے چچا ابان بن سعید رسول اللہ  
ﷺ کو ہمیشہ برا بھلا کہا کرتے تھے ایک مرتبہ وہ بغرض تجارت شام گئے وہاں بکاء الراہب سے جو چالیس  
برس کے بعد عبادت گاہ سے نکلے تھے ملاقات ہوئی انہوں نے جا کر ان سے کہا کہ میری قوم کے ایک  
فرد نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے بکاء نے نام دریافت کیا کہا محمد (ﷺ) پھر پوچھا کتنے زمانہ سے وہ اپنے  
آپ کو نبی کہتے ہیں؟ جواب دیا کہ بیس برس سے اس کے بعد بکاء نے کہا کہ کہو تو میں ان کے صفات  
بیان کر دوں ابان کہتے ہیں کہ انہوں نے ان کی تمام صفات بیان کیں اور ذرا غلطی نہیں کی اس کے بعد  
کہا کہ خدا کی قسم وہ نبی برحق ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ضرور غالب کرے گا میرا سلام ان کو پہنچا دینا یہ کہہ کر وہ پھر  
گر جا میں چلے گئے۔

اس ملاقات کا یہ اثر ہوا کہ ابان جب مکہ واپس آئے تو سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے  
حالات دریافت کیے اور بکاء سے ملاقات کا سارا واقعہ بیان کیا اس کے بعد ابان نے آنحضرت ﷺ کو  
برا بھلا کہنا چھوڑ دیا اور پھر کچھ روز کے بعد مسلمان ہو گئے۔

## (۶) تمام بن یہودا

صاحب اصحابہ نے لکھا ہے کہ احبار یہود میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے ان میں تمام  
بن یہودا بھی تھے اور اس بنا پر ان کو اپنی کتاب کی قسم اول (صحابہ میں داخل کیا ہے) جس کی کسی

دوسرے ماخذ سے تائید نہیں ہوتی اور خود انہوں نے بھی یعنی صاحب اصابہ نے آنحضرت ﷺ سے ان کی ملاقات و روایت کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اس بنا پر ہم نے ان کو صحابہ کے بجائے تابعین کی فہرست میں داخل کیا ہے۔

## (۷) صبی بن معبد

نام و نسب : صبی نام باپ کا نام معبد تھا نسبتاً تغلمی اور مذہباً عیسائی تھے۔

اسلام : نصرانیت ترک کر کے اسلام قبول کیا اور پھر اسی پر خاتمہ ہوا حدیث کی کتابوں میں ان سے قرآن کے بارے میں ایک مشہور حدیث مروی ہے وہ یہ ہے۔

فرماتے ہیں کہ میں ابھی جدید الاسلام تھا اور مجھے جہاد کا بڑا شوق تھا لیکن مجھ پر حج اور عمرے کی ادائیگی بھی فرض تھی اس لیے میں نے چاہا کہ اسے ادا کر لوں (پھر جہاد میں شرکت کروں) میں اپنی قوم کے ایک بزرگ<sup>۱</sup> ہذیم بن عبداللہ نامی کے پاس گیا اور ان سے مسئلہ قرآن کے متعلق دریافت کیا انہوں نے مجھ کو اس کی اجازت<sup>۲</sup> دی حج کے ارکان ادا کر چکا تو مقام عذیب میں سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان<sup>۳</sup> سے ملاقات ہوئی ان میں سے ایک نے دوسرے سے میرے بارے میں کہا کہ یہ شخص تمہارے اونٹ سے بھی زیادہ فقیہ ہے (یہ طنزیہ جملہ تھا کہ مناسک حج سے ناواقف ہے) میں وہاں سے سیدھا حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور ان سے یہ سارا واقعہ بیان کیا انہوں نے فرمایا تم نے سنت نبوی کے بالکل مطابق حج کیا ہے۔

اسی روایت کو ان کی سوانح حیات کا سرمایہ سمجھنا چاہیے اس سے زیادہ ان کی زندگی کے حالات پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

روایت : حسب ذیل حضرت نے ان سے روایت کی ہے۔

ابو وائل، مسروق، ابواسحاق السبعمی، زربن حبش، امام شععی، ابراہیم النخعی، مجاہد، ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے حسم بن حاتم بھی فرماتے ہیں۔

”تابعی ثقہ“<sup>۴</sup> یعنی ”ثقتا تابعین تھے۔“

۱ ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ۲ حج عمرہ ساتھ کرنے کی اجازت دے دی۔ ۳ یہ دونوں آدمی بھی ان ہی کے ہم قوم تھے۔ ۴ اسد الغابہ۔ ۵ تہذیب التہذیب۔

## (۸) ضغاطر الاستقف الشہید

نام و نسب : ضغاطر نام روم اصلی وطن تھا منہباً عیسائی تھے ہرقل کے خاص معتمد اور مشیر اور قوم کے بڑے پادری تھے۔

اسلام : ہرقل شہنشاہ روم کو آنحضرت ﷺ نے وحیۃ الکلخی کے ذریعہ نامہ اسلام بھیجا تو ہرقل نے کہا کہ محمد (ﷺ) یقیناً نبی ہیں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے اسلام قبول کیا تو اہل ملک مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے پھر اس نے حضرت وحیۃ " کو ضغاطر الاستقف کے پاس بھیجا کہ وہ کیا رائے دیتے ہیں حضرت وحیۃ ان کے پاس آئے تو انھوں نے آپ کی رسالت کی تصدیق کی اور فرمایا لعرفہ باسمہ وو صفہ (ہم ان کے نام اور ان کے صفات سے واقف ہیں) پھر وہ اندر گئے اپنا مخصوص لباس اتارا اور سفید لباس پہن کر باہر واپس آئے اور اسی وقت اہل روم کے پاس گئے اور آنحضرت ﷺ کی نبوت اور اسلام کی سچائی کا اعلان کیا یہ اعلان کرنا تھا کہ چاروں طرف سے ان کی قوم نے ان پر نرغہ کیا اور ان کو شہید کر ڈالا۔

”خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را“

بعض روایتوں میں ہے کہ ہرقل سے کہا کہ خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جن کا ہمیں انتظار تھا اس پر ہرقل نے آپ کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا تو انھوں نے کہا کہ کچھ بھی ہو میں تو اتباع حق سے بھاگ نہیں سکتا زما صابہ ذکر ضغاطر

## (۹) عمیر بن حسین

نام و نسب : عمیر نام نجران اصلی وطن تھا منہباً عیسائی تھے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اسلام قبول کر چکے تھے لیکن شرف زیارت سے سرفراز نہیں ہو سکے۔

اسلام پر استقامت : آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب نجران میں ارتداد کا فتنہ شروع ہوا تو عمیر نے بڑی استقامت دکھائی خود اسلام پر آخری وقت تک جمے رہے اور اہل نجران کو ارتداد سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی انھوں نے ان کے سامنے یہ پُراثر تقریر فرمائی کہ

اے اہل نجران اس وقت اسلام پر زیادہ جمنے کی ضرورت تھی اور تم اس میں کوتاہی کر رہے ہو یقین کے بعد شک اور کل کے دین کے بعد آج (یعنی نصرانیت کے بعد اسلام) کے دین میں زیادہ

سوچنے کی ضرورت تھی، تم کو چاہئے تھا کہ اسلام پر جسے رہتے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسی کی روشنی تمہیں نصیب ہوتی۔ پھر اس کے بعد یہ اشعار پڑھے۔<sup>۱</sup>

یا اهل نجران امسکوا بھدی اللہ کو نو ایداً علی الکفار  
لا تکنونوا بعد الیقین الی الشک وبعد الرضا الی الکفار  
واستقیمو اعلی الطریقة فیہ و کونوا کھنیۃ الانصار<sup>۲</sup>

## (۱۰) کعب احبار

نام و نسب : کعب نام، ابو اسحق کنیت نسباً یمن کے مشہور حمیری خاندان کی شاخ آل ذی رو عین سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے کعب بن مانع بن ہنیوع بن قیس بن معن بن جشم ابن وائل بن عوف بن جہر بن عوف بن زہیر بن ایمن بن حمیر بن سبا بن حمیری۔

اسلام اور ورود مدینہ : کعب مشہور تابعی ہیں۔ قبول اسلام سے پہلے یہود کے جمید علماء میں شمار کئے جاتے تھے۔ عہد رسالت میں موجود تھے۔ لیکن صحیح روایت کے مطابق اس عہد بابرکت میں وہ اسلام کی سعادت حاصل نہ کر سکے۔ اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسی زمانہ میں مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ کعب کا بیان ہے کہ علیؑ جب یمن آئے تو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف پوچھے تو انہوں نے بتائے تو میں مسکرایا علیؑ نے مسکرانے کا سبب پوچھا۔ میں نے کہا ہمارے یہاں (نبی آخر الزمان کے) جو علامات بتائے گئے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ پر صادق آتے ہیں۔ اسی لئے مجھے ہنسی آگئی۔ اس سوال و جواب کے بعد میں مسلمان ہو گیا۔ اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگا۔ لیکن قیام یمن ہی میں رہا۔ عمرؓ کے عہد میں ہجرت کر کے مدینہ گیا۔ کاش میں نے اس سے پہلے ہجرت کی ہوتی۔<sup>۳</sup> ایک روایت یہ ہے کہ وہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں اسلام لائے۔<sup>۴</sup>

لیکن یہ دونوں روایتیں کمزور ہیں۔ اس باب میں صحیح ترین روایت وہ ہے جو طبقات ابن سعد میں کعب کے حلیف حضرت عباسؓ سے مروی ہے جس سے خود کعب کی زبان سے حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ان کا اسلام لانا ثابت ہوتا ہے۔ سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ حضرت عباسؓ نے

۱ اصابہ۔ جلد ۲۔ ۲ یہاں غالباً انصار سے حواری مراد لیا ہے۔ مدینہ کے مسلمانوں کا مخصوص گروہ مراد نہیں ہے۔

۳ اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۳۲۲ کعب کے حالات "تابعین" سے نقل کیئے گئے ہیں۔ آخر میں اور کہیں کہیں ذکر میں کچھ

ان اذیۃ مبعیہ

کعب کے اسلام لانے کے بعد ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کے زمانہ میں قبول اسلام میں کیا چیز مانع تھی کہ عمرؓ کے زمانے میں اسلام لائے جو اب دیا کہ میرے والد نے مجھ کو توراہ سے ایک تحریر نقل کر کے دی تھی۔ اور ہدایت کی تھی کہ اس پر عمل کرنا، دوسرے اپنی تمام مذہبی کتابوں پر مہر لگا کر مجھ سے حق ابوت کا واسطہ دلا کر وعدہ کیا تھا کہ اس کو نہ توڑنا، تو میں نے اس کو نہیں توڑا اور والد جو خریدے گئے تھے، اس کے مطابق میں عمل کرتا رہا۔

جب اسلام کی اشاعت اور اس کا غلبہ ہونے لگا اور کسی کا خوف باقی نہیں رہ گیا تو اسی وقت میں نے دل میں خیال کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ والد نے مجھ سے کچھ علم چھپایا ہے، مجھے ان کتابوں کو کھول کر دیکھنا چاہئے چنانچہ میں نے مہر توڑ کر کتابیں پڑھیں تو مجھ کو نظر آیا کہ ان میں محمد (ﷺ) اور ان کی امت کے اوصاف لکھے ہیں۔ اس وقت مجھ پر اصل حقیقت روشن ہوئی اور آ کر مسلمان ہو گیا۔ قبول اسلام کے بعد وہ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کے حلیف بن گئے تھے۔

**فضل و کمال :** کعب یہود کے بڑے ممتاز اور نامور علماء میں ہے۔ یہودی مذہب سے متعلق ان کی معلومات نہایت وسیع تھیں، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم کا ظرف اور اہل کتاب کے علمائے کبار میں تھے۔<sup>۱</sup> امانوی لکھتے ہیں کہ وہ علم اور توثیق پر سب کا اتفاق ہے وہ اپنی وسعت علم کی وجہ سے کعب اہبار اور کعب الجسر کہے جاتے تھے ان کے مناقب بکثرت ہیں اور ان کے اقوال و حکم بہت مشہور ہیں۔<sup>۲</sup> اکابر صحابہ ان کی وسعت نظر کے معترف تھے ابو درداء انصاری کا حصص میں بڑا ساتھ رہا تھا فرماتے تھے کہ ابن حیرہ کے پاس بڑا علم ہے۔<sup>۳</sup> امیر معاویہ کہتے تھے کہ ابو درداء حکماء میں ہیں اور کعب علماء میں ان کے پاس سمندر جیسا تھا علم تھا۔<sup>۴</sup> چونکہ ایک مذہب کے وہ ایک بڑے عالم تھے اس لیے اسلامی علوم کے ساتھ بھی انہیں خاص مناسبت ہو گئی تھی مدینہ میں صحابہ سے انھوں نے کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کی تھی اور صحابہ نے ان سے اہل کتاب کے علوم سیکھے تھے۔<sup>۵</sup>

کتاب و سنت میں انھوں نے حضرت عمرؓ صہیبؓ اور حضرت عائشہؓ سے استفادہ کیا تھا اور اسرائیلیات میں صحابہ میں ابو ہریرہؓ معاویہؓ ابن عباسؓ اور تابعین میں مالک بن ابی عامرؓ ابی عطاؓ ابن ابی رباحؓ عبد اللہ بن رباح انصاریؓ عبد اللہ بن حمزہ سلولی ابو رافع صلیحؓ عبد الرحمن بن شعیبؓ اور ایک کثیر جماعت ان سے فیض یاب ہوئی تھی۔<sup>۶</sup>

۱ ابن سعد - جلد ۷ - ص ۱۵۶ - ۲ تذکرۃ الحفاظ - جلد ۱ - ص ۴۵ - ۳ تہذیب الاسماء - جلد ۱ - ص ۶۹ - ۴ ابن سعد - جلد ۷ - ص ۱۶ - ۵ اصابہ - جلد ۵ - ص ۳۳۳ - ۶ تذکرۃ الحفاظ - جلد اول - ص ۴۵ - ۷ تہذیب التہذیب - جلد ۵ - ص ۴۲۸

علم اور علماء اور زوال علم : ایک مرتبہ عبداللہ بن سلامؓ نے ان سے پوچھا کہ کعب علماء کون لوگ ہیں جو اب دیا جو علم جانتے ہیں ابن سلام نے پوچھا کون سی شے علماء کے دلوں سے علم کو زائل کر دے گی فرمایا طمع حرص اور لوگوں کے سامنے اپنی حاجت پیش کرنا عبداللہ ابن سلامؓ نے کہا تم نے سچ کہا۔<sup>۱</sup>

شام کا قیام : کعبؓ کا آبائی مذہب یہودیت تھا اس لئے پہلے سے ان کو ارض شام کے ساتھ دلی لگاؤ تھا مسلمانوں کے نزدیک بھی یہ سرزمین مقدس و محترم ہے اس لیے چند دن مدینہ میں قیام کرنے کے بعد کعبؓ شام چلے گئے اور حمص میں جا کر سکونت اختیار کر لی۔<sup>۲</sup>

مواعظ : شام کے زمانہ قیام میں ان کا مشغلہ زیادہ تر اسرائیلی قصص کے مواعظ تھے ایک مرتبہ عبون مالک نے دوران وعظ ان سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ امیر مامور اور مکلف کے علاوہ لوگوں کے سامنے اور کسی کو مواعظ و قصص نہ بیان کرنے چاہیں یہ سن کر کعبؓ نے وعظ گوئی چھوڑ دی لیکن پھر امیر کے حکم سے دوبارہ وہ سلسلہ جاری کر دیا۔<sup>۳</sup>

اسلامی روایات میں اسرائیلیات کا شمول :

کعب کی علمی جلالت میں کوئی شک نہیں وہ یہودی مذہب کے بڑے نامور عالم تھے لیکن چونکہ خود یہودیوں کا سرمایہ علم زیادہ تر قصص و حکایات تھیں اس لیے کعب کا سرمایہ معلومات بھی تمام تر یہی تھا اس سے ایک نقصان یہ ہوا کہ بہت سی بے سرو پا اسرائیلی روایات ان کے ذریعے اسلامی لٹریچر میں داخل ہو گئیں اسی بنا پر بعض ائمہ حدیث کعبؓ کو روایت میں ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں۔

وفات : حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت ۳۲ھ میں شام میں وفات پائی۔<sup>۴</sup>

## (۱۱) محمد بن کعب القرظیؓ

نام و نسب : محمد نام ابو حمزہ کنیت نسب نامہ یہ ہے محمد بن کعب بن حبان بن سلیم بن اسد قرظی ان کے والد کعب بنی قرظہ کے یہودی اور انصار کے قبیلہ اوس کے حلیف تھے غزوہ قرظہ میں گرفتار ہوئے لیکن بہت کم سن تھے اس لیے چھوڑ دیے گئے۔

فضل و کمال : محمد بن کعب بڑے فاضل اور بلند مرتبہ تھے ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ علم و فقہ میں مدینہ کے فاضل ترین علماء میں تھے۔<sup>۵</sup> امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے علماء اور ائمہ تابعین میں تھے۔<sup>۶</sup>

۱ اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۲۲۔ ۲ ابن سعد جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۵۶۔ ۳ اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۲۲۔

۴ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۵۶۔ ان کے حالات تابعین سے نقل کئے گئے ہیں۔

۵ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹۔ ص ۴۲۱۔ ۶ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۱۔ ص ۹۰۔

قرآن : ان کو قرآن و حدیث دونوں میں یکساں کمال حاصل تھا عجلی ان کو ثقہ ر جل صالح اور عالم قرآن لکھتے ہیں<sup>۱</sup>۔ عون بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ میں نے تاویل قرآن کا ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا<sup>۲</sup>۔ حافظ ذہبی ان کو مفسر قرآن لکھتے ہیں<sup>۳</sup>۔

قرآن میں تدبر و تفکر : قرآن کے معنی میں تدبر و تفکر بھی آپ کی خصوصیت تھی ایک مرتبہ رات میں سورہ زلزال اور سورہ القارعہ پڑھنا شروع کیے اور پوری رات ان کی سورتوں کے معانی و مطالب میں تدبر و تفکر کرتے رہے یہاں تک کہ سفیدہ نمودار ہو گیا<sup>۴</sup>۔

فرماتے تھے قرآن کے معنی کا مجھ پر اس قدر درود اور نجوم ہوتا ہے کہ رات کی رات کٹ جاتی ہے پھر بھی معانی کا نجوم اور آمد ختم نہیں ہوتی<sup>۵</sup>۔

تفسیر کی کتابوں میں صدہا آیتوں کی تفسیر میں ان کے اقوال ملیں گے ان میں سے بیشتر میں کوئی نہ کوئی لفظی یا معنوی ندرت ضرور ہوگی۔

حدیث : حدیث کے بھی وہ ممتاز حافظ تھے علامہ ابن سعد ان کو ثقہ عالم اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں<sup>۶</sup>۔ حدیث میں انھوں نے معاویہ کعب بن عجرہ ابو ہریرہ زید بن ارقم عبد اللہ ابن عبد اللہ بن عمرو بن العاص عبد اللہ بن یزید خطمی عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب براء بن عازب جابر اور انس بن مالک سے استفادہ کیا تھا۔

ان سے فیض اٹھانے والوں میں ان کے بھائی عثمان، حکم بن عتبہ، یزید بن ابی زیاد، ابن عباس، موسیٰ بن عبیدہ، ابو معشر، ابو جعفر خطمی، یزید بن بہاد، ولید بن کثیر، محمد بن المنکدر، عاصم بن کلیب، ایوب بن موسیٰ، ابن ابی الموالی، ابن المقدم اور ہشام بن زیاد وغیرہ لائق ذکر ہیں<sup>۷</sup>۔  
فقہ : فقہ میں مدینہ کے ممتاز فقہا میں شمار تھا۔

کان من افاضیل اهل المدینة علماء و فقہا<sup>۸</sup>۔

علم و فقہ کے اعتبار سے مدینہ کے فضلاء میں تھے۔

زہد و ورع : زہد و ورع کی دولت سے بھی بہرہ مند تھے ابن سعد ان کو علماء متورعین<sup>۹</sup> میں شمار کرتے ہیں اور حافظ ذہبی<sup>۱۰</sup> زہد ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ کعب علم صلاح اور ورع سے متصف تھے<sup>۱۱</sup>۔

۱۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹۔ ص ۳۲۱۔ ۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹ ص ۳۲۱۔ ۳۔ ایضاً۔ ۴۔ ایضاً۔  
۵۔ دول الاسلام ذہبی۔ جلد ۱۔ ص ۵۶۔ ۶۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹ ص ۳۲۱۔ ۷۔ ایضاً۔ ۸۔ ایضاً۔  
۹۔ ایضاً۔ ۱۰۔ ایضاً۔ ۱۱۔ دول الاسلام۔ جلد ۱ ص ۵۶۔

ان کی پاکبازی کی شہادت ان کی والدہ کی زبانی :

زندگی کے ہر زمانہ میں نہایت پاک نفس رہے با ایں ہمہ دعائے مغفرت و توبہ و استغفار میں ہر وقت مشغول رہتے تھے یہ دیکھ کر ان کی والدہ فرماتی تھیں ”محمد اگر تمہاری پاکبازانہ زندگی میرے سامنے نہ ہوتی تو تمہاری دن رات کی گریہ زاری اور توبہ و استغفار سے میں سمجھتی کہ تم نے کوئی بہت بڑا گناہ کیا ہے لیکن میں نے تمہیں بچپن میں بھی پاک بنا دیا اور پاک نفس پایا اور بڑے ہونے پر بھی ویسا ہی پارہی ہوں۔“

حضرت محمد بن کعب نے فرمایا : ”اماں جان آپ جو سمجھتی ہیں وہ ٹھیک ہے لیکن میں اپنے کو گناہوں سے مامون نہیں پاتا ہو سکتا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسی لغزش ہوگئی ہو جو خدائے تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کا باعث ہو اسی وجہ سے میں ہر وقت استغفار کیا کرتا ہوں۔“

زریرس اقوال : فرماتے تھے اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو بھلائی کی توفیق دیتا ہے تو اس میں تین خصالتیں پیدا کر دیتا ہے دین میں سمجھ دنیا سے بے رغبتی اور عیب پوشی۔

فرمایا جو قرآن پڑھے گا وہ عقل کی دولت سے ضرور بہرہ ور ہوگا چاہے اس کا سن سو برس کا کیوں نہ ہو گیا۔

فرمایا کہ کچھ لوگوں کے اوپر اور کچھ لوگوں کے واسطے زمین روتی ہے، پھر فرمایا جو لوگ بھلائی کرتے ہیں ان کے واسطے زمین روتی ہے اور دعا کرتی ہے اور جو لوگ برائی کرتے ہیں ان کے اوپر زمین روتی ہے اور بد دعا کرتی ہے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ۔

زمین و آسمان ان پر نہیں روئے۔

رونے سے مراد ہمدردی و شہادت ہے۔ اسی لئے کہ قیامت میں ہمارے اعمال کے بارے میں ہر چیز سے شہادت لی جائے گی۔

آپ سے پوچھا گیا کہ خذلان اور حرمان کی علامت کیا ہے؟ فرمایا کہ اچھے کو بُرا اور بُرے کو اچھا کہنا۔

ذکر الہی : فرماتے تھے کہ اگر ترکِ ذکر کی رخصت دی جاسکتی تو سب سے پہلے حضرت زکریا کو رخصت ملتی۔ (کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے تین دن تک بولنے سے منع کر دیا تھا۔ مگر اسی کے ساتھ یہ حکم بھی تھا کہ ذکر الہی کثرت سے کرو)۔ پھر یہ آیت تلاوت کی۔

”إِنَّكَ إِلَّا تَكَلِّمُ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمَزًا وَادُّكُرَ رَبِّكَ كَثِيرًا“۔



”تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تین روز تک کسی شخص سے بجز اشارے کے بات نہ کرو۔  
اور اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ کرو۔“

پھر فرمایا کہ دوسرے مجاہدین فی سبیل اللہ کو اس کی رخصت مل سکتی تھی۔ لیکن ان کے متعلق فرمایا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی۔<sup>۱</sup>

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا۔

اے ایمان والوں جب تم سے دشمن کی کسی جماعت سے منڈ بھینٹ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور ذکر الہی زیادہ کرو۔

وفات : ۱۰۸ھ میں وفات پائی۔<sup>۲</sup>

## (۱۲) نعیم الجبرم

نعیم نام تھا، شام کے رہنے والے اور مذہباً عیسائی تھے۔ کعب احبار کی طرح ان کا شمار بھی علمائے اہل کتاب میں تھا۔ چنانچہ حبر (عالم) ان کے نام کا جز ہو گیا تھا۔ مزدوری کر کے گزر اوقات کرتے تھے۔<sup>۳</sup>

حضرت مطرف بن مالک تابعی بیان کرتے ہیں کہ عہد فاروقی میں جب تستر فتح ہوا تو مال غنیمت میں ایک برتن ہاتھ آیا۔ جس میں ایک کتاب تھی۔ ہمارے ساتھ ایک نصرانی مزدور تھا۔ جس کا نام نعیم تھا۔ اس نے ہم لوگوں سے کہا کہ یہ برتن مع کتاب میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ ابو موسیٰ اشعری اور دوسرے صحابہ کتاب فروخت کرنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن ہم لوگوں نے برتن کو اس کے ہاتھ فروخت کر دیا، اور کتاب ہدیہ دے دی۔ ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی حضرت عمرؓ نے لکھا کہ یہ کسی نبی کی کتاب ہے اس کو دفن کر دینا چاہیے بعض روایتوں میں ہے کہ نعیم خود اس برتن کو فروخت کرنے کے لیے مسلمانوں کے پاس آئے انہوں نے برتن خرید لیا اور کتاب ان کو ہدیہ کر دی۔<sup>۴</sup>

قبول اسلام : مطرف بن مالک ہی راوی ہیں کہ مجھے بیت المقدس جانے کا اتفاق ہوا وہاں نعیم سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے پوچھا کہ تمہاری نصرانیت کا کیا حال ہے نعیم نے کہا کہ میں تو اب دین حنیف (یعنی اسلام) میں داخل ہو گیا ہوں۔

## بیت المقدس میں نعیم اور کعب کی۔ دعوت اسلام اور علمائے اہل کتاب کا قبول اسلام :

حضرت مطرف بیان کرتے ہیں کہ اس سفر میں نعیم کے ساتھ کعب احبار بھی تھے جب ان کی آمد کی اطلاع یہود کو ملی تو وہ ان کے گرد جمع ہو گئے کعب احبار کو جو کتاب تستر میں ملی تھی انھوں نے اس کو یہود کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ یہ ایک قدیم کتاب ہے جو تمھاری کتاب (غالباً عبرانی) میں ہے اس کو پڑھو ایک شخص نے پڑھنا شروع کیا جب وہ ایک خاص جگہ پر پہنچا تو اس نے کتاب زمین پر پٹک دی نعیم اس کی حرکت سے بہت ناخوش ہوئے اور کتاب کو انھوں نے اپنی گود میں اٹھا لیا اور ان سے کہا اب میں ہرگز اس کتاب کو تمھیں نہیں دوں گا لیکن انھوں نے جب بہت منت سماجت کی تو نعیم نے کہا کہ اچھا میں اسے اپنے زانوں پر رکھ کر بیٹھتا ہوں تم میں سے کوئی شخص پڑھے چنانچہ کتاب ان کے ہاتھ میں تھی اور ایک شخص اسے پڑھ رہا تھا جب وہ پڑھتے پڑھتے اس آیت۔

ومن یتغ غیر الا سلام دینا فلن یقبل منہ۔

جو اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین چاہے گا اس سے وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

پر پہنچا تو تقریباً بیالیس علمائے یہود اسی جگہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ افسوس ہے کہ اس

سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

## (۱۳) وہب بن منبہ

وہب بن منبہ کی عام کتب سماوی خصوصاً تورات اور انجیل سے واقفیت اور ان سے متعلق ان کے معلومات کی کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اہل کتاب میں سے تھے لیکن چونکہ ارباب رجال میں سے کسی نے ان کے اہل کتاب ہونے کی تصریح نہیں کی ہے اس لیے مجھے ان کو اس فہرست میں داخل کرنے سے تامل تھا لیکن ابن ندیم کی یہ تصریح مل جانے کے بعد کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ ایمان لائے تھے ان میں وہب بن منبہ بھی تھے۔<sup>۱</sup> - زمرہ اہل کتاب تابعین میں داخل کر لیا گیا۔

۱۔ اس سے پہلے والے شخص نے غالباً اسی آیت پر پہنچ کر غصہ میں کتاب پھینک دی تھی۔ یہ آیت قرآن کی ہے لیکن اسی واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتب قدیم میں اس آیت کی پیشین گوئی موجود تھی، نعیم نے دوسرے سے اسی لیے پڑھوایا کہ ان کے پڑھنے سے یہود کوشہ ہوتا۔  
۲۔ فہرست ابن ندیم۔ ص ۳۲۔

مگر اس کے بعد ایک دوسرا سوال کہ وہ عیسائی تھے یا یہودی باقی رہ جاتا ہے ان میں سے کسی ایک کی تصریح نظر سے کہیں نہیں گذری لیکن کتب تفسیر میں عام طور پر اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں خاص طور پر ان کے جو اقوال نقل کیے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عیسائی لٹریچر کے مقابلہ میں یہودی لٹریچر سے زیادہ واقف تھے نیز سیف بن ذی یزن یمنی یہودی سے ان کا عزیزانہ تعلق بھی تھا اس سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ یہودی رہے ہوں گئے۔

اب اس مختصر تمہید کے بعد ان کے حالات لکھے جاتے ہیں۔

نام و نسب : وہب<sup>۱</sup> نام، ابو عبد اللہ کنیت نسب نامہ یہ ہے وہب بن منبہ بن کامل بن سح ابن ذی کناز یمنی صنعانی ایک روایت یہ ہے کہ وہب نجفی النسل تھے ان کے والد منبہ سری کے زمانہ میں جب اس نے سیف بن ذی یزن حمیری کی قیادت میں حبشہ پر مہم بھیجی تھی یمن آئے تھے اور پھر یہیں آباد ہو گئے اور عہد نبوی میں مشرف باسلام ہو گئے۔

پیدائش : ۳۳ھ میں پیدا ہوئے<sup>۲</sup>۔

فضل و کمال : اسلامی علوم میں وہب کا کوئی خاص درجہ نہ تھا بلکہ جیسا کہ آگے پلے علوم ہوگا کہ بمقابلہ اس کے وہ دوسرے مذاہب کی کتابوں اور صحیفوں کے عالم تھے تاہم وہ اسلامی علوم سے بیگانہ نہ تھے تابعین میں ممتاز شخصیت کے مالک تھے علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں ان کی توثیق پر سب کا اتفاق ہے<sup>۳</sup>۔

حدیث : حدیث میں متعدد صحابہ سے فیضیاب ہوئے تھے حضرت ابو ہریرہ جابر بن عبد اللہ عبد اللہ بن عباس عبد اللہ بن عمرو بن العاص ابو سعید خدری انس بن مالک اور نعمان ابن بشیر سے ان کی روایت ملتی ہیں<sup>۴</sup>۔ ان کے صاحبزادے عبد اللہ و عبد الرحمن اور بھتیجے عبد الصمد اور عقیل اور عام لوگوں میں عمرو بن دینار ساک بن فضل اسرائیل وغیرہ نے ان سے سماع حدیث کیا تھا<sup>۵</sup>۔

فقہ : ان کے تفقہ کے سلسلہ میں صرف اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں صنعا کے عہدہ قضاء پر مامور تھے<sup>۶</sup>۔

غیر مذاہب کے صحیفوں کا علم : وہب دوسرے مذاہب کے صحیفوں کے بڑے نامور عالم تھے بلکہ اس بارے میں ان کی جماعت میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ گذشتہ کتابوں

۱ یہ حالات زیادہ تر "تابعین" سے ماخوذ ہیں۔ ۲ تذکرۃ الحفاظ - جلد اول - ص ۸۸۔ ۳ تہذیب الاسماء -

جلد اول - ص ۱۳۹۔ ۴ تہذیب التہذیب - جلد ۱۱ - ص ۱۶۷۔ ۵ ایضاً۔ ۶ تذکرۃ الحفاظ -

جلد اول - ص ۸۵۔ ۷ تہذیب الاسماء - جلد اول - ص ۱۳۹۔

کے علم و معرفت میں مشہور ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے وسیع العلم تھے اور اپنے زمانہ میں کعب اخبار کے نظیر مانے جاتے تھے۔ استقصا سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بانوے الہامی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا جن میں سے بعض ایسی تھیں جن کے متعلق لوگوں کو کم واقفیت ہے، اود بن قیس صنعانی کا بیان ہے کہ میں نے وہب سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے بانوے آسمانی کتابیں پڑھیں جن میں سے ۷۲ بہتر کئیوں میں اور لوگوں کے پاس موجود ہیں اور بائیس ۲۲ کتابوں کا علم بہت کم لوگوں کو ہے۔

ان تمام کتابوں میں یہ مضمون مشترک ہے کہ جو انسان مشیت کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے وہ کافر ہے بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ میں کتابیں ایسی پڑھی تھیں جو میں نبیوں پر اترتھیں ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ دونوں صحیح ہیں میں کتابیں ایسی رہی ہوں گی جن کی حیثیت مستقل مصاحف کی ہوگی اور بقیہ مستقل کتابیں نہ رہی ہوں گی اس قدر مسلم ہے کہ وہ کتب ماضیہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور قدیم صحیفوں کے مشہور اور نامور علماء کعب اخبار اور عبداللہ بن سلام دونوں کا مجموعی علم ان کی تہا ذات میں جمع تھا۔

تصنیفات : عہد اسلام میں فن تاریخ پر سب سے پہلی کتاب حضرت معاویہ کے زمانہ میں اخبار الماضیین لکھی گئی اس کے بعد وہب بن منبہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے اس فن میں ایک مفید کتاب ذکر الملوک لکھی یہ اس وقت ناپید ہے لیکن ساتویں صدی تک موجود تھی علامہ ابن خلکان نے اس کتاب کو دیکھا تھا انہوں نے لکھا ہے کہ اس میں یمن کے متعلق بہت مفید معلومات ہیں اور اس میں ملوک حمیر کے اخبار و انساب اور ان کے مقابر و اشعار کا تذکرہ تفصیل سے موجود ہے۔ (ابن خلکان ص ۱۸۰ ج ۲)

اس کتاب کے علاوہ صاحب کشف الظنون نے ان کی ایک کتاب کا تذکرہ کیا ہے کشف الظنون کی عبارت یہ ہے۔

”اول من صنف فی المغازی عروہ بن الزبیر و جمعها ایضا وہب

بن منبہ“۔

”مغازی میں سب سے پہلے عروہ بن زبیر نے تصنیف کی اس کے بعد اس فن کو وہب

ابن منبہ نے جمع کیا“۔

اس کتاب کا ایک نسخہ ہیڈن برگ (جرمنی) میں موجود ہے اس نسخہ پر سنہ کتابت ۲۲۸ھ

درج ہے اور راوی کا نام محمد بن بکر عن ابی طلحہ عن عبدالنعم عن ابیہ عن ابی الیاس عن وہب درج ہے۔

وہبؓ نے اپنی عادت کے مطابق اس میں بھی اسناد کا استعمال نہیں کیا ہے اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انہوں نے کہیں اسرہ ٹیلیات کو داخل نہیں کیا ہے (صحیح الاسلام ج ۲ ص ۳۳۳)

**فضائل اخلاق:** وہب فطرۃ نہایت صالح تھے دینی کتابوں کے مطالعہ نے ان کو اور زیادہ حلیم اور عبادت گزار بنا دیا تھا وہ عابد شب زندہ ار تھے ساری ساری رات عبادت کرتے تھے کامل بیس سال تک انہوں نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پر بھی طبیعت میں نرمی اس قدر تھی کہ کسی ذی روح کے لیے ان کی زبان سے گالی یا درشت کلمہ نہ نکلا۔

**غیر معتبر روایات:** لیکن کعب احبار کی طرح ان کی ذات بھی مسلمانوں میں غیر معتبر اسرہ سلیمیت کی اشاعت کا باعث ہوئی۔

**حکیمانہ مقولے:** حلیۃ الاولیاء میں وہب بن منبہ کے بہت سے حکیمانہ اقوال درج ہیں ان میں سے چند یہاں نقل کیے جاتے ہیں فرمایا کہ بے عمل اور آدرہ آدمی حکماء میں نہیں ہو سکتا (ج ۳ ص ۲۷۷) فرمایا کہ حضرت لقمانؑ نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کی کہ اے نور چشم اہل ذکر اور اہل غفلت کی مثال نور اور ظلمت کی ہے یعنی اہل ذکر میں خدا کا نور ہوتا ہے اور اہل غفلت میں ظلمت ہوتی ہے۔

ایک بار نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ترازو کے پلڑوں کی طرح ہر چیز کے دو کنارے ہوتے ہیں اگر ایک کو پکڑو گئے تو دوسرا جھک جائے گا اس لیے چاہیے کہ وسط کو پکڑو تا کہ دونوں میں سے کوئی نہ جھکنے پائے یعنی ہر کام میں اعتدال ملحوظ رکھنا چاہیے۔ (ج ۳ ص ۳۵)

فرمایا ہر چیز ابتداء میں چھوٹی ہوتی ہے پھر آہستہ آہستہ بڑی ہو جاتی ہے لیکن مصیبت کا حال اس کے بالکل برعکس ہے وہ ابتداء میں بڑی ہوتی ہے پھر آہستہ آہستہ چھوٹی ہو جاتی ہے یعنی اس کا اثر گھٹ جاتا ہے۔ (ج ۳ ص ۶۳)

فرمایا جو شخص علم حاصل کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا اس کی مثال اس طیب کی سی ہے جس کے پاس دو اور شفا کا سامان موجود ہے لیکن وہ انھیں استعمال نہیں کرتا۔ (ج ۳ ص ۷۱)

کسی نے ان سے دریافت کیا کہ ایک شخص نماز میں قیام کرتا ہے اور دوسرا سجدہ میں دونوں میں کون افضل ہے فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ تعلق اور محبت رکھتا ہو۔ (۱ ص ۳۲)

فرمایا منافق کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ تعریف کو پسند کرتا ہے اور تنقید کو ناپسند۔ (۲ ص ۴۱)

فرمایا اگر کسی بچہ میں دو وصف موجود ہیں تو اس سے رشد و صلاح کی توقع ہے ایک حیا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی علامت اور شناخت ہوتی ہے دین کی علامت تین چیزیں ہیں ایمان علم اور عمل پھر ایمان کی بھی تین علامتیں ہیں اللہ پر ملائکہ پر اور اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان عمل کی بھی تین شناخت ہے نماز روزہ زکوٰۃ علم کی تین علامتیں یہ ہیں اللہ کا اور اس کی رضا اور عدم رضا کا علم تصنع اور تکلف کرنے والوں کی تین پہچان ہے جو اس سے اونچے ہوتے ہیں ان کا ہر چیز میں وہ مقابلہ کرتا ہے اور جو چیز اسے معلوم نہیں ہوتی اس کے بارے میں وہ اپنی معلومات کا اظہار کرتا ہے اور جو چیز اللہ نے اسے فطرۃً دی نہیں یا وہ پانہیں سکتا اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔

منافق کی شناخت کی تین صورتیں ہیں جب وہ تنہا ہوتا ہے تو کسل مند ہوتا ہے اور جب اس کے یہاں کوئی جاتا ہے تو نشاط اور چستی کا اظہار کرتا ہے اور ہر کام میں تعریف کا خواہاں ہوتا ہے حاسد کے پہچاننے کی تین صورتیں ہیں جن سے وہ حسد کرتا ہے جب وہ غائب ہوتا ہے تو اس کی غیبت کرتا ہے اور جب وہ سامنے موجود ہوتا ہے تو اس کی خوشامد کرتا ہے اور مصیبت کے وقت گالی گفتمہ کرتا ہے مسرف کی تین عادتیں ہوتی ہیں وہ اس چیز کو خریدتا ہے جو اس کے لائق اور اس کے لیے مفید نہیں ہے کھانا وہ کھاتا ہے جو اس کے لیے نہیں کپڑے وہ پہنتا ہے جو اس کے لیے نہیں ہیں یعنی ہر کام میں اپنا معیار بلند کرتا ہے۔ (۱-ص ۴۷)

ان اقوال میں انہوں نے مختصر طور سے اخلاق و عمل کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈال دی ہے اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔

وفات : ہشام بن عبدالمالک کے عہد میں ۱۱۰ھ میں صنعا میں وفات پائی۔  
اولاد : کتب رجال میں اولاد کی کوئی تصریح نہیں ملتی لیکن ابن ندیم نے ان کے پر نواسے عبدالمعتم کا ذکر کیا ہے جنہوں نے تاریخ کی ایک کتاب ”کتاب المبتدا“ کے نام سے تصنیف کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ ان کے ایک صاحبزادی تھیں۔ (ص ۱۳۸)





## ”صحایات“

### (۱) حضرت تمیمہؓ

نام و نسب : تمیمہ نام ہے۔ باپ کا نام وہب تھا۔ بنو قریظہ سے نسبی تعلق تھا۔  
اسلام : اسلام لانے کے متعلق کوئی تصریح نہیں کی۔  
شادی اور طلاق کا قصہ :

شادی حضرت رفاعہؓ (جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے) سے ہوئی تھی، مگر نباہ نہ ہو سکا۔ اسی لئے حضرت رفاعہؓ نے طلاق دے دیا اس کے بعد حضرت عبدالرحمن بن زبیر سے شادی ہوئی لیکن بعض وجوہ کی بنا پر عبدالرحمن بن زبیر سے بھی علیحدگی اختیار کرنا چاہی مگر حلالہ کے لیے مباشرت ضروری تھی اور وہ غالباً ممکن نہ تھی اس لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں اور عرض کی کہ علیحدگی کی اجازت مرحمت فرمائی جائے مگر اجازت نہیں ملی اور آنحضرت ﷺ کے عہد سعادت تک عبدالرحمن بن زبیر کے ساتھ رہیں حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت ہی میں انھوں نے پھر حضرت ابوبکر سے علیحدگی کی اجازت چاہی لیکن آپ نے بھی اجازت نہیں دی حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو ان سے بھی اجازت چاہی حضرت عمرؓ نے بڑی سختی سے فرمایا کی اگر اب آؤ گی تو رجم کر دوں گا۔

آپ کی زندگی کا یہی واقعہ تمام ارباب رجال لکھتے ہیں، اس کے علاوہ اور حالات نہیں مل سکے۔  
وفات : وفات کی تصریح نہیں ملی، لیکن اوپر کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عہد فاروقی تک زندہ رہیں۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔ (بقرہ۔ ۲۹)

پھر اگر مرد طلاق دے دے عورت کو تو پھر اس کے لئے حلال نہ رہے گی اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ نکاح کرے۔

اس آیت کے اسباب نزول میں ایک سبب حضرت تمیمہؓ کا یہ واقعہ نکاح بھی تھا۔

۱۔ آپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے اس کے علاوہ آپ کے حسب ذیل نام ہیں، سمیمہ، رمیصا، امیمہ، عمیصا، مگر زیادہ تر روایتوں میں عائشہ یا تمیمہ آیا ہے۔ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۸۱۔ ۲ اسد الغابہ ایضاً۔



## (۲) حضرت خالدہ رضی

نام و نسب : خالدہ یا خلدہ نام، باپ کا نام حارث، حضرت عبداللہ بن سلام کی چچی ہوتی تھیں۔  
 اسلام : حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی آمد کے منتظر تھے کہ ایک شخص نے آپ کی آمد کا مرثدہ سنایا۔ میں بے تابی سے اٹھا۔ میری چچی خالدہ میرے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ میری بے تابی دیکھ کر انہوں نے کہا کہ موسیٰ بن عمران کا اگر ظہور ہوتا تو کیا تمہیں اس سے زیادہ مسرت نہ ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا، خدا کی قسم یہ تو نبوت میں موسیٰ کے ساتھی ہیں۔ دونوں کی بعثت کا مقصد ایک ہے۔ اس پر ان کی چچی نے تعجب سے کہا کہ کیا یہ وہی نبی تو نہیں ہیں جن کی بعثت کے ہم سب منتظر تھے، حضرت عبداللہ بن سلام نے انہیں اثبات میں جواب دیا، اور وہاں سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آنے اور اسلام کی دولت سے بہرہ اندوز ہوئے اور پھر گھر آ کر گھر کے سارے افراد کو جن میں حضرت خالدہؓ بھی شامل تھیں اس سے بہرہ اندوز کیا۔  
 زندگی کے دوسرے کارنامے اور وفات وغیرہ کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

## (۳) حضرت ریحانہ رضی

نام و نسب : ریحانہ نام، باپ کا نام شمعون یازید تھا۔ باختلاف روایت سلسلہ نسب یہ ہے ریحانہ بنت شمعون بنت زید، بعض روایتوں میں ریحانہ بنت زید بن عمر بن جنانہ بن شمعون ابن زید ہے۔ قبیلہ بنو قریظہ سے تھیں۔

نکاح : پہلے بنو قریظہ کے ایک شخص حکم سے نکاح ہوا تھا غزوہ بنو قریظہ کے دن دوسرے یہودیوں کے ساتھ حکم بھی قتل کر دیا گیا۔ اس روز جو عورتیں اور بچے اسیر ہو کر آتے تھے، ان ہی میں حضرت ریحانہؓ بھی تھیں۔

۱۔ میرے خیال میں ریحانہ بنت شمعون ہی آپ کا صحیح سلسلہ نسب ہے اس لئے کہ ان کے والد شمار صحابہ میں ہے حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں آپ کا سلسلہ نسب شمعون بن زید لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حضرت ریحانہ کے والد تھے اسی لئے جس سلسلہ میں شمعون کا نام کئی ناموں کے بعد ہے وہ صحیح نہیں ہے۔  
 ۲۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ بنو نضیر سے تھیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ حضرت شمعون کے حالات میں تفصیل آچکی ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے شمعون کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ قرظی تھے اور انصار خزرج کے حلیف تھے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ اسی طرح بنو نضیر سے بھی ان کے عزیزانہ تعلقات رہے ہوں۔

آحضرت ﷺ نے انہیں بڑی احتیاط کے ساتھ ام المذربنت قیس کے گھر میں ٹھہرایا۔  
اسلام : ان سے فرمایا تمہیں اختیار ہے چاہے اسلام قبول کر لیا اپنے مذہب (یہودیت) پر قائم  
رہو۔ انہوں نے اپنے قدیم دین پر رہنا پسند کیا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کو ان کے اسلام نہ لانے کا بڑا  
رنج ہوا، اور دوبارہ فرمایا، اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تمہیں اپنے پاس رکھوں گا، لیکن انہوں نے پھر انکار  
کیا۔ یہ مزاج اقدس پر اور زیادہ گراں گذار خاموشی اختیار فرمائی گئی۔ ایک دن آپ مجلس میں تشریف فرما تھے  
کہ یکا یک ایک شخص کے پیر کی چاپ سنائی دی، آپ نے فرط مسرت سے تمام حاضرین سے فرمایا کہ  
یہ ثعلبہ بن سعید ہیں، جو ریحانہ کے اسلام لانے کی خوشخبری لے کر آ رہے ہیں۔<sup>۱</sup>

دوسری روایت یہ ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا اگر تم اللہ اور رسول (اسلام) کو اختیار کرتی ہو  
تو میں تمہیں اپنے لئے خاص کر لوں گا، اس پر حضرت ریحانہ نے کہا ہاں میں اللہ اور اس کے رسول کو  
اختیار کرتی ہوں۔<sup>۲</sup>

ہو سکتا ہے کہ ابتداء میں انہوں نے اسلام قبول کرنا اپنی قدیم دینی اور قومی حمیت کے خلاف  
سمجھا ہو، اور بعد میں جب اس کی خوبیوں سے واقف ہو گئیں تو قبول کر لیا ہو۔  
قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے انہیں اپنی ملک میں رکھا اور بعض روایتوں کے مطابق  
آپ نے انہیں آزاد کر کے اپنے حوالہ عقد میں لے لیا اور وہ ازواج مطہرات میں داخل ہوئیں۔<sup>۳</sup>  
ابن سعد اور حافظ ابن حجر نے انہیں ازواج مطہرات میں اور اکثر اہل سیر اور اہل رجال نے انہیں  
سراہی میں شمار کیا ہے لیکن ابن اسحاق کی ایک روایت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ان سے نکاح نہیں  
کیا تھا بلکہ انہیں یہ اختیار بخشا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو آپ ان سے نکاح فرمائیں اور انہیں ازواج مطہرات میں  
شامل کر لیں۔ لیکن انہوں نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ اپنی ملک ہی میں رکھیں تو میرے اور آپ  
دونوں کے لئے آسانی ہو چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنی ملک ہی میں رکھا۔ (اصابہ جلد ۴ ص ۳۰۹)  
وفات : آنحضرت ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے سے چند مہینے پہلے ہی اس دار فانی کو چھوڑ  
کر دار بقاء میں پہنچ گئیں۔<sup>۴</sup>

۱۔ ابن سعد۔ ۲۔ ابن سعد۔ جلد ۸۔ ص ۹۳۔ ان کے اسلام کے سلسلہ میں پہلی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی  
ہے۔ اس لئے کہ ثعلبہ بن سعید کے ذکر میں تمام اہل رجال نے اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ ۳۔ ابن سعد ایضاً۔  
۴۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کی وفات سے چھ مہینے پہلے آپ کا انتقال ہوا اور بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے حجۃ  
الوداع سے واپس آنے کے بعد آپ کی وفات ہوئی (اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۳۰۹)۔  
۵۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کی وفات کے چھ مہینے پہلے آپ کا انتقال ہوا۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے  
حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد آپ کی وفات ہوئی۔ (اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۳۰۹)

تدفین : جنۃ البقیع میں سپرد خاک کی گئیں۔

حلیہ : خدائے تعالیٰ نے حسن صورت اور حسن سیرت دونوں سے نوازا تھا۔

قیام گاہ : ابتداء میں ام المندر کے مکان میں ٹھہرائی گئیں۔ اس کے بعد غالباً دار قیس بن فہد مستقل قیام گاہ رہی۔ اور وہیں وفات پائی۔

فضائل : آنحضرت ﷺ کو ان سے بڑی صحبت تھی، جب وہ کوئی فرمائش کرتی تھیں تو آپ نہ روپوری کرتے تھے، ابن سعد میں ہے کہ ازواج مطہرات کی طرح ان کی بھی باری کا دن مقرر تھا اور باپ دہ رہتی تھیں۔

## (۴) حضرت سفانہ رضی

نام و نسب : سفانہ نام، حضرت عدی بن حاتم مشہور صحابی کی بہن تھیں اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب اسلام اسلامی لشکر قبیلہ طے میں پہنچا تو اس وقت حضرت عدی قبیلہ کے سردار تھے وہ اپنے اہل و عیال کو لے کر اپنی عیسائی برادری کے پاس شام چلے گئے۔ لیکن اتفاق سے سفانہ چھوٹ گئیں اور وہ مسلمان کے ہاتھ گئیں، امام قیدیوں کے ساتھ وہ مدینہ لائی گئیں، اور ایک خاص مقام پر رکھیں گئیں، آنحضرت ﷺ کا ادھر سے گذر ہوا تو سفانہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور ان کے علاوہ جو چھڑانے والے ہے وہ اس وقت موجود نہیں ہے۔ مجھ پر احسان کیجئے، خدا آپ پر احسان کرے گا، حضور ﷺ نے پوچھا چھڑانے والا کون۔ عرض کیا عدی بن حاتم، فرمایا وہی تو نہیں جس نے خدا اور رسول ﷺ سے فرار اختیار کر لیا۔ دوسرے دن پھر آپ کا گذر ہوا، اسیر خاتون نے پھر وہی درخواست کی اور پھر وہی جواب ملا۔ تیسری مرتبہ انہوں نے حضرت علیؑ کے مشورہ سے درخواست کی۔ اس مرتبہ قبول ہوئی اور رہا کر دی گئیں۔

لیکن چونکہ بڑے گھر کی عورت تھیں اس لئے ان کے رتبہ اور اعزاز کے پیش نظر ارشاد ہوا کہ ابھی جانے میں جلدی نہ کرو جب تمہارے قبیلہ کا کوئی معتبر آدمی مل جائے تو مجھے خبر کرو، چند دنوں کے بعد قبیلہ بلی اور قضاہ کے کچھ لوگ ملے۔ سفانہ نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ نے ان سے شایان شان سواری لباس اور اخراجات سفر کا انتظام کر کے بحفاظت تمام ان کو روانہ کر دیا۔ یہاں

سے یہ براہ راست عدی کے پاس شام پہنچیں اور ان کو بہت ملامت کی کہ تم سے زیادہ قاطع رحم کون ہوگا اپنے اہل و عیال کو تو لے آئے اور مجھ کو تنہا چھوڑ دیا۔ عدی نے ندامت اور شرمساری کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا، اور چند دنوں کے بعد عدی نے ان سے پوچھا کہ تم ہوشیار اور عاقل ہو، تم نے اس شخص (آنحضرت ﷺ) کے متعلق کیا رائے قائم کی۔ انہوں نے کہا کہ میری یہ رائے ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو ان سے ملو، اگر وہ نبی ہیں تو ان سے ملنے میں سبقت کرنا شرف و سعادت ہے اور اگر بادشاہ ہے تو بھی یمین کا ایک باعزت فرمانروا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

اسلام : اس کے بارے میں صاحب اصحابہ لکھتے ہیں۔

”و کانت اسلمت و احنت اسلامها“۔

”وہ اسلام لائیں اور حسن و خوبی سے اسے نباہا۔“

وفات اور زندگی کے دوسرے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

## (۵) حضرت سیرینؓ

حضرت سیرینؓ اور ماریہ قبطیہ بہنیں نہیں تھیں۔ ان کو مقوقس شاہ مصر نے بارگاہ رسالت میں ہدیہ بھیجا تھا، حضرت ماریہؓ تو حرم نبوی میں داخل ہوئیں اور حضرت سیرینؓ حضرت حسان مشہور صحابی و شاعر کے حوالہ عقد میں آئیں جن کے لطن سے حضرت عبدالرحمن بن حسانؓ پیدا ہوئے۔ حضرت سیرینؓ بڑی صابر اور شاکر تھیں۔ جب آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا جو حضرت ماریہؓ کے لطن سے تھے۔ انتقال ہوا تو حضرت ماریہؓ سخت جگر کی جدائی سے بے قابو ہو کر رونے لگیں۔ حضرت سیرینؓ کو اگر چہ اپنی محبوب بہن کے بچے کے مرنے کا غم کم نہ تھا۔ لیکن انھوں نے اپنے جذبات پر قابو رکھا اور حضرت ماریہؓ کو سمجھاتی رہیں۔

حضرت ماریہؓ اور حضرت سیرینؓ کے متعلق اگرچہ رجال اور سیر کی کتابوں میں اس کی تصریح نہیں ملتی کہ وہ عیسائی تھیں لیکن بعض قرآن کی بنا پر انھیں اہل کتاب صحابیات کے زمرہ میں لے لیا گیا ہے۔ پہلا قرینہ یہ ہے وہ قبطی تھیں، اور معلوم ہے کہ مصر کے قبطی عموماً عیسائی تھے۔ چنانچہ زرقانی نے حضرت ماریہؓ کے حالات میں قبطی کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

”نسبة الی القبط ای نصاری مصر“ (قبطی مصر کے عیسائی تھے)

دوسرا یہ کہ ان کے ساتھ ایک بھائی ماہور بھی آئے تھے ارباب سیر و رجال لکھتے ہیں کہ بہنوں نے تو اسلام قبول کر لیا۔ لیکن یہ اس وقت اپنے قدیم دین پر قائم رہے اور کچھ دن کے توقف کے بعد مسلمان ہوئے۔ ہمارا خیال ہے کہ دین سے نصرانیت ہی کی طرف اشارہ ہوگا۔

ماہور کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

## (۵) حضرت صفیہؓ

نام و نسب : اصلی نام زینب تھا۔ لیکن چونکہ وہ جنگ خیبر میں خاص آنحضرت ﷺ کے حصہ میں آئی تھیں۔ اور عرب میں مالِ غنیمت کے ایسے حصے کو جو امام یا بادشاہ کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔ صفیہ کہتے تھے۔ اس لئے وہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔ یہ زرقانی کی روایت ہے۔

حضرت صفیہؓ کو باپ اور ماں دونوں کی جانب سے سیادت حاصل تھی باپ کا نام حی بن اخطب تھا جو قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا اور ہارن علیہ اسلام کی نسل میں شمار ہوتا تھا ماں جس کا نام ضرہ تھا سہول رئیس قریظہ کی بیٹی تھی اور یہ دونوں خاندان (قریظہ اور نضیر) بنو اسرہیل کے ان تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے جنہوں نے زمانہ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

نکاح : حضرت صفیہؓ کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی سلام نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی اخطب کے نکاح میں آئیں جو ابو رافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر کا بھتیجا تھا کنانہ جنگ خیبر میں قتل ہوا۔ حضرت صفیہؓ کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں۔ جب خیبر کے تمام قیدی جمع کئے گئے تو دجیہ کلبیؓ نے آنحضرت ﷺ سے ایک لونڈی کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے انتخاب کرنے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے حضرت صفیہؓ کو منتخب کیا۔ لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ آپ نے رئیسہ بنو نضیر و قریظہ کو دجیہ کو دے دیا۔ وہ تو صرف آپ کے لئے سزاوار ہے مقصود یہ تھا کہ رئیسہ عرب کے ساتھ عام عورتوں کا سا برتاؤ ٹھیک نہیں۔ چنانچہ حضرت دجیہؓ کو آپ نے دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہؓ کو آزاد کر کے خود نکاح کر لیا۔ خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی۔ اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا اس کو جمع کر کے دعوت

۱۔ ان کے حالات کسی قدر اضافے کے ساتھ حرف بحرف سیر الصحابیات اڈیشن اول مؤلفہ مولانا سعید انصاری سابق رفیق دارالمصنفین سے منقول ہیں۔ ۲۔ صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ما یذکر فی الفتح صحیح مسلم۔ جلد ۱۔ ص ۵۳۶۔

ولیمہ فرمائی۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کر لیا۔ اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا۔ مدینہ پہنچے کر آپ نے حضرت صفیہؓ کو حارث بن نعمان کے مکان پر اتارا۔ جب ازواج مطہرات کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو حضرت عائشہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت حفصہؓ وغیرہ انصار کی چند عورتوں کے ساتھ ان کو دیکھنے آئیں۔ حضرت عائشہؓ جب دیکھ کر واپس ہوئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا ”کیف رائتھا یا عائشہ“ عائشہ تم نے ان کو کیسا پایا۔ حضرت عائشہؓ بولیں ”یہودیہ ہے“ فرمایا، یہ نہ کہو، وہ تو مسلمان ہو گئی ہیں اور ان کا اسلام بہتر ہے۔

عام حالات: حضرت صفیہؓ کے مشہور واقعات میں حج کا سفر ہے جو انہوں نے ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔

حضرت عثمانؓ کے ایام محاصرہ میں جو ۳ھ میں ہوا تھا۔ حضرت صفیہؓ نے ان کی بے حد مدد کی تھی۔ جب حضرت عثمانؓ پر ضروریات زندگی مسدود کر دی گئی اور ان کے مکان پر پہرہ بٹھا دیا گیا تو وہ خود خچر پر سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف چلیں۔ غلام ساتھ تھا۔ اشتر کی نظر پڑی تو انہوں نے آ کر خچر کو مارنا شروع کیا۔ حضرت صفیہؓ نے کہا کہ مجھ کو ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں واپس جاتی ہوں۔ تم خچر کو چھوڑ دو گھر واپس آئیں تو حضرت امام حسن علیہ السلام کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ ان کے مکان سے حضرت عثمانؓ کے پاس کھانا اور پانی لے جاتے تھے۔

وفات: حضرت صفیہؓ نے رمضان ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئیں اس وقت ان کی عمر ۶۷ سال کی تھی۔ ایک لاکھ تر کہ چھوڑا اور ایک ٹلٹ کی اپنے ایک یہودی بھانجے کے لئے وصیت کر گئیں۔

حلیہ: کوتاہ قامت اور حسین تھیں۔

فضل و کمال: حضرت صفیہؓ سے چند حدیثیں مروی ہیں جن کو امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اسحاق بن عبد اللہ بن عارث، مسلم، صفوان، کنانہ اور یزید بن معتب، صہیرہ بنت جیفر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

دیگر ازواج کی طرح حضرت صفیہؓ بھی اپنے زمانہ میں علم کا مرکز تھیں۔ چنانچہ جب صہیرہ بنت جیفر حج کر کے حضرت صفیہؓ کے پاس مدینہ آئیں تو کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت

کرنے کی غرض سے بیٹھی ہوئی تھیں۔ صہمہ کا بھی یہی مقصد تھا۔ اس لئے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے سوال کرائے ایک فتویٰ نیند کے متعلق تھا۔ حضرت صفیہؓ نے سنا تو بولیں۔ اہل عراق اس مسئلہ کو اکثر پوچھتے ہیں۔<sup>۱</sup>

اخلاق : حضرت صفیہؓ میں بہت سے محاسن اخلاق جمع تھے اسد الغابہ میں ہے۔<sup>۲</sup>

”کانت عاقله من عقلاء النساء“۔ یعنی ”وہ نہایت عاقلہ تھیں۔“

زرقاتی میں ہے۔<sup>۳</sup>

”کانت صفیة عاقله حلیمة فاضلة“۔ یعنی ”صفیہ عاقل، فاضلہ اور حلیمہ تھیں۔“

علم و تحمل ان کے باب فضائل کا نہایت جلی عنوان ہے۔ غزوہ خیبر میں جب وہ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہو کر آ رہی تھیں۔ تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ کر چیخ اٹھتی تھی، حضرت صفیہؓ نے اپنے محبوب شوہر کی لاش سے قریب ہو کر گزریں لیکن اب بھی اس طرح پیکر متانت تھیں۔ اور ان کی جبین تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی۔

ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ نے ان کو یہودیہ کہا ان کو معلوم ہوا تو روئے ولگیں۔

حضرت صفیہؓ کے پاس ایک کینز تھی، جو حضرت عمرؓ کے پاس جا کر ان کی شکایت کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک دن کہا کہ ان میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے۔ تصدیق کے لئے ایک شخص کو بھیجا۔ حضرت صفیہؓ نے جواب دیا کہ یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے بدلے میں خدا نے ہم کو جمعہ کا دن عنایت فرمایا ہے۔ البتہ میں یہود کے ساتھ صلہ رجمی کرتی ہوں۔ وہ میرے خویش اور اقارب ہیں۔ اس کے بعد لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے میری شکایت کی تھی؟ بولی ”ہاں مجھ کو شیطان نے بہکا دیا تھا۔“ حضرت صفیہؓ خاموش ہو گئیں اور اس کو آزاد کر دیا۔<sup>۴</sup>

حضرت صفیہؓ کو آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت تھی۔ چنانچہ جب آپ علیہ السلام ہوئے تو نہایت حسرت سے بولیں ”کاش، آپ کی بیماری مجھ کو ہو جاتی۔“ ازواج نے ان کی طرف دیکھنا شروع کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ”یہ سچ کہہ رہی ہے“<sup>۵</sup>۔ یعنی اس میں تصنع کا شائبہ نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ کسی بات پر کبیدہ خاطر ہو گئے یہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں اور ان سے کہا کہ میں آپ کو آج کی اپنی باری جو میرے نزدیک سب سے محبوب چیز ہے، دیتی ہوں۔

۱۔ منہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۳۷ ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۳۹۰ ۳۔ زرقاتی۔ جلد ۳۔ ص ۲۹۶

۴۔ اصباہ۔ جلد ۸۔ ص ۱۲۷، زرقاتی۔ جلد ۳۔ ص ۲۹۶ بحوالہ ابن سعد ۵۔ زرقاتی۔ جلد ۱۳۔ ص ۲۹۶

آپ ﷺ کو راضی کر دیں۔ حضرت عائشہؓ جب آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ تمہاری باری کا دن نہیں ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا ”یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے“۔ اس کے بعد واقعہ بیان کیا۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر حضرت صفیہؓ سے راضی ہو گئے۔<sup>۱</sup>

آنحضرت ﷺ کو بھی ان کے ساتھ نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔ ایک بار آپ سفر میں تھے۔ ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں۔ حضرت صفیہؓ کا اونٹ سوء اتفاق سے بیمار ہو گیا۔ حضرت زینبؓ کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے۔ آپ نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ منیہ۔ کو دے دو۔ انہوں نے کہا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں؟ اس پر آنحضرت ﷺ ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے۔<sup>۲</sup>

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے ان کے قد و قامت کی نسبت چند جملے کہے، تو آنحضرت ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے یہ ایسی بات کہی کہ اگر سمندر میں چھوڑ دی جائے تو اس میں مل جائے۔<sup>۳</sup> (یعنی سمندر کو بھی گدلا کر سکتی ہے)۔

ایک بار آپ حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ رو رہی ہیں۔ آپ نے رونے کا سبب پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ ”عائشہ اور زینب کہتی ہیں کہ ”ہم تمام ازواج میں افضل ہیں۔ ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچا زاد بہن بھی ہیں۔“ آپ نے فرمایا ”تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ”ہارون میرے باپ، موسیٰ میرے چچا اور محمد (ﷺ) میرے شوہر ہیں۔ اس لئے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو۔“<sup>۴</sup>

سفر حج میں حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیٹھ گیا تھا۔ اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ ادھر سے گذرے تو دیکھا کہ زار و قطار رو رہی ہیں۔ آپ نے ردا اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے آپ آنسو پونچھتے جاتے تھے او وہ بے اختیار روئی جاتی تھیں۔<sup>۵</sup> آخر کار آپ نے تمام قافلہ کو رک جانے کا حکم دیا۔<sup>۶</sup>

حضرت صفیہؓ سیر چشم اور فیاض واقع ہوئی تھیں۔ چنانچہ جب وہ ام المومنین بن کر مدینہ میں آئیں تو حضرت فاطمہؓ اور ازواج مطہرات کو اپنی سونے کی بجلیاں تقسیم کیں۔<sup>۷</sup>

۱۔ مسند۔ جلد ۶۔ ص ۱۳۵

۲۔ اصباہ۔ جلد ۸۔ ص ۱۲۶ بحوالہ ابن سعد

۳۔ ابوداؤد۔ جلد ۲۔ ص ۱۹۳

۴۔ زرقانی۔ جلد ۳۔ ص ۲۹۶

۵۔ مسند۔ جلد ۶۔ ص ۳۳۶

۶۔ صحیح ترمذی۔ ص ۶۳۹

۷۔ زرقانی۔ جلد ۳۔ ص ۲۹۶



کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں۔ اور آنحضرت ﷺ کے پاس تحفہ بھیجا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کے گھر میں آنحضرت ﷺ کے پاس انھوں نے پیالہ میں جو کھانا بھیجا تھا اس کا ذکر بخاری اور نسائی وغیرہ میں آیا ہے۔

## (۷) حضرت ماریہ قبطیہؓ

نام و نسب : ماریہ نام، ام ابراہیم کنیت۔ قبطیہ<sup>۱</sup>۔ ان کی قومی نسبت تھی۔ مصر کے ایک ضلع انصایا انص کا ایک گاؤں حفن ان کا آبائی وطن تھا۔

خدمت نبوی میں آمد : کھے میں رسول اللہ ﷺ نے دعوت اسلام کے لئے شاہان وقت کو جو خطوط لکھے تھے۔ ان میں ایک خط مقوقس عزیز مصر کے نام بھی تھا۔ جس کو حضرت حاطب بن بلتعہ لے کر مصر گئے تھے۔ مقوقس نے اسلام قبول نہیں کیا۔ لیکن حضور ﷺ کے پیام اور پیامبر کی بڑی پذیرائی کی اور قیمتی ساز و سامان کے علاوہ دو لڑکیاں جن کے ساتھ ان کے بھائی مابور بھی تھے۔ خدمت نبوی ﷺ میں تحفہ بھیجیں<sup>۲</sup>۔ ان لڑکیوں میں ایک تو سیرین<sup>۳</sup> تھی۔ جن کا ابھی ذکر آچکا ہے دوسری یہی حضرت ماریہ قبطیہؓ تھیں۔

اسلام : حضرت ماریہ مصر سے حضرت حاطبؓ کے ساتھ آئی تھیں۔ اس لئے وہ ان سے بہت زیادہ مانوس ہو گئی تھی۔ حضرت حاطب نے اس انس سے فائدہ اٹھا کر ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ حضرت ماریہؓ اور ان کی بہن حضرت سیرینؓ نے تو اسلام قبول کر لیا۔ لیکن ان کے بھائی مابور اپنے قدیم دین عیسائیت پر قائم رہے۔

قیام گاہ : حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ماریہ کو پہلے ہمارے پڑوس میں حارثہ بن نعمان کے مکان پر ٹھہرایا گیا اور ہم لوگ برابر ماریہ کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ لیکن جب آنحضرت ﷺ کی آمد و رفت ان کے پاس زیادہ ہونے لگی۔ تو ہم لوگوں نے ان کے پاس آنا جانا کم کر دیا (کہ آنحضرت ﷺ کے سکون میں فرق نہ آئے)۔ وہ تنہائی کی وجہ سے گھبرانے لگیں، تو آنحضرت ﷺ نے انھیں مقام العالیہ میں جو اس وقت مشربہ ام ابراہیم کے نام سے مشہور ہے منتقل کر دیا<sup>۴</sup>۔

۱۔ حضرت ماریہ کے ساتھ قبطی کی نسبت ہی اگرچہ ان کی عیسائیت کی دلیل کے لئے کافی ہے۔ لیکن میں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ صاحب زرقانی کی تصریح اور بعض دوسرے قرآن کی بناء پر ان کو اس فہرست میں داخل کیا ہے۔ سیرین کے حالات میں اس کی تصریح آچکی ہے۔  
۲۔ اصحابہ۔ جلد ۴۔ ۳۰۵۔ فتح الباری۔ جلد ۸۔ ص ۵۱۳

۹ھ میں ایلا کا واقعہ پیش آیا۔ جس سے حضرت ماریہؓ کا خاص تعلق ہے۔ اس کی تفصیل آخر میں آئے گی۔

عہد صدیقی و فاروقی : حضرت ماریہؓ "گوازر ج مطہرات میں نہیں تھیں، لیکن رحمت عالم ﷺ ان کے ساتھ ازواج مطہرات ہی کے ایسا سلوک کرتے تھے۔ آپ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے بھی ان کے اعزاز و احترام کو باقی رکھا اور ہمیشہ ان کے نان نفقہ کا خیال کرتے رہے۔ حضرت صدیقؓ کے بعد حضرت فاروقؓ نے بھی ان کے ساتھ یہی سلوک مرعی رکھا۔

وفات : حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ خلافت میں محرم ۱۶ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

تدفین : حضرت عمرؓ کی وفات کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے خود تمام اہل مدینہ کو جمع کیا اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی مدینہ کے عام قبرستان بقیع میں سپرد خاک کی گئیں۔

اولاد : آنحضرت ﷺ کی جتنی اولادیں ہوئیں وہ سب حضرت خدیجہؓ کے لطن سے ہوئیں ان کے بعد صرف حضرت ماریہؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کے لطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور ۱۸ ماہ زندہ رہ کر داغ مفارقت دے گئے۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی وفات کا بحد غم ہوا تھا۔

حلیہ : قدرت نے حسن باطن کے ساتھ ساتھ حسن ظاہر سے بھی نوازا تھا بال نہایت گھنے اور خوب صورت تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے جتنا رشک ان پر آتا تھا کسی دوسرے پر نہیں۔

رقت قلب : نہایت رقیق القلب تھیں حضرت ابراہیمؓ کا جب انتقال ہوا تو رقت قلب کی وجہ سے ان کو اپنے اوپر قابو نہیں رہا اور بے اختیار رونے لگیں۔

فضائل : رسول اللہ ﷺ کو حضرت ماریہؓ سے بحد محبت تھی اور اس وجہ سے ان کے پاس آپ کی آمد رفت بہت زیادہ رہتی تھی گو وہ کنیز تھیں۔ لیکن ازواج کی طرح ان کو بھی آپ نے پردے میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ ان کے فضل کے لئے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد مبارک کافی ہے : کہ

"استوصو بالقبط فان لهم ذمۃ ورحمًا ورحمہم ان ام اسمعیل بن ابراہیم

وامہ ابرہیم بن النبی منہم" - (ابن سعد۔ جلد ۸۔ ص ۱۵۴)

۱ ابن سعد۔ جلد ۸۔ ص ۱۵۶۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے ۵ برس بعد ان کی وفات ہوئی۔ اس حساب سے ان کی وفات ۱۵ھ میں ہوئی۔ لیکن دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس لئے کہ ۱۶ھ کے پہلے مہینے میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ اس لئے ۵ برس کا تعین غلط نہیں ہے۔ ۲ اصابہ ۳ ابن سعد۔ جلد ۸۔ ص ۱۵۴ ۴ ایضاً۔ ص ۱۵۵ ۵ جاریات یعنی کنیزوں کے لئے پردہ کی ضرورت نہیں ۶ اصابہ و ابن سعد

”قبیلوں کے (مصر کے عیسائی) ساتھ حسن سلوک کرو، اس لئے کہ ان سے عہد اور نسب دونوں کا تعلق ہے۔ ان سے نسب کا تعلق تو یہ ہے کہ حضرت اسمعیلؑ کی والدہ (حضرت ہاجرہ) اور میرے لڑکے براہیمؑ دونوں کی ماں اسی قوم سے ہیں اور عہد کا تعلق یہ ہے کہ ان سے معاہدہ ہو چکا ہے۔“

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے :

”كانت مارية هذا من الصالحات الخيرات العنان“

(البدایہ - جلد ۷ - ص ۷۷)

”اور ماریہؓ نہایت صالح، پاکیزہ اور نیک سیرت تھیں۔“

ایلا : ۹ھ میں رسول اللہ ﷺ نے بعض خانگی اور ازواجی معاملات کی بنا پر ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اسی واقعہ کو ایلا کہتے ہیں جن اسباب کی بنا پر آپ نے علیحدگی کا فیصلہ کیا تھا اس کے بارے میں مفسرین و محدثین میں باہم اختلاف ہے اور انہوں نے ایک دوسرے سے بہت متضاد اور مخالف باتیں کہی ہیں۔

ان اسباب میں ایک سبب حضرت ماریہؓ کے واقعہ کو بھی جس کا ذکر آگے آتا ہے قرار دیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایلا کے واقعہ سے حضرت ماریہؓ کے واقعہ کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ صرف حضرت ماریہؓ اور حضرت حفصہؓ کا معاملہ تھا۔ روایتوں میں دونوں واقعے خلط ملط ہو گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے واقعات کی اصل نوعیت سامنے نہیں آنے پاتی۔ اب ہم اس کی تفصیل کرتے ہیں تاکہ واقعہ کی اصل حقیقت واضح ہو جائے۔

بات یہ تھی کہ ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کو آنحضرت ﷺ سے غایت درجہ تعلق اور محبت تھی۔ اس وجہ سے ہر ایک آپ کی صحبت کو باعث سعادت سمجھتیں تھیں۔ ان میں سے جن کو بھی تقرب و اختصاص کا موقع ملتا تھا۔ اس میں کسی کی شرکت کا شائبہ بھی ان کو بہت گراں گذرتا تھا اور پھر باقتضائے بشریت آپس میں کچھ جذبہ رشک و مسابقت بھی موجود تھا۔ اس وجہ سے کبھی کبھی آپس میں شکر رنجی بھی ہو جایا کرتی تھی، اور اس مصیبت میں ایک مرتبہ حضرت ماریہؓ بھی مبتلا ہو گئیں۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت حفصہؓ کی باری کا دن تھا۔ آنحضرت ﷺ حسب معمول ان کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت حفصہؓ موجود نہیں تھیں۔ اس اثنا میں آنحضرت ﷺ حضرت ماریہؓ سے جو حضرت حفصہؓ کے پڑوس ہی میں رہتی تھیں باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت حفصہؓ واپس آئیں تو آپ کو اپنے گھر میں حضرت ماریہؓ سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا، باقتضائے بشریت ان کو بڑا رنج ہوا اور

حضور ﷺ سے فرمایا کہ اپنی تمام بیویوں میں آپ صرف میرے ہی ساتھ ایسا کرتے ہیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ماریہ سے کنارہ کشی کا عزم کر لیا۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت حفصہ نے آنحضرت ﷺ سے غصہ میں بات کی، اس پر آپ نے حضرت ماریہ سے علیحدگی کی قسم کھالی، جس پر سورہ تحریم کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ سورہ تحریم کی یہ ابتدائی آیتیں آپ کی شہد نوشی اور اس کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی وجہ سے نازل ہوئیں۔ لیکن جیسا کہ بخاری وغیرہ میں تصریح موجود ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کہ ایلاء کا واقعہ بھی اسی زمانہ میں پیش آیا ہو، جس زمانہ میں آپ نے حضرت ماریہ سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ اود دونوں واقعے نزول آیات کا سبب بنے ہوں، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تمام روایتوں کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

”ان تكون الاية نزلت في سببين“ ۱۔

”ہو سکتا ہے کہ آیت کے نزول کا سبب دونوں واقعے ہوں“۔

بہر حال حضرت ماریہ سے علیحدگی ادا ایلاء کے واقعہ میں ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت میں حضرت ماریہ کے واقعہ کے سلسلہ میں جتنی روایتیں ہیں۔ ان سب پر جرح کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ واقعہ سرے سے صحیح ہی نہیں ہے لیکن جہاں تک میری تحقیق کا تعلق ہے اس کے لحاظ سے یہ توضیح ہے کہ آیت کے نزول کا سبب حضرت ماریہ کا واقعہ نہیں ہے، لیکن نفس واقعہ کے عدم وقوع و عدم صحت کا ثبوت نہیں ملتا۔ انھوں نے اس سلسلہ میں دو تین باتیں کہی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ روایت صحاح ستہ میں نہیں ہے دوسرے یہ کہ امام نووی نے اس کی صحت پر کلام کیا ہے۔ تیسری یہ کہ یورپ کے اکثر مورخوں نے اسی قسم کی روایتوں کی بنا پر آنحضرت ﷺ کے اخلاق پر حرف گئیاں کی ہیں۔

۱۔ صحاح کی پانچ کتابوں میں تو یہ روایت یقیناً نہیں ہے لیکن نسائی باب الغیرۃ میں حضرت انس سے یہ روایت موجود ہے۔ اگرچہ اس میں بھی حضرت ماریہ کا نام نہیں ہے لیکن روایت کے سیاق و سباق اور دوسرے قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ماریہ ہی کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس روایت میں چار راوی ہیں ۲۔ اور ان میں سے کسی کی بھی وثاقت اور عدالت پر کلام نہیں کیا گیا ہے۔

۱۔ فتح الباری۔ جلد ۸ ص ۵۰۳ ۲۔ ۳۔ ابراہیم اور ان کے والد یونس، حماد بن سلمہ ثابت بن اسلم ابنانی

تہذیب میں ان سب کا تذکرہ موجود ہے۔ ائمہ رجال نے ان میں سے کسی کو مجروح یا غیر ائمہ قرار نہیں دیا ہے۔

بالکل یہی روایت حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں نقل کی ہے اس روایت کے اوپر کے دو راوی حضرت انسؓ اور ثابت البنانی ہیں۔ لیکن اس کے بعد چار راوی دوسرے ہیں حاکم نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے۔

”ہذا حدیث صحیح علی شرط مسلم“ - (جلد ۳- ص ۴۹۳)

”یہ حدیث صحیح ہے اور مسلم کی شرط پر پوری اترتی ہے۔“

حافظ ذہبی نے مستدرک کی تالیف میں اس روایت پر کوئی جرح نہیں کی ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ روایت میں کوئی سقم نہیں ہے۔

نسائی اور مستدرک میں ماریہؓ کے حضرت حفصہؓ کے گھر میں موجود ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے اس کے علاوہ طبرانی اور بزار نے بھی اس روایت کی تخریج کی ہے بزار کی روایت کے متعلق حافظ نور الدین ہیشمی نے مجمع الزوائد میں لکھا ہے کہ

”رجال البزار رجال الصحیح غیر بشر بن ادم الاصفرو هو ثقہ“۔

(ج ۷- ص ۱۲۶)

”بزار کے تمام رواۃ صحیح حدیث کے رواۃ ہیں۔ بجز بشر بن آدم کے لیکن ان کے ثقہ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔“

حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کے بعد اور طرق ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ہذہ طرق یقوی بعضها بعضاً۔ یہ روایت بہت سے طریقوں سے مروی ہے اور ان میں ایک روایت دوسری روایت کو قوی کرتی ہے (یعنی صحیح نہیں ہے)۔

امام نووی نے یقیناً لکھا ہے۔

”ولم تات قصة ماریة من طریق صحیح“

”ماریہ کا قصہ صحیح طریق سے ثابت نہیں ہے۔“

لیکن اس کے ساتھ حافظ ابن کثیرؒ ابن حجرؒ، ابو بکر پیشی، امام ذہبیؒ کی صحت کے قائل ہیں۔ دوسرے بزرگوں کی رائے کو بھی آسانی سے رد نہیں کیا جاسکتا۔

”ان ذلک فی تحریم الاصل“ -

”آیت کے نزول کا سبب آپؐ شہد کو حرام کر لینا تھا۔“

لیکن حضرت ماریہؓ کے واقعہ سے انہوں نے انکار کیا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے :

۱۔ ایلا کا مشہور واقعہ جس میں ازواج مطہرات سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور حضرت ماریہؓ کا واقعہ دونوں الگ الگ ہیں۔ حضرت ماریہؓ کے قصہ کا تعلق حضرت حفصہؓ یا بعض روایتوں کے مطابق حفصہ اور حضرت عائشہؓ دونوں سے تھا۔

۲۔ سورہ تحریم کی ابتدائی آیتوں کے نزول کا اصلی سبب آپ کی شہد نوشی اور اس کی تحریم ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت ماریہؓ کا واقعہ بھی پیش آیا ہو، اور بعضوں نے اس کو ان آیات کا سبب نزول سمجھ لیا ہو۔

۳۔ حضرت ماریہؓ سے آپ کی کنارہ کشی کا واقعہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے۔ یہ ضرور ہے کہ صحیح روایات میں لغو واقعات شمول نہیں ہیں۔ چنانچہ نسائی اور مستدرک کی روایات اس سے خالی ہیں۔

۴۔ اگر امام نوویؒ نے اس روایت کی صحت پر کلام کیا ہے تو دوسرے ائمہ حدیث نے اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔

۵۔ اس قسم کی روایات پر یورپین مورخین کو اگر آنحضرت ﷺ پر حرف گیری کا موقع ملتا ہے تو اس سے آنحضرت ﷺ کی بلندی و نزاہت اخلاق پر کس کا سارا نمانہ گواہ ہے، کہاں حرف آسکتا ہے۔ قرآن کی صحت پر کس کو کلام ہے۔ لیکن کیا وہ ان کی خردہ گیری کی زد سے بچ گیا۔ آنحضرت ﷺ کے اخلاق حسنہ کی تعریف آپ کے زمانہ کے دشمنوں نے کی ہے۔ لیکن یورپ کو آپ میں (نعوذ باللہ) کوئی نیکی نظر نہیں آتی۔ آپ کے معیار اخلاق پر حرف گیری کے لئے اس قسم کی روایات تو الگ رہیں، جن کا بیشتر حصہ موضوع جعلی، ناقابل اعتبار ہے۔ خود تعداد ازواج اور کنیزوں سے انتفاع جنسی جیسے معلم و محقق مسائل تک کو لے لیا گیا ہے۔

”ہنر پنچشم عداوت بزرگتر عیبے است“

ان کے مقابلہ میں سکوت ہی اولیٰ تر (کافی ہے)۔

بہر حال کسی روایت کو اس نقطہ نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے کہ اس سے غیروں کو اعتراض کا موقع ملتا ہے۔ پھر اس واقعہ کو معاشرتی اور ازواجی نقطہ نظر سے دیکھا جائے اور پیش نظر رکھا جائے کہ آپ کی صحبت میں متعدد ازواج کے ساتھ جاریات بھی تھیں۔ تو اس میں کوئی قابل اعتراض بات نظر نہیں آئی۔ صورت واقعہ کو ایک بار پھر اپنے سامنے لائے تو اس کی صحیح نوعیت سامنے آجائے گی۔

۶۔ جس دن یہ واقعہ پیش آیا، اس دن حضرت حفصہؓ کی باری کا دن تھا۔ لیکن اس روز وہ گھر میں موجود نہیں تھیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اپنے والد حضرت عمرؓ سے ملنے گئیں تھیں۔ آنحضرت ﷺ حسب معمول ان کے ہاں تشریف لے گئے، تو مکان خالی پایا۔

حضرت ماریہؓ جیسا کہ اوپر حضرت عائشہؓ کا بیان گزر چکا ہے، حضرت حفصہؓ کے پڑوس میں ہی رہتی تھیں۔ قیاس ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر یا اسی طرح کسی ضرورت سے حضرت حفصہؓ کے مکان پر آئی ہوں گی، اور آنحضرت ﷺ ان سے گفتگو فرمانے لگے ہوں گے، اس اثنا میں حضرت حفصہؓ آگئیں۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو حضرت ماریہؓ کے ساتھ تنہا دیکھ کر تقاضائے صنف لطیف ناراضگی کا اظہار کیا اور آنحضرت ﷺ نے ان کی خاطر کچھ دنوں کے لئے حضرت ماریہؓ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ تو اس میں کوئی بات یا اخلاقی معیار سے گری ہوئی ہے، یا اس میں ازواجی نقطہ نظر سے کونسا سبب نظر آتا ہے۔

## (۸) حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ

امام بخاریؒ نے ادب المفرد میں ایک بات ”عرض الاسلام علی أم النصرانیہ“ باندھا ہے۔ جس کے تحت حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کے قبول اسلام کا ذکر کیا ہے۔ پورا واقعہ یہ ہے۔ ابو کثیر بیان کرتے ہیں :

”سمعت ابی ہریرۃ یقول ماسمع بی احد یهودی ولانصرانی

الاجنبی ان امی کنت اریدھا علی الاسلام فتأبى“۔

”میں نے ابو ہریرہؓ سے یہ واقعہ سنا وہ فرماتے تھے کہ جس یہودی یا نصرانی نے یہ بات سنی

کہ میں اپنی والدہ کو حلقہ اسلام میں لے آنا چاہتا ہوں مگر وہ انکار کرتی ہیں (اور میں برابر

ان کی خدمت کرتا رہتا ہوں اور کچھ نہیں کہتا۔ تو اس نے میرے اس طرز عمل کو پسند کیا“۔

صحیح مسلم اور مسند میں بھی ان کے اسلام کا ذکر موجود ہے۔ مگر اس میں ان کے نصرانی ہونے اور اس واقعہ کے ابتدائی ٹکڑے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ارباب رجال نے بھی ”ام ابی ہریرہ“ کے عنوان سے حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کا تذکرہ کیا ہے لیکن ان میں سے کسی نے بھی ان کے نصرانی ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ مگر امام بخاریؒ نے ان کے نصرانی ہونے کی تصریح کر دی ہے اس لئے ان کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا نسبى تعلق قبیلہ دوس سے تھا۔ جو یمن کا ایک ممتاز قبیلہ تھا اور معلوم ہے کہ یمن کے متعدد ممتاز قبائل نے نصرانیت قبول کر لی تھی۔ اس لئے ممکن ہے کہ دوس میں بھی کچھ لوگوں نے نصرانیت اختیار کر لی ہو۔ جن میں یہ خاتون بھی شامل ہوں۔

جیسا کہ اس واقعہ کے ابتدائی ٹکڑے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس پڑوس میں کچھ یہودی و نصرانی آباد تھے۔ واللہ اعلم بالصواب







## ”تابعات“

### تماضرہ

نام و نسب : تماضر نام تھا۔ حضرت اصبحؑ تابعی کی جو دومۃ الجندل کے حکمران اور مذہباً عیسائی تھے۔ صاحبزادی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کو تماضر کے قبیلہ میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا تھا۔ اس قبیلہ میں سب سے پہلے تماضر کے والد اصبح مشرف بہ اسلام ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے مشورہ سے انہوں نے حضرت عبدالرحمنؓ سے تماضر کا نکاح کر دیا۔ حضرت عبدالرحمنؓ کچھ دن دومۃ الجندل ہی میں رہے پھر وہاں سے اپنی بیوی تماضر کے ساتھ مدینہ چلے آئے۔

تماضر ان کے عقد نکاح میں آخر وقت تک رہیں لیکن مرض الموت میں میاں بیوی میں کچھ شکر رنجی ہو گئی۔ جس کی وجہ سے حضرت عبدالرحمنؓ نے انہیں اپنے حوالہ بحقد سے آزاد کر دیا۔ ان کی وفات کے بعد انہوں نے حضرت زبیرؓ سے شادی کر لی۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان سے بھی جدائی ہو گئی۔

عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی میں تو کہیں ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں اس حیثیت سے ان کا تذکرہ ملت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے انہیں حضرت عبدالرحمنؓ کے ترکہ سے حصہ دیا تھا۔

وفات کی تصریح نہیں ملتی لیکن یہ معلوم ہے کہ حضرت معاویہؓ کے عہد تک زندہ ہیں۔

اولاد : حضرت عبدالرحمنؓ کے صلب سے ان کے ایک صاحبزادے ابو سلمہ تھے۔

## اُم محمد القرظیؓ

اہل رجال نے صحابیات یا تابعات کے ذکر میں ان کا نام نہیں لیا۔ ہے لیکن اصحابہ اور صفوۃ الصفوۃ کی بعض روایتوں سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ صحابیات میں ہوں گی۔ لیکن ان کا صحابیات میں ہونا مشتبہ تھا۔ اس لئے ان کا تذکرہ آخر میں کیا جاتا ہے۔

حضرت کعبؓ کے حالات زندگی اور نیز ایک ضعیف روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ یہود کے قبیلہ نضیر سے تھیں۔ وہ روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ دو کاہنوں میں سے ایک بڑا عالم پیدا ہوگا تو بڑے عالم سے مراد محمد بن کعب ہیں اور دو کاہنوں سے مراد بنو قریظہ اور بنو نضیر ہیں۔ محمد بن کعب کے والد تو بنو قریظہ سے تھے اور ان کی والدہ ام محمد بنو نضیر سے۔

بہر حال اس روایت کی بنا پر ان کا نام اس فہرست میں داخل کیا گیا ہے۔ زندگی کے اور حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

”رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ“



## ”ضمیمہ“

مقدمہ سے متعلق بعض چیزوں کے تلاش و تفحص کے سلسلہ میں کتابوں میں چند اور اہل کتاب بزرگوں کے ناموں پر نظر پڑی جو عہد نبوی میں اسلام لائے تھے۔ مگر چونکہ اس وقت تک کتاب چھپ چکی تھی اس لئے ان کا تذکرہ بطور ضمیمہ آخر میں شامل کتاب کیا جاتا ہے۔

### فروہ بن عمرو حاکم معان :

فروہ معان اور اس کے قرب و جوار کے علاقہ میں قیصر روم کے عامل تھے ان کے پاس براہ راست اگرچہ اسلام کی دعوت نہیں بھیجی گئی مگر ان کو جب کسی ذریعہ سے بعثت نبوی اور دعوت حق کا علم ہوا تو بغیر کسی پس و پیش کے اس کو لبیک کہا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اس کے بعد اپنے خاص قاصد مسعود بن سعید کے ذریعہ بارگاہ رسالت میں اپنے اسلام کی اطلاع دی اور متعدد سواریاں عمدہ چادریں۔ اور قیمتی قبائیں خدمت اقدس میں تحفہ بھیجیں رسول نے ﷺ ان کو قبول کیا اور قاصد کو اپنی طرف سے کچھ تحائف دے کر رخصت فرمایا۔

فروہ کے اسلام لانے کا معان اور اس کے ملحقہ علاقوں میں جہاں کے وہ حاکم تھے کیا رد عمل ہوا۔ اس کا ذکر کتابوں میں نہیں ملتا۔ مگر ظاہر ہے حاکم کی حیثیت سے ان کے اسلام کا کافی چرچا ہوا ہوگا۔ بہت سے خواص اور عوام نے ان کے اثر سے اسے قبول کیا ہوگا اور کتنوں کے عقائد و ایمانیات میں تزلزل آ گیا ہوگا۔ جس کو قیصر روم برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

چنانچہ جونہی اس کو ان چیزوں کی اطلاع ہوئی۔ اس نے فروہ کو دھوکے سے دربار میں طلب کیا۔ پہنچتے ہی ان کو جس دوام کی سزا کا جابرانہ حکم سنا دیا گیا۔ جسے انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ اور اسی قید کی حالت میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ قیصر کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو اس نے لاش شارع عام پر لٹکوا دی۔<sup>۱</sup>

اس کی تصریح نہیں ملتی کہ وہ نصرانی تھے مگر وہ قبیلہ جذام سے تعلق رکھتے تھے۔ جو معان کے قریب آباد تھا اور اس کے متعلق اوپر آچکا ہے کہ وہ نصرانی ہو گیا تھا اس بنا پر وہ بھی نصرانی رہے

۱۔ ہم نے ابن سعد کے بیان کو ترجیح دی ہے۔ زرقانی وغیرہ میں ہے کہ ان کو سولی دے کر شہید کر دیا گیا۔ ابن سعد۔ جلد

ہوں گے۔ دوسرے معان چونکہ بری بحری دونوں حیثیتوں سے بڑا اہم مقام تھا اس لئے قیصر کا ایسی جگہ پر کسی غیر نصرانی کو عامل مقرر کرنا کسی طرح قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔

### ذوالکلاع اور ذوعمر و :

یہ دونوں بزرگ حمیری خاندان کے ممتاز لوگوں میں سے تھے۔ جن کے ہاتھ میں حکومت تو نہیں تھی، مگر اس کا اثر ان میں باقی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جریر بن عبد اللہ الجلی کو اسلام کا پیغام دے کر ان کے پاس بھیجا۔ ایک دن حضرت جریر ان کو احادیث نبوی ﷺ سنا رہے تھے کہ ذوعمر و نے کہا تم جن کی حدیثیں سنا رہے ہو، ان کا تو انتقال ہو گیا۔ جریر یہ اندھناک خبر سنتے ہی وہاں سے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں کچھ سوار ملے، جن سے اس کی تصدیق ہو گئی۔ حضرت جریر وہیں سے پھر واپس لوٹ آئے اور ان دونوں آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ذوالکلاع کے متعلق ذکر ہے کہ وہ ایک بار حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے ان کو شام کی مہم پر بھیج دیا۔

محمد بن حبیب نے ذوعمر و کے متعلق لکھا ہے کہ یہودی تھے، لیکن ذوالکلاع کے مذہب و عقیدہ کے متعلق کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ مگر حمیری خاندان سے ان کا تعلق ان کی یہودیت کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

عسسان : عہد نبوی میں غسانیوں کے کسی فرد کے اسلام قبول کرنے کا تذکرہ عام طور سے کتابوں میں نہیں ملتا۔ مگر زرقانی اور ابن سعد نے نام کی تصریح کئے بغیر لکھا ہے کہ تین نیک فطرت غسانی (غالباً ۱۰ھ میں) حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں آئے اور یہ کہہ کر کہ آپ جو تعلیم لائے ہیں، وہ حق پر ہے، مشرف باسلام ہو گئے۔ جب واپس جانے لگے تو حضور نبوی ﷺ میں عرض کیا کہ جس دن کو ہم نے قبول کیا ہے اس کو ہم اپنی قوم کے پاس لئے جا رہے ہیں، معلوم نہیں وہ قبول کرے گی یا نہیں۔ پھر انہوں نے اپنی قوم کی ذہنی اور اخلاقی حالت کا ان لفظوں میں نقشہ کھینچا :

”وہم یحبون بقاء ملکهم و قرب قیصر“

”ان کا حال یہ ہے کہ اپنے ملک کی بقاء اور قیصر کے تقرب کو ہر چیز سے زیادہ محبوب

رکتے ہیں۔“

آنحضرت ﷺ نے ان کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت فرمایا۔ وطن پہنچے تو قوم کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی۔ مگر اس کے دل و دماغ پر مائیت کے اتنے توبہ تو پر دے پڑے تھے کہ نور حق سے وہ اپنے دل و دماغ کو روشن نہ کر سکے، اور اسلام کی رحمت عام سے محروم رہ گئے۔

غسانوں نے ان داعیانِ حق کے ساتھ کچھ بُر سلوک بھی کیا ہو تو تعجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ رومیوں کے زیرِ اثر تھے، اور رومی اپنے مقبوضات میں اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ بُر سلوک کرتے تھے۔ فروہ بن عمرو کا واقعہ اوپر گزرا چکا ہے۔ ان ہی بد سلوکیوں اور مظالم کے ڈر سے ان حضرات نے اپنے اسلام کو چھپانا مناسب سمجھا اور دعوت ترک کر دی۔ ان میں سے دو بزرگ اسی غربت و اجنبیت کی حالت میں جان بحق ہو گئے اور ایک صاحبِ عہد فاروقی تک زندہ رہے اور جنگِ یرموک کے دن حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالارِ لشکرِ اسلام کی خدمت میں آئے اور اپنے اسلام کی آپ کو اطلاع دی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے ان کا بڑا اعزاز و اکرام کیا اور یہ سلوک ان کے ساتھ آخر تک قائم رکھا۔

بنو تغلب: بنو تغلب کے چند افراد کا تذکرہ کتاب میں موجود ہے۔ مسند احمد اور طبقات ابن سعد میں حرب بن ہلال کی روایت سے یہ واقعہ درج ہے۔ کہ ایک تغلمی بزرگ آنحضرت ﷺ کی خدمتِ بابرکت میں آئے۔ آپ ﷺ نے انہیں شراعی اسلام سکھائے۔ اس کے بعد انہوں نے اسلام قبول کرنے والوں پر جزیہ لگانے کے متعلق دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، جزیہ یہود و نصاریٰ پر عائد ہوتا ہے۔ ان میں سے مسلمان ہو جانے والوں پر نہیں۔

ان بزرگ کے مذہب کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔ مگر بنو تغلب کے متعلق آچکا ہے کہ یہ قبیلہ نصرانی تھا۔

دوسرے یہ کہ اسلام لانے کے بعد انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اپنے اہل وطن مومنین اہل کتاب پر جزیہ لگانے کے متعلق استفسار کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ جو اہل کتاب اسلام قبول کر لیں، ان پر بھی جزیہ لگتا ہے۔ مگر آپ ﷺ نے نفی فرمادی۔

تمت

